قرآنی آیات کے اخیر میں اسماء حسنیٰ لانے کی وجوہات

حکمتیں، مصلحتیں، لطائف، مناسبات

مؤلف

(حضرت مولانا مفتی) اقبال بن محمد ٹنکاروی صاحب

(شیخ الحدیث ومہتمم دار العلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا)

تفصیلات

نام کتاب	:	آیات کے اخیر میں اسماء حسنیٰ لانے کی وجوہات حکمتیں، مصلحتیں، لطائف، مناسبات
مؤلف	:	مولانا مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی صاحب (شیخ الحدیث ومہتمم دارالعلوم ماٹلی والا)
صفحات	:	۴۴۶
سن طباعت	:	۱۴۴۱ھ = مطابق ۲۰۱۹ء
قیمت	:	

ملنے کا پتہ

مکتبہ: ابوبکر ربیع بن صبیح بصری
دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا، عیدگاہ روڈ، بھروچ
گجرات، انڈیا۔ ۳۹۲۰۰۱

فہرست مضامین

نمبر	عناوین	صفحة
۱	مقدمہ: حضرت مولانا مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی مدظلہ	۱۲
۲	موضوع کی اہمیت وفضیلت	۱۵
۳	منہج وطریقۂ کار	۱۷
۴	آیات کے اخیر میں اسماء حسنی لانے کی وجوہات	۱۸
۵	اسماء وصفات کے ذریعہ ختم آیات، احکام کی تعلیل بیان کرنے کے لئے، احکام کے ساتھ جزاء کی تعلیل	۱۹
۶	اسماء وصفات کا ختم آیات پر بطور شرط یا جواب شرط کے آنا	۲۱
۷	احکام کو ثابت کرنے کے لئے اسماء وصفات سے ختم کرنا، ترغیب کے لئے اسماء وصفات کا ختم آیات میں ذکر	۲۲
۸	ترغیب وخوف دلانے کے لئے ختم آیات میں صفات کا ذکر، وہم واعتراض کو دور کرنے کے لئے...	۲۳
۹	اسماء وصفات کے ذریعہ ختم آیات کا اثر کی دلالت کی مناسبت سے ذکر کرنا	۲۴
۱۰	قرآن کریم میں کثرت سے آنے والے اسماء حسنیٰ	۲۵
۱۱	آیات کے اخیر میں آنے والے اسماء حسنیٰ کا اجمالی خاکہ	۳۳
۱۲	اسماء حسنیٰ کے سلسلے کی احادیث کی تحقیق	۳۹
۱۳	نقشہ روایت اسماء اللہ تعالیٰ (عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)	۴۶
۱۴	اللہ ربُّ العزت کے ننانوے اسماء حُسنٰی	۴۷
۱۵	اسمائے حسنیٰ کے سلسلے میں اہل سنت والجماعت کا مذہب	۵۴
۱۶	اسماء حسنی کے قواعد وضوابط	۵۶
۱۷	اللہ تعالیٰ کے اسماء اعلام واوصاف ہیں	۶۴
۱۸	اللہ تعالیٰ کی صفات پر ایمان لانے کے قواعد	۶۶

۱۹	ایک ہی مادہ سے نکلنے والے مختلف اسماءِ حسنیٰ کا باہمی فرق	۷۱
۲۰	آیات کے اخیر میں اسماءِ حسنی شمار کرنے کا طریقہ	۸۳
۲۱	**آیات قرآنی کے اخیر میں مذکور اسماء حسنی**	۱۰۸
۲۲	**توّاب:** آیت کے اخیر میں صفت توّاب ایک جگہ پر ہے۔	۱۰۸
۲۳	استغفار کے حکم میں حکمت	۱۰۹
۲۴	**حسیب**: صفت حسیب تین آیتوں میں مذکور ہے	۱۰۹
۲۵	**رقیب:** رقیب دو آیتوں میں آیا ہے:	۱۱۲
۲۶	مذکور صفت کے مواقع:	۱۱۲
۲۷	**سمیع قریب**، صفت قرب کے خواص و مدارج:	۱۱۳
۲۸	دو اسم کے ایک ساتھ آنے میں نکتہ:	۱۱۵
۲۹	سمیع سے متعلق ایک نکتہ:	۱۱۵
۳۰	قریب ایک آیت میں آیا ہے، **قریب مُجِیب**	۱۱۶
۳۱	صفت مذکور کی اللہ پاک کی طرف اضافت اور بندوں کی طرف اضافت میں فرق	۱۱۷
۳۲	**مجیب** ایک آیت میں آیا ہے	۱۱۷
۳۳	**وَهَّاب**، وہاب تین آیتوں میں مذکور ہے	۱۱۸
۳۴	**علام الغیوب**	۱۲۱
۳۵	**سریع الحساب**	۱۲۳
۳۶	مؤمنین کے جزاء والی آیات	۱۲۴
۳۷	کفار و اہل کتاب کی وعید والی آیات	۱۲۴
۳۸	سریع کے ساتھ عقاب والی آیات	۱۲۵
۳۹	سریع صفت حساب کے ساتھ ۸ آیتوں میں مذکور ہے۔	۱۲۵
۴۰	عقاب کے ساتھ ۲ آیات میں مذکور ہے۔	۱۲۸

۴۱	**شدید العقاب**	۱۲۸
۴۲	شدید کے مقامات، صفت شدید، عقاب کے ساتھ	۱۲۹
۴۳	عذاب کے ساتھ	۱۳۰
۴۴	محال کے ساتھ	۱۳۰
۴۵	عذاب وعتاب میں فرق	۱۳۱
۴۶	شدید عقاب کے ساتھ ۷ آیتوں میں مذکور ہے۔	۱۳۱
۴۷	شدید المحال، صفت شدید المحال کے ساتھ ایک آیت میں آئی ہے۔	۱۳۳
۴۸	**مقیت**، مقیت ایک آیت میں آیا ہے۔	۱۳۴
۴۹	**الاحد**	۱۳۵
۵۰	خصوصیات	۱۳۵
۵۱	ملحوظہ	۱۳۶
۵۲	**الواحد**	۱۳۶
۵۳	واحد ایک آیت میں آیا ہے، **صمد**	۱۳۷
۵۴	**احد** اور **صمد** سورہ اخلاص میں ہے۔	۱۳۸
۵۵	**الحمید**، حمید ۱۳ مقامات میں ۴ طریقوں سے (عزیز، غنی، ولی کے ساتھ اور اکیلے) بھی آیا ہے۔	۱۳۹
۵۶	**العزیز الحمید**، مذکور صفات لانے میں حکمت	۱۴۰
۵۷	**غنی حمید**	۱۴۲
۵۸	صفت غنی کے ساتھ اس میں تین طریقے ہے۔	۱۴۳
۵۹	[۱] پانچ آیتوں میں تاکید کے طرز پر مذکور ہے۔	۱۴۳
۶۰	[۲] دو آیتوں میں حصر کا شائبہ ہے۔	۱۴۵
۶۱	[۳] کان کے ساتھ ایک آیت میں ہے۔	۱۴۶
۶۲	**الولی الحمید**	۱۴۶

۶۳	آثار رحمت	۱۴۷
۶۴	ولی کے ساتھ ایک آیت میں ہے۔	۱۴۸
۶۵	**الشھید** مختلف مواقع اور شھید کا معنیٰ	۱۴۹
۶۶	شہید دس آیات میں تین طرز پر مذکور ہے۔	۱۵۰
۶۷	[۲] تاکید کے اسلوب پر شہید تین آیتوں میں ہے۔	۱۵۲
۶۸	[۳] چار آیات میں عدم تاکید کا اسلوب ہے۔	۱۵۳
۶۹	**رحیم ودود** ''ودود'' دو آیتوں میں مذکور ہے۔	۱۵۵
۷۰	**الغفور الودود** اللہ پاک کا مخلوق سے محبت کرنا	۱۵۷
۷۱	**حمید مجید**	۱۵۸
۷۲	صفت حمید کو مجید پر مقدم کرنے کی وجہ	۱۵۹
۷۳	مجید دو جگہوں میں آیا ہے۔	۱۶۰
۷۴	**بصیر** صفت بصیر تین اسلوب کے ساتھ ۲۶ مقامات پر مذکور ہے۔	۱۶۱
۷۵	[۱] وہ آیات جن میں تنہا بصیر ہے، اس میں تین اسلوب ہے۔	۱۶۲
۷۶	**خبیر بصیر**	۱۶۷
۷۷	خبیر و بصیر کا فرق	۱۶۸
۷۸	فعل اور عمل کے معنی میں فرق	۱۶۸
۷۹	[۲] خبیر کے ساتھ دو طریقوں سے آتا ہے۔	۱۶۹
۸۰	خبیر کو مقدم کرنے میں حکمت۔	۱۶۹
۸۱	[۳] **السمیع البصیر** سمیع کے ساتھ ۴ طریقوں سے آتا ہے۔	۱۷۲
۸۲	دو چیزوں میں مماثلت سے وہم نہ ہونا	۱۷۶
۸۳	**خبیر**	۱۷۶
۸۴	خبیر پر ختم ہونے والی آیات کا ضابطہ، محور اول	۱۷۸

۸۵	محور ثانی	۱۷۹
۸۶	خبیر ۲۸ جگہوں میں چار طریقوں سے آیا ہے:۔	۱۸۰
۸۷	[۱] محض خبیر دس آیات میں تین اسلوب کے ساتھ آیا ہے	۱۸۰
۸۸	[۲] **الحکیم الخبیر**، حکیم کے ساتھ	۱۸۶
۸۹	**علیما خبیرا**	۱۸۸
۹۰	[۳] علیم کے ساتھ، اور اس میں تین طرق ہیں۔	۱۸۸
۹۱	**لطیف خبیر**، لطیف کے معانی اور مواقع	۱۸۹
۹۲	[۴] لطیف کے ساتھ، اور اس میں دو اسلوب ہیں۔	۱۹۱
۹۳	**شاکر علیم، شاکر** اور شکور ۵ آیتوں میں مذکور ہے۔	۱۹۴
۹۴	**غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ**	۱۹۶
۹۵	مذکور صفت کے قرآن میں مواقع	۱۹۷
۹۶	**الغفور**	۱۹۸
۹۷	[۱] غفور تنہا تاکید کے اسلوب پر مع کان استمرار کے ایک آیت میں آیا ہے۔	۱۹۹
۹۸	[۲] **عَفُوٌّ غفور**، غفور ۱۰ آیتوں میں آیا ہے۔	۲۰۰
۹۹	[۳] **حلیما غفورا**، حلیم کے ساتھ تاکید کے طرز پر مع کان استمراری کے دو آیتوں میں	۲۰۲
۱۰۰	[۴] **عزیز غفور**، عزیز کے ساتھ دو آیتوں میں ہے۔	۲۰۴
۱۰۱	**الرَّحِيْمُ الْغَفُوْرُ**	۲۰۵
۱۰۲	[۵] رحیم کے ساتھ ایک آیت میں ہے۔	۲۰۶
۱۰۳	[۶] **رب غفور**، رب کے ساتھ ایک آیت میں آیا ہے۔	۲۰۶
۱۰۴	غفار، غفار دو اسلوب کے ساتھ آیا ہے۔	۲۰۷
۱۰۵	**العزیز الغفار**، عزیز کے ساتھ تین آیتوں میں آیا ہے۔	۲۰۸
۱۰۶	**القادرُ**، قادر ایک آیت میں آیا ہے۔	۲۰۹

۱۰۷	**قدیر**، مذکور صفت کے قرآن میں مواقع اور مناسبت	۲۱۱
۱۰۸	**علیما قدیرا**	۲۱۳
۱۰۹	علیم کے بعد قدیر لانے میں حکمت	۲۱۵
۱۱۰	قدیر ۴۰ آیات میں تین طرق سے آیا ہے۔	۲۱۵
۱۱۱	**غفوا قدیرا**	۲۲۸
۱۱۲	**الواحد القهار**، قہار ۶ آیتوں میں الواحد کے ساتھ مذکور ہے۔	۲۲۹
۱۱۳	**العلی الکبیر**، العلی کے ساتھ الکبیر لانے کی حکمت	۲۳۱
۱۱۴	کبیر ۵ آیات میں آیا ہے۔	۲۳۳
۱۱۵	**المُقتدِرُ**، قرآن مجید میں واقع مقامات میں مذکور صفت ذکر کرنے میں حکمت	۲۳۴
۱۱۶	مقتدر ۳ آیات میں آیا ہے۔	۲۳۵
۱۱۷	**نعم المَوْلیٰ و نعم النصیر**	۲۳۸
۱۱۸	قرآن میں جائے ورود اور مناسبت	۲۳۹
۱۱۹	نصیر ۴ آیات میں آیا ہے۔	۲۳۹
۱۲۰	**هادیا و نصیرا**	۲۴۱
۱۲۱	**القوی العزیز**، القوی کے بعد العزیز لانے میں حکمت خداوندی	۲۴۲
۱۲۲	عزیز ۶ آیتوں میں تین اسلوب کے ساتھ آیا ہے۔	۲۴۴
۱۲۳	**اَلْمُحِیط**	۲۴۷
۱۲۴	علیم اور محیط کی موافقت	۲۴۷
۱۲۵	محیط ۸ آیات میں ۴ اسلوب کے ساتھ آیا ہے۔	۲۴۸
۱۲۶	**الحفیظ**، حفیظ دو آیتوں میں دو اسلوب کے ساتھ آیا ہے۔	۲۵۲
۱۲۷	**واقِ**، واق تین آیتوں میں آیا ہے۔	۲۵۵
۱۲۸	**الکبیر المتعال**، متعال ایک آیت میں آیا ہے۔	۲۵۷

۱۲۹	**وال**،وال ایک آیت میں آیا ہے۔	۲۵۸
۱۳۰	**الوکیلُ**،وکیل ۱۳ آیتوں میں (۱۶) اسلوب سے مذکور ہے۔	۲۵۹
۱۳۱	**الاکرم**،اکرم ایک آیت میں ہے۔	۲۶۶
۱۳۲	**ذو الجلال و الاکرام**	۲۶۷
۱۳۳	**ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِکْرَامِ** دو آیتوں میں آیا ہے۔	۲۶۷
۱۳۴	**عزیز ذو انتقام**،**ذُو انْتِقَامٍ** ۴ آیتوں میں آیا ہے۔	۲۶۸
۱۳۶	**الرحیم**،مذکور صفت اور مقام سے مناسبت	۲۷۱
۱۳۷	رحیم آٹھ وجوہ سے مذکور ہے۔تنہا منفرد ۳۴ آیات میں ہے۔	۲۷۳
۱۳۸	**بر رحیم**	۲۷۵
۱۳۹	**التواب الرحیم**	۲۷۶
۱۴۰	**رب رحیم**	۲۸۱
۱۴۱	رحیم رب کے ساتھ ایک آیت میں آیا ہے۔مذکور صفت کی مقام سے مناسبت	۲۸۳
۱۴۲	**الرحمٰن الرحیم**	۲۸۴
۱۴۳	**رؤوف رحیم**	۲۸۸
۱۴۴	قرآن میں مذکور مقامات سے مناسبت،رووف اور رحیم میں فرق	۲۸۹
۱۴۵	**العزیز الرحیم**،صفت عزیز کے ساتھ صفت رحیم لانے میں حکمت۔	۲۹۴
۱۴۶	عزیز کے ساتھ ۱۳ آیات میں (۱۳) اسلوب کے ساتھ آیا ہے۔	۲۹۵
۱۴۷	**الغفور الرحیم**	۲۹۹
۱۴۸	غفور کے ساتھ چار اسلوب سے آیا ہے۔	۳۰۰
۱۴۹	**العزیز الحکیم**	۳۲۳
۱۵۰	صفت عزیز و حکیم کی ایک ساتھ آنے کی حکمتیں	۳۲۴
۱۵۱	چند آیات اور دعوتِ غور و فکر	۳۲۹

۱۵۲	حکیم پانچ اسلوب کے ساتھ آیا ہے۔	۳۳۱
۱۵۳	علیم کے ساتھ تین طرق سے آیا ہے	۳۵۲
۱۵۴	**واسعا حکیما**، حکیم واسع کے ساتھ ایک آیت میں آیا ہے۔	۳۶۳
۱۵۵	**العلی الحکیم**، حکیم علی کے ساتھ ایک آیت میں آیا ہے۔	۳۶۵
۱۵۶	**تواب حکیم**، حکیم تواب کے ساتھ ایک آیت میں آیا ہے۔	۳۶۷
۱۵۷	**الشکور الحلیم**، حلیم چار اسلوب کے ساتھ ۶ آیات میں آیا ہے۔	۳۶۸
۱۵۸	**الغفور الحلیم**	۳۶۹
۱۵۹	**غنی حلیم**	۳۷۱
۱۶۰	العالمین کے ساتھ مذکور صفت لانے میں حکمت	۳۷۲
۱۶۱	شان بے نیازی اور بردباری	۳۷۳
۱۶۲	**العظیم**، مذکور صفت قرآن میں	۳۷۴
۱۶۳	عظیم دو اسلوب کے ساتھ آیا ہے۔	۳۷۵
۱۶۴	**علی عظیم**	۳۷۶
۱۶۵	**ذو الفضل العظیم**	۳۷۹
۱۶۶	**علیم**	۳۸۱
۱۶۷	صفت علیم کے استعمال کے مواقع	۳۸۴
۱۶۸	(۱) تخلیق، (۲) احوال، (۳) اعمال	۳۸۵
۱۶۹	(۴) رزق وغیرہ کی تقسیم، (۵) اوامر ونواہی	۳۸۶
۱۶۰	صفت علیم منفرداً (۲۶) مقامات پر مذکور ہے۔	۳۸۸
۱۶۱	**حکیم علیم**، صفت علیم صفت حکیم کے ساتھ ۵ جگہوں پر مذکور ہے۔	۳۹۷
۱۶۲	حکیم کو مقدم کرنے میں حکمت:	۳۹۹
۱۶۳	**سمیع علیم**، صفت علیم صفت سمیع کے ساتھ (۱۲) مرتبہ تاکیداً آئی ہے۔	۴۰۰

۱۶۴	''کان'' کے ساتھ ایک آیت مذکور ہے، اسلوب تاکید اور کان استمراریہ کے بغیر ۱۳ آیتوں میں ذکر کیا ہے۔	۴۰۶
۱۶۵	**شاکرا علیما**	۴۱۱
۱۶۶	صفت علیم صفت شاکر کے ساتھ دو جگہوں پر آئی ہے۔	۴۱۲
۱۶۷	صفت علیم صفت عزیز کے ساتھ ۶ مقامات پر آئی ہے۔ مذکور صفت کا استعمال مظاہر قدرت میں	۴۱۴
۱۶۸	قضاء وفیصلہ سے صفت علم کو مناسبت	۴۱۵
۱۶۹	نزول کتاب میں مذکور صفت کا آنا	۴۱۶
۱۷۰	**الفتاح**، صفت علیم صفت فتاح کے ساتھ ایک مقام پر ہے۔	۴۱۷
۱۷۱	**خلاق علیم**، صفت خلق کے ساتھ صفت علیم لانے میں حکمت، خلاق کے ساتھ علیم کی مناسبت	۴۱۹
۱۷۲	صفت علیم صفت خلاق کے ساتھ دو جگہوں پر آیا ہے۔	۴۲۱
۱۷۳	صفت علیم صفت واسع کے ساتھ چار مقامات پر مذکور ہیں	۴۲۲
۱۷۴	**الحی القیوم**، قیوم ایک آیات میں آیا ہے۔	۴۲۴
۱۷۵	**الکَرِیمُ، غنی کریم**	۴۲۶
۱۷۶	کریم دو آیتوں میں آیا ہے۔	۴۲۷
۱۷۷	**الرَّحْمٰنُ**، الرحمٰن ایک آیت میں آیا ہے۔	۴۲۸
۱۷۸	**الحق المُبِین**، مبین ایک آیت میں آیا ہے۔	۴۳۰
۱۷۹	**الرزاق ذو القوة المَتِین**، متین ایک آیت میں آیا ہے۔	۴۳۳
۱۸۰	**اللہ**، اللہ ایک آیت میں آیا ہے۔	۴۳۵
۱۸۱	**سمیع الدعاء**	۴۴۰
۱۸۲	**الاعلیٰ**	۴۴۲
۱۸۳	مذکور صفت کے رب کے ساتھ لانے میں حکمت، اعلیٰ دو آیات میں آیا ہے۔	۴۴۳
۱۸۴	**الحفیُّ**	۴۴۴
۱۸۶	مذکور صفت کی موقع نزول سے مناسبت، **حفی** ایک آیت میں مذکور ہے۔	۴۴۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

{مقدمہ}

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین، وعلی آلہ وصحبہ اجمعین، ومن تبعھم باحسان الی یوم الدین ،اما بعد!

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے حیات مستعار کے بعد سب سے بڑی نعمت ایمان اور اعمال صالحہ ہے، اور اگر کسی کو اللہ پاک اور اس کی صفات واسمائے حسنی کی معرفت حاصل کرنے میں مشغولیت نصیب ہوجائے تو زہے قسمت ، کائنات کا حاصل معرفت الٰہیہ ہے، اور معرفت اسمائے حسنی وصفات میں غوروفکر کرنے سے حاصل ہوتی ہے، اسی وجہ سے قرآن کریم کا ایک بڑا حصہ اللہ پاک کی قدرت وطاقت ،سطوت وعظمت اور انعامات سے بھرا پڑا ہے، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات اور خاص کرکے رات کی دعاؤں میں بھی کثرت سے صفات الٰہیہ کا تذکرہ ہے، جو ایک مؤمن کے دل میں اللہ تعالیٰ کی کبریائی وعظمت کا استحضار پیدا کرتی ہیں، خیر القرون سے ہی علمائے امت نے اسمائے حسنی کو موضوع سخن بنا کر بہت ساری کتابیں لکھی ہیں، بندہ بھی قرآن شریف کی تلاوت اور تفسیر کے درس کے دوران اسمائے حسنی پر غور کرتا تو عجیب وغریب مناسبت ومطابقت معلوم ہوتی تفسیر کی کتابوں میں اسماء حسنی کے سلسلہ میں اچھی خاصی بحث کی جاتی ہے، اسی مناسبت سے جب آیات کے ختم پر آنے والی صفات مفردہ ومرکبہ (مجاورہ) پرغور کرتا تو بڑی لطیف مناسبت کا احساس ہوتا ،اسی درمیان بخاری شریف کی کتاب التوحید اور ختم بخاری کے موقع کی مناسبت سے حدیث شریف کی کتابوں کے مطالعہ کا موقع ملا؛ نیز حزب الاعظم اور مناجات مقبول کی دعاؤں میں بھی صفات الٰہیہ میں غوروفکر کرنے کا موقع فراہم ہوا، تلاوت کے دوران بار بار یہ داعیہ پیدا ہوا کہ آیات کے ختم پر جو صفات مذکور ہوئی ہے ان کو آیات کے سیاق وسباق کے ساتھ گہری مناسبت ہے، کہیں کہیں ایسا بھی ہوا کہ بظاہر مناسبت بعیدہ معلوم ہوئی؛ لیکن جب تفسیر یا اسماء حسنی کے متعلق کتابیں دیکھی تو عجیب وغریب لطیف ربط کا پتہ چلا ،ان تمام عوامل نے یہ تقاضہ کیا کہ فواصل وخواتم آیات کی صفات کے سلسلہ میں مزید معلومات کی ضرورت ہے، اسی موضوع کی مستقل کتابوں کی تلاش وجستجو شروع کی تو کافی مشکلات کے بعد نیٹ پر درج ذیل چند کتابوں کا پتہ چلا۔

(۱) **الاعجاز البیانی فی نظم خواتم الآیات المشتملۃ علی اسماء اللہ الحسنی** (الباحث: عاطف رجب جمعہ القانوع)

(۲) **اسماء اللہ الحسنی وصفاتہ وحکمۃ وجودھا فی فواصل الآیات القرآنیۃ** (الباحث: مرزا محمد)

(۳) **ختم الآیات القرآنیۃ باسماء اللہ الحسنی بین اعجاز المعنی وروعۃ البیان** (اعداد: الطالب فاروق برحال)

(۴) **اسماء اللہ الحسنی آثارھا واسرارھا** (دکتور محمد بکر اسماعیل)

(۵) **ختم الآیات بالاسماء والصفات الالھیہ** (دراسۃ تحلیلیۃ)

(۶) **شرح ابن القیم لاسماء اللہ الحسنی** (دکتور عمر سلیمان الاشقر)

اور بھی دوسری کتابیں کسی مستقل سورت (سورہ بقرہ، آل عمران، نساء، حج اور سورۂ انفال) کے خواتم وفواصل کے عنوان سے پڑھنے کا موقع ملا، کافی تلاش وجستجو کے بعد جب اوپر ذکر کردہ چند عربی کتابیں ملی تو ان میں--- ماشاء اللہ تعالیٰ--- یہ مواد بڑی وافر مقدار میں ملا اور سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ان مصنفین نے جن کتابوں کا حوالہ دیا ان کو براہ راست پڑھنے کا موقع ملا، اس میں تفسیر رازی، روح المعانی، البحر المحیط، قرطبی وغیرہ کے ساتھ شیخ طاہر ابن عاشور کی کتاب **التحریر والتنویر** اور شیخ عبدالرحمن بن ناصر سعدی کی کتاب "**تیسیر الکریم الرحمن فی تفسیر القرآن**" سے کافی استفادہ کیا گیا۔

قاضی سلیمان منصور پوری کی کتاب شرح اسماء اللہ الحسنی سے بھی اچھی اور نادر باتیں جو موضوع کے مناسب تھی وہ تحریر کی گئی، اسی طرح عربی واردو میں اسماء حسنی پر لکھی ہوئی دسیوں کتابوں کا مطالعہ کیا گیا، لیکن موضوع سے متعلق مواد مذکورہ چند کے علاوہ کسی کتاب میں نہیں مل پایا، کیوں کہ ان حضرات کا موضوع اسماء حسنی کے معانی بیان کرنا تھا، خواتم و فواصل ان کا موضوع ہی نہیں تھا۔

اردو زبان میں --- میری ناقص معلومات کے مطابق--- کوئی مستقل کتاب نہیں مل پائی، لیکن بیان القرآن اور معارف القرآن (مولانا ادریس کاندھلویؒ) میں آیات کے آخر میں صفات کی تفسیر کرتے ہوئے کچھ نہ کچھ مناسبت ذکر کی جاتی ہے، جو اگرچہ بہت مختصر ہوتی ہے، لیکن بڑی جامع ومانع ہوتی ہے، لہذا مناسب یہ سمجھا کہ معارف ادریسی سے پوری آیت کی تفسیر نقل کی جائے؛ تاکہ سیاق وسباق کی روشنی میں صفات الہیہ سے مناسبت سمجھ میں آسکے، اس کے علاوہ **الاعجاز البیانی، اسماء اللہ الحسنی وصفاتہ وحکمۃ وجودھا فی فواصل الآیات القرآنیہ، التحریر**

والتنویر اور دیگر تفسیر کی کتابوں سے فواصل اسماء حسنی کے مضمون سے مناسبت کو نقل کیا جائے۔

اردو زبان میں اسماء حسنی کے سلسلہ میں بہت ساری کتابیں دست یاب ہیں؛ لیکن سب سے زیادہ محنت وکوشش اگر کسی نے کی ہے تو وہ محترم جناب رشید اللہ یعقوب صاحب ہیں، انہوں نے **"اسماء اللہ عزوجل قرآن وحدیث کے مطابق"** نامی کتاب لکھی ہے، جس کی دو جلدیں ہیں اور مجموعی طور پر (پہلی جلد ۲۵۴، اور دوسری جلد ۶۳۱) کل ۸۸۵ صفحات میں انتہائی عرق ریزی وشدید محنت کے ذریعہ بہت ہی شاندار کلام کیا ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ آپ کے پاس اسماء حسنی کے سلسلہ میں بہت بڑا ذخیرۂ کتب موجود ہے، آپ نے کتاب کی پہلی جلد میں جو مآخذ ومراجع ذکر کئے ہیں ان میں عربی کتابوں کی تعداد ۱۲۹ / رہے، اور دوسری جلد میں مزید ۵۰ / حوالے، اردو کتب کی تعداد ۳۰، اور فارسی کتابوں کی تعداد ۱۳ / رہیں۔

آپ نے کتاب کی جلد دوم کے صفحہ نمبر ۴۴ سے لے کر صفحہ نمبر ۱۲۶ تک تمام اسماء حسنی کو (جن کی تعداد ۳۱۹ ہیں، ۱۷۳ آیات قرآنیہ اور ۱۳۴۴ / احادیث مبارکہ کے مستند حوالوں کے ساتھ) نقل کیا ہے۔ سب سے پہلے اسماء حسنی کو ذکر کیا ہے، پھر قرآن کریم میں بطور اسم اور بطور اسم فاعل کتنی مرتبہ آیا ہے، اس کو ذکر کیا ہے، پھر آیات قرآنیہ سورت وآیت نمبر کے ساتھ ذکر کی ہیں، اسی طرح حدیث شریف میں بطور اسم کے کتنی مرتبہ اور کن کن کتابوں میں آیات ہے اس کا بھی حوالہ تحریر کیا ہے۔

بعض علمائے کرام نے اسماء حسنی کے لئے قواعد وضوابط مستنبط کئے ہیں، جیسے کہ علامہ ابن حزمؒ نے ۸۴ / اسماء کی قرآن وحدیث سے تخریج کی ہے، شیخ ابن عثیمین نے ۹۹ / اسماء کی قرآن وحدیث سے تخریج کی ہے، جن میں کچھ اسماء حسنی حدیث ترمذی میں نہیں ہے، مثلاً **الاحد، الاعلی، الاکرم، الاله، الحفی، الخلاق، الملیک، الجمیل، الجواد، الرب، الرفیق، السبوح، السید، الشافی، الطیب، المنان، الوتر.**

(القواعد المثلی فی صفات اللہ واسماء الحسنی، ص: ۲۱)

اسی طرح محدث شیخ ابن منده نے کتاب التوحید میں اور امام بیہقیؒ نے **الاسماء والصفات** میں اور شیخ محمود عبدالرزاق رضوانی اور شیخ احمد عبدالہادی الصغیر نے بھی حدیث ترمذی کے اسماء الہیہ میں کمی بیشی کی ہے۔

اس وجہ سے ختم آیات میں کام کرنے والے حضرات کو یہ پریشانی لاحق ہوئی کہ کن اسماء الہیہ کو ترجیح دیں؟ لہٰذا اس سلسلہ میں یہ مناسب سمجھا گیا کہ ختم آیات والے اسماء وصفات پر جن حضرات نے کلام کیا ہے، ان تمام اسماء وصفات کو لے لیا جاوے، چنانچہ **الاعجاز البیانی فی نظم خواتم الآیات** کے مقالہ نگار استاذ عاطف رجب جمعہ القانوع نے اپنی

ترتیب میں مجموعی طور پر ۳۷۷ر اسماء حسنی کو ذکر کیا ہے، جو آیات کے آخر میں آئے ہیں، اس میں ۵۰ر اسماء حسنی وہی ہیں جو ترمذی شریف میں ولید بن مسلم کے حوالے سے ہیں، اور ۱۳ر اسماء حسنی شیخ ابن العثیمین کے ذکر کردہ ہیں، دو اسماء حسنی **الشدید** اور **الوب** ابن مندہ کے حوالے سے ذکر کئے ہیں، اور آٹھ اسماء حسنی امام بیہقی کے حوالے سے ذکر کئے ہیں، اور اسماء حسنی کی ترتیب کو انہوں نے ان کی کثرت تعداد کے اعتبار سے ذکر کیا ہے۔

اسم اعظم اسم جلالہ ''اللہ'' کو انہوں نے ختم آیات میں شمار نہیں کیا ہے، لیکن شیخ مرزا محمد نے **اسماء اللہ تعالی وصفاته وحكمة وجودها......** میں اس کو بھی خواتم آیات میں شمار کیا ہے، اور سورۂ انفطار کی آیت کریمہ ''**والامر يومئذ لله**'' کو بطور مثال پیش کیا ہے۔

ملحوظه:

شیخ مرزا محمد کی کتاب ''**اسماء الله تعالى وصفاته وحكمة وجودها فى فواصل الآيات القرآنية**'' کا نسخہ نیٹ پر دست یاب ہے، وہ تصحیح شدہ نہیں ہے، اس میں کتابت کی اغلاط کے علاوہ کئی جگہ عبارت میں سقم بھی ہے، کافی تلاش وجستجو کے باوجود اس کا تصحیح شدہ نسخہ نہیں مل پایا، تو کئی مقامات پر سیاق وسباق کا اندازہ لگا کر عبارت درست کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کتاب میں مرزا سے آپ کی اسی کتاب کا حوالہ مقصود ہے، اور قاضی منصور پوری کے حوالے سے قاضی سلیمان صاحب کی معارف الاسماء شرح اسماء اللہ الحسنی مراد ہے، اور غزہ سے **الاعجاز البيانى فى نظم خواتم الآيات** مراد ہے۔

موضوع کی اہمیت وفضیلت:

اسماء حسنیٰ کا معنیٰ دقیق جاننا، مترادف نظر آنے والی صفات سے اس مذکور صفت کا معنوی فرق جاننا، آیت کا معنیٰ جاننا، ماقبل کی آیات کے سیاق وسباق کو جاننا بھی ضروری ہوتا ہے، پھر صفت اور آیت کے درمیان ربط قائم کرنا صرف تفسیر کی کتابوں سے معلوم نہیں ہوگا، بلکہ اس کے لئے لغات اور فروق معنویہ کا اہتمام کرنے والی کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے۔

فواصل کے دو مقصد ہے:

(۱) لفظی حسن برقرار رکھنا، (۲) معنوی طور پر سیاق سے مناسبت۔

۵۰۰ سے زائد آیات اسماء حسنیٰ پر ختم ہوتی ہیں، ان اسماء حسنی کا آیت کے ساتھ مضبوط ربط ہوتا ہے کہ اس اسم کے علاوہ کوئی دوسرا اسم وہاں مناسب نہیں ہوتا ہے چاہے وہ دوسری صفت اصل معنیٰ میں اس صفت کے ساتھ اشتراک رکھتی ہو۔ مثلاً صفت غفور کی جگہ صفت غفار کو لانا ممکن نہیں ہے، چاہے گناہ چھپانے کے معنیٰ میں دونوں دلالت کرتے ہیں، امام غزالیؒ المقصد الاسنیٰ میں فرماتے ہیں کہ یہ اسماء حسنی چاہے متقارب المعنیٰ ہیں؛ لیکن مترادفات نہیں ہیں۔

اکثر مقامات پر ان صفات کی ماقبل سے مناسبت سمجھ میں آجاتی ہے؛لیکن بعض مقامات پر ماقبل سے بظاہر مطابقت سمجھ میں نہیں آتی ہے۔حضرات مفسرین نے ایسی آیات کا مشکلات فواصل میں شمار کرکے ان پر تفصیلی گفتگو کی ہے، اور اس صفت کے اس مقام کے مناسب ہونے کی لطیف وجوہات ذکر کی ہیں۔

وہ آیات جن کے اخیر میں صفت عزیز حکیم آئی ہے، اور وہ مشکلاتِ فواصل میں شمار ہوتی ہیں، ان کی وضاحت ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۱)﴿اِنۡ تُعَذِّبۡهُمۡ فَاِنَّهُمۡ عِبَادُكَ ۚ وَاِنۡ تَغۡفِرۡ لَهُمۡ فَاِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ﴾ (المائدہ:۱۱۸)

اعجاز القرآن میں شک کرنے والوں نے اس آیت میں اشکال کیا ہے کہ **وان تغفرلھم** کے ساتھ صفت غفور رحیم آنی چاہئے نہ کہ صفت عزیز وحکیم۔

علمائے مفسرین نے اس کا جواب دیا ہے کہ اس آیت کا تعلق دار دنیا سے نہیں ہے؛ بلکہ میدان محشر سے ہے لہٰذا **﴿ان تعذبھم﴾** کا تعلق صفت عزیز سے ہے اور **﴿وان تغفرلھم﴾** کا تعلق صفت حکیم سے ہے، عذاب دینے پر قدرت شان عزیزی کی وجہ سے ہے؛ جس کو کوئی روک سکتا نہیں ہے، اور شرک کی وجہ سے عذاب کا مستحق ہونے کے باوجود گناہ معاف کرنا شان حکیمی ہے، حضرت عیسیٰؑ عفو ومغفرت طلب نہیں کررہے ہیں؛ بلکہ معاملہ اللہ پاک کے حوالے کررہے ہیں اور اس کی عزت وحکمت کا اقرار کررہے ہیں؛ کیونکہ یہ مقام اپنے بارے میں صفائی پیش کرکے شرک کی دعوت سے براءت کا اظہار کرنا ہے، لہٰذا عفو ومغفرت کے بجائے عدل کی صفت لائے؛ کیونکہ حکیم وہ ذات ہے جو ہر چیز کو اس کے مقام کے مطابق حیثیت وجگہ عطاء فرماتا ہے۔

علامہ سیوطی نے اس آیت کو بھی سابقہ آیت کی طرح مشکلات فواصل میں سے شمار کیا ہے کہ **اولئك سيرحمهم الله** کے بعد صفت رؤوف غفور یا رحیم جیسی صفات آنی چاہئے، اس کا جواب علمائے تفسیر نے یہ دیا کہ **﴿سيرحمهم الله﴾** کی سین تاکید کے لئے ہے، جیسے کہ علامہ زمخشری نے لکھا ہے: والسين مفيده وجوب الرحمة لا محالة فهي تؤكد الوعد كما تؤكد الوعيد. (کشاف:۱/۲۸۰)

لہٰذا جب ان کو تاکیدی طور پر رحم کا وعدہ کردیا گیا تو اب مزید تاکید غفور رحیم یا رؤوف رحیم سے کرنے کی ضرورت نہیں رہی؛ بلکہ اب ان کو اس اطمینان کی ضرورت ہے کہ یہ رحمت ارادۂ الٰہی کے مطابق ان پر جاری وباقی رہے، کوئی رکاوٹ ان کے لئے نہ آئے، تو صفت عزیز سے ان کو یقین دلایا کہ وہ عزیز ہے، اس کے ارادہ وقضاء کو کوئی بھی ٹال نہیں سکتا ہے۔ اور حکیم بھی ہے، لہٰذا ان کی اچھی صفات امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور نماز وزکوٰۃ کی ادائیگی، نیز اطاعت

خداوندی ورسول کے تقاضہ کے مطابق اپنی شانِ حکیمی (وضع الشیء حیث ینبغی ان توضع) سے ان پر خصوصی ودائمی رحمت نازل کرے۔

(۳)﴿رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ (الممتحنۃ:۵)

اس آیت میں بھی **واغفرلنا ربنا** کے بعد صفت عزیز وحکیم آئی ہے۔ حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے اس کو بھی مشکلات الفواصل میں سے شمار کیا ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ آیت کو غفور رحیم پر ختم کرتے تو فسادِ معنیٰ لازم آتا؛ کیونکہ آیت کا جوہری معنی یہ ہے کہ مؤمنین کو کافرین کی طرف سے فتنہ نہ پہونچے، یعنی ان کو غلبہ نہ حاصل ہو کہ جس کی بنیاد پر وہ یہ سمجھنے لگے کہ نعوذ باللہ ہم حق پر ہیں، یا ان کے ہاتھوں ہمیں تکلیف نہ پہونچے اور نہ خود اپنی طرف سے ہمیں عذاب دے کہ کفار کہنے لگے کہ اگر یہ لوگ حق پر ہوتے تو ان کو یہ عذاب نہ پہونچتا، جب آیت میں یہ درخواست ہے تو اس کے مناسب صفت عزیز وحکیم ہی تھی؛ کیونکہ اس وقت عزیز وغالب کی طرف نسبت ہی مناسب ہے جو اپنے اولیاء کی اپنی شان کے مطابق مدد کرے، اگر وہ دعاء قبول کرتا ہے تو بھی اس کی شان ہے اور اگر دعاء قبول نہیں ہوتی ہے اور ان کے لئے ذخیرہ ہوتی ہے تو یہ بھی حکمت خداوندی ہے۔

امام اصمعی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھ سے آیت ﴿**وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ**﴾ کے بجائے ﴿**واللہ غفور رحیم**﴾ پڑھی گئی، میرے ساتھ ایک اعرابی بیٹھا ہوا تھا، اس نے پوچھا کہ یہ کس کا کلام ہے؟ میں نے کہا کہ یہ کلام الٰہی ہے، تو اس نے کہا کہ یہ ہرگز کلام الٰہی نہیں ہوسکتا، مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا اور میں نے عزیز حکیم پڑھا، تو اس نے کہا کہ اب یہ کلام الٰہی ہے، میں نے اس سے کہا کہ کیا تو قرآن پڑھتا رہتا ہے۔ (یعنی یہ آیت تجھے یاد ہے؟) تو اس نے کہا کہ نہیں، میں نے کہا کہ پھر تو نے کیسے جانا؟ تو اس نے کہا کہ اللہ پاک عزیز وحکیم ہے، لہٰذا اس کی قدرت وحکمت سے ہاتھ کاٹا، اگر صفت مغفرت ورحمت کا ذکر ہوتا تو ہاتھ نہ کاٹا جاتا، دوسری روایت اس قصے میں یہ ہے کہ کسی نے یہ آیت غلط طریقہ سے اعرابی کے سامنے پڑھی تو اس نے کہا کہ یہ کلام الٰہی ہوتا تو وہ مغفرت کا ذکر گناہ کے موقع پر نہ کرتا؛ کیونکہ یہ تو گناہ پر آمادہ کرنا ہوا۔

منہج وطریقۂ کار:

کتاب کی ترتیب میں اوّلاً موضوع متعین کرنے کی وجہ کے ساتھ اسماءِ حسنیٰ کی احادیث کی تخریج کی گئی ہے، پھر اسماءِ حسنیٰ کے سلسلہ میں چند اصول وضوابط اور قواعد تحریر کئے گئے ہیں، اس کے بعد کتاب کا اصل موضوع ''خواتم آیات میں آنے والے اسماء وصفات'' کا اجمالی خاکہ پیش کیا گیا ہے، اور ساتھ میں وہ تمام آیات ذکر کی گئی ہیں، جن کے اخیر میں

اسماء حسنی مفرد یا مرکب شکل میں مذکور ہیں۔مجموعی طور پر ۳۷ /اسماء حسنی ہیں، جن میں ۲۷/اسماء حسنی مفردہ اور باقی مرکب اسماء حسنی (آپسی مناسبت کے ساتھ) کا تذکرہ ہے، ان تمام اسماء حسنی کا معنی ،آیات سے ان کی مناسبت اور حکمتیں ذکر کرنے کی کوشش کی گئی ہے، کچھ آیات کے مضامین کی خواتم آیات سے ظاہری مناسبت نہ ہونے کی وجوہات ذکر کی گئی ہیں؛لیکن باطنی اعتبار سے(کسی مخفی اعتراض کے جواب یا لطیف معنی کی مناسبت کی) حکمت کو واضح کیا گیا ہے، اسی طرح مرکب اسماء حسنی کے صرفی و بلاغتی معنی کی لطافت و فروق کو مستقل ذکر کیا گیا ہے۔

خواتم آیات کا احاطہ کرنے کی امکانی کوشش کی گئی ہے، اوران اسماء وصفات کا ذکر نہیں کیا ہے جو آیات کے درمیان میں آئی ہیں؛ کیوں کہ میرا موضوع خواتم آیات کی حکمتیں ولطافتیں بیان کرنا ہے۔اور چوں کہ اسماء حسنی کی تشریح وتوضیح بیان کرنے والے علماء کرام نے اس موضوع پر بہت تفصیلی کلام کیا ہے، لہذا میں نے اپنی توجہ خواتم آیات پر ہی مرکوز رکھی۔

آیات کے اخیر میں اسماء حسنیٰ لانے کی وجوہات

آیات کے اخیر میں اسماء وصفات الٰہی کے آنے کی ظاہری وجوہات وآثار کو درج ذیل مباحث میں تقسیم کی جاسکتی ہے:

(۱) پہلی بحث : اسماء وصفات کے ذریعہ ختم آیات احکام کی علتیں بیان کرنے کے لئے۔

(۲) دوسری بحث : بطور شرط یا جواب شرط کے آیات کے ختم پر اسماء وصفات کا آنا۔

(۳) تیسری بحث : احکام کو ثابت کرنے کے لئے اسماء وصفات سے آیات کو ختم کرنا۔

(۴) چوتھی بحث : شوق وترغیب کے لئے اسماء وصفات پر آیات کی تکمیل۔

(۵) پانچویں بحث: خوف وترہیب کے لئے اسماء وصفات پر آیات کی تکمیل۔

(۶) چھٹی بحث : پیدا ہونے والے وہم یا اعتراض کو دور کرنے کے لئے آیات کے اخیر میں اسماء وصفات الٰہی کا آنا۔

(۷) ساتویں بحث: سابق میں وارد کسی اثر کی دلالت کے مناسب اسماء وصفات لاکر آیات ختم کرنا۔

اس کے علاوہ مزید چند وجوہات سے اسماء الٰہیہ کو آیت کے ختم پر ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) ترغیب وترہیب دونوں کو جمع کر کے بندے کو امید وخوف کے درمیان رکھنا۔

(۲) اسماء الٰہیہ کے ذریعہ آیت کے مضمون کی تاکید وتقریر کرنا۔

(۳) اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے استدلال کے طور پر اسماء ذکر کرنا۔

(۴) مقام کے مناسب دعاء کے لئے اسماء لانا۔

(۵) اسماءالٰہیہ کے ذریعہ قرآن کریم کے نزول کو ثابت کرنا۔

(۱) اسماء وصفات کے ذریعہ ختم آیات، احکام کی تعلیل (علت) بیان کرنے کے لئے:

علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ اللہ پاک اپنے احکام اور افعال کی تعلیل (علت) بیان کرتے ہیں، گویا صفات اور ان کے اثرات کے درمیان تعلیل کی نسبت ہے، اور یہ تعلیل اس کے اثرات کے متنوع ہونے سے بدلتی ہیں، وہ یا تو احکام ہوں گے یا افعال ہوں گے۔

(۱) اسماء وصفات سے احکام شرعیہ کی تعلیل کے سلسلہ میں بہت ساری آیات آئی ہیں، اور بندہ نے بہت ساری صفات کے ضمن میں مفسرین کے حوالے سے اس کو ذکر بھی کیا ہے۔

مثلاً سورۂ احزاب کی پہلی آیت میں کفار و منافقین کی اطاعت کرنے سے آپ ﷺ کو منع فرمایا اور آیت کے اخیر میں علیم وحکیم کی صفت ذکر کی، معنیٰ یہ ہوا کہ اگر کفار و منافقین کی اطاعت میں آپ کا نفع ہوتا تو اس سے نہ روکتے؛ کیونکہ وہ حکیم ہے، گویا یہ صفات حکم شرعی (منع کرنا) کی تعلیل ہے، اسی طرح سورۂ مائدہ کی آیت: ۳۸ ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ میں چوری کرنے والے مرد وعورت کی سزا قطع ید ذکر کی اور اخیر میں عزیز وحکیم کی صفات ذکر کیں، گویا عزیز وحکیم کی صفات قطع ید کی علت ہیں۔ اسی طرح سورۂ توبہ کی آیت: ۵ ﴿فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ میں فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ کے بعد غفور ورحیم کی صفات علت کے طور پر ہیں، اسی طرح سورۂ نساء کی آیت: ۲۹ ﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا﴾ میں ''لَا تَقْتُلُوْٓا'' کے بعد ''رحیم'' کی صفت بطور تعلیل کے آئی ہے۔

(۲) احکام کے ساتھ جزاء کی تعلیل کا متعلق ہونا:

سورۂ فاطر ﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۗ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴾ جنتیوں کی دعاء کے ساتھ غفور شکور کی صفات ذکر کی، اس میں تعلیل کا مفہوم ہے کہ اے اللہ پاک، آپ کی مغفرت وشکوریت کی وجہ سے ہم جنت کے مستحق ہوئے ہیں۔

(۳) سزا کی تعلیل میں سورۂ بقرہ کی آیت (۲۰) ﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ میں منافقین کو کہا گیا کہ اگر اللہ پاک چاہتے تو ان کی قوت شنوائی وبینائی لے لیتے، کیونکہ وہ اس کی

قدرت رکھتے ہیں، لہٰذا اخیر میں صفت قدیر لائے۔

(۴) اللہ تعالی کے افعال کی تعلیل جو اس کی مشیت سے متعلق ہے۔ سورۂ بقرہ آیت: ۳۷ ﴿فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ میں حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول کرنے کے بعد صفات التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ کا ذکر بطور علت کے آیا، اسی طرح احیاء موتی کے سلسلے میں سورۂ روم کی آیت: ۵۰ ﴿فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ میں صفت قَدِيْرٌ ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ مردوں کو زندہ کرے گا؛ کیونکہ وہ ہر چیز اور ہر فعل پر قادر ہے۔

(۱) اللہ پاک کی طرف سے سزا کی تاخیر کو ذکر کرتے ہوئے سورہ فرقان کی آیت: ۶ ﴿قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ میں صفات ''غَفُوْرًا رَّحِيْمًا'' بطور تعلیل کے ذکر کیا۔

اسی طرح سورۂ انفال: آیت نمبر ۶۳ ﴿وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے کہ اگر آپ زمین کی تمام چیزیں خرچ کردیتے، پھر بھی لوگوں کی تالیف قلب نہیں کرسکتے تھے، اللہ پاک نے ہی لوگوں کے قلوب کو آپ کی طرف متوجہ کیا؛ کیونکہ وہ عزیز وحکیم ہے، یہ صفات تالیف قلوب کی علامت کے طور پر ذکر کیں۔

اور جیسے افعال واحکام کی علتیں ذکر کیں، اسی طرح اس کی تقدیس وتنزیہ اور تنہا عبادت کے لائق ہونے کی علتیں بھی ذکر کیں۔ سورۂ فاطر آیت: ۲۸ ﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ﴾ میں فرمایا کہ اللہ کے بندوں میں اہل علم اللہ پاک سے ڈرتے ہیں اور اس کی تعلیل کے طور پر صفت عزیز وغفور کو ذکر کیا کہ وہ ذات گنہگار بندوں کو سزا دینے پر اور نیک بندوں کو ثواب ومعافی دینے پر قادر ہے۔

اور اپنے تسبیح کے مستحق ہونے کی علت ذکر کرتے ہوئے سورۂ تغابن کی پہلی آیت ﴿يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۫ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ میں ''لَهُ الْمُلْكُ'' کی قید بطور علت کے ذکر کرکے ''يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ'' کے مضمون کو بطور حکم ذکر کیا۔

اسی طرح سورۂ ذاریات، آیت: ۵۷-۵۸ ﴿مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ﴾ میں مخلوق سے اپنی بے نیازی ومالداری کو ذکر کرتے ہوئے بطور علت کے صفت رزاقیت کو پیش فرمایا۔ اور دوسری صفت ذُو الْقُوَّةِ کو بطور علت کے ذکر کرکے رزق کی عدم طلب کو بتایا، کیونکہ جو رزق طلب کرتا ہے وہ محتاج وعاجز ہوتا ہے، اور جو خود ہی بندوں کو رزق دینے کے ساتھ قوت والا ہے، وہ اس سے کوئی چھین کر غیر

مستحق کو دے نہیں سکتا ہے۔

اسماء وصفت کا ختم آیات پر بطور شرط یا جواب شرط کے آنا:

شرط کے طور پر آنا:

(۱) سورۂ ہود کی آیت: ۴۱ میں ﴿**وَقَالَ ارْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ اللَّهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ۚ إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ**﴾ حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی پر سوار ہونے کا حکم فرمانے کے بعد **لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ** کی صفات لائی گئی، مطلب کہ اگر میرے رب کی مغفرت ورحمت نہ ہوتی تو تم غرق ہو جاتے۔ ''**إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ**'' جملہ مستأنفہ ہے جو نجات کی وجہ ذکر کر رہا ہے۔

اسی طرح سورۂ مجادلہ آیت: ۲ ﴿**الَّذِينَ يُظٰهِرُونَ مِنكُم مِّن نِّسَآئِهِم مَّا هُنَّ أُمَّهٰتِهِمْ ۖ إِنْ أُمَّهٰتُهُمْ إِلَّا الّٰٓـِٔي وَلَدْنَهُمْ ۚ وَإِنَّهُمْ لَيَقُولُونَ مُنكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُورًا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ**﴾ میں اپنی بیویوں سے ظہار کرنے والوں کے غلط ومنکر قول کو ذکر کرتے ہوئے **لَعَفُوٌّ غَفُورٌ** کی صفات بیان کی، اس میں اشارہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی عفو ومغفرت نہ ہوتی تو ظہار کے گناہ پر تمہاری پکڑ کی جاتی۔

(۲) سورۂ نور، آیت: ۲۰ ﴿**وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ**﴾ میں حضرت عائشہؓ پر تہمت کا ذکر کرتے ہوئے **رَءُوفٌ رَّحِيمٌ** صفات کا ذکر کر کے اشارہ کر دیا کہ اگر اللہ پاک کا فضل ورحمت اور رأفت ورحمت نہ ہوتی تو ناپسندیدہ سزا پیش آتی، یہ شرط کے طور پر آنا بھی نجات کے طور پر اور کہیں سزا کے طور پر ہوتا ہے۔

جواب شرط کے طور پر آنا:

اس شکل میں فعل شرط اثر ہوگا اور جواب شرط یہ اثر مقدر ہوگا، جس پر یہ صفات دلالت کرتی ہیں:

(۱) سورۂ بقرہ، آیت: ۲۱۵ ﴿**وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ**﴾ میں ''**وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ**'' یہ شرط کے معنیٰ میں ہے، اور ''**فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ**'' یہ جواب شرط ہے، یعنی اگر تم بھلائی کرو گے تو اللہ پاک اس کی حقیقت جانتے ہیں اور اس کا ثواب عطاء فرمائیں گے۔ پس علم الٰہی کو جواب شرط کے اثر مقدر (مال خرچ کرنے والے کو ثواب دینا) کی تعبیر کے لئے ذکر کیا گیا۔

(۲) سورۂ بقرہ آیت: ۱۵۸ ﴿**وَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ**﴾ میں بھی صفت کو جواب شرط کے قائم مقام بنایا گیا، ''**وَمَن تَطَوَّعَ**'' شرط ہے اور ''**شَاكِرٌ عَلِيمٌ**'' جواب شرط واثر کے قائم مقام کیا گیا۔

(۳) سورۂ انفال، آیت: ۶۹ ﴿**وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ**﴾ میں ''**وَاتَّقُوا اللَّهَ**'' (یعنی امر الٰہی

ونہی الٰہی کی مخالفت سے بچو) میں سبب اور مسبب کو ذکر کیا گیا، یعنی تقوی مغفرت ورحمت کا سبب بنے گا۔ صفت ''غَفُورٌ رَّحِيمٌ'' یہ جواب شرط کے قائم مقام ہے۔

(۴) سورۂ بقرہ، آیت: ۱۹۲ ﴿فَإِنِ انتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾

(۵) سورۂ بقرہ، آیت نمبر: ۲۱۱ ﴿وَمَن يُبَدِّلْ نِعْمَةَ اللَّهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾

میں صفات جواب شرط کے طور پر ذکر کی گئی ہیں۔

شرط کے معنیٰ میں امر اور اس کے نتیجے کے اسلوب پر بھی آیتیں آئی ہیں۔

سورۂ بقرہ آیت: ۱۹۹ ﴿ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾

میں امر کے صیغہ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ امر کے بعد غَفُورٌ رَّحِيمٌ کی صفات جواب کے طور پر آئی ہیں۔

احکام کو ثابت کرنے کے لئے اسماء وصفات سے ختم کرنا:

(۱) سورۂ نساء آیت: ۹۶ ﴿دَرَجَاتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَرَحْمَةً ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾ میں غَفُورٌ رَّحِيمٌ کو اللہ پاک کی طرف سے درجات ومغفرت کے ثابت کرنے کے لئے ذکر کیا گیا۔

(۲) سورۂ بقرہ آیت: ۱۰۵ ﴿وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ﴾ میں صفات ''ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ'' وصف نبوت کے اختصاص کو ثابت کرنے کی دلیل کے طور پر ذکر کیا گیا۔

ترغیب کے لئے اسماء وصفات کا ختم آیت میں ذکر کرنا:

(۱) سورۂ بقرہ، آیت: ۲۲۶ ﴿لِّلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ ۖ فَإِن فَاءُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ میں عورتوں سے قریب نہ ہونے کی قسم کھانے کے بعد اس سے رجوع کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: '' فَإِن فَاءُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ '' قاعدہ بھی ہے، ''الجزاء من جنس العمل'' یعنی اگر تم بیوی پر احسان کرتے ہوئے رجوع کرلو گے تو اللہ پاک مغفرت ورحمت کے ذریعہ احسان فرمائیں گے۔

(۲) سورۂ ھود، آیت: ۹۰ ﴿وَاسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ وَدُودٌ﴾ میں فرمایا کہ اگر تم استغفار وتوبہ کرو گے تو میرا پروردگار رحیم وودود ہے۔ اس طرح کی صفات کا ختم آیات میں ذکر تالیف قلب اور دین کی طرف دعوت دینے کی قبیل سے ہے۔

(۳) سورۂ بقرہ، آیت: ۲۲۵ ﴿لَّا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ﴾ میں لغو قسم پر عدم مؤاخذہ کا ذکر کر کے صفات غفور وحلیم کو بیان کیا۔

ترہیب وخوف دلانے کے لئے ختم آیات میں صفات کا ذکر کرنا:

(۱) سورۂ بقرہ آیت: ۲۲۷ ﴿وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ میں طلاق کے عزم وارادہ کرنے پر صفت سَمِيعٌ عَلِيمٌ کے ذریعہ ڈرایا کہ میاں بیوی کے درمیان وہ ناچاکی اور ایک دوسرے کو باطنی ونفسیاتی طور پر ستانے کے مسائل جن کا تذکرہ حکام وقضاۃ تک نہیں پہونچتا، یا پہونچایا نہیں جاتا، اللہ تعالی اس طرح کے تمام باطنی امور کو سننے والے، جاننے والے ہیں، لہذا اس پر عذاب دے سکتے ہیں۔

(۲) سورۂ مائدہ آیت: ۹۹ ﴿مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ ۗ وَاللهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ﴾ میں آپ ﷺ کی ابلاغ ودعوت کی ذمہ داری ذکر کرتے ہوئے کفار ومنافقین کو تہدید کے طور پر ''وَاللهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ'' فرمایا گیا، صفت علم کے ضمن میں صفت قدرت کی طرف بھی اشارہ فرمادیا۔

بہت ساری آیات، جو صفت علم اور اس کے مفہوم پر ختم ہوتی ہیں، ان میں تحذیر وترہیب کا عنوان عامۃً ذکر کرکے اس کے مرتکب کے مستحق عذاب ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

جیسے سورۂ نور آیت: ۵۳ ﴿إِنَّ اللهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾، سورۂ نساء آیت: ۱۰۸ ﴿وَكَانَ اللهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا﴾، سورۂ فصلت آیت: ۴۰ ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي آيَاتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا﴾، سورۂ بقرہ آیت: ۱۴۴ ﴿وَمَا اللهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ﴾ میں ہے۔

کبھی تہدید وڈرانا صفت ربوبیت کے اثر کے ماتحت ذکر کیا جاتا ہے۔ سورۂ مطففین، آیت: ۶ ﴿يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ میں قیامت کے حساب کتاب کے لئے صفت لِرَبِّ الْعَالَمِينَ کو ذکر کیا۔

کبھی صفت ذکر کی جاتی ہے اور اس کے سیاق میں ظاہر کے خلاف ڈرانا مقصود ہوتا ہے۔ جیسے سورۂ انفطار، آیت: ۶ ﴿يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ﴾ میں صفت الْكَرِيمِ سے اشارہ کیا کہ جو ذات اقدس شان کریمی سے پیش آتی ہے؛ اس کے ساتھ معصیت سے پیش آنا کسی بھی طرح مناسب نہیں ہے، عربی میں مثل ہے: اتق شر الحليم اذا غضب یعنی جو ذات شان حلیمی سے پیش آتی ہے اس کو ناراض وغضب ناک کرنے والے کاموں سے بچنا چاہئے۔

وہم واعتراض کو دور کرنے کے لئے ختم آیات میں اسماء وصفات کا آنا:

اسماء وصفات کا ختم آیات میں پیش آنے والے کسی وہم واعتراض کو دور کرنے کے لئے ہو جیسے سورۂ شوریٰ آیت: ۱۹ ﴿اللهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ ۖ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ﴾ میں فرمایا کہ اللہ پاک اپنے بندوں کے ساتھ لطیف وباریک بین ہے، وہ جس کو چاہتا ہے رزق عطاء فرماتا ہے، اور ساتھ میں صفت الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ کو ذکر کیا، یہ

دونوں صفات صفت لطیف پر وارد ہونے والے وہم کو دور کرنے کے لئے آئی ہیں، یعنی-نعوذ باللہ تعالی- اس کا لطف و مہربانی کسی کمزوری وعجز کی وجہ سے نہیں ہے، کیونکہ وہ تو قوی وعزیز ہے، اس کو کوئی عاجز نہیں کرسکتا ہے، ظاہر میں صفت لطیف اور رزاق کی تعلیل صفتِ قوت وعزت کے مناسب نہیں معلوم ہوتی ہے، نیز اس جگہ ترغیب وترہیب بھی مراد نہیں ہے، بلکہ صرف وہم واعتراض کو دور کرنا ہے۔

اسی طرح سورۂ مائدہ آیت: ۱۱۸ ﴿إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۖ وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ''أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ'' کہنا بھی کمال قدرت کو ثابت کرنا ہے۔اس آیت کے سلسلے میں تفصیلی گفتگو-ان شاء اللہ- کتاب میں صفت عزیز حکیم کی بحث میں کلام کرتے ہوئے کی جائے گی۔

اسماء وصفات کے ذریعہ ختم آیات کا اثر کی دلالت کی مناسبت سے ذکر کرنا:

حضرت عزیر وحضرت ابراہیمؑ کے قصہ میں بظاہر واقعہ ایک ہی قسم کا ہونے کے باوجود دونوں کے اخیر کی صفات میں فرق ہے، حضرت عزیرؑ کے قصے میں سورۂ بقرہ آیت: ۲۵۹ ﴿وَانظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ کے اخیر میں صفت قَدِيرٌ کا ذکر ہے، جبکہ حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ میں اس کے بعد والی آیت ۲۶۰ ﴿قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا ۚ وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ میں صفات عَزِيزٌ حَكِيمٌ کا ذکر ہے۔

فرق کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عزیرؑ کے سوال کا آغاز ''أَنَّىٰ'' سے تھا، جبکہ حضرت ابراہیمؑ کا سوال ''كَيْفَ'' سے تھا، یعنی حضرت ابراہیمؑ کا یقین حضرت عزیرؑ کے یقین سے بڑھ کر تھا۔ دوسرا فرق یہ کہ صفت قدیر کا ذکر حضرت عزیرؑ کی طرف سے ہے، متکلم کا صیغہ ''أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ'' فرمایا، جبکہ حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ میں صفت عَزِيزٌ حَكِيمٌ کی نسبت اللہ پاک کی طرف ہے، ''وَاعْلَمْ'' امر کا صیغہ ہے۔

قَدِيرٌ سے حضرت عزیرؑ اللہ پاک کی صفت قدرت کا اعتراف کررہے ہیں، کیونکہ وہ خود اور ان کا گدھا آیت الناس بنائے گئے اور ان پر خود ہی موت طاری ہوئی، پھر زندہ کئے گئے، تو صفت قدیر اس کے مناسب تھی، جبکہ حضرت ابراہیمؑ نے ''کیف'' سے سوال کیا تھا، گویا آپ نے طمانینت کے لئے احیاءِ موتی کا مشاہدہ کرنا چاہا، تو صفت عزیز ہی اس کے مناسب تھی، اور پھر چار پرندوں کے ساتھ ہونے والے معجزہ نے شان عزیزیت کو آشکارا کرہی دیا تھا، اور اسی خاص کیفیت کے ساتھ معجزہ کا ہونا شان حکیمی وشان حکمی (فیصلہ کرنے والا) دونوں معانی کو واضح کرتا ہے، خلاصہ یہ کہ ختم آیات کے اسماء وصفات کو آثار کونیہ (کائنات کی پیدائش) اور اس کے ہیر پھیر (تصریف) اور آثار شرعیہ (احکام اور تکلیف شرعی

کی جزاء) دونوں سے تعلق ہے۔

اسی طرح اسماء الٰہیہ اوران کے آثار کو ختم آیات کے ساتھ مختلف قسم کی نسبتیں وعلاقات حاصل ہیں:

(۱) احکام شرعیہ کی تعلیلات، جزاء اعمال کی تعلیل اور افعال الٰہیہ کی تعلیل جس کا تعلق مشیئت الٰہیہ سے ہے۔اور ذات باری تعالیٰ کا ہر قسم کے عیب سے منزہ ومبری ہونے کے ساتھ عبادت میں تنہا و یکتا ہونے کا مستحق ہونا،(۲) اسماء کا شرط وجواب کے موقع پر آنا،(۳) تقریر وثبوت کے طور پر آنا، جہاں حکم واثر اس کا تقاضی کرتے ہوں،(۴،۵) ترغیب وترہیب کے لئے آنا(۶) اعتراض یا وہم کو دور کرنے کے لئے آنا(۷) اثر وحکم کی دلالت کی مناسبت کے طور پر آنا۔

قرآن کریم میں کثرت سے آنے والے اسماء حسنیٰ

اسمائے حسنی اور صفات قرآن مجید میں اس طرح منتشر اور بکھرے ہوئے ہیں جیسے آسمان میں ستارے بکھرے پڑے ہیں، اور جیسے ستارے آسمان کو زیب دے رہے ہیں، ویسے یہ مختلف صفات الہیہ پورے قرآن مجید کی مختلف آیات میں انوار ہدایت پھیلاتے ہیں، قرآن مجید کی تلاوت اور اس میں غور وفکر کرنے والا چند آیات سے گذرتا نہیں کہ اس کو ایک کے بعد ایک مختلف قسم کی صفات جمالیہ وجلالیہ کے انوارات وتجلیات اپنی ظاہری وباطنی روشنی سے منور کرتے ہیں، اس کے دل ودماغ کو سکون اور روح کو بالیدگی عطاء فرماتے ہیں، ان صفات عظیمہ کا استحضار انسان کو اپنے ضعف وعجز، اور جہالت کا احساس کراتے ہوئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی قوت وطاقت اور عزت وعظمت کا یقین قلب میں جاگزیں کراتا ہے، خاص کر کے آیات کے ختم پر آنے والی صفات الہیہ مضمون سابق کی اہمیت کے ساتھ اس کی علت وحکمت بھی آشکارا کرتی ہیں۔

صفت **العلیم، الرحیم، الحکیم الغفور، العزیز، السمیع، القدیر، الخبیر، البصیر** یہ کثرت سے ختم آیات کے موقع پر آئی ہیں۔

العلیم:

(۱) صفت علم سے انسانی جہالت اور ناواقفیت کی طرف اشارہ ہے، انسان کو بہت کم علم دیا گیا ہے، **وما اوتیتم من العلم الا قلیلا**، سائنس نے بھی انسانی علم کی محدودیت اور لمیٹیڈ ہونے کو قبول کیا ہے، اسلام کی آمد سے پہلے جاہلیت وجہالت طبیعتوں میں راسخ ہو چکی تھی، لہذا اس کے مناسب صفت علم کو سب سے زیادہ ۱۵۴ رمرتبہ ذکر کیا گیا، علم میں سب سے زیادہ جس علم کی ضرورت ہے وہ انسان کو اپنے خالق ومالک کا علم جاننا ہے، اسی لئے اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَٰتِ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوَىٰكُمْ﴾ (محمد:۱۹)

اس کے بعد دنیوی علوم کا درجہ ہے، اور اسی لئے سب سے پہلی وحی میں بھی ’’اقرأ‘‘ سے علم کی طلب کرنے کا حکم دیا گیا اور پھر اس کی مناسبت سے علم کے ذرائع قلم وغیرہ کا ذکر کیا گیا۔

علم کا سب سے مہتم بالشان ذریعہ قرآن کریم ہے؛ لہٰذا اس کے نزول کو بار بار **من الله العزیز العلیم** سے یاد کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ علم والا ہے، جس کا علم ہر چیز کو محیط ہے، خواہ وہ واجبات ہوں یا ناممکنات یا ممکنات، بہر حال اللہ تعالیٰ کو اپنی ذات کریم، پاک مقدس صفات اور عظیم خوبیوں کا علم ہے، یہی واجبات ہیں جن کا وجود ہی ممکن ہے (عدم وجود ناممکن)، اسی طرح وہ ناممکن چیزوں کو عدم امکان کی حالت میں بھی جانتا ہے، اور یہ بھی جانتا ہے کہ اگر ان کا وجود ہوتا تو کیا ہوتا، جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿**لو کان فیهما اٰلهة الا الله لفسدتا**﴾ (الانبیاء:۲۲)

اگر آسمان وزمین میں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور بھی معبود ہوتے تو یہ دونوں درہم برہم ہوجائے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿**ما اتخذ الله من ولد وما کان معه من اله اذا لذهب کل اله بما خلق ولعلا بعضهم علی بعض**﴾

(المؤمنون:۹۱)

نہ تو اللہ تعالیٰ نے کسی کو بیٹا بنایا اور نہ اس کے ساتھ اور کوئی معبود ہے، ورنہ ہر معبود اپنی مخلوق کو لئے پھرتا اور ہر ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتا۔

چنانچہ یہ اور ان جیسی دیگر آیتیں ناممکنات کے علم سے متعلق ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے اس بارے میں خبر دینے سے متعلق ہیں کہ اگر بالفرض ان کا وجود مان لیا جائے تو اس صورت میں کیا حال ہوگا، اسی طرح اللہ تعالیٰ ممکنات کو بھی جانتا ہے، یعنی وہ چیز جن کا وجود اور عدم وجود دونوں ممکن ہے، اور جن چیزوں کا وجود ہو چکا ہے اور جن چیزوں کا وجود نہیں ہوا ہے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اس کے وجود میں لانے کی متقاضی نہ ہوئی۔

اور جس طرح اللہ کا علم عالم بالا وسفلی اور اس میں بسنے والی مخلوقات اور ان کی ذات، صفات، افعال اور تمام امور کو محیط اور شامل ہے، اسی طرح ماضی میں جو کچھ ہو چکا ہے، اور لامتناہی مستقبل میں جو کچھ ہوگا، اور جو نہیں ہوا، اگر ہوتا کیسا ہوتا، اسے ان تمام باتوں کا بھی بخوبی علم ہے، اس طرح وہ مکلفین (جن پر شرعی احکام لاگو ہیں) کو پیدا کرنے سے لے کر انہیں موت دینے کے بعد اور پھر دوبارہ زندہ کرنے کے بعد کے احوال سے بھی واقف اور آگاہ ہے، اس کا علم ان کے تمام اچھے برے اعمال کی جزا اور دائمی ٹھکانے کی جگہ (آخرت) میں اس کی تمام تر تفصیلات کو گھیرے ہوئے ہیں۔

(الحق الواضح المبین: ص: ۴۷، ۴۸)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی وہ ذات ہے جس کا علم تمام ظاہر و باطن، سربستہ وعلانیہ، اسی طرح واجبات، محال وناممکنات اور ممکنات، نیز عالم بالا وسفلی، ماضی، حال اور مستقبل سب کو محیط ہے، کوئی بھی چیز اس سے مخفی و پوشیدہ نہیں ہے۔ (تفسیر السعدی:۵/۶۲۱)

الرحیم:

(۲) صفت علم کے بعد دوسرے نمبر پر صفت رحیم ہے جو ۱۱۴ رمرتبہ ختم آیات کے موقع پر مستعمل ہوئی ہے۔ یہ صفت تلاوت کے آغاز سے ہی بسملہ اور فاتحہ میں مذکور ہے۔ علم کے بعد انسان کو صفت رحمت کی ضرورت ہوتی ہے، کیونکہ اپنے خالق و مالک کی معرفت اور اس کے بے شمار انعامات واحسانات کا استحضار آدمی کو اپنی جہالت و گناہ کا اعتراف کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ اور وہ اس بارے میں احساس کرتا ہے کہ میں اپنے خالق کو ناراض کر کے بڑا گناہ کررہا ہوں، گویا علم خشیت کو لاتا ہے، **انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء** لہٰذا وہ صفت رحمت کا زیادہ محتاج ہے، تاکہ خشیت کی وجہ سے خوف غالب نہ رہے۔

شیخ عبدالرحمن بن ناصر سعدی فرماتے ہیں:

الرحمن، الرحیم، البر، الکریم، الجواد، الرؤوف اور **الوھاب**، ان ناموں کے معانی قریب قریب ہیں، اور یہ سارے نام اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ رب سبحانہ وتعالیٰ رحمت، احسان، سخاوت، کرم وغیرہ خوبیوں سے متصف ہے، نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی نوازشات بڑی کشادہ ہیں، جسے اس نے اپنی حکمت کے تقاضہ کے مطابق سارے وجود کے لئے عام کر رکھا ہے، اور اس میں سے مؤمنوں کو خصوصیت کے ساتھ خوب خوب اور بھرپور حصہ عطا فرمایا ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۚ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُم بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ﴾

(الاعراف:۱۵۶)

اور میری رحمت تمام اشیاء پر محیط ہے، تو وہ رحمت ان لوگوں کے نام ضرور لکھوں گا جو اللہ سے ڈرتے ہیں، اور زکوۃ دیتے ہیں، اور جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔

نعمتیں اور احسانات سب اللہ کی رحمت، جودوسخا اور کرم کی نشانیاں ہیں، اور دنیا وآخرت کی تمام بھلائیاں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کی نشانیاں ہیں۔ (تفسیر السعدی:۵/۶۲۱)

الحکیم:

(۳) صفت رحیم کے بعد تیسرے نمبر پر صفت حکیم ہے جو ۹۱ رمرتبہ ختم آیات میں آئی ہے۔ انسان علم اور

خشیت کے ساتھ زندگی گزارتا ہے تو زندگی کے مختلف مراحل اور احوال میں اس کو مختلف حالات سے آزمائش و امتحانات سے گزرنا پڑتا ہے، کبھی خوشی تو کبھی غم، کبھی عروج تو کبھی زوال کی داستان دوہرائی جاتی ہے، کبھی خوشحالی تو کبھی تنگ حالی سے سابقہ پڑتا ہے، اس وقت اس کو صفت حکیم کا استحضار ہی سکون بخشتا ہے، وہ اپنے عزیز حکیم رب کی حکمتوں کو یاد کرکے تسلیم ورضا کا پیکر بنتا ہے۔

ارشاد باری ہے:

﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ﴾ (الانعام:۱۸)

اور وہی اللہ اپنے بندوں کے اوپر غالب ہے، برتر ہے، اور وہی بڑی حکمت والا اور پوری خبر رکھنے والا ہے۔

اور اس کی حکمت کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم:

اپنی مخلوقات میں اللہ تعالیٰ کی حکمت، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو حق کے ساتھ اور حق پر مشتمل پیدا کیا ہے، اور اس کی غرض وغایت اور مقصد بھی حق ہے، اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو نہایت عمدہ نظام کے ساتھ پیدا کیا ہے، اور انہیں پوری طرح مرتب کیا ہے، اور ہر مخلوق کی اس کے شایان شان ساخت بنائی ہے، بلکہ مخلوقات کے اجزاء میں سے ہر ایک جز کو اور حیوانات (جانداروں) کے اعضاء اور پرزوں میں سے ہر ایک عضو کو مناسب ساخت اور شکل عطا فرمائی ہے، بایں طور کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کی تخلیق وبناوٹ میں کوئی خلل، یا کمی خامی، یا شگاف نظر نہیں آتا، چنانچہ اگر اول تا آخر تمام مخلوقات کی عقلیں اس بات کے لئے اکٹھی ہوجائیں کہ رحمن کی تخلیق کے مثل ایک نئی چیز پیدا کریں یا کم ازکم کائنات میں اللہ کے ودیعت کردہ حسن وجمال، نظم وضبط اور پختگی کے قریب قریب کوئی چیز ایجاد کردیں تو انہیں اس کی قدرت نہیں، اور انہیں ان میں سے کسی چیز کی قدرت کیوں کر ہوسکتی ہے، ان میں عقلمندوں اور حکمت ودانائی والوں کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ انہیں اللہ عزوجل کی کچھ حکمتوں کی معرفت حاصل ہوجائے اور وہ کائنات کے حسن وجمال اور پختگی سے کسی حد تک آگاہ اور واقف کار ہوجائیں، اور اللہ کی عظمت اور کمال صفات کے علم اور تخلیق وحکم میں اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کی جستجو کے ذریعہ یہ بات قطعی طور پر معلوم بھی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو چیلنج کیا ہے اور انہیں حکم دیا ہے کہ وہ دیکھیں اور بار بار دیکھیں اور غور کریں کہ کیا انہیں اللہ تعالیٰ کی تخلیق وبناوٹ میں کوئی خلل یا نقص وعیب نظر آتا ہے، نیز یہ کہ نتیجہ یہی ہوگا کہ نگاہیں اللہ کی مخلوقات میں سے کسی بھی چیز پر نقد کرنے سے عاجز ودرماندہ ہوکر پلٹ آئے گی۔

دوسری قسم:

اپنی شریعت اور حکم میں اللہ تعالیٰ کی حکمت، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے شریعتیں بنائی ہیں، کتابیں اتاری ہیں،

اور رسولوں کو مبعوث کیا ہے، تاکہ بندے اسے پہچانیں اور اس کی عبادت کریں، تو اس سے عظیم تر حکمت اور کیا ہوسکتی ہے، اور اس سے بڑا فضل واحسان اور کیا ہوسکتا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت، اس کی تنہا عبادت، جس کا کوئی شریک نہیں، اس کے لئے اخلاص عمل، اس کی حمد وثنا اور شکر گذاری اپنے بندوں پر اللہ کا مطلق طور پر افضل ترین عطیہ ہے، اور جسے اللہ تعالیٰ کا یہ احسان مل جائے اس کے لئے سب سے بڑا فضل وانعام ہے، اور بندوں کے قلوب وارواح کے لئے کامل ترین سعادت ومسرت ہے، اسی طرح یہ چیزیں ابدی سعادت ونیک بختی اور دائمی نعمتوں کی رسائی کا واحد سبب اور ذریعہ ہیں، لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ کے حکم وشریعت میں صرف یہی عظیم حکمت ہوتی جو تمام تر بھلائیوں کی جزا اور سب سے بڑی لذت ونعمت ہے، اور اسی کے لئے مخلوق کی تخلیق ہوئی ہے، اور جزا وبدلہ طے کیا گیا ہے، اور اسی کے لئے جنت وجہنم کی تخلیق ہوئی ہے تو بھی کافی وشافی ہوتی۔

اللہ کے احکامات اور منع کردہ امور نہایت عظیم حکمت اور دین ودنیا کی بھلائی واصلاح پر مشتمل ہیں؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ اسی بات کا حکم دیتا ہے، جس میں سراپا خیر ومصلحت ہو یا جس میں خیر وبھلائی کا پہلو غالب ہو اور اسی بات سے منع فرماتا ہے جس میں سراپا نقصان ہو یا جس میں نقصان کا پہلو راجح ہو۔

اور اسلامی شریعت کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ جس طرح وہ قلوب، اخلاق، اعمال اور صراط مستقیم پر استقامت کی انتہا ہے، اسی طرح وہ دنیا کی خیر وبھلائی کی بھی انتہا ہے، چنانچہ دنیا کے مسائل درحقیقت اسی دین حق سے درست ہوسکتے ہیں، جسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں۔

الغفور:

(۴) صفت حکیم کے بعد صفت غفور ۹۰ رمرتبہ آئی ہے، بندہ اپنی دنیوی زندگی میں نفس وشیطان کے چکر میں آکر گناہ واسراف کرتا ہے، ہوسکتا ہے کہ گناہوں کی کثرت کے بعد وہ رحمت سے مایوس ہوجائے، اور پھر گناہوں میں مبتلا ہوجائے تو صفت غفور اس کو متنبہ کرتی ہے کہ ہمارا رب مغفرت ورحمت والا ہے، اس نے ہم کو عذاب دینے کے لئے نہیں پیدا کیا ہے، اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ غفور کے مقابلہ میں صفت **شدید العقاب** صرف ۱۳ رمرتبہ آئی ہے، بلکہ کچھ آیات میں تو **شدید العقاب** کے ساتھ **قابل التوب** اور **غفور رحیم** کو ذکر کرکے اس کی شدت کو کم کردیا ہے۔

﴿اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ وَأَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (مائدۃ:۹۸)

﴿غَافِرِ الذَّنبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ إِلَيْهِ الْمَصِيرُ﴾ (غافر: ۳)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ﴾ (الحج:۶۰)

ترجمہ: بے شک اللہ درگزر کرنے والا بخشنے والا ہے۔

جو ہمیشہ سے اور ہمیشہ ہمیش معافی سے معروف، اور اپنے بندوں کو بخشنے اور درگزر کرنے کی صفت سے متصف ہے۔ ہر شخص جیسے اللہ کی رحمت اور احسان و کرم کا محتاج ہے، اسی طرح اس کی معافی اور بخشش کا بھی محتاج و مجبور ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بخشش اور معافی کے اسباب اپنانے والوں کو اس کا وعدہ فرمایا ہے، ارشاد باری ہے:

﴿وَاِنِّىْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى﴾ (طٰہٰ:۸۲)

ترجمہ: ہاں بیشک میں انہیں بخش دینے والا ہوں جو توبہ کریں، ایمان لائیں، نیک عمل کریں اور راہ راست پر بھی رہیں۔

العزیز:

(۵) صفت غفور کے بعد صفت عزیز ۸۷ رمقامات پر آئی ہے، اور تنہا نہیں آئی ہے؛ بلکہ دوسری صفت کے ساتھ ملکر آئی ہے۔ بندہ کمزوری، ذلتی اور ضعف سے مرکب ہے، جبکہ اللہ پاک عزت، قدرت اور غلبہ کی صفت سے متصف ہے؛ لہذا بندے کو اپنے عجز وضعف کا احساس باقی رہے، اور اللہ تعالیٰ کی عزت وغلبہ کا استحضار رہے، اس وجہ سے اس صفت کو لایا گیا۔ ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ۭ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ۭ وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَمَكْرُ اُولٰۗىِٕكَ هُوَ يَبُوْرُ﴾ (فاطر:۱۰)

قوت وطاقت کا غلبہ:

جس پر اللہ کے ناموں میں سے ''القوی'' اور ''المتین'' دلالت کرتے ہیں، اور یہ اللہ تعالیٰ کی وہ عظیم صفت ہے، جس کی طرف مخلوقات کی قوت کو خواہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو، منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ﴾ (الذاریات:۵۸)

اللہ تعالیٰ تو خود ہی سب کا روزی رساں، توانائی والا اور زور آور ہے۔

السمیع:

(۶) پھر چار صفات السمیع ۴۵ رمرتبہ، القدیر ۴۴ رمرتبہ، الخبیر ۴۳ رمرتبہ اور البصیر ۴۲ رمرتبہ آئی ہیں۔

پہلے چار اسماء: علیم، رحیم، حکیم اور غفور یہ بندہ کو امید اور رغبت دلانے کے لئے ہیں، تو یہ چار اسماء اطاعت وفرمابرداری اور حکم عدولی ومخالفت سے ڈرانے کے لئے ہیں، اور اپنے اعمال کی نگرانی کرنے کی تاکید کے لئے ہیں؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ سمیع، بصیر اور خبیر ہے جو قول وعمل کے ظاہر کے ساتھ باطنی ومخفی اسرار ورموز والے امور کی بھی خبر رکھتا ہے اور ساتھ میں صفت قدیر سے اللہ تعالیٰ کے گناہ گاروں کو سزا دینے سے ہر قسم کی رکاوٹ کی نفی کرتی ہے۔

اکثر وبیشتر اللہ تبارک وتعالیٰ سننے اور دیکھنے کی صفت کو ایک ساتھ ملا کر ذکر فرماتا ہے، چنانچہ سماعت وبصارت

دونوں صفتیں اپنے تمام ظاہری و باطنی متعلقات کا احاطہ کئے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ وہ سننے والا ہے جس کی سماعت تمام سنی جانے والی چیزوں کو گھیرے ہوئے ہے، چنانچہ عالم بالا و سفلی میں جتنی بھی آوازیں ہیں وہ تمام آوازوں کو-خواہ پوشیدہ ہوں یا علانیہ-ایسے سنتا ہے گویا اس کے پاس ایک آواز ہے، اس پر آوازیں گڈمڈ نہیں ہوتیں، نہ اس پر تمام زبانیں پوشیدہ ہیں، اس کے نزدیک دور و نزدیک اور علانیہ و پوشیدہ سب یکساں ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿سَوَآءٌ مِّنۡكُمۡ مَّنۡ اَسَرَّ الۡقَوۡلَ وَمَنۡ جَهَرَ بِهٖ وَمَنۡ هُوَ مُسۡتَخۡفٍۢ بِالَّيۡلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ﴾ (الرعد:۱۰)

تم میں سے کسی کا اپنی بات کو چھپا کر کہنا اور بآواز بلند اسے کہنا اور جو رات کو چھپا ہوا ہو اور جو دن میں چل رہا ہو، سب اللہ تعالیٰ پر برابر و یکساں ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کی سماعت کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: اللہ تعالیٰ کا تمام ظاہری و باطنی اور پوشیدہ و علانیہ آوازوں کو سننا اور ان کا مکمل احاطہ کرنا۔

دوسری قسم: اللہ تعالیٰ کا سوال کرنے والوں، دعاء کرنے والوں اور عبادت گذاروں کی دعائیں سننا، انہیں قبول کرنا اور انہیں اجر و ثواب دینا۔ اسی قبیل سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿اِنَّ رَبِّيۡ لَسَمِيۡعُ الدُّعَآءِ﴾ (ابراہیم:۳۹)

کچھ شک نہیں کہ میرا پالنہار اللہ تعالیٰ دعاؤں کا سننے والا ہے۔

اسی طرح نمازی کی یہ دعا بھی:

سمع اللہ لمن حمدہ

(اللہ تعالیٰ نے سنا جس نے اس کی حمد و ثنا کی، یعنی قبول فرمایا۔)

القدیر:

(۷) اللہ عزوجل بذات خود مالدار اور بے نیاز ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں اور بندوں کے بس میں اللہ تعالیٰ کو نقصان پہنچانے کی طاقت نہیں، کہاں سے نقصان پہنچا سکیں، نہ ہی نفع پہنچانے کی طاقت ہے کہ اسے نفع پہنچا سکیں، بلکہ اللہ عزوجل خود ہی نفع و نقصان پہنچانے والا اور دینے روکنے والا ہے۔

ساری مخلوقات اللہ تعالیٰ کے سامنے مغلوب، اس کی عظمت کے سامنے جھکی ہوئی اور اس کے ارادہ کے تابع ہے، چنانچہ مخلوقات کی تمام پیشانیاں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں، اللہ کے تصرف، قوت اور اجازت کے بغیر ان میں سے کوئی ہلنے والی چیز ہل نہیں سکتی، نہ کوئی پھرنے والی چیز پھر سکتی ہے، جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے ہوتا ہے، اور وہ جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا، اور نہ ہی اس کے بغیر کوئی تصرف و قوت ممکن ہے۔

البصیر، الخبیر :

(۸-۹) اللہ تعالیٰ کی بصارت زمین اور آسمانوں کے تمام حصوں میں پھیلی ہوئی اور تمام چیزوں کو محیط ہے، خواہ کوئی چیز کتنی ہی پوشیدہ کیوں نہ ہو، چنانچہ اللہ تعالیٰ گھٹاٹوپ اندھیری رات میں چٹان پر رینگنے والی سیاہ چیونٹی کی چال کو بھی دیکھ رہا ہے، اور اس کے تمام ظاہر و پوشیدہ اعضاء اور اس کے باریک اعضاء میں غذا کے سرایت کرنے کو بھی دیکھ رہا ہے، اسی طرح درختوں کی شاخوں اور ان کی رگ وریشوں میں پانی کے سرایت کرنے کو بھی دیکھ رہا ہے، نیز مختلف قسم کے تمام پودوں کو بھی دیکھ رہا ہے، خواہ وہ کتنے ہی چھوٹے اور باریک کیوں نہ ہو، اسی طرح چیونٹی، شہد کی مکھی اور مچھر بلکہ اس سے بھی چھوٹی چیزوں کی پوشیدہ وتر رگوں کو بھی دیکھ رہا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی ذات نہایت پاک ہے، جس کی عظمت، صفات سے متعلقہ امور کی وسعت، کمال عظمت، باریک بینی، غیب وحاضر کی اطلاع وآگاہی وغیرہ سے عقلیں حیران وششدر ہیں، نیز وہ نگاہوں کی خیانتوں، پلکوں کے الٹ پھیر اور دلوں کی دھڑکنوں کو بھی دیکھ رہا ہے۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿الَّذِیْ یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ ﴿۲۱۸﴾ وَ تَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ ﴿۲۱۹﴾ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۲۲۰﴾﴾

(الشعراء:۲۱۸-۲۲۰)

جو تجھے دیکھتا رہتا ہے جب کہ تو کھڑا ہوتا ہے، اور سجدہ کرنے والوں کے درمیان تیرا گھومنا پھرنا بھی، وہ بڑا ہی سننے والا اور خوب ہی جاننے والا ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿یَعْلَمُ خَآىِٕنَةَ الْاَعْیُنِ وَ مَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ﴾ (غافر:۱۹)

وہ آنکھوں کی خیانت کو اور سینوں کی پوشیدہ باتوں کو (خوب) جانتا ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ﴾ (البروج:۹) اور اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے ہر چیز۔

یعنی وہ واقف اور آگاہ ہے اور اس کا علم بصارت اور سماعت کائنات کی تمام چیزوں کو محیط ہے۔

حاصل یہ کہ پہلی چار صفات رجاء وامید کے لئے ہیں اور دوسری چار تحذیر وترہیب اور نگرانی کے لئے ہیں؛ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ پہلی چار صفات کا مجموعہ ۹۴۴ رہوتا ہے، اور دوسری چار کا مجموعہ ۷۲۴ رہوتا ہے اور اگر صفت عزیز کو بھی ملایا جاوے تب بھی ۲۱۶ رہوتا ہے جو اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ بندہ پر خوف کے بجائے رحمتِ الٰہی کا غلبہ ہونا چاہئے، اور صفات متجاورات (مرکبات) کا نقشہ دیکھنے سے بھی یہی محسوس ہوتا ہے کہ مغفرت ورحمت والی صفات غضب وناراضگی والی صفات کے مقابلہ میں زیادہ ہیں۔

آیات کے اخیر میں آنے والے اسماء حسنیٰ کا اجمالی خاکہ

اسماء حسنیٰ آیات کے اخیر میں مفرد و مرکب دونوں طرح استعمال ہوئی ہیں، ان صفات کی مفرد مجموعی تعداد ۳۷ ہیں، ذیل میں ہم ان صفات کے مفرد و مرکب استعمالات کو خاکہ کی شکل میں اجمالاً واضح کر رہے ہیں۔

نمبرشمار	صفت	مفرد	مرکب	نمبرشمار	صفت	مفرد	مرکب
۱	العليم	۵۷	۹۷	۱۸	الرءوف	۲	۸
۲	الرحيم	۴	۱۱۰	۱۹	ذوالفضل	۹	-
۳	الحكيم	-	۹۱	۲۰	القوي	۲	۷
۴	الغفور	۲	۸۸	۲۱	السريع	۸	-
۵	العزيز	۴	۸۳	۲۲	العلي	-	۸
۶	الرب	۵۰	۳	۲۳	المحيط	۸	-
۷	السميع	۲	۴۳	۲۴	الواسع	-	۸
۸	القدير	۳۹	۵	۲۵	الواحد	۱	۶
۹	الخبير	۲۵	۱۸	۲۶	الرحمٰن	-	۶
۱۰	البصير	۲۷	۱۵	۲۷	العظيم	۴	۲
۱۱	الحميد	۱	۱۶	۲۸	القهار	-	۶
۱۲	الشديد	۱۵	-	۲۹	الكبير	-	۶
۱۳	الغني	۲	۱۲	۳۰	العفو	-	۵
۱۴	الشهيد	۱۳	-	۳۱	اللطيف	-	۵
۱۵	الوكيل	۱۳	-	۳۲	ذوانتقام	-	۴
۱۶	التواب	۱	۱۰	۳۳	الشكور	-	۴
۱۷	الحليم	-	۱۱	۳۴	علام الغيوب	۴	-

نمبر شمار	صفت	مفرد	مرکب	نمبر شمار	صفت	مفرد	مرکب
۳۵	الغفار	۱	۳	۵۵	الحق	–	۱
۳۶	الحسيب	۳	–	۵۶	الحي	–	۱
۳۷	المقتدر	۲	۱	۵۷	ذوالقوة	–	۱
۳۸	الولي	۲	۱	۵۸	الرزاق	–	۱
۳۹	الوهاب	۲	۱	۵۹	الصمد	–	۱
۴۰	الحفيظ	۲	–	۶۰	عالم الغيب	–	۱
۴۱	الخلاق	–	۲	۶۱	الفتاح	–	۱
۴۲	ذوالجلال والإكرام	۲	–	۶۲	الفعال	۱	–
۴۳	الرقيب	۲	–	۶۳	القادر	۱	–
۴۴	الشاكر	–	۲	۶۴	القدوس	–	۱
۴۵	الأعلى	۲	–	۶۵	القيوم	–	۱
۴۶	القريب	–	۲	۶۶	المبين	–	۱
۴۷	الكريم	۱	۱	۶۷	المتعالي	–	۱
۴۸	المجيد	۱	۱	۶۸	المتين	–	۱
۴۹	المولى	–	۲	۶۹	المجيب	–	۱
۵۰	الودود	–	۲	۷۰	المقيت	۱	–
۵۱	الأحد	–	۱	۷۱	الملك	–	۱
۵۲	الأكرم	۱	–	۷۲	الهادي	–	۱
۵۳	البر	–	۱	۷۳	المليك	–	۱
۵۴	الحفي	۱	–				

اسمائے متجاورہ

شمار	مرکب	تعداد	شمار	مرکب	تعداد
۱	العزیز الحکیم	۴۷	۲۱	الغنی الحلیم	۱
۲	العزیز الرحیم	۱۳	۲۲	الغنی الکریم	۱
۳	العزیز العلیم	۶	۲۳	التواب الرحیم	۹
۴	عزیز ذو انتقام	۴	۲۴	التواب الحکیم	۱
۵	العزیز الحمید	۳	۲۵	العلیم الحکیم	۲۹
۶	العزیز الغفار	۳	۲۶	العلیم القدیر	۴
۷	العزیز الغفور	۲	۲۷	الحکیم العلیم	۷
۸	العزیز الوهاب	۱	۲۸	الحکیم الخبیر	۴
۹	العزیز المقتدر	۱	۲۹	الرحیم الغفور	۱
۱۰	الغفور الرحیم	۷۱	۳۰	الرحیم الودود	۱
۱۱	الغفور الحلیم	۴	۳۱	الواسع العلیم	۷
۱۲	الغفور الشکور	۳	۳۲	الواسع الحکیم	۱
۱۳	الغفور الودود	۱	۳۳	العفو الغفور	۴
۱۴	السمیع العلیم	۳۲	۳۴	العفو القدیر	۱
۱۵	السمیع البصیر	۱۰	۳۵	رب رحیم	۱
۱۶	السمیع القریب	۱	۳۶	رب غفور	۱
۱۷	العلی الکبیر	۵	۳۷	رءوف رحیم	۸
۱۸	العلی العظیم	۲	۳۸	الواحد القهار	۶
۱۹	العلی الحکیم	۱	۳۹	الرحمٰن الرحیم	۶
۲۰	الغنی الحمید	۱۰	۴۰	اللطیف الخبیر	۵

شمار	مرکب	تعداد	شمار	مرکب	تعداد
۴۱	القوي العزيز	۷	۴۹	الولي الحميد	۱
۴۲	الخلاق العليم	۲	۵۰	الكبير المتعالي	۱
۴۳	الشاكر العليم	۲	۵۱	الهادي النصير	۱
۴۴	الحليم الغفور	۲	۵۲	القريب المجيب	۱
۴۵	الحي القيوم	۱	۵۳	المليك المقتدر	۱
۴۶	البر الرحيم	۱	۵۴	الفتاح العليم	۱
۴۷	الشكور الحليم	۱	۵۵	الخبير البصير	۵
۴۸	الحميد المجيد	۱			

خواتم آیات میں اسماء حسنیٰ مکی-مدنی سورتوں کے اعتبار سے

نقشۂ اول

نمبر شمار	صفت	قرآن میں مکی	قرآن میں مدنی
۱	الأكرم	۱	-
۲	الأعلى	۲	-
۳	الأحد	۱	-
۴	الصمد	۱	-
۵	العزيز الرحيم	۱۳	-
۶	الواحد القهار	۵	۱
۷	الرحيم الودود	۱	-
۸	الغفور الودود	۱	-
۹	الرزاق ذو القوة المتين	۱	-

نقشۂ دوم

نمبر شمار	صفت	قرآن میں مدنی	قرآن میں مکی
۱	العلیم	۴۱	۱۶
۲	القدیر	۲۵	۱۲
۳	الخبیر	۲۰	۲
۴	البصیر	۱۷	۹
۵	الشھید	۹	۴
۶	الغفور الرحیم	۴۵	۲۴
۷	العزیز الحکیم	۳۰	۱۶
۸	العلیم الحکیم	۲۷	۴
۹	السمیع العلیم	۱۹	۱۱

میرے لئے سب سے بڑی تشویش کی بات یہ تھی کہ عربی زبان میں اس عنوان سے کوئی مستقل کتاب متقدمین مفسرین کی نہیں تھی، اور مضمون صفات الٰہیہ کے متعلق تھا، لہٰذا معمولی سی لغزش بھی بڑی خطرناک ثابت ہوسکتی ہے، اور موضوع کے نادر ہونے کی وجہ سے مراجع تلاش کرنا بھی مشکل تھا، اس معاملہ میں مرشدی و مربی شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب دامت برکاتہم العالیہ سے بھی مشورہ ہوا، حضرت نے فرمایا کہ ایک زمانہ میں مجھ سے بھی لوگوں نے مطالبہ کیا تھا کہ اس موضوع پر کچھ لکھا جائے، پھر حضرت کے سامنے عربی کتب پیش کی گئیں، تو حضرت خوش ہو گئے، چوں کہ اسماء الٰہیہ وصفات کے بیان میں حافظ ابن تیمیہؒ اور علامہ ابن قیمؒ نے سب سے زیادہ لکھا ہے اور حضرت مولانا قمر الزماں صاحب دامت برکاتہم العالیہ کو حافظ ابن تیمیہ اور ابن القیمؒ کے علوم سے کافی دلچسپی ہے، دونوں بزرگوں کی کتابوں کی عبارتیں حضرت کو ازبر ہے، جس کا مشاہدہ آپ کے ارشادات عالیہ سے ہوتا رہتا ہے، لہٰذا حضرت سے مشورہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے اس مضمون کا آغاز کیا۔

چوں کہ موضوع بڑا اہم ہے، لہٰذا میری بارگاہ رب العزت سے یہی التجاء ہے کہ مجھے اپنی صفات کے بارے میں وہی لکھنے کی توفیق عطاء فرمائے جو اس کی شان کے مناسب ہو، اور ''**الذین یلحدون فی اسماءہ**'' کا مصداق بننے سے حفاظت فرمائے۔ آمین یارب العالمین، بحرمۃ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

کلمات تشکر:

کتاب کے مضامین کی ترتیب اور موضوع سے متعلق مواد کو''**اسماء اللہ الحسنی وصفاتہ وحکمة وجودھا فی فواصل الآیات القرآنیة**'' اور''**الاعجاز البیانی فی نظم خواتم الآیات المشتملة علی اسماء اللہ الحسنی**'' سے جمع کرنا اوران کی تصحیح دیگر کتب سے کرنا، نیز موضوع سے متعلق مواد کو حسن ترتیب کے ساتھ یکجا کرنا اور پھراس مواد کو کمپوز کرنے کی محنت شاقہ برداشت کرنے کے لئے عزیزم مولانا ذاکر پارکھیتی صاحب کا انتہائی صمیم قلب سے ممنون ومشکور ہوں، اللہ پاک ان کے علم وعمل میں برکت نصیب فرمائے اوران کو تادم حیات قرآنی علوم سے وابستہ رکھے۔آمین یارب العالمین۔

اس کتاب کے مسودہ کی تبییض کے لئے عزیز القدر مولانا رشید احمد منوبری کا بے حد ممنون ومشکور ہوں جو میری تمام عربی، اردو تحریرات کے مسودات کی تبییض اور حوالہ جات کی تلاش وتحقیق میں خندہ پیشانی وقلبی انشراح کے ساتھ بڑا تعاون فرماتے ہیں۔

نیز مولانا یٰسین صاحب کرماڈی، مولانا یوسف صاحب سندراوی اور جناب ایوب بھائی بھاڑبھوت کا بھی ممنون ومشکور ہوں کہ انہوں نے میرا تعاون فرمایا۔

حق تعالی شانہ ان تمام حضرات کے علمی، عملی وروحانی درجات میں ترقی نصیب فرمائے۔آمین بحرمة سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

(حضرت مولانا) مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی (دامت برکاتہم)
مہتمم وشیخ الحدیث دار العلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا، بھروچ، گجرات، الہند
۱۲رمحرم الحرام ۱۴۴۱ھ= مطابق ۱۲رستمبر ۲۰۱۹ء

اسماء حسنیٰ کے سلسلے کی احادیث کی تحقیق

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى﴾ (الاسراء:۱۱۰)

''اے نبی بتادیجئے کہ اے لوگو! اللہ کہو یا رحمن کہو، ان میں سے کوئی نام بھی لو، بس اللہ کے نام تو سب پاک ہیں۔''

﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْۤ اَسْمَآىِٕهٖ﴾ (الاعراف:۱۸۰)

''اللہ کے بہت پاک نام ہیں، پس لوگو! اللہ کو اس کے ناموں کے ساتھ پکارا کرو اور جو اس کے ناموں میں الحاد کرتے ہیں اسے چھوڑ دو۔''

آیات بالا سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نام توقیفی ہیں، یعنی جن اسماء کو اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسماء الٰہی بتایا ہے، ان کے سوا اللہ تعالیٰ کو کسی اور نام سے یاد کرنا، پکارنا یا اسے اللہ تعالیٰ کا پاک نام سمجھنا جائز نہیں۔

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ ایسے ۹۹/نام ہیں جن کی یاد انسان کو جنت تک پہنچا دیتی ہے، احادیث صحیحہ میں تو اسی قدر ہے، اب احادیث کے طبقہ ثانیہ کی کتابوں میں اسماء الحسنی کو بزرگان دین نے فراہم بھی کیا ہے۔

لوگوں میں زیادہ تر مشہور وہ روایت ہے جو سنن ترمذی میں ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ کے صرف ننانوے نام نہیں ہے، بلکہ لاتعداد ہیں، جن میں کچھ ہم جانتے ہیں، جن کا بیان کتاب وسنت میں ہوا ہے، اور بہت کچھ نہیں جانتے ہیں، پیش لفظ میں میں نے شیخ رشید اللہ یعقوب صاحب کے حوالے سے لکھا ہے کہ انہوں نے قرآن وحدیث میں ۳۱۹/نام باحوالہ نقل کئے ہیں اور جیسے کہ ایک روایت مبارکہ سے بھی معلوم ہوتا ہے جو غم کے ازالے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے۔

''مَا أَصابَ أحدًا قَطُّ هَمٌّ وَلَا حَزَنٌ، فَقَالَ: اللّٰهُمَّ إِنِّي عَبْدُكَ، ابْنُ عَبْدِكَ، ابنُ أمتِكَ، نَاصِيَتِي بِيَدِكَ، مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ، عَدْلٌ فِيَّ قَضَاؤُكَ، أَسْأَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهِ نَفْسَكَ. أَوْ عَلَّمْتَهُ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ، أَوْ أَنْزَلْتَهُ فِي كِتَابِكَ، أَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهِ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ، أَن تَجْعَلَ الْقُرْآنَ رَبِيعَ قَلْبِي، وَنُورَ صَدْرِي، وَجِلَاءَ حُزْنِي، وَذَهَابَ هَمِّي، إِلَّا أَذْهَبَ اللهُ هَمَّهُ وَحُزْنَهُ، وَأَبْدَلَهُ مَكَانَهُ فَرَحاً''، قال فقيل: يارسول الله!

ألا نتعلمها ؟ فقال: ''بلى، ينبغي لمن سمعها أن يتعلّمها''. (مسند احمد: ۱/ ۳۹۱ ومسند ابو یعلی: ۹/ ۱۹۸- ۱۹۹، حدیث(۵۲۹۷) ومستدرک حاکم: ۱/ ۵۰۹-۵۱۰ وعمل اليوم والليلة لابن السنی، حدیث: (۳۳۹، ۳۴۰)

جب کسی بندہ کو کوئی فکر یا رنج وغم لاحق ہو اور وہ یہ دعا پڑھ لے: اے اللہ میں تیرا بندہ ہوں، تیرے بندے کا بیٹا ہوں، تیری بندی کا بیٹا ہوں، میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے، میرے سلسلہ میں تیرا فیصلہ طے ہے، میرے بارے میں تیرا فیصلہ مبنی بر عدل ہے، میں تیرے ہر اس نام کے وسیلہ سے دعا کرتا ہوں جو تیرا ہے، جو تو نے اپنا نام رکھا ہے، یا تو نے اپنی کتاب میں اتارا ہے، یا تو نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا ہے، یا تو نے اپنے علم غیب میں اسے چھپا رکھا ہے، کہ تو قرآن کریم کو میرے دل کی بہار اور میرے سینے کا نور بنادے، اور میرے غم کا مداوا اور میرے رنج وملال کو ختم کرنے والا بنادے''۔ تو اللہ تعالی اس کا رنج وغم ٹال دے گا اور اسے فرحت ومسرت سے بدل دے گا، صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم اسے سیکھ نہ لیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں نہیں، یہ دعا جو بھی سنے اسے یاد کر لینا چاہئے۔

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے ناموں کی تین قسمیں کی ہیں:

(۱) جو خود اللہ نے اپنا نام رکھا ہے، چنانچہ اسے اپنی مرضی کے مطابق اپنے فرشتوں یا دیگر لوگوں کے لئے ظاہر کیا ہے، انہیں اپنی کتاب میں نہیں اتارا ہے۔

(۲) جو اللہ نے اپنی کتاب میں اتارا، اور اس کے ذریعہ بندوں نے اللہ کو پہچانا ہے۔

(۳) جسے اللہ نے اپنے علم غیب میں چھپا رکھا ہے، اپنی مخلوق میں سے کسی کو اس سے آگاہ نہیں کیا ہے۔

اسی لئے فرمایا: ''اسْتَأثَرْت به'' (تو نے اسے چھپا رکھا ہے) یعنی صرف تجھے ہی اس کا علم ہے، اس کا یہ مقصود نہیں ہے کہ وہ نام رکھنے میں منفرد ہے؛ کیونکہ یہ انفرادیت ان اسماء میں بھی ثابت ہے جنہیں اللہ نے اپنی کتاب میں اتارا ہے، اور اسی قبیل سے حدیث شفاعت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے:

''فيفتحُ اللّٰهُ عليّ منْ مَحامده بما لَا اقْدِرُ عَلَيْه الآن''. (صحیح مسلم، کتاب الایمان، رقم الحدیث: ۱۹۴، ۱۹۳)

(اس وقت اللہ تعالی مجھ پر اپنی تعریفوں کے ایسے الفاظ کھولے گا جو ابھی میرے بس میں نہیں۔)

اور یہ تعریفیں اللہ کے اسماء وصفات کے ذریعہ پوری ہوں گی۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''لا أُحْصي ثَناء عليك أنتَ كَمَا أثْنيْت عَلى نفسك''. (صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، رقم الحدیث: ۴۸۵)

''تیری تمام حمد وثنا کرنا میرے بس میں نہیں، تو ویسا ہے جیسا تو نے خود اپنی تعریف کی ہے۔)

رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان:

"إنّ لِلّٰهِ تِسعة وتسْعِين اسما، من أحصاها دخل الجنة". (صحیح بخاری: کتاب الشروط، رقم الحدیث: ۲۷۳۶ ومسلم: کتاب الذکر والدعاء والتوبة والاستغفار، رقم الحدیث: ۲۶۷۷)

(اللہ تعالیٰ کے ننیانوے نام ہیں، جس نے انہیں شمار کیا وہ جنت میں داخل ہوگا۔)

تو وہ ایک ہی جملہ ہے، اور فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: "من أحصاها دخل الجنة" (جس نے انہیں شمار کیا وہ جنت میں داخل ہوگا) مستقبل کی خبر نہیں؛ بلکہ اس کی صفت ہے، معنی یہ ہے کہ یوں تو اللہ کے ناموں کی تعداد بہت بڑی ہے، لیکن ان ننیانوے ناموں کی خوبی یہ ہے کہ جو انہیں شمار کرے گا، جنت میں داخل ہوگا، اس سے اللہ تعالیٰ کے لئے ان کے علاوہ دیگر ناموں کی نفی نہیں ہوتی۔

لہٰذا دعا کرنے والے کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے اسماء حسنیٰ اور صفات علیا کے وسیلہ سے دعا کرے، جیسا کہ اسم اعظم میں ہے:

" اللّٰهُمّ إنِّي أسْألُک بِأنّ لَکَ الْحمد ، لا إله إلا أنت الْمَنّانُ، بَدِيع السّمٰوَاتِ والْأرْض . يا ذَا الْجَلَالِ وَالْإكْرام. يَاحَيُّ يا قَيُّومُ". (سنن ابوداؤد: کتاب الوتر، باب الدعاء: الرقم: ۱۴۹۵)

(اے اللہ! میں تجھ سے اس وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کہ تمام تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں، تیرے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں، تو احسان فرمانے والا، آسمانوں اور زمین کو از سر نو وجود بخشنے والا ہے، اے جلال وعظمت اور کرم والے، اے ہمیشہ زندہ رہنے والے، اے تھامنے والے۔)

اور دعا کی تین قسمیں ہیں:

(۱) آپ اللہ تعالیٰ سے اس کے اسماء وصفات کے وسیلہ سے مانگیں۔

(۲) آپ اللہ تعالیٰ سے اپنی محتاجگی، فقیری اور انکساری کے ذریعہ مانگیں، اور کہیں، میں فقیر مسکین ذلیل پناہ کا طلبگار بندہ ہوں، وغیرہ۔

(۳) آپ اپنی حاجت کا سوال کریں، مذکورہ دونوں باتوں میں سے کچھ بھی ذکر نہ کریں، تو پہلی قسم دوسری سے کامل تر ہے اور دوسری قسم تیسری سے کامل تر ہے، اور اگر دعا میں تینوں چیزیں اکٹھی ہو جائیں تو سب سے بہتر ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعائیں عموماً ایسی ہی ہوا کرتی تھیں۔

صحیح بخاری میں ہے:

حدثنا علی بن عبداللہ، حدثنا سفیان، قال: حفظناہ من ابی الزناد عن الاعرج عن ابی ہریرۃ رضی اللہ

عنہ روایۃً قال: للہ عزوجل تسعۃ وتسعون اسما، مائۃ الا واحدا، من حفظھا دخل الجنۃ، وھو وتر یحب الوتر۔

(بخاری: کتاب الدعوات، باب للہ مائۃ اسم غیر واحدۃ، ص: ۵۳۹، رقم الحدیث ۶۴۰۱)

''ہم سے علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی کہ ہم سے سفیان نے حدیث بیان کی اور کہا کہ ہم نے ابی الزناد سے، انہوں نے اعرج سے، انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ یاد کرلیا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے ۹۹/نام ہیں، ایک کم سو، جس نے ان کو حفظ کرلیا، وہ داخل جنت ہوگا، اللہ تعالیٰ تو وتر ہے، وتر کو دوست رکھتا ہے۔''

صحیح مسلم میں ہے:

حدثنا عمرو الناقد وزھیر بن حرب وابن ابی عمر جمیعا عن سفیان، واللفظ لعمرو، حدثنا سفیان عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ عن النبی ﷺ روایۃ قال: ان للہ تسعۃ وتسعین اسما، من حفظھا دخل الجنۃ، واللّٰہ وتر یحب الوتر۔ وفی روایۃ ابن ابی عمر: من احصاھا۔

(مسلم: کتاب الذکر والدعا، باب فی اسماء اللّٰہ تعالیٰ، رقم الحدیث ۶۸۰۹)

''عمرو ناقد، زہیر بن حرب اور ابن ابی عمرو تینوں نے ہم کو سفیان سے حدیث سنائی (اس میں الفاظ عمرو ناقد کے ہیں) کہ سفیان نے ابوالزناد سے حدیث بیان کی، انہوں نے اعرج سے، انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ یاد کرلیا، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ اللہ تعالیٰ کے ۹۹/نام ہیں، جس نے ان کو حفظ کرلیا، وہ داخل جنت ہوا، اللہ تعالیٰ تو وتر ہے، وتر کو دوست رکھتا ہے۔'' ابن ابی عمرو نے ''**حفظھا**'' کی جگہ ''**احصاھا**'' کہا تھا۔

صحیح مسلم کی دوسری روایت ہے:

حدثنا محمد بن رافع، حدثنا عبدالرزاق، اخبرنا معمر عن ایوب عن ابن سیرین: عن ابی ھریرۃ وعن ھمام بن منبہ عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ قال: ان للہ تسعۃ وتسعین اسما، مائۃ الا واحدا، من احصاھا دخل الجنۃ۔ وزاد ھمام عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ: انہ وتر یحب الوتر۔

(مسلم: کتاب الذکر والدعا، باب فی اسماء اللّٰہ تعالیٰ، ص: ۱۱۴۴، رقم الحدیث ۶۸۱۰)

ہم سے محمد بن رافع نے، ان سے عبدالرزاق نے، ان سے معمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے ایوب سے، انہوں نے ابن سیرین سے، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے، نیز ایوب نے ہمام بن منبہ ہی سے، انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ ''اللہ تعالیٰ کے ۹۹/نام ہیں، ایک کم سو، جس نے ان کو

گن رکھا (یاد کیا) وہ جنت میں پہنچا۔" ہمام کی روایت میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فقرہ زیادہ کیا ہے کہ "اللہ وتر ہے، وتر کو دوست رکھتا ہے۔"

جامع ترمذی کی حدیث ہے:

حدثنا ابن ابی عمر حدثنا سفیان عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال: ان لله تسعة وتسعین اسما، من احصاها دخل الجنة.

(جامع الترمذی: کتاب الدعوات، باب حدیث فی اسماء اللّٰہ تعالی، رقم الحدیث ۳۵۰۸)

"ہم سے ابن ابی عمر نے، انہوں نے سفیان سے حدیث بیان کی، سفیان نے ابو الزناد سے، انہوں نے اعرج سے، انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ اللہ کے ۹۹ رنام ہیں، جس نے ان کو گن رکھا وہ داخل جنت ہوا۔"

ترمذی کہتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے، اس میں اسماء کی تفصیل نہیں، ابو الیمان نے بھی اس روایت کو شعیب ابن ابی حمزہ سے، انہوں نے ابو الزناد سے بیان کیا ہے، اسماء کا ذکر اس میں بھی نہیں۔

جامع ترمذی کی دوسری حدیث ہے:

حدثنا ابراهیم بن یعقوب، اخبرنا صفوان بن صالح، حدثنا الولید بن مسلم، حدثنا شعیب بن ابی حمزة عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی هریرة قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ، ان لله تسعة وتسعین اسما، مائة غیر واحدة، من احصاها دخل الجنة، وهو اللّٰہ الذی لا اله الا هو الرحمن الرحیم...... الخ

(ترمذی: کتاب الدعوات، ص: ۲۰۱۳، رقم الحدیث: ۳۵۰۸)

"ہم سے ابراہیم بن یعقوب نے، ان سے صفوان بن صالح نے، ان سے ولید بن مسلم نے، ان سے شعیب بن حمزہ نے، ان سے ابو الزناد نے، ان سے اعرج نے، ان سے ابو ہریرہ نے، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ کے ۹۹ رنام ہیں، یعنی ایک کم سو، جس نے ان کو گھیر لیا، وہ داخل جنت ہوا، وہ نام اللہ، رحمن، رحیم ---- الخ ہیں۔"

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: یہ حدیث غریب ہے، صفوان بن صالح سے اس کی روایت ہم سے ایک سے زائد نے کی ہے، اور ہمارے نزدیک یہ اسی صفوان ہی کے طریق سے معروف ہے، یہ محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں، یہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور طریق سے بھی مروی ہے اور اکثر روایات میں اسماء کا ذکر نہیں آتا، ہاں اسی حدیث میں آیا ہے۔

اس حدیث کو مع بیان اسماء آدم بن ابی ایاس نے بھی بیان کیا ہے، وہ بھی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، اسناد اور ہیں؛ لیکن وہ اسناد صحیح نہیں۔ (ترمذی: کتاب الدعوات، ص: ۲۰۱۳، رقم الحدیث ۳۵۰۷)

ابن ماجہ میں ہے:

حدثنا ھشام بن عمار، حدثنا عبد الملک بن محمد الصنعانی حدثنا ابو المنذر زھیر بن محمد التمیمی حدثنا موسی بن عقبة، حدثنی عبد الرحمن الاعرج عن ابی ھریرة ان رسول اللہ ﷺ قال: ان للہ تسعة وتسعین اسما، مائة الا واحدا، انه وتر یحب الوتر، من حفظها دخل الجنة، وھی..... الخ

(ابن ماجہ: کتاب الدعاء، باب اسماء اللہ عز وجل ص: ۲۷۰۷، رقم ۳۸۶۱)

''ہم سے ہشام بن عثمان نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں: ہم سے عبدالملک بن محمد نے، ان سے ابوالمنذر نے، ان سے زہیر بن محمد التمیمی نے، ان سے موسیٰ بن عقبہ نے حدیث بیان کی کہ مجھ سے عبدالرحمن اعرج نے حدیث بیان کی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ کے ۹۹ رنام ہیں، ایک کم سو، وہ وتر ہے، اور وتر کو دوست رکھتا ہے، جس نے ان ناموں کو حفظ کرلیا، وہ داخل جنت ہوا، وہ نام آگے بتائے گئے ہیں کہ یہ ہیں۔''

ان احادیث کی رو سے -- جن میں تفصیل اسماء موجود ہے -- تین طریقے ہیں، جو محدثین میں مشہور ہیں۔

طریق اول:

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور یہی سب سے زیادہ شہرت یافتہ ہے، اس طریق کو محدثین کی زبان میں طریق صفوان بن صالح کہتے ہیں۔

اسی طریق کو ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے سوا طبرانی و ابن حبان و ابن خزیمہ نے بھی بیان کیا ہے۔

قال ابن حجر: ولیست العلة عند الشیخین تفرد الولید فقط، بل الاختلاف فیه، والاضطراب، وتدلیسه، واحتمال الادراج. (فتح الباری: ج: ۱۱، ص: ۲۱۹)

قال شیخ الاسلام ابن تیمیة رحمه اللہ: "وقد اتفق اھل المعرفة بالحدیث علی ان ھاتین الروایتین [ای: روایة الترمذی من طریق الولید، وروایة ابن ماجه من طریق عبد الملک] لیستا من کلام النبی ﷺ، وانما کل منھما من کلام بعض السلف، فالولید ذکرھا عن بعض شیوخه الشامیین کما جاء مفسرا فی بعض طرق حدیثه، ولھذا اختلفت اعیانھما عنه، فروی عنه فی احدی الروایات من الاسماء بدل ما ذکر فی الروایة الاخری... وھذا کله مما یبین لک انھا من الموصول المدرج فی الحدیث عن النبی ﷺ فی بعض الطرق، ولیست من کلامه،

ولهذا جمعها قوم آخرون على غير هذا الجمع، واستخرجوها من القرآن، منهم سفيان بن عيينة، والامام احمد وغيرهم. (مجموع الفتاوى: ۶/۳۷۹-۳۸۰ باختصار۔ وانظر "مجموع الفتاوى" ۲۲/۴۸۳)

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری (۱۱/۲۱۵ طبع سلفیہ) میں فرمایا ہے:

''اس حدیث کے ضعف کے سلسلہ میں علت صرف ولید کا تفرد نہیں ہے؛ بلکہ نقلِ متن میں اختلاف، اضطراب، تدلیس اور احتمالِ ادراج یہ ساری علتیں ہو سکتی ہیں۔''

اب چونکہ ان (۹۹) ناموں کی تعیین نبی ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں ہے؛ لہذا سلف صالحین سے اس تعیین کے سلسلہ میں خاصہ اختلاف منقول ہے، اور بہت سے اقوال وارد ہیں۔

واضح ہو کہ ان ناموں کی تعیین کے سلسلہ میں نبی ﷺ سے کوئی حدیث ثابت نہیں ہے، اور جو حدیث بسلسلۂ تعیین پیش کی جاتی ہے وہ ضعیف ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اپنے فتاوی (۹/۳۸۲) میں فرماتے ہیں:

''اہل الحدیث (محدثین) کا اتفاق ہے کہ (۹۹) ناموں کی تعیین کے سلسلہ میں جو حدیث پیش کی جاتی ہے، وہ نبی ﷺ کے قول سے نہیں ہے۔''

شیخ الاسلام (ص: ۳۷۹) پر مزید فرماتے ہیں:

''یہ نام ولید نامی راوی نے اپنے بعض شامی شیوخ سے ذکر کئے ہیں، جیسا کہ بعض طرقِ حدیث میں یہ واضح طور پر آیا ہے۔''

طریق دوم:

زہیر بن محمد کا ہے، جسے ابن ماجہ نے بیان کیا ہے، اس میں ترمذی کے ناموں سے زیادہ اختلاف ہے۔

طریق سوم:

عبد العزیز بن حصین کا ہے، جسے حاکم (مستدرک حاکم: کتاب الایمان، جلد: ۱، ص: ۲۰، رقم ۴۰، مکتبہ نزار مصطفی الباز، الریاض) نے مستدرک میں بیان کیا ہے، یہ بعض اسماء میں ترمذی وابن ماجہ دونوں سے مختلف ہے۔ وعبد العزیز هذا ضعیف، لا یحتج به، قال البخاری عنه: لیس بالقوی عندهم، وقال مسلم: ذاهب الحدیث، وقال ابن حجر رحمه الله متفق علی ضعفه. (لسان المیزان: ۴/۲۸)

ان طرق حدیث کو بخوبی واضح و دلنشین کرنے کی غرض سے راویان حدیث کے نام ایک شجرہ میں نمایاں کئے جاتے ہیں۔

نقشہ روایت اسماء اللہ تعالیٰ (عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

ابن سیرین	ہمام بن منبہ	اعرج						
ایوب		ابی الزناد						موسیٰ بن عقبہ
عبدالعزیز بن حصین	معمر			سفیان		شعیب بن عمرو		زہیر بن محمد
	عبدالرزاق	علی بن عبداللہ	زہیر بن حرب عمرو الناقد	ابن ابی عمرو	ابوالیمان	ولید بن مسلم		ابوالمنذر
						صفوان بن صالح ابراہیم بن یعقوب		عبدالملک بن محمد ہشام بن عمار
حاکم و مستدرک	امام مسلم	امام بخاری	امام مسلم	امام مسلم	امام ترمذی	امام ترمذی	امام ترمذی	امام ابن ماجہ
روایت نمبر:۱۰ مع تفصیل	روایت نمبر ۶: بلاتفصیل	روایت نمبر:۱ بلاتفصیل	روایت نمبر ۲،۳: بلاتفصیل	روایت نمبر ۴: بلاتفصیل	روایت نمبر ۵ بلاتفصیل	روایت نمبر ۷: بلاتفصیل	روایت نمبر: ۸ مع تفصیل	روایت نمبر:۹ مع تفصیل

ہر سہ طریق روایات اور اسماء مبینہ پر غور کرنے کے بعد ایک محقق و متجسس بآسانی اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ اسماء الحسنی کی تعیین و تفصیل، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ (قاضی منصور پوری:۲۸)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے (فتح الباری: کتاب الدعوات، ج:۱۱،ص:۲۵۶،رقم ۶۴۱۰) تحریر فرمادیا ہے کہ تعیین اسماء مدرج ہے،ابن العربی اور ابوالحسن قابسی کے بھی ایسے ہی اقوال درج کئے ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ کا خلاصہ پیش خدمت ہے:

غاية أمره أن يكون مشهورا، ولم يقع في شيء من طرقه سرد الأسماء إلا في رواية الوليد بن مسلم عند الترمذي، وفي رواية زهير بن محمد عن موسى بن عقبة عند ابن ماجه، وهذان الطريقان، يرجعان إلى رواية الأعرج، وفيهما اختلاف شديد في سرد الأسماء والزيادة والنقص على ما سأشير إليه.

والعلة فيه عندهما تفرد الوليد بن مسلم، قال: ولا أعلم خلافاً عند أهل الحديث أن الوليد أوثق وأحفظ وأجل وأعلم من بشر بن شعيب وعلي بن عياش وغيرهما من أصحاب شعيب، يشير إلى أن بشراً وعلياً وأبا اليمان

رووه عن شعيب بدون سياق الأسماء فرواية أبي اليمان عند المصنف، ورواية علي عند النسائي، ورواية بشر عند البيهقي، وليست العلة عند الشيخين تفرد الوليد فقط بل الاختلاف فيه والاضطراب وتدليسه واحتمال الادراج، قال البيهقي: يحتمل أن يكون التعيين وقع من بعض الرواة في الطريقين معاً، ولهذا وقع الاختلاف الشديد بينهما، ولهذا الاحتمال ترك الشيخان تخريج التعيين. وقال الترمذي بعد أن أخرجه من طريق الوليد: هذا حديث غريب حدثنا به غير واحد عن صفوان، ولا نعرفه إلا من حديث صفوان وهو ثقة. (فتح الباری: ۱۲/ ۵۱۵)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی (تفسیر جز ورابع مطبوعہ بولاق مصر ۱۲۷۱ء) چند ائمہ سے یہی ثابت کیا ہے کہ اسماء کو اہل علم نے فراہم کیا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے بھی تحریر فرمایا ہے کہ ابو زید بغوی نے اسماء الحسنی کا استخراج قرآن مجید سے کیا، پھر اس فہرست میں امام سفیان بن عیینہ نے اور امام جعفر صادقؒ نے اضافہ فرمایا، اس کے بعد انہوں نے ہر ایک سورۂ قرآنیہ میں موجود اسماء مستخرجہ کا اندراج کیا ہے اور پھر خود ہی ایک فہرست اسماء پیش کر دی ہے۔

اللہ ربُّ العزت کے ننانوے اسماء حُسنیٰ

۱	اَللّٰهُ	معبود برحق اور موجود مطلق، یہ نام خدا تعالی کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے، غیر خدا پر اس کا اطلاق نہیں ہوسکتا، نہ حقیقۃً نہ مجازاً۔
۲	اَلرَّحْمٰنُ	نہایت رحم والا۔
۳	اَلرَّحِيْمُ	بڑا مہربان۔
۴	اَلْمَلِكُ	بادشاہ حقیقی، اپنی تدبیر اور تصرف میں مختار مطلق۔
۵	اَلْقُدُّوْسُ	تمام عیبوں اور برائیوں سے پاک اور منزّہ، فضائل اور محاسن کا جامع، اور معائب اور مخلوقات کی صفات سے معرّا اور مبرا۔
۶	اَلسَّلَامُ	آفتوں اور عیبوں سے سالم اور سلامتی کا عطا کرنے والا بے عیب۔
۷	اَلْمُؤْمِنُ	مخلوق کو آفتوں سے امن دینے والا، اور امن کے سامان پیدا کرنے والا۔
۸	اَلْمُهَيْمِنُ	ہر چیز کا نگہبان اور پاسبان۔
۹	اَلْعَزِيْزُ	عزت والا اور غلبہ والا، کوئی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا اور نہ کوئی اس پر غلبہ پا سکتا ہے۔

۱۰	اَلْجَبَّارُ	جبر اور قہر والا، ٹوٹے ہوئے کا جوڑنے والا، اور بگڑے ہوئے کا درست کرنے والا، کوئی اسے مجبور نہیں کر سکتا۔
۱۱	اَلْمُتَکَبِّرُ	انتہائی بلند اور برتر، یعنی بزرگ اور بے نیاز، جس کے سامنے سب حقیر ہیں۔
۱۲	اَلْخَالِقُ	مشیت اور حکمت کے مطابق ٹھیک اندازہ کرنے والا اور اس کے مطابق پیدا کرنے والا، اس نے ہر چیز کی ایک خاص مقدار مقرر کر دی، کسی کو چھوٹا اور کسی کو بڑا، کسی کو انسان اور کسی کو حیوان، کسی کو پہاڑ اور کسی کو پتھر، اور کسی کو مکھی اور کسی کو مچھر، ہر ایک کی ایک خاص مقدار مقرر کر دی۔
۱۳	اَلْبَارِئُ	بلا کسی اصل کے اور بلا کسی خلل کے پیدا کرنے والا۔
۱۴	اَلْمُصَوِّرُ	طرح طرح کی صورتیں بنانے والا، کہ ہر صورت کو دوسری سے جدا اور ممتاز بناتا ہے۔
۱۵	اَلْغَفَّارُ	بڑا بخشنے والا اور عیبوں کا چھپانے والا، اور پردہ پوشی کرنے والا۔
۱۶	اَلْقَهَّارُ	بڑا قہر اور غلبہ والا، کہ جس کے سامنے سب عاجز ہوں، ہر موجود اس کی قدرت کے سامنے مقہور و عاجز ہے۔
۱۷	اَلْوَهَّابُ	بغیر غرض اور بغیر عوض کے بخشنے والا، بندہ بھی کچھ بخش دیتا ہے؛ مگر اس کی بخشش ناقص اور ناتمام ہوتی ہے، بندہ کسی کو کچھ روپیہ پیسہ دے سکتا ہے، مگر صحت اور عافیت نہیں دے سکتا۔
۱۸	اَلرَّزَّاقُ	روزی دینے والا اور روزی کا پیدا کرنے والا، رزق اور مرزوق سب اسی کی مخلوق ہے۔
۱۹	اَلْفَتَّاحُ	رزق اور صحت کا دروازہ کھولنے والا اور مشکلات کی گرہ کھولنے والا۔
۲۰	اَلْعَلِیْمُ	بہت جاننے والا جس سے کوئی چیز مخفی نہ ہو، اس کا علم تمام کائنات کے ظاہر و باطن کو محیط ہے۔
۲۱	اَلْقَابِضُ	تنگی کرنے والا۔
۲۲	اَلْبَاسِطُ	فراخی کرنے والا، یعنی رزق حسی اور معنوی کی تنگی اور فراخی سب اس کے ہاتھ میں ہے، کسی پر رزق کو فراخ کیا اور کسی پر تنگ کیا۔
۲۳	اَلْخَافِضُ	پست کرنے والا۔
۲۴	اَلرَّافِعُ	بلند کرنے والا، جس کو چاہے پست کرے اور جس کو چاہے بلند کرے۔
۲۵	اَلْمُعِزُّ	عزت دینے والا۔

۲۶	**اَلْمُذِلُّ**	ذلت دینے والا، جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلت دے، جس کو چاہے ہدایت دے اور جس کو چاہے گمراہ کردے۔
۲۷	**اَلسَّمِيْعُ**	بہت سننے والا۔
۲۸	**اَلْبَصِيْرُ**	بہت دیکھنے والا۔
۲۹	**اَلْحَكَمُ**	حکم کرنے والا، اور فیصلہ کرنے والا، کوئی اس کے فیصلہ کو رد نہیں کرسکتا، اور نہ کوئی اس کے فیصلہ پر تبصرہ کرسکتا ہے۔
۳۰	**اَلْعَدْلُ**	انصاف کرنے والا، اس کی بارگاہ میں ظلم اور جور وستم عقلاً محال ہے۔
۳۱	**اَللَّطِيْفُ**	باریک بین اور نیکی اور نرمی کرنے والا، ایسی خفی اور باریک چیزوں کا ادراک کرنے والا جہاں نگاہیں نہیں پہنچ سکتیں۔
۳۲	**اَلْخَبِيْرُ**	بڑا ہی آگاہ اور باخبر ہے، ہر چیز کی حقیقت کو جانتا ہے، ہر چیز کی اس کو خبر ہے، یہ ناممکن ہے کہ کوئی چیز موجود ہو اور خدا کو اس کی خبر نہ ہو۔
۳۳	**اَلْحَلِيْمُ**	بڑا ہی بُردبار، علانیہ نافرمانی بھی اس کو مجرمین کی فوری سزا پر آمادہ نہیں کرتی، گناہوں کی وجہ سے وہ رزق نہیں روکتا۔
۳۴	**اَلْعَظِيْمُ**	بڑا ہی عظمت والا، جس کے سامنے سب ہیچ ہیں اور کسی کی اس تک رسائی نہیں۔
۳۵	**اَلْغَفُوْرُ**	بہت بخشنے والا۔
۳۶	**اَلشَّكُوْرُ**	بڑا قدردان، تھوڑے عمل پر بڑا ثواب دینے والا۔
۳۷	**اَلْعَلِيُّ**	بلند مرتبہ کہ اس سے اوپر کسی کا مرتبہ نہیں۔
۳۸	**اَلْكَبِيْرُ**	بہت بڑا کہ اس سے بڑا کوئی متصوّر نہیں۔
۳۹	**اَلْحَفِيْظُ**	نگہبان، مخلوق کو آفتوں اور بلاؤں سے محفوظ رکھنے والا۔
۴۰	**اَلْمُقِيْتُ**	مخلوق کو قُوت یعنی روزی اور غذا دینے والا، روح اور جسم دونوں کو روزی دینے والا، اور بعض نسخوں میں "**اَلْمُغِيْثُ**" ہے یعنی فریاد کو پہنچنے والا۔
۴۱	**اَلْحَسِيْبُ**	ہر حال میں کفایت کرنے والا، یا قیامت کے دن بندوں سے حساب لینے والا۔
۴۲	**اَلْجَلِيْلُ**	بزرگ تر، یعنی کمالِ استغناء، کمالِ تقدس اور کمالِ تنزیہ کے ساتھ موصوف ہے۔

۴۳ اَلْكَرِيْمُ کرم اور بخشش والا، بغیر سوال کے اور بغیر وسیلہ کے عطا کرنے والا۔

۴۴ اَلرَّقِيْبُ نگہبان اور نگران، کسی شیئ سے وہ غافل نہیں، اور کوئی شیئ اس کی نظر سے پوشیدہ نہیں۔

۴۵ اَلْمُجِيْبُ دعاؤں کا قبول کرنے والا، اور بندوں کی پکار کا جواب دینے والا۔

۴۶ اَلْوَاسِعُ فراخ علم والا، جس کا علم اور جس کی نعمت تمام اشیاء کو محیط ہے۔

۴۷ اَلْحَكِيْمُ حقائق اور اسرار کا جاننے والا، جس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں، اور حکمت کے معنی کمال علم کے ساتھ؛ فعل اور عمل کا عمدہ ہونا اور پختہ ہونا، یعنی اس کی کار اور گفتار سب درست اور استوار ہے۔

۴۸ اَلْوَدُوْدُ نیک بندوں کو دوست رکھنے والا، خیر اور احسان کو پسند کرنے والا۔

۴۹ اَلْمَجِيْدُ ذات، صفات اور افعال میں بزرگ اور شریف۔

۵۰ اَلْبَاعِثُ مُردوں کو زندہ کرنے والا، اور قبروں سے اٹھانے والا، اور سوتے ہوؤں کو بستروں سے جگانے والا۔

۵۱ اَلشَّهِيْدُ حاضر و ناظر اور ظاہر و باطن پر مطلع، اور بعض کہتے ہیں کہ امور ظاہرہ کے جاننے والے کو شہید کہتے ہیں اور امور باطنہ کے جاننے والے کو خبیر کہتے ہیں اور مطلق جاننے والے کو علیم کہتے ہیں۔

۵۲ اَلْحَقُّ ثابت اور برحق، یعنی جس کی خدائی اور شہنشاہی حق ہے اور اس کے سوا سب باطل اور ہیچ۔

۵۳ اَلْوَكِيْلُ کارساز، جس کی طرف کسی نے اپنا کام سپرد کر دیا ہو، وہ اس کا کام بنانے والا ہے۔

۵۴ اَلْقَوِيُّ غیر متناہی قوت والا، یعنی توانا اور زور والا، جس کو کبھی ضعف لاحق نہیں ہوتا۔

۵۵ اَلْمَتِيْنُ استوار اور شدید القوت؛ جس میں ضعف اور اضمحلال کا امکان نہیں اور اس کی قُوّت میں کوئی اس کا مقابل اور شریک نہیں۔

۵۶ اَلْوَلِيُّ مددگار اور دوست رکھنے والا، یعنی اہل ایمان کا محبّ اور ناصر۔

۵۷ اَلْحَمِيْدُ سزاوار حمد و ثنا، ذات و صفات اور افعال کے اعتبار سے ستودہ۔

۵۸ اَلْمُحْصِيْ کائنات عالم کی مقدار اور شمار کو جاننے والا، زمین کے ذرّے، بارش کے قطرے، درختوں کے پتے اور انسانوں اور حیوانوں کے سانس؛ سب اُس کو معلوم ہیں۔

۵۹	اَلْمُبْدِئُ	پہلی بار پیدا کرنے والا، اور عدم سے وجود میں لانے والا۔
۶۰	اَلْمُعِيْدُ	دوبارہ پیدا کرنے والا، پہلی بار بھی اس نے پیدا کیا اور قیامت کے دن بھی وہی دوبارہ پیدا کرے گا، اور معدومات کو دوبارہ ہستی کا لباس پہنائے گا۔
۶۱	اَلْمُحْيِيْ	زندہ کرنے والا۔
۶۲	اَلْمُمِيْتُ	مارنے والا، جسمانی اور روحانی، ظاہری اور باطنی، موت اور حیات کا مالک، جس نے ہر ایک کی موت اور حیات کا وقت اور اس کی مدت مقرر اور مقدر کر دی۔
۶۳	اَلْحَيُّ	بذاتِ خود زندہ اور قائم بالذات، جس کی حیات کو کبھی زوال نہیں۔
۶۴	اَلْقَيُّوْمُ	کائنات عالم کی ذات وصفات کا قائم رکھنے والا اور تھامنے والا، یعنی تمام کائنات کا وجود اور ہستی اس کے سہارے سے قائم ہے۔
۶۵	اَلْوَاجِدُ	غنی اور بے پرواہ کہ کسی چیز میں کسی کا محتاج نہیں، یا یہ معنی کہ اپنی مراد کو پانے والا، جو چاہتا ہے کرتا ہے، نہ کوئی اس سے چھوٹ سکتا ہے اور نہ کوئی اس تک پہنچ سکتا ہے۔
۶۶	اَلْمَاجِدُ	بڑی بزرگی والا مطلق، بزرگ۔
۶۷	اَلْوَاحِدُ	ایک، کوئی اس کا شریک نہیں۔
۶۸	اَلْاَحَدُ	ذات وصفات میں یکتا اور یگانہ، یعنی بے مثال اور بے نظیر۔
۶۹	اَلصَّمَدُ	سردار کامل، سب سے بے نیاز اور سب اس کے محتاج، یعنی ذات وصفات کے اعتبار سے ایسا کامل مطلق کہ وہ کسی کا محتاج نہ ہو اور سب اس کے محتاج ہوں۔
۷۰	اَلْقَادِرُ	قدرت والا، اسے اپنے کام میں کسی آلہ کی ضرورت نہیں، عجز اور بے چارگی سے پاک اور منزّہ۔
۷۱	اَلْمُقْتَدِرُ	بذاتِ خود کامل القدرت، کسی چیز کے کرنے میں اسے دشواری نہیں، اور کسی میں یہ قدرت نہیں کہ اس کی قدرت میں مزاحمت کر سکے۔
۷۲	اَلْمُقَدِّمُ	دوستوں کو آگے کرنے والا۔
۷۳	اَلْمُؤَخِّرُ	دشمنوں کو پیچھے کرنے والا۔
۷۴	اَلْاَوَّلُ	سب سے پہلا۔

۷۵ اَلْاٰخِرُ سب سے پچھلا، یعنی اس سے پہلے کوئی موجود نہ تھا اور اس کے سوا جو موجود ہوا اُس کو اسی کی بارگاہ سے وجود ملا۔

۷۶ اَلظَّاهِرُ آشکارا۔

۷۷ اَلْبَاطِنُ پوشیدہ، یعنی بلحاظ دلائل قدرت کے آشکارا ہے کہ ہر ذرّہ اس کے کمال قدرت پر دلالت کرتا ہے اور باعتبار کُنہ اور حقیقت کے پوشیدہ ہے۔

۷۸ اَلْوَالِیُ کارساز اور مالک اور تمام کاموں کا متولی اور منتظم۔

۷۹ اَلْمُتَعَالِیُ عالیشان اور بہت بلند اور برتر، کہ جہاں تک کوئی نہ پہنچ سکے۔

۸۰ اَلْبَرُّ نیکی اور احسان کرنے والا نیکوکار۔

۸۱ اَلتَّوَّابُ توبہ قبول کرنے والا، اور توجہ کرنے والا۔

۸۲ اَلْمُنْتَقِمُ سرکشوں سے بدلہ لینے والا۔

۸۳ اَلْعَفُوُّ گناہوں اور تقصیروں سے بڑا درگذر کرنے والا اور گناہوں کو مٹا دینے والا۔

۸۴ اَلرَّءُوْفُ بڑا ہی مہربان، جس کی رحمت کی غایت اور نہایت نہیں۔

۸۵ مَالِكُ الْمُلْكِ خداوند جہان وملک کا، جس طرح چاہے تصرف کرے، کوئی اس کے حکم اور تصرّف کو نہ روک سکے۔

۸۶ ذوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ صاحب عظمت وجلال، جس کا حکم جاری اور نافذ ہے، اور اس کی اطاعت لازم ہے، اور اپنے فرمانبردار بندوں کی تعظیم وتکریم کرنے والا اور ان کو عزت دینے والا، اور ان پر کرم کرنے والا، جس کے پاس جو عزت اور کرامت ہے وہ اسی کا عطیہ ہے۔

۸۷ اَلْمُقْسِطُ عادل اور منصف، مظلوم کا ظالم سے بدلہ لیتا ہے۔

۸۸ اَلْجَامِعُ تمام متفرق چیزوں کو جمع کرنے والا، جس نے اپنی قدرت وحکمت سے جسم انسانی اور حیوانی میں عناصر متضادہ کو جمع کیا۔

۸۹ اَلْغَنِیُّ بے پرواہ، اسے کسی کی حاجت نہیں اور کوئی اس سے مستغنی نہیں۔

۹۰ اَلْمُغْنِیُ مخلوق کو بے پرواہ کرنے والا، یعنی وہ خود بے نیاز ہے اور جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے حسب حکمت ومصلحت اس کو بے پرواہ کر دیتا ہے، اور بقدر ضرورت اس کو دے دیتا ہے۔

۹۱	اَلْمَانِعُ	روکنے والا، اور باز رکھنے والا، جس چیز کو وہ روک لے؛ کوئی اس کو دے نہیں سکتا۔
۹۲	اَلضَّآرُّ	ضرر پہنچانے والا۔
۹۳	اَلنَّافِعُ	نفع پہنچانے والا، یعنی نفع اور ضرر سب اس کے ہاتھ میں ہے، خیر وشر، نفع وضرر سب اسی کی طرف سے ہے۔
۹۴	اَلنُّوْرُ	وہ بذات خود ظاہر اور روشن ہے، اور دوسروں کو ظاہر اور روشن کرنے والا ہے، نور اس چیز کو کہتے ہیں جو ظاہر بنفسہٖ ہو اور دوسرے کے لیے مُظہِر ہو۔ آسمان وزمین سب ظلمتِ عدم میں مستور تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو عدم کی ظلمت سے نکال کر نورِ وجود عطا کیا، جس سے سب ظاہر ہوگئے، اس لئے وہ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے۔
۹۵	اَلْهَادِیُ	راہ دکھانے والا، اور بتلانے والا، اور چلانے والا، کہ یہ راہِ سعادت ہے، اور یہ راہ شقاوت ہے۔
۹۶	اَلْبَدِیْعُ	بے مثال اور بے نمونہ عالم کا پیدا کرنے والا۔
۹۷	اَلْبَاقِیُ	ہمیشہ ہمیشہ رہنے والا، یعنی دائم الوجود جس کو کبھی فناء نہیں، اور اس کے وجود کی کوئی انتہا نہیں، اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے، ماضی کے اعتبار سے وہ قدیم ہے، اور مستقبل کے لحاظ سے وہ باقی ہے؛ ورنہ اس کی ذات کے لحاظ سے وہاں نہ ماضی ہے اور نہ مستقبل ہے، اور وہ بذات خود باقی ہے اور جنت وجہنم کو جو دوام اور بقاء ہے وہ اس کے باقی رکھنے سے ہے، اور بقاء اور اِبقاء میں فرق ہے۔
۹۸	اَلْوَارِثُ	تمام موجودات کے فناء ہوجانے کے بعد سب کا وارث اور مالک، جب سارا عالم فناء کے گھاٹ اتار دیا جائے گا، تو وہ خود ہی فرمائے گا لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ اور خود ہی جواب دے گا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔
۹۹	اَلرَّشِیْدُ	رہنمائے عالم، یعنی دینی اور دنیوی مصلحتوں میں عالم کا رہنما، اور اس کا ہر تصرف عین رشد اور عین صواب اور اس کی ہر تدبیر نہایت درست ہے۔
۱۰۰	اَلصَّبُوْرُ	بڑا صبر کرنے والا، کہ نافرمانوں کے پکڑنے اور سزا دینے میں اور دشمنوں سے انتقام لینے میں جلدی نہیں کرتا؛ بلکہ ان کو مہلت دیتا ہے۔

اسمائے حسنیٰ کے سلسلے میں اہل سنت والجماعت کا مذہب

حضرت شیخ یونس صاحب جونپوریؒ اسماء حسنیٰ کی مختلف قسم کی تقسیمات کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ اللہ ذوالجلال والاکرام کی صفات دوطرح کی ہیں: (۱) صفات سلبیہ، جس کو صفات تنزیہ اور صفات جلال سے تعبیر کیا جاتا ہے، یعنی وہ صفات جن سے حق تعالی منزہ ہیں، یعنی نقائص کی نفی باری تعالی سے کی جاتی ہے۔ (۲) اور دوسری صفات وجودیہ ہیں، پھر صفات وجودیہ کی دو قسمیں ہیں، کچھ صفاتِ ذاتیہ کہلاتی ہیں اور کچھ صفاتِ افعال کہلاتی ہیں، اور ان سب کا تذکرہ قرآن اور احادیث نبویہ میں وارد ہوا ہے، صفاتِ ذاتیہ کی دو قسمیں ہیں: صفاتِ عقلیہ اور صفاتِ سمعیہ، صفاتِ عقلیہ کی سات صفات ہیں: (۱) حیاۃ (۲) علم (۳) قدرت، (۴) ارادہ (۵) سمع (۶) بصر (۷) کلام۔ اور صفات سمعیہ وہ صفات کہلاتی ہیں جن کے اثبات کو عقل تو مقتضی نہیں لیکن سمع یعنی دلائل سمعیہ قرآن پاک اور احادیث نبویہ سے وہ ثابت ہیں، جیسے ید، عین، بصر، قدم، ساق وغیرہ، ان سب کا ثبوت نصوص سے ہے۔

پھر جو صفات ذاتیہ کہلاتی ہیں یعنی عقل ان کے وجود کو ضروری تسلیم کرتی ہے، اس میں اشاعرہ اور ماتریدیہ کا ایک اختلاف ہے کہ آیا یہ صفات ذاتیہ عقلیہ انہیں سات میں منحصر ہیں یا اس کے علاوہ بھی ہیں؟ ماتریدیہ کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ ایک اور صفت تکوین ہے، وہ آٹھویں صفت ہے اور صفات سبعہ کی طرح قدیم ہے۔ اشاعرہ کہتے ہیں کہ جس کو آپ صفت تکوین کہتے ہیں وہ درحقیقت صفاتِ افعال ہیں اور صفاتِ افعال مستقل صفات نہیں ہے؛ بلکہ وہ قدرت وارادہ کے تعلق کا نام ہے، اگر قدرت وارادہ کا تعلق رزق سے ہو جائے تو اللہ کو رازق کہتے ہیں، خلق سے ہو تو خالق کہتے ہیں، اماتت سے ہو جائے تو ممیت کہتے ہیں، احیاء سے ہو تو اللہ کو محی کہا جاتا ہے اور یہ تعلق حادث ہے۔

پھر یہ حضرات فرماتے ہیں کہ صفات ذات وہ صفات کہلاتی ہیں جس سے اللہ تعالی لم یزل اور لا یزال میں متصف ہے، یعنی ازل سے ابد تک۔ اور صفات افعال وہ صفات کہلاتی ہیں جس سے اللہ تعالی لم یزل میں تو متصف نہیں مگر لا یزال میں متصف ہے، تو حقیقۃً اشاعرہ کے نزدیک صفات افعال اللہ تعالی کی صفاتِ ذات ہی نہیں؛ بلکہ اضافی صفات ہیں جو تعلق بالمحدَث کی وجہ سے اللہ کے لئے ایک صفت ظاہر ہوگئی، مگر ماتریدیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالی کے کلام میں اللہ تعالی کی صفات رازق وخالق ہونا وارد ہوا ہے۔ اللہ تعالی کا کلام اللہ تعالی کی صفت ہے، اور اللہ کی صفت اللہ کی ذات کی طرح قدیم ہے، تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ صفات بھی قدیم ہیں۔ اور اشاعرہ کی تقریر پر صفات کا حادث ہونا تسلیم کرنا پڑتا ہے، اور قرآن چاہتا ہے کہ یہ صفات قدیم ہوں، تو لامحالہ صفات افعال کو بھی قدیم ماننا پڑے گا، اور صفات افعال حقیقۃً مختلف شئون ہیں آٹھویں صفت صفتِ تکوین کے، جس کو صفتِ ایجاد بھی کہا جاتا ہے یعنی بنانا۔ اور بنانے میں یہ بھی داخل ہے کہ

ایک کو زندہ کیا جارہا ہے، ایک کو مارا جارہا ہے، ایک کو پیدا کیا جارہا ہے، غرض تکوین کے یہ شئونات ہیں۔

امام بخاری نے صفت تکوین کے سلسلہ میں امام ابو منصور ماتریدی کی موافقت فرمائی ہے اور باب ماجاء فی تخلیق السمٰوات والأرض میں اس مسئلہ کو بیان فرمایا ہے اور صفت تکوین کو خدا تعالی کی صفت قدیمہ تسلیم کیا ہے، حافظ ابن حجر نے یہاں تو کچھ نہیں کہا؛ لیکن وہاں پہونچ کر یہ اعتراف کیا ہے کہ اس صفت کو تسلیم کر لینے کے بعد حوادث لا اول لھا کے قول سے آدمی بچ جاتا ہے جو ان مسائل مستثنیہ میں سے ہے جو علامہ ابن تیمیہ کی طرف منسوب ہیں۔

حوادث لاأول لھا کا مطلب:

حق تعالی اپنی ذات وصفات کے اعتبار سے ازلی وابدی ہیں، مخلوقات کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا ان کی کوئی بدایت ہے اور آخر میں جاکر ان کی کوئی نہایت ہے؟ یا نہ ان کی کوئی بدایت ہے، نہ نہایت ہے؟ یا بدایت ہے، نہایت نہیں ہے؟ تین قول ہیں، جیسا کہ علامہ ابن ابی العز حنفی نے شرح عقیدہ طحاویہ میں نقل کیا ہے۔

جہمیہ کا تو خیال یہ ہے کہ جتنے حوادث ہیں ان کی بدایت بھی ہے، نہایت بھی ہے۔ یعنی یہ محدثات ایک زمانہ میں نہیں تھے، پھر اللہ نے انہیں پیدا کیا اور ایک زمانہ آئے گا کہ جب یہ فنا ہو جائیں گے، حتی کہ یہ لوگ جنت وجہنم کے بھی فنا کے قائل ہیں۔

دوسرا فریق اس کے بالمقابل یہ کہتا ہے کہ ازل میں تو ان کا وجود نہیں تھا، لیکن ابد میں ان کا وجود رہے گا، تو ان کی بدایت تو ہے، نہایت نہیں، چنانچہ جنت اور جہنم خالد ہوں گی اور اس کے رہنے والے سب باقی رہیں گے، یہ متکلمین کا مسلک ہے اور بہت سے فقہاء کی رائے ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ ان حوادث کی نہ ابتداء ہے نہ انتہا ہے، چونکہ حق تعالی ازل سے ہیں ابد تک، اور چونکہ اس کی صفات بھی قدیم ہیں، تو لامحالہ اللہ تعالی ان صفات کا ظہور فرماتا رہتا ہے، علامہ ابن ابی العز نے یہ قول ائمہ حدیث کی طرف منسوب کیا ہے، مگر واقعہ یہ ہے کہ اس کے سب سے پہلے تمویہ کرنے والے علامہ ابن تیمیہ ہیں، انہوں نے حضرت عمران بن حصین ؓ کی حدیث کی -جس میں "کان اللّٰہ ولم یکن شیئ غیرہ" وارد ہوا ہے- مستقل شرح لکھی ہے اور اس میں اس مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے، مگر جب ان پر یہ اشکال پڑا کہ پھر تو لازم آتا ہے کہ مخلوقات کو قدیم مانا جائے اور عرش کو قدیم مانا جائے، تو انہوں نے اس کا یہ حل پیش کیا کہ اگر حق تعالی شانہ کے ساتھ مخلوقات کو تسلیم کیا جائے تو قدم المخلوقات لازم نہیں آتا ہے؛ اس لئے کہ ہم یہ کہیں گے کہ یہ چیزیں قدیم بالنوع ہیں، یعنی افراد تو بدلتے رہے لیکن نوع اپنی جگہ قائم رہی، مثلاً عرش خدائے پاک نے پیدا کیا، وہ گیا دوسرا آیا، تیسرا آیا، ھکذا، مگر علامہ ابن تیمیہ کی اس بات سے دل کو تسلی نہیں ہوئی، اس سے

افراد کا تو غیر قدیم ہونا ثابت ہوا لیکن نوع کا قِدم تو پھر بھی ثابت ہو گیا، اور وہ نوع کیا ہے؟ وہ نوع مخلوق ہے؛ لہذا نوع مخلوق کا قدم لازم آیا اور یہ بڑا ثقیل مسئلہ ہے۔ خاطر نصوص "خلق كل شيئ وغيره" سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ سب مخلوق ہیں اور حادث ہیں، مگر علامہ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ اس کا تعلق عالم شہود سے ہے، واللہ اعلم۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اگر صفت تکوین کو قدیم مان لیا جائے تو آدمی حوادث لا اول لھا کے جنجال سے نجات پا جاتا ہے، اس لئے کہ مطلب یہ ہوگا کہ حق تعالی جل جلالہ وعم نوالہ ازل سے ان صفات کمالیہ رازقیت وخالقیت سے متصف ہے، لیکن جب حق تعالی نے چاہا کہ ان صفات کا اظہار فرمائے تو حق تعالی نے اظہار فرمایا اور اس موجود کو جو پہلے نابود تھا، بود وہست کا جامہ پہنایا، اور عدم سے ظہور کے تخت پر جلوہ گر فرمایا، بہر حال یہ بات صفات کے ضمن میں آ گئی تھی اس لئے بیان کر دی گئی، کہنا تو یہ ہے کہ حضرات اہل سنت اللہ تعالی شانہ کیلئے صفات ذاتیہ اور صفات فعلیہ ثابت کرتے ہیں اور پھر صفات ذاتیہ کی طرح صفات فعلیہ میں بھی اختلاف ہے کہ وہ قدیم ہیں یا نہیں؟ اشاعرہ صفات ذاتیہ سبعہ کو قدیم مانتے ہیں اور صفات فعلیہ کو قدیم نہیں مانتے، اور یہ کہتے ہیں کہ یہ مستقل صفات نہیں ہیں؛ بلکہ قدرت وارادہ کے تعلق کے مختلف شئونات ہیں، اور حضرات ماتریدیہ اس کو قدیم مانتے ہیں۔

جو لوگ صفات ذات کو قدیم اور صفات افعال کو غیر قدیم مانتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ صفات ذات وہ صفات ہیں جن سے حق تعالی لم یزل ولا یزال میں متصف ہیں، اور صفات افعال وہ صفات ہیں جن سے حق تعالی لم یزل میں تو متصف نہیں، لایزال میں متصف ہیں، ازل میں تو متصف نہیں، ابد میں متصف ہے، اور جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ صفاتِ ذات وافعال سب قدیم ہیں، وہ ان میں یہ فرق کرتے ہیں کہ صفات ذات وہ صفات ہیں جن سے حق تعالی متصف ہوتا ہے اور ان کی اضداد سے متصف نہیں، اور صفات افعال وہ صفات ہیں جن سے اللہ تعالی متصف ہوتا ہے اور ان کی اضداد سے بھی، جیسا کہ میں کتاب الأیمان والنذور میں بیان کر آیا ہوں، جہاں مصنف نے باب الحلف بعزة الله و كبريائه وجلاله کا ترجمہ منعقد کیا ہے۔ (کتاب التوحید: ۲۲-۲۳)

اسماء حسنیٰ کے قواعد وضوابط

اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے اسماء حسنیٰ اور صفات کا علم مطلق طور پر سب سے اعلی اور اشرف علم ہے، کیوں کہ علم کا شرف معلوم یعنی جس کا علم حاصل کیا جا رہا ہے اس کے شرف سے ثابت ہوتا ہے، اور اس علم میں جس کا علم حاصل کیا جا رہا ہے وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے اسماء وصفات کا علم ہے، تو اس علم کے حصول میں مشغول ہونا اور اس کے فہم حاصل کرنا بندے کے لئے سب سے اعلی اور اشرف کام ہے۔

اوراسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بہت ہی واضح طور پر بیان فرمادیا،اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسے بیان کرنے کے اہتمام کی بناء پر ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے اس میں کوئی اختلاف نہیں کیا،جس طرح کہ بعض دوسرے احکام میں اختلاف کیا ہے۔

یہ کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اس بات کی دعوت دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خشیت اوراس کی محبت اختیار کی جائے،اوردل میں اسی کا خوف رکھا جائے اوراسی سے امیدیں وابستہ کی جائیں،اوراسی اللہ تعالیٰ کے لئے اپنے اعمال کو خالص کیا جائیں، جوکہ سعادت اورعین عبادت ہے،اوراللہ تعالیٰ کی معرفت اس وقت ہی حاصل ہوسکتی ہے جب اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کی معرفت حاصل ہواوران کے معانی کوسمجھا جائے۔

اوراللہ تعالیٰ کی اسماء حسنیٰ کے ساتھ معرفت ایمان میں زیادتی کا باعث ہے،شیخ عبدالرحمن بن سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ:

’’اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ پر ایمان لانا اوران کی معرفت توحید کی تینوں اقسام یعنی توحید ربوبیت،توحید الوہیت اورتوحید اسماء وصفات کو متضمن ہے،اور یہ اقسام ایمان کی روح اورخوشی ہے اورروح کا معنی دل کوغمی سے خوشی اورراحت ہے،اور یہ ایمان کی اصل اوراس کی غایت ہے،لہٰذا بندہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ اوراس کی صفات کی معرفت حاصل کرے گا اس کا ایمان بھی اتنا ہی زیادہ اوریقین قوی ہوگا۔‘‘ (التوضیح والبیان لشجرۃ الایمان للسعدی:۴۱)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے مخلوق پیدا ہی اس لئے کی ہے کہ وہ اسے پہچانیں اوراس کی عبادت کریں،اوریہی وہ چیز ہے جوکہ ان سے انتہائی مطلوب ہے۔

اس لئے کہ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ کا کہنا ہے:

’’رسولوں کی دعوت کا لب لباب اوراس کی کنجی معبود برحق کی معرفت وپہچان،اس کے اسماء وصفات اورافعال کے ساتھ ہے،اوراسی معرفت پر رسالت کی شروع سے لے کر آخر تک بنیاد اوردارومدار ہے۔‘‘ (الصواعق المرسلۃ علی الجھمیۃ والمعطلۃ لابن قیم رحمہ اللہ:۱/۱۵۰و۱۵۱)

توبندے کا اللہ تعالیٰ کی معرفت ہونا اس کام میں مشغول ہونا ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا فرمایا ہے، اوراسے ترک وضائع کرنا ایسا کام ہے جس کے لئے بندہ پیدا کیا گیا ہے اسے نہ کرنا ہے،اورایمان کا معنی یہ نہیں کہ صرف زبان سے کہہ دیا جائے اوراس کی معرفت اورعلم حاصل نہ کیا جائے،اس لئے کہ حقیقت ایمان یہ ہے کہ بندہ اپنے اس رب کوجانے اورپہچانے اوراس کی معرفت حاصل کرے جس پر وہ ایمان لایا ہے،اوراسے اللہ تعالیٰ کی معرفت اسماء وصفات

کے ساتھ حاصل کرنے میں کوشش کرنی چاہئے ،لہذا اسے جتنی اللہ تبارک کی معرفت ہوگی اس کا ایمان بھی اتنا ہی زیادہ ہوگا۔

اللہ سبحانہ وتعالی کا ارشاد ہے:

﴿وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا ۖ وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ ۚ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾

(الاعراف:۱۸۰)

(اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لیے ہیں،سو ان ناموں سے اللہ ہی کو موسوم کیا کرو اور ایسے لوگوں سے تعلق بھی نہ رکھو جو اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں،ان لوگوں کو ان کے کئے کی ضرور سزا ملے گی۔)

اور صحیح بخاری و مسلم میں ابو ہریرہؓ کی حدیث میں ثابت ہے،وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”إنّ لله تسعةً وتسعين اسما،مائة إلا واحداً،من أحصاها دخل الجنة“.

(صحیح بخاری،رقم الحدیث:۲۷۳۶،صحیح مسلم:۲۶۷۷)

(اللہ تعالی کے سو میں ایک کم ننانوے نام ہیں،جس نے انہیں شمار کیا وہ جنت میں داخل ہوگا۔)

یعنی جس نے انہیں یاد کیا،ان کے معنی و مفہوم کو سمجھا،ان کے ذریعہ اللہ کی حمد وثنا کی،ان کے وسیلہ سے اللہ سے سوال کیا،اور ان کا عقیدہ رکھا؛وہ جنت میں داخل ہوگا۔

اور جنت میں چونکہ صرف مومنین ہی داخل ہوں گے،اس لئے معلوم ہوا کہ یہ (اسماء حسنی کا شمار) ایمان کے حصول اور اس کی قوت و مضبوطی کا سب سے عظیم سرچشمہ اور سبب ہے اور اسماء حسنی کی معرفت - اپنے تینوں مراتب سمیت: یعنی الفاظ و تعداد کا شمار،معنی و مفہوم کی سمجھ اور ان کے ذریعہ اللہ سے دعا،ثناء،وعبادت اور سوال - ایمان کی بنیاد اور اس کا مرجع ہے؛ کیونکہ اسماء حسنی کی معرفت توحید باری تعالی کی تینوں قسموں:توحید ربوبیت،توحید الوہیت اور توحید اسماء وصفات کو شامل ہے اور یہ تینوں قسمیں ایمان کی روح،اساس و بنیاد اور اصل مقصود ہیں،چنانچہ بندہ کو اللہ کے اسماء وصفات کی معرفت جتنی ہی زیادہ ہوگی اس کا ایمان اتنا ہی بڑھے گا اور اس کے یقین میں اتنی ہی پختگی آئے گی۔

اس لئے مومن کو چاہئے کہ اللہ سبحانہ وتعالی کو اس کے اسماء وصفات اور افعال کے ذریعہ پہچاننے میں اپنی تمام تر طاقت وکوشش صرف کر دے،بایں طور کہ نہ ان کا انکار ہو،نہ ان کی مثال بیان کی جائے،نہ ان کی تحریف وتاویل کی جائے اور نہ ہی ان کی کیفیت بیان کی جائے، بلکہ یہ پہچان و معرفت محض کتاب وسنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کی مرویات سے حاصل کی گئی ہو۔

❁ اللہ کے اسماء توقیفی ہیں، ان میں عقل کی کوئی گنجائش نہیں، اس لئے اللہ کے ناموں کے سلسلہ میں جو کچھ کتاب وسنت میں آیا ہے اسی پر توقف کرنا واجب ہے، اس میں کچھ اضافہ کیا جا سکتا ہے نہ کمی کی جا سکتی ہے، کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کن ناموں کا مستحق ہے؟ عقل کے لئے اس کا ادراک ممکن نہیں، اس لئے اس بارے میں نص پر توقف کرنا ضروری ہے۔

امام ابن القیمؒ فرماتے ہیں:

جو چیزیں رب سبحانہ وتعالیٰ کی صفت یا اُس کی بابت خبر واقع ہوتی ہیں؛ اُن کی کئی قسمیں ہیں:

پہلی قسم : وہ چیزیں جن کا تعلق خود ذات باری تعالیٰ سے ہے، جیسے آپ کہیں: ذات، موجود اور چیز۔

دوسری قسم : وہ چیزیں جن کا تعلق اللہ کی معنوی صفات سے ہے، جیسے: العلیم، القدیر اور السمیع۔

تیسری قسم : وہ چیزیں جن کا تعلق اللہ کے افعال سے ہے، جیسے الخالق، الرزاق۔

چوتھی قسم : وہ چیزیں جن کا تعلق خالص تنزیہہ وبراءت (اللہ کو عیوب ونقائص سے پاک کرنے) سے ہے، اور اس کا ثبوت پر مشتمل ہونا ضروری ہے؛ کیونکہ خالص عدم (بالکلیہ نفی) میں کوئی کمال نہیں ہوتا، جیسا: القدوس، السلام۔

پانچویں قسم: اور اسے اکثر لوگوں نے ذکر نہیں کیا ہے، وہ نام جو اجمالی طور پر کئی اوصاف پر دلالت کرتا ہو، جو کسی ایک معین صفت کے ساتھ خاص نہ ہو؛ بلکہ کسی مفرد معنی کے بجائے بہت سے معانی پر دلالت کرتا ہو، جیسے المجید، العظیم، الصمد؛ کیونکہ مجید وہ ہوتا ہے جو کئی اوصاف کمال سے متصف ہو، اور اس کا لفظ اس معنیٰ پر دلالت کرتا ہے؛ کیونکہ یہ لفظ وسعت، کثرت اور زیادتی کے لئے بنایا گیا ہے۔

چھٹی قسم: وہ صفت جو دو ناموں اور دو صفتوں میں سے ایک کے دوسرے سے ملنے سے حاصل ہوتی ہے اور وہ صفت دونوں الگ الگ صفتوں سے ایک اضافی چیز ہوتی ہے، جیسے: الغنی الحمید (قابل تعریف مالدار)، العفو القدیر (طاقتور معاف کرنے والا) اور الحمید المجید (قابل تعریف وسعتوں والا)۔

اسی طرح قرآن کریم میں وارد باہم ملنے والے تمام صفات اور دوہرے نام؛ کیونکہ مالداری بھی صفت کمال ہے، حمد وستائش بھی صفت کمال ہے اور مالداری اور حمد وثنا کا اکٹھا ہونا ایک دوسرا صفت کمال ہے، چنانچہ مالداری میں اللہ کی تعریف ہے، حمد میں اللہ کی تعریف ہے اور دونوں کے اکٹھا ہونے میں بھی اللہ کی تعریف ہے اور یہی معاملہ العفو القدیر، الحمید المجید اور العزیز الحکیم کا بھی ہے، لہٰذا اس میں غور کرو؛ کیونکہ یہ نہایت شرف والا علم ہے۔

❁ اللہ کے تعالیٰ سارے نام نہایت اچھے اور پیارے ہیں، اور سارے نام مطلق کمال اور مطلق حمد وستائش پر دلالت کرتے ہیں اور سارے نام اپنے اوصاف سے مشتق وماخوذ ہیں، لہذا ان میں نہ تو کوئی صفت؛ علمیت

(نام) کے منافی ہےاور نہ ہی کوئی نام؛صفت کے منافی ہے،اوران کی دلالت کی تین قسمیں ہیں:

(۱) دلالت مطابقت : یعنی جب ہم نام کی تفسیر اس کے تمام معانی کے ذریعہ کریں۔

(۲) دلالت تضمن : یعنی جب ہم نام کی تفسیر اس کے بعض معانی کے ذریعہ کریں۔

(۳) دلالت التزام : یعنی جب ہم اس نام کے ذریعہ دیگر اُن ناموں پر استدلال کریں جن پر وہ نام موقوف ہے۔مثلاً ''الرحمن'' کی صفت رحمت اور اللہ کی ذات پر دلالت مطابقت ہے،اور اُن دونوں میں سے ایک پر دلالت تضمن ہے؛ کیونکہ وہ ضمن میں داخل ہے،اوراس کی دلالت ان ناموں پر جن کے ثبوت کے بغیر رحمت کا وجود ہی نہیں ہوسکتا،جیسے حیات،علم،ارادہ اور قدرت وغیرہ دلالت التزام ہے،اوراس آخری دلالت کے لئے ٹھوس غوروفکر درکار ہوتی ہے،اوراس میں اہل علم کے درجات مختلف ہوتے ہیں،کیونکہ اس کی معرفت کا راستہ یہ ہے کہ جب آپ لفظ کو اوراس کے معنی ومدلول کو اچھی طرح سمجھ لیں،تو پھر غور کریں کہ وہ کن چیزوں پر موقوف ہے،جن کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا؟اور یہ قاعدہ آپ کے لئے تمام شرعی نصوص میں مفید ہوگا،چنانچہ اسماءِ حسنی کی یہ تینوں دلالتیں حجت ہیں؛ کیونکہ وہ معصوم ومحکم ہیں۔

(توضیح الکافیۃ الشافیۃ:الشیخ عبدالرحمن بن ناصر السعدیؒ:ص/۱۳۲)

❁ اللہ تعالی کے تمام اسماء نہایت اچھے ہیں،اُن میں سے کوئی نام بھی سرے سے اس کے علاوہ نہیں ہے،اور یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ اللہ کے بعض ناموں کا اطلاق اللہ تعالی پر فعل کے اعتبار سے ہوتا ہے،جیسے الخالق (پیدا کرنے والا)،الرازق (روزی دینے والا)،المحیی (زندہ کرنے والا)،اور الممیت (موت دینے والا)،اور یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالی کے تمام اسماء سراپا خیر وبھلائی ہیں،ان میں سرے سے کوئی شر وبرائی نہیں ہے،کیونکہ اگر اللہ نے کوئی برا کام کیا ہوتا تو کوئی نام اُس سے بھی مشتق ہوتا،اللہ کے تمام اسماء عمدہ اور بہترین نہ ہوتے،جبکہ یہ باطل ہے،اللہ تعالی کو شر وبرائی سے کوئی سروکار نہیں ہے،نہ اللہ کے صفات میں شر داخل ہے،نہ اُس کی ذات سے وابستہ ہے اور نہ ہی اس کے افعال میں داخل ہے،لہذا اللہ کو شر سے کوئی نسبت نہیں،اُس کی طرف شر کی نسبت فعلی یا وصفی کسی بھی طرح نہیں کی جاسکتی،بس شر اللہ کے مفعولات میں داخل ہے۔اور فعل (کرنے) اور مفعول (کی ہوئی چیز) میں نمایاں فرق ہے،کیونکہ شر اس مفعول (کردہ) سے متعلق ہے جو اللہ سے الگ ہے،نہ کہ اس فعل (کرنے) سے جو اللہ کا عمل ہے؛لہذا اسے اچھی طرح سمجھ لیں؛ کیونکہ یہ چیز بہت سے متکلمین سے اوجھل رہ گئی اوراس میں بہت سے قدم پھسل گئے اور بہت سی عقلیں بہک گئیں،البتہ اس اختلاف میں اللہ تعالی نے اپنے حکم سے اہل حق کو ہدایت عطا فرمائی،اور اللہ جسے چاہتا ہے صراط مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔(بدائع الفوائد:۱/۱۶۳)

❁ اللہ کے ناموں میں سے بعض کا اطلاق اللہ تعالی پر علیٰحدہ اور دوسرے ناموں سے مل کر ہوتا ہے اور زیادہ تر نام ایسے ہی ہیں جیسے القدیر (قدرت والا)، السمیع (سننے والا)، البصیر (دیکھنے والا)، العزیز (غالب) اور الحکیم (داناو حکمت والا)۔

ان جیسے ناموں سے اللہ تعالی کو علیحدہ اور دوسرے نام سے ملا کر؛ دونوں طرح پکارنا درست ہے، چنانچہ آپ کہہ سکتے ہیں: یا عزیز یا حلیم (اے غالب، اے حلیم و بردبار)، یا غفور یا رحیم (اے بخشنے والے، اے مہربان)، اور ہر نام کو علیحدہ بھی ذکر کیا جا سکتا ہے۔

اسی طرح اللہ کی حمد و ثنا اور اللہ کی بابت کوئی بات بتلانے کے لئے بھی علیحدہ و اکٹھا استعمال کیا جا سکتا ہے۔

اور بعض ناموں کا اطلاق علیحدہ نہیں بلکہ اُس کے مقابل سے مل کر ہوتا ہے، جیسے : المانع (روکنے والا)، الضار (نقصان پہنچانے والا) اور المنتقم (انتقام لینے والا)، چنانچہ ان جیسے ناموں کو اُن کے بالمقابل ناموں سے الگ نہیں کیا جا سکتا، یہ نام (بالترتیب) المعطی (عطا کرنے والا)، النافع (نفع پہنچانے والا) اور العفو (عفوو درگزر کرنے والا) سے جُڑے ہوئے ہیں، چنانچہ اللہ تعالی المعطی المانع (دینے نہ دینے والا)، الضار النافع (ضرر و نفع پہنچانے والا)، المنتقم العفو (بدلہ لینے اور معاف کرنے والا) اور المعز المذل (عزت و ذلت دینے والا) ہے، کیونکہ یہاں کمال ان ناموں میں سے ہر نام کے اپنے بالمقابل سے ملنے میں ہے؛ اس لئے کہ اس کا مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالی ربوبیت مخلوق کی تدبیر اور دینے، روکنے، نفع، نقصان اور معافی و انتقام وغیرہ کے ذریعہ اُن میں تصرف میں یکتا اور منفرد ہے، البتہ محض روکنے، انتقام لینے اور نقصان پہنچانے کی صفت کے ذریعہ اللہ کی مدح و ثنا کرنا روا اور درست نہیں۔

چنانچہ ان دوہرے ناموں کو ایک نام کی طرح سمجھا جائے گا جس کے بعض حروف کو بعض سے جدا کرنا منع ہوتا ہے، لہٰذا انہیں ایک سے زیادہ ہونے کے باوجود ایک ہی نام کی جگہ سمجھا جائے گا؛ اسی لئے یہ نام علیحدہ نہیں آئے ہیں اور اللہ تعالی پر ان کا اطلاق مرکب ہی کیا گیا ہے، لہذا اسے اچھی طرح سمجھ لو۔ بنابریں اگر آپ یا مذل (اے ذلت دینے والے)، یا ضار (اے نقصان پہنچانے والے) یا مانع (اے نہ دینے والے) کہیں گے اور اس کی خبر دیں گے تو اللہ کی حمد و ثنا کرنے والے نہ کہلائیں گے، تا آنکہ ان کے بالمقابل ناموں کا ذکر کریں۔ (بدائع الفوائد: ١/ ١٦٧)

امام ابن القیمؒ سورۃ الفاتحہ کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

یہ سورت پوری طرح بلند ترین مقاصد کی بنیادوں پر مشتمل ہے، اور انہیں خوب اچھی طرح سموئے ہوئے ہے، چنانچہ یہ سورت اُن تین اسماء کے ذریعہ معبود حقیقی اللہ تبارک و تعالی کی تعریف پر مشتمل ہے جو تمام تر اسماء حسنی اور صفات علیا

کا مرجع ومحور اور مدار ہیں: اور وہ: اللہ، رب اور رحمٰن ہیں۔

اور اس سورت کی بنیاد الوہیت، ربوبیت اور رحمت پر ہے، چنانچہ فرمان باری ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں) الوہیت پر مبنی ہے اور ﴿وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ (اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں) ربوبیت پر، اور صراط مستقیم کی رہنمائی صفت رحمت سے ہے، اور حمد الوہیت، ربوبیت اور رحمت تینوں امور کو شامل ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنی الوہیت، ربوبیت اور رحمت تینوں صفات میں محمود اور قابل تعریف ہے، اور مجد وثنا اللہ کی مالداری کا کمال ہیں۔

- اسمائے حسنیٰ توقیفی ہیں اس لئے جو کتاب وسنت سے صراحۃً ثابت ہیں انہیں نام کو اسمائے حسنیٰ کے طور پر بیان کیا جائے گا۔

- جو اسماء نقص وعیب سے بالکل پاک ہوں، اس لئے **العاجز، الخائن** وغیرہ اسماء حسنیٰ نہیں۔

کچھ اسماء خاص پس منظر اور اخبار کے طور پر وارد ہوئے ہیں یعنی وہ مستقل طور پر نہیں آئے ہیں؛ بلکہ اضافت کے ساتھ ہیں، انہیں اسمائے حسنیٰ نہیں قرار دیا جائے گا مثلاً **قابل التوب** (توبہ قبول کرنے والا)، **فالق الحب** (دانے کا پھاڑنے والا) اسی طرح ذو سے شروع ہونے والے اسماء بھی اسمائے حسنیٰ نہیں جیسے **ذو العرش، ذو القوۃ، ذو الرحمۃ.**

بعض اسماء ذاتی صفات پر دلالت کرتے ہیں مثلاً **الحي** (زندہ) اور بعض اسماء افعال سے متعلق ہیں جو مشیت سے وابستہ ہیں مثلاً **خالق** (پیدا کرنے والا)۔

- قرآن وحدیث میں اللہ کے لئے بہت سے افعال کا ذکر ہے مثلاً **یفعل، یذکر، تذل** وغیرہ تو ان افعال سے اللہ تعالیٰ کی صفت کی دلیل بنے گی، نہ کہ ان کے اسماء کو اسمائے حسنیٰ قرار دیا جائے گا، جیسا کہ گذر چکا ہے کہ اسمائے حسنیٰ توقیفی ہیں۔

جو اللہ تعالیٰ کے افعال کی صفات ہیں وہ بھی اسماء حسنیٰ میں سے نہیں مثلاً **شدید العقاب** (سخت عذاب دینے والا)

اسی طرح وہ اسماء جو متساوی المعنی اور مختلف الالفاظ ہوں اور اسمائے حسنیٰ کے طور پر وارد ہوں تو یہ سب الگ الگ مستقل اسماء حسنیٰ قرار پائیں گے، مثلاً **القدیر، القادر، المقتدر** یہ تینوں الگ الگ اسم الٰہی ہیں۔

- اسمائے جامدہ بھی اسمائے حسنیٰ میں سے نہیں ہیں، مثلاً **الدھر** (زمانہ)۔

- جو اسم تفضیل کے طور پر بغیر اضافت کے آیا ہے وہ اسماء حسنیٰ میں سے ہے جیسے **الاعلیٰ** اور جو اضافت کے ساتھ آیا ہے وہ اسمائے حسنیٰ میں سے نہیں ہے، جیسے **ارحم الراحمین**، اسی طرح وہ اسمائے صفاتی جو اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں ان کا اسم تفضیل استعمال کرنا بہتر ہے مثلاً **الاعظم، الاقوی**، وغیرہ؛ لیکن وہ بھی اسمائے حسنیٰ میں سے نہیں ہوں گے۔

عبدیت کا انتساب صرف اسمائے حسنی کی طرف ہی کرنا چاہئے، جیسے **عبد الخالق، عبد الباری** وغیرہ اور جو اسمائے حسنی میں سے ثابت نہیں ہیں ان کی طرف عبدیت کا انتساب نہیں کرنا چاہئے جیسے **عبد النور، عبد المعز** وغیرہ۔

❁ جو چیزیں اللہ تبارک وتعالی کے بارے میں خبر دینے کے باب میں داخل ہیں وہ اللہ کے اسماء وصفات کے باب میں آنے والی چیزوں سے وسیع تر ہیں، جیسے چیز، موجود، قائم بنفسہ (خود قائم) وغیرہ؛ کیونکہ ان باتوں کے ذریعہ اللہ تعالی کے بارے میں خبر دی جاتی ہے، یہ اللہ کے اسماء حسنی اور صفات عالیہ میں داخل نہیں ہوتی۔

❁ جب کوئی صفت کمال اور نقص دو حصوں میں تقسیم ہو تو وہ مطلق طور پر اللہ کے ناموں میں شامل نہ ہوگی؛ بلکہ اس صفت کا صرف کمال اللہ پر بولا جائے گا، جیسے: مرید (ارادہ کرنے والا)، فاعل (کام کرنے والا)، صانع (بنانے والا)، یہ الفاظ اللہ کے اسماء میں داخل نہیں ہوں گے، اس لئے کہ اللہ تعالی کو مطلقا صانع کا نام دینے والے کی بات غلط ہے، بلکہ اللہ تعالی ﴿فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ﴾ (جو چاہے اسے کر گزرنے والا) ہے، کیونکہ ارادہ، فعل اور صناعی کی کئی قسمیں ہیں، اسی لئے اللہ نے اپنی ذات کے لئے وہ پہلو استعمال فرمایا ہے جو فعل وخبر کے اعتبار سے کامل ترین ہے۔

❁ اللہ تعالی کے سلسلہ میں کسی بات کی مقید خبر دیئے جانے سے لازم نہیں آتا کہ اس سے اللہ کا مطلق نام مشتق کیا جائے، جیسا کہ بعض متاخرین نے اس مسئلہ میں غلطی کی ہے اور "المفعل" (گمراہ کرنے والا)، الفاتن (فتنہ وآزمائش میں ڈالنے والا) اور "الماکر" (مکر وچال کرنے والا) وغیرہ کو اللہ کے اسماء حسنیٰ میں شامل کر دیا ہے، اس کی بات سے اللہ بلند وبرتر ہے؛ کیونکہ اللہ تعالی نے ان ناموں کو اپنی ذات کے لئے چند مخصوص ومعین افعال میں استعمال کیا ہے، لہذا ان کے ذریعہ اللہ تعالی کا مطلق نام رکھنا جائز نہیں۔ واللہ اعلم

❁ اللہ کے اسماء حسنیٰ اعلام (نام) اور اوصاف (دونوں) ہیں اور ان کے ذریعہ اللہ کو موصوف کرنا علمیت کے منافی نہیں ہے، برخلاف بندوں کے صفات کے، کہ وہ ان کی علمیت کے منافی ہیں؛ کیونکہ ان کے صفات مشترک ہیں، لہٰذا خاص علمیت سے اس کی نفی ہو جاتی ہے، برخلاف اللہ تعالی کے اوصاف کے (کہ ان میں اشتراک نہیں ہے)۔

❁ اللہ کے اسماء حسنیٰ کی دو حیثیتیں ہیں: ایک ذات کی حیثیت اور دوسرے صفات کی حیثیت، چنانچہ وہ پہلے کے اعتبار سے مترادف ہیں اور دوسرے کے اعتبار سے جدا گانہ۔

❁ جو باتیں اسماء وصفات کے باب میں اللہ تعالی پر بولی جاتی ہیں وہ توقیفی ہیں، اور جو باتیں اللہ کے بارے میں خبر دینے کے باب میں بولی جاتی ہیں ان کا توقیفی ہونا ضروری نہیں، جیسے قدیم، چیز، موجود، اور قائم بنفسہ، اللہ تعالی کے اسماء کے مسئلہ میں کہ آیا وہ توقیفی ہیں یا اللہ کے بارے میں بعض ایسی چیزیں بھی بولی جاسکتی ہیں جو کتاب وسنت

میں وارد نہیں ہیں، فیصلہ کن بات ہے۔

❁ جب اللہ تعالی پر نام کا اطلاق کیا جائے تو اس سے مصدر اور فعل مشتق کرنا جائز ہے، چنانچہ اللہ کے بارے میں فعل اور مصدر کی حیثیت سے خبر دی جاسکتی ہے، جیسے السمیع، البصیر، القدیر جیسے ناموں سے مصدر سماعت، بصارت، اور قدرت کا استعمال کیا جاسکتا ہے، اسی طرح افعال کے ذریعہ بھی خبر دی جاسکتی ہے، جیسے ﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ﴾ (یقینا اللہ تعالی نے سنی)، ﴿فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ﴾ (پھر ہم نے اندازہ کیا اور ہم کیا خوب اندازہ کرنے والے ہیں) لیکن یہ اس صورت میں ہے جب فعل متعدی ہو، اگر فعل لازم ہو تو اس کے ذریعہ اللہ کے بارے میں خبر نہیں دی جائے گی، جیسے "الحیی"؛ بلکہ اللہ پر صرف اسم اور مصدر کا استعمال کیا جائے گا، فعل کا نہیں، چنانچہ "حیی" یعنی زندہ ہوا نہیں کہا جائے گا۔

❁ اللہ تبارک وتعالی کے افعال اس کے اسماء وصفات سے صادر ہوتے (نکلتے) ہیں اور مخلوقات کے نام اُن کے افعال سے صادر ہوتے (نکلتے) ہیں، چنانچہ اللہ کے افعال اس کے کمال سے ہیں اور مخلوق کا کمال اس کے افعال سے ہے، اس لئے مخلوق کے نام اس وقت مشتق کئے گئے جب وہ فعل کے ذریعہ کمال کو پہنچ گیا، جبکہ رب سبحانہ وتعالی ازل سے ہی کامل ہے، بنابریں اس کے افعال اُس کے کمال سے انجام پائے، کیونکہ وہ اپنی ذات وصفات میں کامل ہے، تو اس سے افعال اس کے کمال سے صادر ہوئے ہیں، وہ کامل ہوا پھر کیا، اور مخلوق نے کیا پھر اس کمال کو پہنچا جو اس کے لائق اور موزوں ہے۔ (بدائع الفوائد: ۱/۱۶۱، ۱۶۲)

اللہ تعالی کے اسماء اعلام واوصاف ہیں:

اللہ تعالی کے تمام نام علَم ہیں، اس لحاظ سے کہ وہ اس کی ذات پر دلالت کرتے ہیں، نیز وہ سب کے سب وصف بھی ہیں، اس لحاظ سے کہ ان تمام ناموں کے اندر معانی موجود ہیں جو اس کی ذات کے ساتھ صفات کی حیثیت سے قائم ہیں۔ اب یہ سارے نام بحیثیت علَم ہونے کے، آپس میں مترادف ہیں؛ کیونکہ ان سب کا مسمّیٰ ایک ہی ہے اور وہ اللہ عزوجل ہے، اور بحیثیت اوصاف ہونے کے یہ تمام نام آپس میں متباین ہیں کیونکہ ہر نام اپنے خاص معنی پر دلالت کررہا ہے۔

چنانچہ "**الحی، العلیم، القدیر، السمیع، البصیر، الرحمن، الرحیم، العزیز، الحکیم**" یہ سب ایک ہی ذات کے نام ہیں اور وہ اللہ تعالی کی ذات ہے، لیکن "**الحی**" کا اپنا معنی ہے جو "**العلیم**" کا نہیں، اور "**العلیم**" کا اپنا معنی ہے جو "**القدیر**" کا نہیں۔

اللہ تعالی کے اسماء حسنیٰ میں جو صفات اور معانی ہیں وہ یا تو متعدی ہوں گے یا لازم:

اگر متعدی ہوں تو ان پر ایمان تین چیزوں کے اثبات سے مکمل ہوگا:

(۱) یہ ایمان لانا کہ یہ اسم (نام) اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت ہے۔

(۲) یہ ایمان لانا کہ یہ نام جس صفت کو متضمن ہے وہ صفت بھی اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت ہے۔

(۳) یہ ایمان لانا کہ اس صفت کا حکم اور مقتضیٰ بھی ثابت ہے۔

وصف متعدی کی مثال: "السمیع" (سننے والا) ہے:

اس میں پہلا واجب یہ ہے کہ "**السمیع**" کا بطور نام اللہ تعالیٰ کیلئے اثبات ہو۔

دوسرا واجب یہ ہے کہ "**السمیع**" کا بطورِ صفت اللہ تعالیٰ کیلئے اثبات ہو۔

تیسرا واجب یہ ہے کہ اس کے حکم اور مقتضیٰ کا بھی اثبات ہو، اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر مخفی بات اور سرگوشی کو سن لیتا ہے، کماقال تعالیٰ: ﴿وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا إِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ﴾. (المجادلۃ:۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تم دونوں کے سوال وجواب سن رہا تھا، بے شک اللہ تعالیٰ سننے، دیکھنے والا ہے۔

اور اگر اللہ تعالیٰ کا نام ایسے وصف پر مشتمل ہو جو غیر متعدی یعنی لازم ہے، تو اس پر ایمان کی تکمیل درج ذیل دو امور سے ہوگی:

(۱) یہ ایمان لانا کہ یہ اسم (نام) اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت ہے۔

(۲) یہ ایمان لانا کہ اس اسم کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کی جو صفت ہے، وہ اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت ہے، اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا مبارک نام "الحی" (زندہ) ہے، ضروری ہے کہ "الحی" کو بطور نام اور اس کے ضمن میں جو حیات کا معنی ہے اسے بطورِ صفت، اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت ہونے کا ایمان رکھا جائے۔

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں الحاد:

الحاد سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں پر ایمان لانے سے متعلق جو واجب اور ضروری امور ہیں؛ ان میں سے کسی امر سے انحراف کرنا، اس الحاد کی بہت سی صورتیں ہوسکتی ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے کسی نام کا انکار کر دیا جائے یا وہ نام جن صفات واحکام پر دلالت کر رہے ہیں ان کا انکار کر دیا جائے، گمراہ فرقہ جہمیہ اس الحاد کا مرتکب تھا، ضروری تو یہ تھا کہ ان ناموں پر وجوباً ایمان لایا جاتا، نیز یہ نام جن احکام اور صفاتِ لائقہ پر مشتمل ہیں ان پر ایمان لایا جاتا، لیکن اس گمراہ فرقے نے انکار کر کے اس الحاد اور انحراف کا ارتکاب کیا۔

(۲) الحاد کی دوسری شکل یہ ہے کہ ان ناموں کی مدلول صفاتِ باری تعالیٰ کو مخلوقات کی صفات کے مشابہ قرار دیا جائے، حالانکہ یہ تشبیہ باطل ہے اور یہ ممکن ہی نہیں کہ نصوصِ قرآن وحدیث، اس تشبیہ پر دلالت کریں، بلکہ نصوص تو ہر قسم

کی تشبیہ کے باطل ہونے پر دال ہیں، تو جو یہ تشبیہ کا نظریہ اپنائے گا اس نے اسماءِ حسنیٰ میں الحاد و انحراف کا ارتکاب کیا۔

(۳) الحاد کی تیسری شکل یہ ہے کہ اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کا کوئی نام رکھے، جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کیلئے ذکر نہیں فرمایا، جیسا کہ نصاریٰ نے ذاتِ باری تعالیٰ کو ''الأب'' یعنی باپ کا نام دیا، فلاسفہ نے ''العلة الفاعلة'' کا نام دیا، یہ سب الحاد ہے، اللہ تعالیٰ کے نام توقیفی ہیں، لہذا اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کا کوئی نام تجویز کرنے والا الحاد وانحراف کا مرتکب قرار پائے گا، نیز ان گمراہ فرقوں نے اللہ تعالیٰ کے جو نام رکھے ہیں وہ سب کے سب فی نفسہ باطل ہیں ،ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ان ناموں سے تنزیہہ و پاکیزگی بیان کی جائے۔

(۴) الحاد کی چوتھی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں سے اپنے معبودوں کے نام اشتقاق کرنا۔ اس الحاد کے مرتکب مشرکین مکہ تھے، انہوں نے اللہ تعالیٰ کے نام ''العزیز'' سے اشتقاق کرتے ہوئے اپنے ایک معبود کا نام ''العزی'' رکھ دیا اور اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک ''الإله'' سے اشتقاق کرتے ہوئے اپنے ایک معبود کا نام ''اللات'' رکھ دیا۔

اللہ تعالیٰ کی صفات پر ایمان لانے کے قواعد:

(اللہ تعالیٰ کی صفات ،صفاتِ کاملہ ہیں ،ان میں کسی قسم کا کوئی نقص نہیں ہے)

اللہ تعالیٰ کی صفات ،صفاتِ کاملہ ہیں ،ان میں کسی قسم کا کوئی نقص نہیں ہے ،مثلاً: صفت ''**الحياة**''، ''**العلم**''، **القدرة**، ''**السمع**''، ''**البصر**''، ''**الرحمة**''، ''**العزة**''، ''**الحكمة**''، ''**العلو**'' یعنی بلند ہونا، ''**العظمة**'' وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کے صفاتِ کمال ہونے پر قرآن و حدیث، عقل اور فطرت سب دلالت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۖ وَلِلَّهِ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾. (النحل:٦٠)

ترجمہ: آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کی ہی بُری مثال ہے، اللہ تعالیٰ کے لئے تو بہت بلند صفت ہے، وہ بڑا ہی غالب اور باحکمت ہے۔

تو اللہ تعالیٰ کے لئے المثل الاعلیٰ ہے ،جس سے مراد سب سے اعلیٰ و اکمل وصف ہے۔

صفاتِ باری تعالیٰ کے سلسلہ میں دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا دائرہ ،اللہ تعالیٰ کے اسماء کے دائرے سے وسیع ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہر نام کسی صفت کے ضمن پر مشتمل ہوتا ہے، جیسا کہ اسماء کے سلسلہ میں قاعدہ نمبر (۲) میں بیان ہو چکا۔

اس کے علاوہ بھی بہت سی صفات ہیں جو اللہ تعالیٰ کے افعال سے متعلق ہیں اور اس کے افعال کی کوئی انتہاء نہیں ہے۔ اسی طرح اس کے اقوال کی بھی کوئی انتہاء نہیں ہے، (لہٰذا صفات کا باب اسماء کے باب سے کہیں زیادہ وسیع

ہے) اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿وَلَوْ أَنَّمَا فِي الْأَرْضِ مِن شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِن بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ (لقمان:۲۷)

ترجمہ: روئے زمین کے (تمام) درختوں کی اگر قلمیں ہو جائیں اور تمام سمندروں کی سیاہی ہو، اوران کے بعد سات سمندر اور ہوں؛ تاہم اللہ کے کلمات ختم نہیں ہو سکتے، بے شک اللہ تعالی غالب اور با حکمت ہے۔

صفاتِ باری تعالی کی دو قسمیں ہیں: ثبوتیہ اور سلبیہ:

(۱) **صفاتِ ثبوتیہ:** وہ ہیں جنہیں اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں یا اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے بیان فرمادیا۔ یہ تمام صفات صفاتِ کمال ہیں، جن میں کسی طرح کا کوئی نقص نہیں ہے، جیسے:

"**الحیاۃ**"، "**العلم**"، "**القدرۃ**"، "**الاستواء علی العرش**"، **النزول الی السماء**" (یعنی آسمان کی طرف نزول فرمانا)، "**الوجہ**" (یعنی چہرہ) اور "**الیدین**" (یعنی دو ہاتھ) وغیرہ۔

ان صفات کو اللہ تعالی کے لئے حقیقۃً ثابت کرنا واجب ہے، ایسی صورت و کیفیت کے ساتھ جو اللہ سبحانہ وتعالی کے لائق ہے۔

(۲) **صفاتِ سلبیہ:** وہ صفات ہیں جن کی اللہ تعالی نے اپنی ذات سے نفی فرمادی، اس نفی کا ذکر کتاب اللہ میں یا سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہے، یہ تمام صفات اللہ تعالی کے حق میں صفاتِ نقص ہیں، مثلا: موت، نیند، جہل، نسیان، عجز، تعب، (تھکاوٹ) وغیرہ۔

ان تمام صفات کی اللہ تعالی سے نفی کرنا ضروری ہے اور وہ اس طرح کہ جو ان کی ضد ہے؛ ان کا اللہ تعالی کیلئے کامل و اکمل طریقہ سے ثابت ہونے کا ایمان رکھا جائے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالی نے اپنی ذات سے جس صفت کی نفی فرمائی، اس سے مراد اس صفت کے منتفی ہونے کا بیان ہے، اس لئے کہ اس صفت کی ضد اللہ تعالی کے لئے بطریق کامل ثابت ہے۔

اس کی مثال اللہ تعالی کا یہ فرمان: ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ﴾.

ترجمہ: اس ہمیشہ زندہ اللہ تعالی پر توکل کریں، جسے کبھی موت نہیں۔ (الفرقان:۵۸)

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالی سے صفتِ موت کی نفی ہے؛ لیکن اس طرح کہ اس کی ضد یعنی (حیات) اس ذاتِ وحدہ لاشریک لہ کے لئے ثابت ہے، تو موت کی نفی اس لئے ہے کہ وہ کمالِ حیات کی صفت سے متصف ہے۔

ایک اور مثال: اللہ تعالی کا یہ فرمان: ﴿وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا﴾.

ترجمہ: تیرا رب کسی پر ظلم وستم نہ کرے گا۔ (الکہف:۴۹)

یہاں تو اللہ تعالی سے صفتِ ظلم کی نفی ہے، اور یہ نفی اس لئے ہے کہ وہ ذات، ظلم کی ضد یعنی کمالِ عدل سے متصف ہے۔

تیسری مثال: اللہ تعالی کا فرمان: ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعْجِزَهُ مِن شَيْءٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ﴾.

(الفاطر:۴۴)

ترجمہ: اللہ ایسا نہیں ہے کہ کوئی چیز اس کو ہرادے، نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔

یہاں اللہ تعالی سے صفتِ عجز کی نفی ہے، اس لئے کہ وہ ذات عجز کی ضد یعنی کمالِ علم اور کمالِ قدرت کی صفت سے متصف ہے۔

صفاتِ ثبوتیہ، صفاتِ مدح وکمال ہیں:

صفاتِ ثبوتیہ، صفاتِ مدح وکمال ہیں۔ یہ صفات جس قدر زیادہ ہوں گی اور ان کی دلالت میں جس قدر تنوع ہوگا؛ اس قدر ان صفات کے موصوف کا کمال ظاہر ہوگا، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی نے اپنی ذات کے بارے میں جن صفاتِ ثبوتیہ کی خبر دی ہے وہ صفاتِ سلبیہ سے کہیں زیادہ ہیں، قرآن وحدیث کا علم رکھنے والوں کو یہ بات بخوبی معلوم ہے۔

صفاتِ ثبوتیہ کا ذکر تو جابجا ملتا ہے، مگر صفاتِ سلبیہ کا ذکر غالباً مندرجہ ذیل احوال میں کیا جاتا ہے:

(۱) جہاں اللہ تعالی کے عمومِ کمال کا ذکر مقصود ہو، جیسے اللہ تعالی کا یہ فرمان:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ (الشوریٰ:۱۱) ترجمہ: اس جیسی کوئی چیز نہیں۔

اور یہ فرمان: ﴿وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ﴾ (الاخلاص:۴) ترجمہ: نہ کوئی اس کا ہمسر ہے۔

(۲) صفاتِ سلبیہ کے ذکر کا دوسرا مقام یہ ہے کہ جھوٹے لوگ اللہ تعالی کے حق میں جو غلط باتیں منسوب کرتے ہیں ان کی نفی مقصود ہو، جیسے اللہ تعالی کا فرمان: ﴿أَن دَعَوْا لِلرَّحْمَٰنِ وَلَدًا﴾ ﴿وَمَا يَنبَغِي لِلرَّحْمَٰنِ أَن يَتَّخِذَ وَلَدًا﴾. (سورۂ مریم:۹۱-۹۲)

ترجمہ: کہ وہ رحمان کی اولاد ثابت کرنے بیٹھیں، شانِ رحمٰن کے لائق نہیں کہ وہ اولاد رکھے۔

(۳) صفاتِ سلبیہ کے ذکر کا تیسرا مقام یہ ہے کہ کسی امرِ معین کے تعلق سے اللہ تعالی کے کمال میں کسی قسم کے نقص کا وہم پیدا ہو رہا ہو تو اس وہم کے دفع وازالہ کیلئے صفتِ سلبیہ ذکر کی جاتی ہے، جیسے اللہ تعالی کا فرمان:

﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَاعِبِينَ﴾. (الدخان:۳۸)

ترجمہ: ہم نے زمین اور آسمان اور اس کے درمیان کی چیزوں کو کھیل کے طور پر پیدا نہیں کیا۔

نیز اللہ تعالی کا یہ فرمان: ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَمَا مَسَّنَا مِن لُّغُوبٍ﴾. (ق:۳۸)

ترجمہ: یقیناً ہم نے آسمان اور زمین میں اور جو کچھ اس کے درمیان ہے، سب کو (صرف) چھ دن میں پیدا کیا اور ہمیں تھکان نے چھوا تک نہیں۔

اللہ تعالی کی صفاتِ ثبوتیہ کی دو قسمیں ہیں:

(۱) صفاتِ ذاتیہ (۲) صفات فعلیہ۔

صفات ذاتیہ: وہ صفات ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالی ہمیشہ سے متصف ہے، اور وہ ہمیشہ متصف رہے گا، جیسے ''العلم، القدرۃ، السمع، البصر، العزۃ، الحکمۃ، العلو، العظمۃ'' ان میں سے کچھ صفاتِ خبریہ ہیں، جیسے ''الوجہ (چہرہ) الیدین (دو ہاتھ) العینین (دو آنکھیں)''۔

صفاتِ فعلیہ: وہ صفات ہیں جن کا تعلق اللہ تعالی کی مشیت و چاہت سے ہے، چاہے وہ کرے اور چاہے نہ کرے، مثلاً: ''عرش پر مستوی ہونا یا آسمانِ دنیا پر نزول فرمانا''۔

اللہ تعالی کی بعض صفات ایسی ہیں جو ذاتی بھی ہوسکتی ہیں، اور فعلی بھی، مثلاً: صفتِ کلام: یہ صفت باعتبارِ اصل صفتِ ذاتیہ ہے؛ کیونکہ اللہ تعالی ہمیشہ سے متکلم ہے، اور ہمیشہ متکلم رہے گا، لیکن کسی کلام کے کرنے یا نہ کرنے کے اعتبار سے یہ صفتِ فعلیہ ہے؛ کیونکہ اللہ تعالی کا کلام فرمانا اس کی مشیت کے تابع ہے، جب چاہے، جو چاہے کلام فرمالے۔ (اس لحاظ سے صفتِ فعلیہ ہوئی) اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے: ﴿إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَن يَقُولَ لَهُ كُن فَيَكُونُ﴾.

(یس:۸۲)

ترجمہ: وہ جب کبھی کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے، اسے اتنا فرما دینا (کافی ہے) کہ ہو جا، وہ اسی وقت ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالی کی ہر وہ صفت جس کا تعلق اس کی مشیت سے ہے وہ اللہ تعالی کی حکمت کے تابع ہے، یہ حکمت کبھی تو ہمیں معلوم ہوتی ہے، اور کبھی ہم اس کی معرفت و ادراک سے عاجز ہوتے ہیں، البتہ کامل یقین کی حد تک یہ علم ضرور ہوتا ہے کہ اللہ تعالی کا کسی چیز کی مشیت فرمانا اس کی حکمت کے عین مطابق ہوتا ہے۔ اللہ تعالی کا یہ فرمان اسی نکتہ کی طرف اشارہ کررہا ہے: ﴿وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ (الانسان:۳۰)

ترجمہ: اور تم نہ چاہو گے مگر یہ کہ اللہ تعالی ہی چاہے، بیشک اللہ تعالی علم والا باحکمت ہے۔

اللہ تعالی کی صفات کے اثبات کے سلسلہ میں دو انتہائی خطرناک اعتقادی گناہوں سے بچنا ضروری ہے:

(۱) تمثیل (۲) تکییف۔

تمثیل: سے مراد بندے کا یہ اعتقاد ہے کہ اللہ تعالی کیلئے جو صفات ثابت ہیں وہ مخلوقات کی صفات کے مماثل ہیں۔ یہ قاعدہ باطل ہے۔

نقلی دلیل: اللہ تعالی کا یہ فرمان: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾. (الشوریٰ:۱۱)

ترجمہ: اس جیسی کوئی چیز نہیں۔

نیز اللہ تعالی کا یہ فرمان: ﴿أَفَمَن يَخْلُقُ كَمَن لَّا يَخْلُقُ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ﴾. (النحل:۱۷)

ترجمہ: تو کیا وہ جو پیدا کرتا ہے اس جیسا ہے جو پیدا نہیں کر سکتا؟ کیا تم بالکل نہیں سوچتے۔

نیز اللہ تعالی کا یہ فرمان: ﴿هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا﴾. (مریم:۶۵)

ترجمہ: کیا تیرے علم میں اس کا ہمنام ہم پلہ اور بھی ہے؟

نیز اللہ تعالی کا یہ فرمان: ﴿وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ﴾. (الاخلاص:۴)

ترجمہ: اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے۔

تکییف: سے مراد اللہ تعالی کی صفات کی کیفیت بیان کرنا، یعنی بندے کا یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالی کی صفات کی کیفیت اس طرح اور اس طرح ہے، اس کیفیت کو کسی مماثل کے ساتھ مقید نہ کرے (کیونکہ مماثل کے ساتھ مقید کرنا تمثیل کہلاتا ہے)۔

اللہ تعالی کی صفات کے سلسلہ میں کیفیت بیان کرنے کا عقیدہ بھی باطل ہے۔

نقلی دلیل: اللہ تعالی کا یہ فرمان: ﴿وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا﴾ (طہ:۱۱۰)

ترجمہ: مخلوق کا علم اس پر حاوی نہیں ہو سکتا۔

نیز اللہ تعالی کا یہ فرمان: ﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۚ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا﴾. (اسراء:۳۶)

ترجمہ: جس بات کی تجھے خبر ہی نہ ہو اس کے پیچھے مت پڑ؛ کیونکہ کان اور آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک سے پوچھ گچھ کی جانے والی ہے۔

یہ بات معلوم ہے کہ ہمارے پاس اللہ تعالی کی صفات کی کیفیت کا کوئی علم نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالی نے ہمیں اپنی صفات کی خبر تو دی ہے، لیکن صفات کی کیفیت نہیں بتلائی، لہذا ہمارا اپنی طرف سے کیفیت بیان کرنا ایک ایسی بے مقصد

گفتگو قرار پائے گا جس کا نہ تو ہمیں علم ہے اور نہ ہی ہمارے لئے اس کا احاطہ ممکن ہے۔

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کی کسی بھی صفت کے اثبات کے لئے قرآن وحدیث میں درج ذیل تین صورتیں ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کی صفت صراحت کے ساتھ بیان ہو، مثلاً صفت ''**العزة، الرحمة، البطش، الوجه،** اور **اليدين**'' وغیرہ۔

(۲) دوسرا طریقہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء مذکور ہوں، ان اسماء کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کی صفت ہوتی ہے۔ مثلا: ''**الغفور**'' اللہ تعالیٰ کا اسم ہے اور اس کے ضمن میں صفتِ مغفرت ہے۔ ''**السميع**'' اللہ تعالیٰ کا اسم ہے اور اس کے ضمن میں صفتِ سمع ہے۔ اس سلسلہ میں اسماء حسنیٰ کے قواعد وضوابط کی بحث دیکھئے۔

(۳) تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل یا وصف مذکور ہو جو اللہ تعالیٰ کی صفت پر دلالت کرتا ہو، مثلا: اللہ تعالیٰ کا استواء علی العرش یا اللہ تعالیٰ کا آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرمانا یا اللہ تعالیٰ کا مجرمین سے انتقام لینا۔

اللہ تعالیٰ کے مذکورہ تمام افعال وصفات بالترتیب درج ذیل نصوص میں ثابت ہو رہے ہیں (اور یہ تمام افعال وصفات اللہ تعالیٰ کی صفات کو متضمن ہیں۔)

﴿الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾. (طٰہ:۵)

ترجمہ: جو رحمٰن ہے، عرش پر قائم ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ینزل ربنا الی السماء الدنیا.''

ترجمہ: ہمارا رب آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا﴾. (الفجر:۲۲)

ترجمہ: تیرا رب (خود) آجائے گا اور فرشتے صفیں باندھ کر (آجائیں گے)۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ مُنْتَقِمُونَ﴾. (السجدہ:۲۲)

ترجمہ: (یقین مانو) کہ ہم بھی گنہگاروں سے انتقام لینے والے ہیں۔

ایک ہی مادہ سے نکلنے والے مختلف اسماء حسنیٰ کا باہمی فرق

اسماء حسنیٰ میں مختلف صفات کے معانی کا مختلف ہونا اور اسی طرح ایک ہی مادۂ حروف ہونے کے باوجود صیغوں کے مختلف ہونے سے بھی معانی میں اختلاف ہونا علماء تفسیر کے نزدیک مسلم ہے، مثلا صفت سمیع، بصیر، علیم، وغیرہ ایک ہی ذات پر صادق آنے کے باوجود دلالت کے اعتبار سے مختلف ہیں:

يقول ابن تيميه: "أسماء الله الحسنى ليست مترادفة، بحيث يكون معنى كل اسم هو معنى الاسم الآخر، ولا هي أيضا متباينة التباين في المسمى وفي صفته، بل هي من جهة دلالتها على المسمى كالمترادفة، ومن جهة دلالتها على صفاته كالمتباينة".

إذن حينما نقول: السميع، البصير، العليم، فإننا نعني بها المولى -سبحانه وتعالى- فهي عندئذ أسماء، ولكنها أيضا تحمل صفات الكمال، فالسميع اسم من حيث دلالته على المولى، وصفة من حيث أن المولى يسمع، وكذا العليم اسم وصفة، اسم يدل على المولى- سبحانه وتعالى -وصفة تدل على علم الله، وكذا القدير...... الخ بلکہ کچھ علماء کرام نے ترادف کے قائلین کو **الذين يلحدون في اسماءه** کا مصداق قرار دیا ہے۔

اگر یہ مترادفات ایک ہی معنیٰ ادا کرتے تو قرآن وحدیث میں ان کو علیحدہ ذکر نہ کیا جاتا، بلکہ اس وقت ایک ہی مادہ سے نکلنے والے مختلف صیغوں کے بجائے ایک ہی صیغہ سب کے لئے کافی ہوتا، مثلاً ''علیم'' عالم کے لئے کافی ہوتا، اور ''قدیر'' کی صفت قادر ومقتدر سے مستغنی کر دیتی، مالک، ملک اور ملیک تینوں میں سے ایک ہی صفت کافی تھی، معلوم ہوا کہ سب کے ایک معنیٰ نہیں ہے، عربی نحو وصرف کے اعتبار سے بھی ہر ایک کلمہ کا ایک وزن اور معنیٰ ہوتا ہے، ماضی، مضارع، امر ونہی کے صیغوں کی طرح اسم فاعل، اسم تفضیل، صفت مشبہ اور مبالغہ کے اوزان بھی ایک دوسرے سے علیحدہ معنیٰ ادا کرتے ہیں، نیز كثرة المباني تدل على زيادة المعاني کے قاعدہ کے پیش نظر بھی ترادف کی نفی ہوتی ہے۔

امام غزالیؒ ترادف کی نفی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''فإذا رأينا لفظين متقاربين، فلا بد أن نتكلف إظهار مزية لأحد اللفظين على الآخر ببيان اشتماله على دلالة لا يدل عليها الآخر، مثاله: لورود الغافر والغفور والغفار، لم يكن بعيداً أن تعد هذه ثلاثة أسام، فهذه الأسامي وإن كانت متقاربة المعاني، فليست مترادفة.

لأن الأسامي لا ترادلمخارج أصواتها بل لمفهوماتها ومعانيها، فهذا أصل لا بد من اعتقاده".

(الفتاوی الکبری: ۲۹۵/۱۲)

ذیل میں ہم چند اسماء مترادفہ کے معانیٔ مختلفہ کو نقل کرتے ہیں؛ تاکہ پتہ چلے کہ قرآن وحدیث میں مختلف مقامات پر صفات کا مختلف وزن کے ساتھ آنا اس مقام کی اہمیت کے پیش نظر ہوتا ہے۔

(۱) الغافر - الغفور - الغفار:

غافر اسم فاعل ہے اور غفور وغفار مبالغہ کے صیغے ہیں، اور نحویوں کا قاعدہ ہے کہ ایک صیغہ سے دوسرے صیغہ اور

دوسرے وزن کی طرف عدول کرنے سے معنیٰ میں تبدیلی ہوتی ہے، اسم فاعل ثبوت واستمرار پر دلالت کرتا ہے، لفظ غافر سورۂ غافر آیت نمبر ۳ میں آیا ہے۔ ﴿غَافِرِ الذَّنۢبِ وَقَابِلِ التَّوۡبِ شَدِيۡدِ الۡعِقَابِ ۙ ذِى الطَّوۡلِ‌ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ‌ؕ اِلَيۡهِ الۡمَصِيۡرُ﴾ (غافر: ۳)

اور فعول کاوزن (غفور) مبالغہ کا صیغہ ہے، جس آدمی سے کسی فعل کی کثرت یادوام ہوتا ہو اس کے لئے فعول کاوزن آتا ہے۔

اسی طرح فعّال (غفار) کا صیغہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس فعل کے کرنے والے نے یہ کام یکے بعد دیگرے مرتبہ اور ایک وقت کے بعد دوسرے اوقات میں کیا ہے۔

حاصل یہ کہ غافر وہ ذات ہے جس کی طرف سے مغفرت ہو اور یہ صفت اللہ پاک سے بطور وصف کے صادر ہوتی ہے؛ لہذا وہ اللہ تعالی کے لئے بطور وصف اور استمرار کے ثابت ہے، اس لئے کہ گناہ سرزد ہونے سے پہلے بھی وہ غافر ہے اور گناہ کے صدور کے بعد بھی وہ غافر ہے، وہ اپنی اس صفت میں بندوں کے گناہ سرزد ہونے کا محتاج نہیں ہے۔

اور غفور وہ ذات ہے جو کثرت سے مغفرت کرتا ہو اور تمام گناہ کو معاف کرتا ہو۔ سورۂ زمر آیت ۵۳ میں **ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا** کے بعد **انہ ھو الغفور الرحیم** کا ذکر ہے، یعنی تمام گناہوں کو ایک ہی مرتبہ میں معاف کردیتا ہے۔ اسی طرح غفور کا تعلق صغائر سے بھی معلوم ہوتا ہے، **ویعمل سوءًا** (نساء: ۱۱۰)

اور غفار وہ ذات ہے کہ بار بار گناہ کرکے بندہ توبہ کرے تو بھی اس کو معاف کرتا ہے اور عموماً غفار کا ذکر گناہ کبیرہ شرک، طغیان وغیرہ کے ساتھ آتا ہے، یہ صفت مولیٰ کے مظاہر قدرت سے ہے اور وہ صفت عزیز کے ساتھ کثرت سے مستعمل ہے۔ ﴿رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا الۡعَزِيۡزُ الۡغَفَّارُ﴾ (ص: ۶۶) حروف کی کثرت معانی کی زیادتی کی طرف دلالت کرتی ہے، اس اعتبار سے غفار میں غفور کے مقابلے میں مبالغہ زیادہ پایا جاتا ہے؛ کیونکہ اس میں گناہ کی کثرت اور بڑائی (کمیت وکیفیت) دونوں شامل ہیں۔

قال الغزالی: لأن الغافر يدل على أصل المغفرة فقط، والغفور يدل على كثرة المغفرة بالإضافة إلى كثرة الذنوب، حتى إن من لا يغفر إلا نوعاً واحداً من الذنوب، قد لا يقال له غفور، والغفار يشير إلى كثرة على سبيل التكرار، أي مغفر الذنوب مرة بعد أخرى، حتى إن من يغفر جميع الذنوب أول مرة، ولا يغفر للعائد إلى الذنب مرة بعد أخرى، لم يستحق اسم الغفار. (المقصد الأسنى: ۴۱)

(۲) عالم الغیب-علام الغیوب-العلیم:

عالم اسم فاعل اور علیم وعلّام دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں، لہٰذا ماقبل میں جو فرق تھا وہ ان میں بھی ملحوظ رہے گا، اسم

فاعل تینوں زمانے ماضی، حال و مستقبل پر بھی قرینہ کے اعتبار سے دلالت کرتا ہے۔ وفي (الفروق اللغوية) أنه "إذا تكرر الفعل وقتا بعد وقت، قيل: فعال، مثل علام وصبار" وعليه فإننا نلمح في (فعال)، أنها تقتضي "الاستمرار والتكرار، والإعادة والتجدد".

اور فعیل بھی مبالغہ میں کثرت وتکرارِ فعل کی طرف دلالت کرتا ہے، گویا یہ صفت موصوف کی طبیعت اور جبلت میں سرایت کرگئی ہے۔ یہ تینوں صفات عالم، علام اور علیم حق سبحانہ وتعالی کی صفاتِ ذاتیہ ہیں، صفت غفور اور غفار کی طرح یہ صفات بھی حق تعالی کے علم کامل ومطلق پر دلالت کرتی ہیں، اور مخلوق کے پیدا ہونے سے پہلے بھی دلالت کرتی تھی، بعد میں بھی دلالت کرتی ہے، اس میں تجدد وحدوث نہیں ہے، وہ علم ازلی ہے، رات دن کا گذرنا اس پر کوئی اثر انداز نہیں ہوسکتا ہے۔

فعال کا وزن اگرچہ تکرار، اعادہ اور تجدد پر دلالت کرتا ہے؛ لیکن یہ حق سبحانہ وتعالی کی ذاتِ عالی کے مناسب نہیں ہے، کیونکہ یہ صفات اس کی ذاتی صفات ہے، مخلوق کی تخلیق سے پہلے بھی وہ مکمل صفات تھیں اور بعد میں بھی مکمل ہیں۔

صفت عالم قرآن کریم میں ۱۳ جگہ مذکور ہے، اور سب جگہ **الغيب** کی طرف مضاف ہوکر آیا ہے، اسی طرح دس جگہ **الشهادة** کا معطوف علیہ بن کر آیا ہے۔

لفظ علام قرآن کریم میں ۴ رمرتبہ آیا ہے اور ہر موقع پر **الغيوب** کی طرف مضاف بن کر آیا ہے، بغیر اضافت کے کبھی نہیں آیا ہے، اور صفت علیم ۱۲۵ مرتبہ آئی ہے؛ لیکن کسی خاص ترکیب کے ساتھ نہیں آئی ہے۔

خلاصہ یہ کہ صفت عالم ہمیشہ الغیب کی طرف مضاف ہوکر آئی ہے اور آخرت، بعث، حساب، نفخ صور وغیرہ یوم آخرت سے متعلق اللہ پاک کی قدرت پر دلالت کرتی ہے، جب الغیب کا لفظ مفرد ہوتا ہے تو صفت عالم ساتھ میں آتی ہے، اور جب غیوب جمع کا صیغہ آتا ہے تو اس کے ساتھ علام کا صیغہ مستعمل ہوا ہے۔ (الانعام: ۷۳)

﴿وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۖ وَيَوْمَ يَقُولُ كُن فَيَكُونُ ۚ قَوْلُهُ الْحَقُّ ۚ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّورِ ۚ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ﴾ (الانعام: ۷۳)

علام مبالغہ کا صیغہ ہے، جو کثرت پر دلالت کرتا ہے لہٰذا اس کے مناسب جمع کا صیغہ غیوب ہی ہے، قرآن کریم میں کہیں بھی علام الغیب یا عالم الغیب کا لفظ نہیں آیا ہے؛ بلکہ مفرد کے ساتھ مفرد اور جمع کے ساتھ جمع کا صیغہ ہی آیا ہے، صفت علیم بھی مبالغہ کا وزن ہے، یہ بھی کئی آیات میں آئی ہے؛ لیکن کبھی بھی یوم آخرت اور قیامت کی ہولناکی والے مضامین کے ضمن میں یہ صفت مستعمل نہیں ہوئی ہے، اسی طرح غیب اور علم غیب کے مضمون کے ساتھ بھی مستعمل نہیں ہوئی، جیسے عالم اور علام آئے ہیں، یہ مختلف سیاقات کے ضمن میں آئی ہے: (۱) اللہ تعالی کی مخلوقات اور ان کی حقیقت اور اسرار کے

ضمن میں سورۂ بقرہ آیت ۲۹: میں آئی ہے۔ ﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۚ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾(بقرۃ:۲۹) (۲) انسانی سلوک اور اس کے دل میں چھپی ہوئی چیزوں کے متعلق سورۂ بقرہ آیت: ۱۲۷/اور آیت ۲۱۵ میں آئی ہے۔ ﴿وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ۭ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾(بقرہ:۱۲۷)﴿يَسْــَٔـلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ڛ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ﴾(بقرہ:۲۱۵) (۳) اوامر ونواہی کے ضمن میں۔ ﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾(المائدہ آیت:۷)، ﴿اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْۗءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ۭ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ڮ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ﴾(فاطر، آیت:۸)

لفظ علیم ۹ مقامات پر انسانوں کے لئے بھی آیا ہے؛ لیکن وہاں اللہ پاک کی صفت مطلقہ مراد نہیں ہے؛ بلکہ بندوں کا ناقص علم مراد ہے۔ صفت علیم کبھی عالم الغیب اور علام الغیوب سے بھی بلیغ ہوتی ہے، کیونکہ یہ قرآن کریم میں ۱۵۴ مرتبہ مختلف سیاقات میں آئی ہے اور مطلق مستعمل ہوئی ہے، جبکہ عالم وعلام غیب کی صفت کے ساتھ مقید ہے، علامہ ابن اثیر نے اگرچہ صفت عالم کو علیم سے ابلغ مانا ہے۔

(۳) قادر-مقتدر-قدیر:

مجرد اور مزید فیہ کے ابواب میں اور خود مزید فیہ کے مختلف ابواب میں اپنی اپنی خاصیت کے اعتبار سے معانی کا فرق ہوتا ہے، قادر، قدیر اور مقتدر تینوں کے معانی ایک دوسرے سے جدا ہیں، ایک کے بجائے دوسرے کا استعمال ان آیات کی رونق اور سیاق وسباق کے مفاہیم کو بدل دیتے ہیں۔

قادر:- لفظ قادر سات مقامات پر مفرد اور پانچ مقامات میں جمع کے صیغہ کے ساتھ مستعمل ہوا ہے، لفظ قادر جب سیاق سے خالی ہو تو مطلق اللہ پاک کی قدرت پر دلالت کرتا ہے، اور وہ تخصیص کا محتاج ہوگا کہ کس پر قدرت ہے؟ اسم فاعل (قادر) فاعل کے لئے کسی بھی فعل میں قدرت ثابت کرتا ہے، لیکن وہ قدرت کی مکمل شمولیت پر دلالت نہیں کرتا ہے، اسی وجہ سے اسم فاعل (قادر) کا استعمال کسی فعل کی تخصیص کے ساتھ ہی آیا ہے۔ سورۂ انعام آیت: ۳۷ میں **قادر علی ان ینزل** اور سورۂ اسراء آیت ۹۹ میں **قادر علی ان یخلق مثلھم** کی تخصیص کے ساتھ آیا ہے، اسی طرح تمام آیات جن میں قادر یا قادرون آیا ہے وہاں قدرتِ مطلقہ کا ذکر نہیں ہے۔

قادر کے ساتھ استعمال ہونے والی آیات میں غور کرنے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ آیات قدرت الٰہی کے سلسلے میں کافروں کے غلط دعوے کے مقابلہ میں اللہ پاک کی قدرت کے اثبات میں آئی ہیں؛ چاہے وہ بعث بعد الموت ہو یا آیات کا نزول ہو، جیسے سورۂ انعام کی آیت ۳۷ سے معلوم ہوتا ہے۔ ﴿وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۚ قُلْ إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَن يُنَزِّلَ آيَةً وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾

قدیر: یہ صفت قرآن کریم میں ۴۵ مقامات پر آئی ہے، یہ مبالغہ کے وزن پر ہونے کی وجہ سے کثرت پر دلالت کرتی ہے، لہذا اس صفت کا اکثر استعمال **ان اللہ علی کل شیٔ قدیر** کے عمومی و مطلق قدرت والے کلمات کے ساتھ ہی ہوا ہے، اس موقع پر قادر کا لفظ نہیں آیا ہے؛ کیونکہ **کل شیٔ** کا لفظ قدیر کا ہی تقاضہ کرتا ہے۔

اسی طرح قدیر کا استعمال ان مقامات پر ہوا ہے جہاں اللہ پاک کی قدرت کے متعدد مظاہر کا ذکر ہے، جیسے سورۂ نحل آیت ۷۰ میں **خلقکم، یتوفاکم، یرد الی ارذل العمر** وغیرہ کلمات کے ساتھ قدیر کا لفظ آیا ہے اور جہاں کسی ایک مظہر قدرت کا ذکر آیا ہے وہاں عامۃً قادر کا صیغہ آیا ہے، جیسے سورۂ یٰسین آیت: ۸۱ میں خلق کی صفت اور سورۂ الطارق آیت: ۸ میں **انه علی رجعه لقادر** ہے، جبکہ سورۂ شوریٰ آیت ۲۹ میں متعدد صفات کا ذکر تھا تو صفت قدیر آئی۔

المقتدر: یہ صفت ۴ مواقع پر آئی ہے، تین جگہ مفرد اور ایک جگہ جمع کے صیغہ کے ساتھ آئی ہے، صفت مقتدر یہ قادر اور قدیر سے زیادہ مبالغہ پر دلالت کرتی ہے، کثرت معانی کی وجہ سے اس میں ایک اور معنیٰ کا اضافہ ہوا ہے، وہ اللہ پاک کے لئے مکمل تصرف کا تقاضہ کرتا ہے، چنانچہ جن آیات میں مقتدر کا صیغہ آیا ہے اس کے سیاق وسباق میں اللہ پاک کی قدرت کاملہ اور تصرف تام کا ہی ذکر ہے، جیسے سورۂ زخرف آیت ۴۲ میں **فَإِنَّا علیهم مُّقْتَدِرُونَ** اور سورۂ قمر آیت ۴۲ میں **اخذناهم اخذ عزیز مقتدر** کے کلمات مذکور ہیں۔

(۴) القاهر-قهار:

قاہر دو جگہ ایک ہی ترکیب کے ساتھ مفرد آیا ہے، قاہر قدرت مطلقہ کی طرف اشارہ کرتا ہے، بڑی سے بڑی مخلوق بھی اللہ پاک کو عاجز نہیں کرسکتی، **وهو القاهر فَوْقَ عِبَادِهِ** سے مرتبہ مراد ہے، جگہ کی فوقیت مراد نہیں ہے۔

قهار:

یہ صفت قرآن کریم میں چھ جگہ واحد کی صفت کے ساتھ آئی ہے، قہار مبالغہ کا صیغہ ہونے کی وجہ سے یکے بعد دیگرے اس صفت کے وقوع پر دلالت کرتا ہے۔ اور اس میں کثرت کی طرف بھی اشارہ ہے، اللہ پاک کی صفت قہاریت سے تمام مخلوق کو موت کا مزہ چکھنا ہے، اسی طرح قیامت کے دن سب کا حساب کتاب ہونا ہے، سب کے فنا ہونے کے بعد **لمن**

الملك اليوم کی آواز لگائیں گے،کوئی جواب دینے والا نہ ہونے پر خود ہی فرمائیں گے لله الواحد القهار (غافر:۱۶)

(۵) خالق والخلاق:

خالق قرآن کریم میں چھ جگہ آیا ہے،ان آیات کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صیغہ صفت خلق کو ثابت کرتا ہے،انسان اور تمام مخلوق کی ابتدائی تخلیق کا ذکر ان آیات میں کثرت سے آیا ہے،(الانعام:۱۰۲،رعد:۱۶،زمر:۶)

﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ﴾

خلاق:

دوجگہ آیا ہے، یہ صیغہ کثرت واعادہ پر دلالت کرتا ہے، جیسے سورۂ حجر آیت ۸۲ اور سورۂ یٰس آیت:۸۱ میں قیامت اور مُردوں کا دوبارہ زندہ کرنا مذکور ہے۔

قال ابن كثير: وقوله: "إن ربك هو الخلاق العليم" تقرير للمعاد، وأنه تعالى قادر على إقامة الساعة؛ فإنه الخلاق الذي لا يعجزه خلق شيء، العليم بما تمزق من الأجساد، وتفرق في سائر أقطار الأرض.

(ابن کثیر، إسماعیل بن عمر: تفسیر القرآن العظیم: ۲/ ۷۳۴)

(۶) الكريم والاكرم:

کریم مبالغہ اور الاکرم اسم تفضیل کا صیغہ ہے، کریم دوجگہ اللہ پاک کے نام کے طور پر آیا ہے۔(سورۂ نمل آیت:۴۰ ۱،اور سورۂ انفطار آیت:۶)

صفت کریم اللہ پاک کی شان کریمی کی وسعت اور کثرت پر دلالت کرتی ہے، یہ اس کی ذاتی صفت ہے؛لہذا اس کا کرم مطلق ہے، جب بھی کریم بولا جائے گا تو ذہن فوراً اللہ پاک کی طرف ہی جائے گا۔

صفت اکرم صرف ایک ہی آیت میں آیا ہے، یہ تفضیل کا صیغہ ہے، جو اشارہ کررہا ہے کہ شان اکرمیت کے صرف اللہ تعالیٰ ہی مستحق ہیں،مخلوق میں صفت کرم عارضی ہے،لہذا اسم تفضیل کا صیغہ دونوں کرم کے درمیان فرق بتاتا ہے کہ اللہ پاک کی قدیم صفت اکرمیت بندے کی عارضی، فانی اور نقص والی صفت سے بلند وبالا ہے۔

اور آیت میں مفضل علیہ کو ذکر کرنا بھی اسی بلندی وعلوشان کی طرف مشیر ہے، یہ صفت سورۂ علق کی آیت میں آئی؛ جو اول وحی ہے،اس کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر اللہ پاک کی جس صفت کا سب سے پہلے القاء ہوا وہ کرم وجود والی صفت ہے، جو بندوں کو اس کی حمد وثناء پر آمادہ کرتی ہے۔

(۷) شاکر-شکور:

صفت شاکر دوجگہ آئی ہے، یہ صفت ذاتی ہے،مخلوق کی تخلیق سے پہلے بھی اور بعد میں بھی شاکر ہے،کوئی شکر

کرے یا نہ کرے؛ کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔

﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللَّهِ ۖ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ﴾ (البقرۃ:۱۵۸)

﴿لَّا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَن ظُلِمَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا عَلِيمًا﴾ (نساء:۱۴۸)

شکور:

یہ صفت چار جگہ آئی ہے، صفت شکور فعول کے وزن پر مبالغہ کے لئے ہے، علماء لغت نے لکھا ہے کہ فعول کا وزن اس ذات کے لئے استعمال ہوتا ہے جس سے فعل دائمی طور پر پایا جاوے، آیات کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسم صفت فعل ہے، فاللہ شاکر فی ذاته، شکور فی افعاله، بندوں کے کم عمل پر زیادہ ثواب عطا کرنا شان شکوریت ہے، حقیقت میں شکور وہی ہے جو ایک نیکی کا ثواب دس سے لے کر اضعافا مضاعفہ لاکھوں گنا دیتا ہے، فرشتوں کے سامنے بندوں کی تعریف فرمانا بھی شان شکوریت ہی ہے، سورۂ سبا آیت ۱۳ میں **قلیل من عبادی الشاکر** نہیں فرمایا بلکہ **شکور** فرمایا، کیونکہ شکر بندے کی طرف سے کبھی ہوتا ہے، لیکن بہت کم بندے شکر پر مداومت کرتے ہیں۔

(۸) الرحمن-الرحیم-ذوالرحمۃ:

فعلان کا وزن کسی چیز کے مکمل اور بھرے ہوئے ہونے کے معنی پر دلالت کرتا ہے، جیسے سورۂ طٰہٰ آیت:۸۶ میں **غضبان اسفا** کا معنیٰ ہے: حضرت موسیٰؑ غصہ سے بھرے ہوئے لوٹے، **فعلان** حدوث وتجدد پر دلالت کرتا ہے اور **فعیل** ثبوت پر دلالت کرتا ہے، فجمع اللّٰہ لذاته الوصفین. (معانی الابنية فی اللغة العربية: ۹۲) لیکن فعلان کا صیغہ جب اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال ہو تو مبالغہ اور حدوث پر دلالت والے معنی مراد نہیں ہوں گے، کیونکہ مخلوق اور خالق کی صفات میں فرق ہے، اللہ پاک کی صفات حدوثی نہیں ہے وہ قدیم، ذاتی اور ازلی ہیں۔ صفت رحمان ورحیم میں مبالغہ صیغہ کی وجہ سے نہیں آیا ہے؛ بلکہ حروف کی کثرت وقلت کی وجہ سے آیا ہے، رحمان میں دو حرف کی طرف زیادتی سے عدول کیا گیا اور رحیم میں ایک حرف سے عدول ہوا ہے۔

رحمان میں مبالغہ کی ایک وجہ اس کا تثنیہ کے وزن پر ہونا ہے، الف نون کا آخر میں ہونا اس کو تثنیہ کے مشابہ کر رہا ہے اور تثنیہ میں واحد سے ایک گونہ زیادہ ہونا پایا گیا۔ (بدائع الفوائد:۱/۲۷)

علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ فعلان کا صیغہ وسعت وشمول پر دلالت کرتا ہے؛ لہذا اکثر آیات میں اس صفت کو **استواء علی العرش** کے ساتھ ملحق کیا گیا ہے۔ (طٰہٰ:۵) کیونکہ عرش تمام مخلوقات کو محیط ہے، تو صفت رحمان بھی مخلوق کو محیط ہے۔

رحمان کا اطلاق صرف اللہ تعالیٰ پر ہوتا ہے؛ جبکہ رحیم کا اطلاق بطور وصف کے آپ ﷺ کے لئے سورۂ توبہ آیت ۱۲۸ میں ہوا ہے، ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ (توبۃ: ۱۲۸) صفت رحمان وصف ذاتی ہوسکتی ہے، اور صفت رحیم وصف فعل ہے، صفت رحیم سورۂ احزاب آیت ۴۳ اور سورۂ توبہ آیت ۱۱۷ میں، مؤمنین پر رحم کرنے کے لئے مستعمل ہوئی ہے۔

﴿هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا﴾ (الاحزاب: ۴۳)

﴿لَّقَد تَّابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِن بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ (توبۃ: ۱۱۷)

اور دوسری آیات میں مؤمنین وغیر مؤمنین دونوں کے لئے بھی مستعمل ہوا ہے، سورۂ زمر کی آیت ۵۳ میں عام ہے۔

﴿قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾ (زمر: ۵۳)

ذو رحمة: اس صفت کی ایک خاص شان ہے جو غور وفکر کی دعوت دیتی ہے، یہ دو جگہ سورۂ انعام آیت: ۱۳۳ اور سورۂ کہف آیت ۵۸ میں آئی ہے، اور ایک جگہ سورۂ انعام آیت: ۱۴۷ میں نکرہ کے ساتھ آئی ہے، تینوں آیتوں کا سیاق ایک ہی قسم کے مفہوم پر دلالت کرتا ہے، وہ یہ کہ بندوں کا اس کی نافرمانی کرنا اور رسولوں کی تکذیب کرنا ہے۔ لفظ ذو الرحمۃ اشارہ کرتا ہے کہ اللہ پاک بندہ کو مہلت دے رہا ہے، ان کے لئے سزا میں جلدی نہیں کر رہا ہے، اگر چاہتا تو جلدی عذاب لاتا، ساتھ میں تینوں آیتوں کا اسلوب بیان شرطیہ آیا ہے۔ (ان یّشا- لویؤاخذھم- فان کذبوك) جو اشارہ کر رہا ہے کہ بندے تو جلدی عذاب کے مستحق تھے، لیکن مولیٰ کے ذو الرحمہ ہونے نے عذاب کو مؤخر کیا ہے۔

اور لفظ ''ذو'' کا اضافہ حق تعالیٰ کے لئے رحمت کے لازمی ہونے کی طرف مشیر ہے، جبکہ الرحمۃ کا ''ال'' رحمت کاملہ کی طرف دلالت کرتا ہے، لہذا یہ لفظ ذو الرحمۃ مبالغہ میں ایک حیثیت سے رحمان ورحیم سے بھی زیادہ معنیٰ ادا کرتا ہے، اگرچہ صفت رحمان ورحیم دوسری حیثیت سے ذو الرحمۃ سے بھی ابلغ ہیں۔ (روح المعانی: ۱۵/ ۳۰۵)

(۹) العلی- الاعلی- المتعالی:

کچھ حضرات نے تینوں صفات کے درمیان فرق کرتے ہوئے فرمایا کہ العلی علو ذات پر، الاعلی علو شان پر اور المتعال علو قہر پر دلالت کرتے ہیں، لیکن کتب لغات سے اس کی تائید نہیں ہوتی ہے، اللسان: ۱۰/ ۲۶۸ میں تینوں کا فرق اس طرح بتایا ہے کہ العلی وہ ذات ہے جس کے اوپر کوئی نہیں ہے، وہ اپنی مخلوق سے بلند ہے، ان کو اپنی طاقت وغلبہ سے

قابو میں کیا ہوا ہے، اور المتعالی وہ ذات ہے جو اللہ تعالی پر جھوٹ باندھنے والے اور غلط وسوسہ کرنے والوں کے وسوسے سے پاک ہے، اور الاعلی وہ ذات ہے جو ہر بلندی سے بلند اور اس کی صفات تمام صفات سے اعلی ہو۔

العلی: قرآن مجید میں آٹھ جگہ آیا ہے، ان میں اکثر مقامات میں حق سبحانہ وتعالی سے صفات کی کمی کی نفی اور صفات عظیمہ جلیلہ- جو اس کے شایان شان ہو- کا اثبات ثابت ہوتا ہے، جیسے آیۃ الکرسی میں اللہ تعالی کے لئے چند صفات کا اثبات اور چند چیزوں کی نفی کی گئی ہے اور اخیر میں **وهو العلی العظیم** کی صفت ذکر کی ہے، سورہٗ شوریٰ آیت ۵۱ میں اس وہم کو رد کیا کہ کوئی بھی آدمی اللہ تعالی سے مباشرۃً بغیر حجاب کے باتیں کر سکتا ہے اور اخیر میں **انه علی حکیم** فرمایا، اسی طرح سورہٗ لقمان آیت: ۳۰ میں **هو العلی الکبیر** سے پہلے باطل عقائد کا رد کیا گیا، وہ آٹھوں مقامات، جن میں العلی صفت آئی ہے، تمام مقامات میں علوِ منزلت اور مرتبہ مراد ہے؛ نہ کہ علو مکان۔ سورہٗ مریم آیت ۵۷ اور آیت ۵۰ یہ اسماء حسنی میں سے نہیں ہے، وہاں کبھی علو مرتبہ اور کبھی علو مکان کے لئے مستعمل ہے، جہاں علو کے ساتھ **مکانا** کا ذکر ہے وہاں علو مکان مراد ہے، اور جہاں ذکر نہیں ہے وہاں علو منزلت و مرتبہ مراد ہے۔

الاعلی: یہ اسم تفضیل فضیلت کی طرف مشیر ہے، مفضل علیہ کو حذف کرنا اور اسم تفضیل کو مطلق لانا دو معنیٰ کی طرف دلالت کرتا ہے: (۱) حق تعالی کے لئے علو مطلق (۲) اور مخلوق کے لئے نقص و کمی کو ثابت کرتا ہے۔

صفت ''الاعلیٰ'' دو جگہ آئی ہے: **سبح اسم ربك الاعلی** اور **إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ** دونوں جگہ الاعلی کے ساتھ رب کی صفت آئی ہے، کیونکہ مشرکین اپنے لئے چند معبود (ارباب) کا دعوی کرتے تھے، لہذا رب کے ذکر کے ساتھ الاعلی کا ذکر ان کے تمام ارباب کے مقابلہ میں اللہ تعالی کی صفت کے اعلی ہونے کی دلیل ہے، چنانچہ **اقرأ وربك الاکرم** (العلق: ۳) اور سورہٗ یونس آیت: ۴۰، اور سورہٗ اسراء آیت ۵۵ میں **ربك اعلم** کی صفت کا اضافہ تمام معبودوں کے مقابلے میں اللہ پاک کے اعلم و اکرم اور اعلی ہونے کی دلیل ہے۔

المتعالی: تمام مخلوقات کی صفاتِ نقص سے اللہ پاک کو منزہ قرار دینا اور مفترین کی افتراء پردازیوں و غلط وساوس سے اللہ پاک کو بے عیب قرار دینا؛ یہ صفت المتعالی کی مراد ہے، لفظ تعالی زیادہ بلیغ ہے صفت علا سے، کیونکہ کثرت مبانی زیادتی معنی پر دلالت کرتی ہے، یہ صفت قرآن کریم میں ایک جگہ آئی ہے (رعد: آیت: ۹) البتہ تعالی فعل کئی مقامات پر آیا ہے۔ (النحل: ۳۰، النمل: ۶۳)

(۱۰) الواحد الأحد:

واحد چھ جگہ قہار کے ساتھ آیا ہے، واحد وہ ذات ہے جو ہمیشہ سے ایک ہی ہو، اس کے ساتھ کوئی نہ ہو۔ مخلوق کی پیدائش سے پہلے اور بعد میں بھی کوئی اس کا شریک نہیں ہے، نہ بیوی نہ بچے۔ (التوبہ: ۳۱، یوسف: ۳۹) حاصل یہ کہ واحد

وحدانیت کو ثابت کرتے ہوئے شرک کی نفی کرتا ہے، اسی وجہ سے یہ مختلف سیاق میں آیا ہے؛ شرک کے متعلق اور کیسے غیر اللہ کولوگوں نے اس کے ساتھ شریک کیا، اور متعدد رب مانے؛ جبکہ ان کے لیے یہ مناسب نہیں تھا؛ کیونکہ وہ ذات وصفات میں متفرد ہے، بہر حال احد نفی واثبات میں آیا ہے۔ (الاعراف: ۸۰) اللہ تعالی کے لئے سورۂ اخلاص میں ہی آیا ہے، لغات کی کتابوں میں یہ ہے کہ احد کا استعمال دوطرح ہوتا ہے، ایک صرف نفی کے لئے اور دوسرا اثبات کے لئے، صرف نفی کے لئے تب آتا ہے جب جنس ناطقین کا استغراق مقصود ہو، اور قلیل وکثیر کو اجتماع وافتراق کے طور پر شامل ہوتا ہے۔ نحو مافی الدار احدای واحد، ولا اثنان فصاعدا، لا مجتمعین ولا متفرقین۔

(معجم مفردات الفاظ القرآن الکریم: ۱/۱۸)

لفظ واحد کا اطلاق ہر مفرد پر واقع ہوتا ہے، چاہے وہ عقل وعلم سے متصف ہو یا نہ ہو، جبکہ احد صرف علم وعقل والوں کے لئے مستعمل ہوتا ہے، رجل واحد وجمل واحد کہہ سکتے ہیں لیکن جمل احد نہیں کہہ سکتے ہیں، اسی طرح ما جاءنی رجل واحد میں دو تین آدمی یا کمزور وقوی وغیرہ بہت سے احتمالات ہیں، جبکہ ماجاءنی احد میں سوائے عام نفی کے کوئی احتمال نہیں ہے۔ کچھ حضرات فرماتے ہیں کہ واحد منفرد بالذات ہوتا ہے اور احد منفرد بالمعنی ہوتا ہے۔

وخلاصة القول في ذلك، أن (أحد) إنما يراد به الوحدة عن النظير والمثيل، أي أن المولى- سبحانه وتعالى- ليس له شبيه ولا نظير، وليس كمثله شيء. من أجل ذلک لم تستخدم (أحد) في الإثبات إلا في حق المولى، في قوله تعالى: ﴿قُلْ هو الله أحد﴾ (الإخلاص: ۱)، ولا يصح استخدامها في حق البشر. ولابن الزبير كلام جميل في هذا السياق يقول:

"فإذا تقرر أن حكم أحد من مقتضى الوحدة، تبين أنه لا يتصور ولا يصح بمعناه في واجب حيث يراد المخلوق المحدث، لأن كلا من المخلوقات له النظير والمثيل، فلم يصح وقوع لفظ (أحد) في كلام موجب لمخلوق، وصح ورود ذلك في حق الخالق جل جلاله، لانفراده بالوحدانية، وتنزيهه عن النظير والمثيل، فلو قلت: أتاني أحد، فإنك فيه تتكلم بما لا يصح معنى ولا يعقل، إذ ليس في المخلوقات من لا مثيل له." (ملاك التأويل: ۲/۱۱۶۰)

(۱۱) الولی-الوالی-المولی:

الولی کا تعلق محبت ونصرت، ہدایت اور تائید سے ہے،

﴿أَمِ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ ۖ فَاللَّهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (الشوری:۹)

﴿وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِن بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنشُرُ رَحْمَتَهُ ۚ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ﴾ (شوری:۲۸)

﴿اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ﴾ (الجاثیہ:۱۹)

﴿ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ (البقرۃ:۲۵۷)

اور الوالی کا تعلق معاملات وامور کی تدبیر وتصریف اور تمام مخلوق پر قدرت سے ہے، اس میں ممکن ہے کہ ان اللہ ولی المؤمن کہا جاوے اور والی الخلق کہا جاوے، والی اور ولی دونوں کی الگ الگ خصوصیات ہیں۔

سورۂ رعد آیت ۱۱، ﴿ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ﴾ (رعد:۱۱) میں ''وال'' کا لفظ ناصر ومددگار کے معنی میں ہے، صفت کا صیغہ نہیں ہے۔

المولی: یہ تین مقامات پر آیا ہے:

(۱) ﴿وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ؕ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ﴾ (الانفال:۴۰)

(۲) ﴿ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ﴾(الحج:۷۸)

(۳) ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ﴾ (محمد:۱۱)

تینوں آیتوں میں کافروں کے مقابلے میں ایمان والوں کی نصرت وحمایت کا وعدہ کیا گیا ہے، گویا مؤمنین تو اپنے مولی کی پناہ میں آتے ہیں؛ لیکن کافروں کا کوئی مولی وناصر نہیں ہے، اسی لئے مولی کے لفظ کے ساتھ النصیر کا لفظ عموما آتا ہے، کہ مولی سخت اور ناپسند امور کا ازالہ کرتا ہے اور نصیر دشمنوں پر غلبہ عنایت فرما کر غالب کرتا ہے، اسی لئے لبئس المولی (الحج:۱۳) اور یدعو من دون اللہ مالا یضرہ ولا ینفعہ (الحج:۱۲) کے کلمات ذکر کئے گئے۔

(۱۲) المالك-الملك-المليك:

مالک کسی بھی چیز کے مالک کو کہا جاتا ہے، لیکن اس سے مَلِک بادشاہ ہونا لازم نہیں ہوتا، یہی مالک کا صیغہ جب اللہ کے لئے مستعمل ہوگا تو ملکیت مطلقہ کی طرف مشیر ہوگا مالك الملك سے دنیا وآخرت کی ملکیت اور سلطنت وغلبہ بھی مراد ہوگا۔

﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۡ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (آل عمران:۲۶)

﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ (الفاتحہ:۴)

قال القرطبی: هو الذي ينفذ مشيئته في مملكته كيف شاء وكما شاء إيجادا وإعداما وإقاء وإفناء، والملک هاهنا بمعنى المملكة، والمالک بمعنى القادر التام.

اور ملک سے مراد تمام اشیاء میں تصرف کرنے والا، روکنے وعطاء کرنے پر قادر ذات، تمام مخلوق سے مستغنی اور سب اس کے محتاج، اس کا حکم طوعاً وکرہاً سب پر نافذ ہو، بغیر نمونے کے ہر چیز کو عدم سے وجود بخشنے والا ہو، اور یہ صفت حق تعالیٰ شانہ کے علاوہ کسی میں بھی نہیں پائی جاسکتی ہے؛ لہٰذا اللہ پاک کے علاوہ کسی کے لئے ملک کی صفت حقیقیہ استعمال نہیں ہوسکتی ہے، بندوں کے لئے مجازاً استعمال ہوتی ہے، بندہ مملوک ہے، وہ مالک نہیں ہوسکتا، ملک ہونا تو بہت بعید ہے۔

مليك: یہ صفت ایک جگہ (القمر:۵۵) میں آئی ہے، یہ مبالغہ کا صیغہ ہے، یہ دیگر اسماء سے کثرة المبانی تدل علی زیادة المعانی کے اصول کی بنیاد پر بلاغت میں زیادہ ہے۔

قال الخطابی: الملیک هو المالک، وبناء فعیل للمبالغة فی الوصف. (زاد المسیر: ۱۰۴/۸)

(۱۴) القوی - ذو القوة:

القوی ۹ مقام پر دوسری صفات کے ساتھ ملکر آئی ہے، جبکہ ذو القوۃ ایک مقام پر سورۂ ذاریات آیت ۵۸ میں آئی ہے۔ لفظ ذو صفات ثابتہ پر دلالت کے لئے آتا ہے، **ذو الفضل العظيم . ذو الرحمة. ذو القوة المتين. ذو الجلال والاكرام** وغیرہ صفات کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تلازم اور دوام پر دلالت کرنے کے لئے آتا ہے۔ ذات وصفات دونوں میں ہر طرح کی قوت وطاقت بتانے کے لئے ''ذو'' کا استعمال ہوا ہے۔ صرف قوی ہونا اور دوسروں کو قوت عطا کرنا دونوں میں بڑا فرق ہے، ذو القوۃ سے قوت عطاء کرنے کا مفہوم نکلتا ہے؛ لہٰذا اس میں مبالغہ زیادہ ہے اور ذو کا مضاف الیہ مطلق غیر محدود طاقت والا سمجھا جائے گا، خاص کر کے جب وہ اسماءِ حسنیٰ کے ساتھ آتا ہو۔

آیات کے اخیر میں اسماء حسنی شمار کرنے کا طریقہ

اکثر اسماء حسنی آیات کے ختم پر آئے ہیں؛ لیکن کچھ اسماء وہ بھی ہیں جو اخیر میں آنے کے باوجود فواصل شمار نہیں ہوتے ہیں، مثلاً: خبیر بما تعملون، علیم بالظالمین تو ان کو یہاں ذکر نہیں کیا گیا ہے۔

اسی طرح کچھ اسماء مفرد اور کچھ مرکب بھی آئے ہیں، اسماء مفردہ میں تو اسم کا اعتبار آسان ہے؛ لیکن مرکب اسماء میں اخیری اسم کا اعتبار ہوتا ہے، البتہ ان دونوں کی آپسی مناسبت اور آیت کے مضمون کے ساتھ ان کا ربط یہ دونوں جاننا ضروری ہے۔

ان اسماء کی ترتیب کثرت سے آنے کے اعتبار سے ہے، اگر دو اسماء کثرت میں برابر تعداد سے آئے ہیں تو ان کو حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کیا جائے گا۔

آیات کا ابتدائی حصہ اور آخری حصہ دونوں کو آیت کے نمبر کے ساتھ ذکر کیا جائے گا؛ تاکہ آیت کا مضمون سمجھنے میں غلطی نہ ہو اور دو ایک قسم کے فواصل وخواتم میں اشتباہ بھی واقع نہ ہو۔

الاسم	السورة	الآية ورقمها
الرحيم	الفاتحة	﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ ۱
=	=	﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ ۲
=	البقرة	﴿فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ ۳۷
=	=	﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ.....اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ ۵۴
=	=	﴿رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ......اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ ۱۲۸
=	=	﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ.....اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ ۱۴۳
=	=	﴿اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰۗىِٕكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ ۱۶۰
=	=	﴿وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ﴾ ۱۶۳
=	=	﴿اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ.....اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ۱۷۳
=	=	﴿فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ۱۸۲
=	=	﴿فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ۱۹۲
=	=	﴿ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ....اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ۱۹۹
=	=	﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا......يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ۲۱۸
=	=	﴿لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَاۗءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ۲۲۶
=	آل عمران	﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ۳۱
=	=	﴿اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۣ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ۸۹
=	=	﴿وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ.....وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ۱۲۹
=	النساء	﴿وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْھُمَا.....اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴾ ۱۶
=	=	﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّھٰتُكُمْ.....اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ ۲۳
=	=	﴿وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ...وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ۲۵
=	=	﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا.....وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا﴾ ۲۹
=	=	﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ....لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴾ ۶۴

=	=	﴿دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ ٩٦
=	=	﴿وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ؕ ..... وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ ١٠٠
=	=	﴿وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ ١٠٦
=	=	﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ ١١٠
=	=	﴿وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ ...... فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ ١٢٩
=	=	﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ..... سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ ١٥٢
=	المائدة	﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ ..... فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ٣
=	=	﴿اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ٣٤
=	=	﴿فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ٣٩
=	=	﴿اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ٧٤
=	=	﴿اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ٩٨
=	الأنعام	﴿وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ ..... ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ ۙ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ٥٤
=	=	﴿قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ ... فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ١٤٥
=	=	﴿وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ ... اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ١٦٥
=	الأعراف	﴿وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا ... اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ١٥٣
=	=	﴿وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ ... اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ١٦٧
=	الأنفال	﴿فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ٦٩
=	=	﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ ... وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ٧٠
=	التوبة	﴿فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ ... فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ٥
=	=	﴿ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ٢٧
=	=	﴿لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ ... مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ٩١
=	=	﴿وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ ... سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ٩٩
=	=	﴿وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ ... عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ١٠٢

=	=	﴿اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ.....وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ ۱۰۴
=	=	﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ......اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ ۱۱۷
=	=	﴿وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۔.... ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۔ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ ۱۱۸
=	=	﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ......بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ ۱۲۸
=	یونس	﴿وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ......وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ ۱۰۷
=	هود	﴿وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ۔ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ۴۱
=	یوسف	﴿وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ۔ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ۵۳
=	=	﴿قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ۔ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ ۹۸
=	ابراهیم	﴿رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ۳۶
=	الحجر	﴿نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ ۴۹
=	النحل	﴿وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ۔ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ ۷
=	=	﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۔ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ۱۸
=	=	﴿اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ ۔ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ ۴۷
=	=	﴿ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا ..اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ۱۱۰
=	=	﴿اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ ...فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ۱۱۵
=	=	﴿ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ..اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ۱۱۹
=	الإسراء	﴿رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ۔ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا﴾ ۶۶
=	الحج	﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ فِيْ ...اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ ۶۵
=	النور	﴿اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ۵
=	=	﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ ۲۰
=	=	﴿وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا ... اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۔ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ۲۲
=	=	﴿وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا ... وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ۳۳
=	=	﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ......اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ۶۲

=	الفرقان	﴿قُلْ أَنْزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾ ۶
=	=	﴿إِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا ...وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾ ۷۰
=	الشعراء	﴿وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ﴾ ۹،۶۸،۱۰۴،۱۲۲،۱۴۰،۱۵۹،۱۷۵،۱۹۱،۲۱۷
=	النمل	﴿إِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوْءٍ فَإِنِّي غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ ۱۱
=	=	﴿إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ﴾ ۳۰
=	القصص	﴿قَالَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَغَفَرَ لَهُ ۚ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾ ۱۶
=	الروم	﴿بِنَصْرِ اللّٰهِ ۚ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاءُ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ﴾ ۵
=	السجدة	﴿ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ﴾ ۶
=	الأحزاب	﴿اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ ...وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾ ۵
=	=	﴿لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِينَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِينَ ...إِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾ ۲۴
=	=	﴿هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهُ ...وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا﴾ ۴۳
=	=	﴿يٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّآ أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ ...وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾ ۵۰
=	=	﴿يٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِينَ ...وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾ ۵۹
=	=	﴿لِيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِينَ .... وَيَتُوبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾ ۷۳
=	يس	﴿تَنْزِيلَ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ﴾ ۵
=	=	﴿سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيمٍ﴾ ۵۸
=	الزمر	﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلٰٓى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۚ ...إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾ ۵۳
=	فصلت	﴿تَنْزِيلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ﴾ ۲
=	=	﴿نُزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ﴾ ۳۲
=	الشورى	﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ ...أَلَآ إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾ ۵
=	الدخان	﴿إِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ۚ إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ﴾ ۴۲
=	الأحقاف	﴿أَمْ يَقُولُونَ افْتَرٰىهُ ۚ قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ فَلَا تَمْلِكُونَ لِي مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ۚ ... وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾ ۸
=	الفتح	﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاءُ ...وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾ ۱۴

=	الحجرات	﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ۵
=	=	﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ...وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ﴾ ۱۲
=	=	﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ۭ......لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔـا ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ۱۴
=	الطور	﴿اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ﴾ ۲۸
=	الحدید	﴿هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ.....وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ ۹
=	=	﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ...وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ۲۸
=	المجادلة	﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ.......فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ۱۲
=	الحشر	﴿وَالَّذِيْنَ جَاۗءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا.....رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ ۱۰
=	=	﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ﴾ ۲۲
=	الممتحنة	﴿عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ۭ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ۷
=	=	﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَاۗءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ..... فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ۱۲
=	التغابن	﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ......وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ۱۴
=	التحریم	﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ۱
=	المزمل	﴿اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ...وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ۲۰
العلیم	البقرة	﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۚ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَاۗءِ.....وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ ۲۹
=	=	﴿وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ ۱۱۵
=	=	﴿وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ۭ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ ۱۲۷
=	=	﴿فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ ..... فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ ۱۳۷
=	=	﴿اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَاۗىِٕرِ اللّٰهِ ۚ......وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ﴾ ۱۵۸
=	=	﴿فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ ۱۸۱
=	=	﴿يَسْــَٔـلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ڛ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ...وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ﴾ ۲۱۵
=	=	﴿وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا...وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ ۲۲۴
=	=	﴿وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ ۲۲۷

=	=	﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ ... وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ ۲۳۱
=	=	﴿وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ ۲۴۴
=	=	﴿وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ ...وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ ۲۴۷
=	=	﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ ۖ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ ....وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ ۲۵۶
=	=	﴿مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ .... وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ ۲۶۱
=	=	﴿الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ ...وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَغْفِرَةً مِنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ ۲۶۸
=	=	﴿لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا ...وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللّٰهَ بِهِ عَلِيمٌ﴾ ۲۷۳
=	=	﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ ...وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۗ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ ۲۸۲
=	=	﴿وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَانٌ مَقْبُوضَةٌ ۖ ... وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ﴾ ۲۸۳
=	آل عمران	﴿ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ ۳۴
=	=	﴿إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي ....إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ ۳۵
=	=	﴿وَلَا تُؤْمِنُوا إِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِينَكُمْ ۗ ....يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ ۷۳
=	=	﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ۚ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللّٰهَ بِهِ عَلِيمٌ﴾ ۹۲
=	=	﴿وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ ۱۲۱
=	النساء	﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ ...إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا﴾ ۳۲
=	=	﴿وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيمًا﴾ ۳۹
=	=	﴿ذَٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۚ وَكَفَىٰ بِاللّٰهِ عَلِيمًا﴾ ۷۰
=	=	﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ ۖ ......وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهِ عَلِيمًا﴾ ۱۲۷
=	=	﴿مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيمًا﴾ ۱۴۷
=	=	﴿لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظُلِمَ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيعًا عَلِيمًا﴾ ۱۴۸
=	=	﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ ۚ ......وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ ۱۷۶
=	المائدة	﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ ... ذَٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ ۵۴
=	=	﴿قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ۚ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ ۷۶

=	=	﴿جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ...وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ ٩٧
=	الأنعام	﴿وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ ١٣
=	=	﴿وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰي قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ﴾ ٨٣
=	=	﴿فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ﴾ ٩٦
=	=	﴿بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ...وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ ١٠١
=	=	﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ ١١٥
=	=	﴿وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ .....اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ﴾ ١٢٨
=	=	﴿وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا.....اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ﴾ ١٣٩
=	الأعراف	﴿وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ ٢٠٠
=	الأنفال	﴿فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۠ ......اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ ١٧
=	=	﴿اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى.......وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ ٤٢
=	=	﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً ...عَلٰي قَوْمٍ حَتّٰي يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ ٥٣
=	=	﴿وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَي اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ ٦١
=	=	﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ....وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ ٧٥
=	التوبة	﴿وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَاۗىِٕرَ ۭ ....وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ ٩٨
=	=	﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ ... وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ ١٠٣
=	=	﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ......اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ ١١٥
=	يونس	﴿وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۭ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ ٦٥
=	يوسف	﴿فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ ٣٤
=	=	﴿وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَاۗءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْــَٔـلْهُ ..اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ﴾ ٥٠
=	الحجر	﴿وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ﴾ ٢٥
=	=	﴿اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ﴾ ٨٦
=	الأنبياء	﴿قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۡ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ ٤

=	المؤمنون	﴿يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ﴾ ۵۱
=	النور	﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ ..... وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ ۲۱
=	=	﴿فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ ..... وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ﴾ ۲۸
=	=	﴿وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَاۗىِٕكُمْ ۭ .....وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ ۳۲
=	=	﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ ..... وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ ۳۵
=	=	﴿وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاۗءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا ...وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ ۶۰
=	=	﴿اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ ...فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ ۶۴
=	الشعراء	﴿اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ ۲۲۰
=	النمل	﴿وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ﴾ ۶
=	=	﴿اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ﴾ ۷۸
=	العنکبوت	﴿مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاۗءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ۭ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ ۵
=	=	﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَاۗبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ڰ اللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ڮ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ ۶۰
=	=	﴿اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ ۶۲
=	الأحزاب	﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ...وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا﴾ ۴۰
=	=	﴿اِنْ تُبْدُوْا شَيْــــًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا﴾ ۵۴
=	سبا	﴿قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ۭ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ﴾ ۲۶
=	يس	﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ﴾ ۳۸
=	=	﴿قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُۨ﴾ ۷۹
=	=	﴿اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓي اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ڲ بَلٰى ۤ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ﴾ ۸۱
=	غافر	﴿تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ﴾ ۲
=	فصلت	﴿فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَاۗءٍ اَمْرَهَا ۭ ...ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ﴾ ۱۲
=	=	﴿وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ ۳۶
=	الشوری	﴿لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ ۱۲

=	الزخرف	﴿وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ﴾ ۹
=	=	﴿وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ﴾ ۸۴
=	الدخان	﴿رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ ۶
=	الفتح	﴿اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ......وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا﴾ ۲۶
=	الحجرات	﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ ۱
=	=	﴿قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ......وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ ۱۶
=	الذاريات	﴿قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ﴾ ۳۰
=	الحديد	﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ ۳
=	المجادلة	﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ..اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ ۷
=	التغابن	﴿مَاۤ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ ۱۱
الحكيم	البقرة	﴿قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ﴾ ۳۲
=	=	﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ...اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ ۱۲۹
=	=	﴿فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ ۲۰۹
=	=	﴿فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ ....اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ ۲۲۰
=	=	﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ ......وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ ۲۲۸
=	=	﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚ ......وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ ۲۴۰
=	=	﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ ....وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ ۲۶۰
=	آل عمران	﴿هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ ۶
=	=	﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓىِٕكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ......لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ ۱۸
=	=	﴿اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ ۶۲
=	=	﴿وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ.........وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ﴾ ۱۲۶
=	النساء	﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْۤ اَوْلَادِكُمْ ۗ ....فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾ ۱۱
=	=	﴿اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ......فَاُولٰٓىِٕكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾ ۱۷

=	=	﴿وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ......اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾ ۲۴
=	=	﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ......وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ ۲۶
=	=	﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ۭ ....اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾ ۵۶
=	=	﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ......وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾ ۹۲
=	=	﴿وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ۭ ...وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾ ۱۰۴
=	=	﴿وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰي نَفْسِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾ ۱۱۱
=	=	﴿وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا﴾ ۱۳۰
=	=	﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾ ۱۵۸
=	=	﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَي اللّٰهِ حُجَّةٌ ...وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾ ۱۶۵
=	=	﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاۗءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا ....وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾ ۱۷۰
=	المائدة	﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَاۗءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ ۳۸
=	=	﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ ۱۱۸
=	الأنفال	﴿وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰي ....اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ ۱۰
=	=	﴿اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ....وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَي اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ ۴۹
=	=	﴿وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ ....وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ ۶۳
=	=	﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰي حَتّٰي يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ۭ ....وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ ۶۷
=	=	﴿وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ ۷۱
=	التوبة	﴿وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ ۱۵
=	=	﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ ....اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ ۲۸
=	=	﴿اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ .....وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِىَ الْعُلْيَا ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ ۴۰
=	=	﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاۗءِ وَالْمَسٰكِيْنِ ....فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ ۶۰
=	=	﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۘ ....اُولٰۗىِٕكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ ۷۱
=	=	﴿اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ...وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ ۹۷

=	=	﴿وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ ۱۰۶
=	=	﴿لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ ۱۱۰
=	يوسف	﴿وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ....اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ ۶
=	=	﴿قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ ....اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ﴾ ۸۳
=	=	﴿وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ ....اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ﴾ ۱۰۰
=	إبراهيم	﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۭ ....وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ ۴
=	النحل	﴿لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ ۶۰
=	الحج	﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ .....وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ ۵۲
=	النور	﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ﴾ ۱۰
=	=	﴿وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ ۱۸
=	=	﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ .... كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ ۵۸
=	=	﴿وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ .... كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ ۵۹
=	النمل	﴿يٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ ۹
=	العنكبوت	﴿فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّىْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ ۲۶
=	=	﴿اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ ۴۲
=	الروم	﴿وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ....وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ ۲۷
=	لقمان	﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ ۹
=	=	﴿وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ .... مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ ۲۷
=	الأحزاب	﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾ ۱
=	سبا	﴿قُلْ اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَاۗءَ كَلَّا ۭ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ ۲۷
=	فاطر	﴿مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ ۲
=	الزمر	﴿تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ﴾ ۱

=	غافر	﴿رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ ....اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ ۸
=	الشورى	﴿كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ ۳
=	=	﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ...... اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ﴾ ۵۱
=	الجاثية	﴿تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ﴾ ۲
=	=	﴿وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۠ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ ۳۷
=	الأحقاف	﴿تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ﴾ ۲
=	الفتح	﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ .....وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾ ۴
=	=	﴿وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾ ۷
=	=	﴿وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾ ۱۹
=	الحجرات	﴿فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ ۸
=	الحديد	﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ ۱
=	الحشر	﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ ۱
=	=	﴿هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۭ.....وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ ۲۴
=	الممتحنة	﴿رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ ۵
=	=	﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ ....يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ ۱۰
=	الصف	﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ ۱
=	الجمعة	﴿يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ﴾ ۱
=	=	﴿وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ ۳
=	التغابن	﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ ۱۸
=	التحريم	﴿قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ﴾ ۲
=	الإنسان	﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾ ۳۰
القدير	البقرة	﴿يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ۭ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ....اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ۲۰

=	=	﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ ..... اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ۱۰۶
=	=	﴿وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ ..... اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ۱۰۹
=	=	﴿وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا ... اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ۱۴۸
=	=	﴿اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ ... قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ۲۵۹
=	=	﴿لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ ...... وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ۲۸۴
=	آل عمران	﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاۗءُ ..... بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۭ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ۲۶
=	=	﴿قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ۭ ..... وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ۲۹
=	=	﴿اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ..... اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ۱۶۵
=	=	﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ۱۸۹
=	النساء	﴿اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي ذٰلِكَ قَدِيْرًا﴾ ۱۳۳
=	=	﴿اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْۗءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا﴾ ۱۴۹
=	المائدة	﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ..... وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ۱۷
=	=	﴿يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَاۗءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ ...... وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ۱۹
=	=	﴿اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ ..... وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ۴۰
=	=	﴿لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ۭ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ۱۲۰
=	الأنعام	﴿وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۭ ..... فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ۱۷
=	الأنفال	﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ ..... وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ۴۱
=	التوبة	﴿اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِـيْمًا ڏ ..... وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ۳۹
=	هود	﴿اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ۴
=	النحل	﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ڐ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ ... اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ﴾ ۷۰
=	=	﴿وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ ..... اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ۷۷
=	الحج	﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُـحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ۶
=	=	﴿اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُۨ﴾ ۳۹

=	النور	﴿وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ..... يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ۴۵
=	الفرقان	﴿وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ۭ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا﴾ ۵۴
=	العنكبوت	﴿قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ .... اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ۲۰
=	الروم	﴿فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ .... اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ۵۰
=	=	﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ .... يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ﴾ ۵۴
=	الأحزاب	﴿وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ .... وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا﴾ ۲۷
=	فاطر	﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ...... يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ۱
=	=	﴿اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا .... اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا﴾ ۴۴
=	فصلت	﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ ..... اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۭ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ۳۹
=	الشورى	﴿اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ۹
=	=	﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ .... وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ﴾ ۲۹
=	=	﴿اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ﴾ ۵۰
=	الأحقاف	﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ .... بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ۳۳
=	الفتح	﴿وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا﴾ ۲۱
=	الحديد	﴿لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ۲
=	الحشر	﴿وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ .... يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ۶
=	التغابن	﴿يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ۱
=	التحريم	﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ .... وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ۸
=	الملك	﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُۨ﴾ ۱
البصير	البقرة	﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ .... اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ ۱۱۰
=	=	﴿وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ .... وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ ۲۳۳
=	=	﴿وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ .... اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ ۲۳۷
=	=	﴿وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ .... وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ ۲۶۵

=	آل عمران	﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ.....وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ ۱۵۶
=	النساء	﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا....اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا﴾ ۵۸
=	=	﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا﴾ ۱۳۴
=	الأنفال	﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ....فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ ۳۹
=	=	﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ......وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ ۷۲
=	هود	﴿فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۭ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ ۱۱۲
=	الإسراء	﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ.....اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ ۱
=	=	﴿وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا﴾ ۱۷
=	=	﴿اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا﴾ ۳۰
=	=	﴿قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا﴾ ۹۶
=	طه	﴿اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا﴾ ۳۵
=	الحج	﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ﴾ ۶۱
=	=	﴿اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰۗىِٕكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ﴾ ۷۵
=	الفرقان	﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ....وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا﴾ ۲۰
=	لقمان	﴿مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ﴾ ۲۸
=	الأحزاب	﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ....وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا﴾ ۹
=	سبا	﴿اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ ۱۱
=	فاطر	﴿وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ....اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ﴾ ۳۱
=	=	﴿وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا....فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا﴾ ۴۵
=	غافر	﴿وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ۭ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ ۲۰
=	=	﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ....فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ ۵۶
=	فصلت	﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ۭ ....اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ ۴۰

=	الشوری	﴿فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ۔۔۔۔ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ؕ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ ۱۱
=	=	﴿وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ﴾ ۲۷
=	الفتح	﴿وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ ۔۔۔۔ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا﴾ ۲۴
=	الحدید	﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۔۔۔۔ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ ۴
=	المجادلة	﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْۤ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ﴾ ۱
=	الممتحنة	﴿لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ ۳
=	التغابن	﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ ۲
=	الملك	﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ ؕۘ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۭ بَصِيْرٌ﴾ ۱۹
=	الإنشقاق	﴿بَلٰۤى ۚ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا﴾ ۱۵
الخبیر	البقرة	﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ۔۔۔۔ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ ۲۳۴
=	=	﴿اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ ۔۔۔۔ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ ۲۷۱
=	آل عمران	﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۔۔۔۔ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ ۱۸۰
=	النساء	﴿وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا ۔۔۔۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا﴾ ۳۵
=	=	﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۔۔۔۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا﴾ ۹۴
=	=	﴿وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا ۔۔۔۔ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا﴾ ۱۲۸
=	=	﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ ۔۔۔۔ اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا﴾ ۱۳۵
=	الأنعام	﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ﴾ ۱۸
=	=	﴿وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ ۔۔۔۔ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ﴾ ۷۳
=	=	﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ﴾ ۱۰۳
=	هود	﴿الٓرٰ ۫ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ﴾ ۱

=	=	﴿وَإِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ أَعْمَالَهُمْ ۚ إِنَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾ ۱۱۱
=	الحج	﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَتُصْبِحُ الْأَرْضُ مُخْضَرَّةً ۗ إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ﴾ ۶۳
=	الفرقان	﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهِ ۚ وَكَفَىٰ بِهِ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ خَبِيرًا﴾ ۵۸
=	=	﴿الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ..... الرَّحْمَٰنُ فَاسْأَلْ بِهِ خَبِيرًا﴾ ۵۹
=	لقمان	﴿يَا بُنَيَّ إِنَّهَا إِن تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُن ..... يَأْتِ بِهَا اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ﴾ ۱۶
=	=	﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ .... وَأَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾ ۲۹
=	=	﴿إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ ۖ .... إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ ۳۴
=	الأحزاب	﴿وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾ ۲
=	=	﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ .... إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا﴾ ۳۴
=	سبا	﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْآخِرَةِ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ﴾ ۱
=	فاطر	﴿إِن تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ ۖ .... وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ﴾ ۱۴
=	الفتح	﴿سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا .... بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾ ۱۱
=	الحجرات	﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ .... إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ ۱۳
=	الحديد	﴿وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ .... وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾ ۱۰
=	المجادلة	﴿وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِن نِّسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا .... وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾ ۳
=	=	﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ .... وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾ ۱۱
=	التغابن	﴿فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِي أَنزَلْنَا ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾ ۸
=	التحريم	﴿وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا .... قَالَتْ مَنْ أَنبَأَكَ هَٰذَا ۖ قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ﴾ ۳
=	الملك	﴿أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾ ۱۴
=	العاديات	﴿إِنَّ رَبَّهُم بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ﴾ ۱۱
الحميد	البقرة	﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ .... وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ﴾ ۲۶۷
=	النساء	﴿وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا .... وَكَانَ اللَّهُ غَنِيًّا حَمِيدًا﴾ ۱۳۱
=	إبراهيم	﴿الر ۚ كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ .... بِإِذْنِ رَبِّهِمْ إِلَىٰ صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ﴾ ۱

=	=	﴿وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ﴾ ۸
=	الحج	﴿وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ﴾ ۲۴
=	=	﴿لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ﴾ ۶۴
=	لقمان	﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ۭ ....وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ﴾ ۱۲
=	=	﴿لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ﴾ ۲۶
=	سبا	﴿وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ....وَيَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ﴾ ۶
=	فاطر	﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَاۗءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ﴾ ۱۵
=	فصلت	﴿لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ﴾ ۴۲
=	الشوری	﴿وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ۭ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ﴾ ۲۸
=	الحديد	﴿الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ﴾ ۲۴
=	الممتحنة	﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ﴾ ۶
=	التغابن	﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ۡ فَكَفَرُوْا .... وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ﴾ ۶
=	البروج	﴿وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ﴾ ۸
الوكيل	آل عمران	﴿اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ ....ڰ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ ۱۷۳
=	النساء	﴿وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۡ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ .... فَاَعْرِضْ عَنْھُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَي اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا﴾ ۸۱
=	=	﴿وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا﴾ ۱۳۲
=	=	﴿يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ ....وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا﴾ ۱۷۱
=	الأنعام	﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ ....وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ﴾ ۱۰۲
=	هود	﴿فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ .....اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ﴾ ۱۲
=	يوسف	﴿قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا .... فَلَمَّآ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰي مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ﴾ ۶۶
=	الإسراء	﴿اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا﴾ ۶۵
=	القصص	﴿قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ۭ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ﴾ ۲۸

=	الأحزاب	﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا﴾ ٣
=	=	﴿وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا﴾ ٤٨
=	الزمر	﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۡ وَّهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ﴾ ٦٢
=	المزمل	﴿رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا﴾ ٩
الغفور	النساء	﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى ....اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا﴾ ٤٣
=	=	﴿فَاُولٰۗىِٕكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْھُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا﴾ ٩٩
=	الإسراء	﴿رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا﴾ ٢٥
=	=	﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ ....اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا﴾ ٤٤
=	الحج	﴿ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ.....اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ﴾ ٦٠
=	سبا	﴿يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاۗءِ .... وَهُوَ الرَّحِيْمُ الْغَفُوْرُ﴾ ٢
=	=	﴿لَقَدْ كَانَ لِسَـبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ.....وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۭ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ﴾ ١٥
=	فاطر	﴿وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَاۗبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ۭ ....اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ﴾ ٢٨
=	=	﴿اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ڬ ....اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا﴾ ٤١
=	المجادلة	﴿اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۭ .....وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ﴾ ٢
=	الملك	﴿الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ﴾ ٢
الحليم	البقرة	﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ﴾ ٢٢٥
=	=	﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاۗءِ ....وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ﴾ ٢٣٥
=	=	﴿قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ۭ وَاللّٰهُ غَنِىٌّ حَلِيْمٌ﴾ ٢٦٣
=	آل عمران	﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ ..... وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْھُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ﴾ ١٥٥
=	النساء	﴿وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ ....وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ﴾ ١٢
=	المائدة	﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـــَٔـلُوْا عَنْ اَشْيَاۗءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ ....وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ﴾ ١٠١
=	الحج	﴿لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ﴾ ٥٩

=	الأحزاب	﴿تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ۭ .... وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا﴾ ۵۱
=	التغابن	﴿اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ﴾ ۱۷
الشهيد	النساء	﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ .... اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا﴾ ۳۳
=	=	﴿مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۡ ...... وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا﴾ ۷۹
=	=	﴿لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ ..... وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا﴾ ۱۶۶
=	المائدة	﴿مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ .... وَاَنْتَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ﴾ ۱۱۷
=	الحج	﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ .... اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ﴾ ۱۷
=	سبا	﴿قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ﴾ ۴۷
=	فصلت	﴿سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ ..... اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ﴾ ۵۳
=	الفتح	﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَي الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا﴾ ۲۸
=	البروج	﴿الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ﴾ ۹
العزيز	هود	﴿فَلَمَّا جَاۗءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ .... اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ﴾ ۶۶
=	الحج	﴿الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ ..... وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ﴾ ۴۰
=	=	﴿مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ﴾ ۷۴
=	الأحزاب	﴿وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ .... وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا﴾ ۲۵
=	الشورى	﴿اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ﴾ ۱۹
=	الحديد	﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ .... وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ﴾ ۲۵
=	المجادلة	﴿كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ﴾ ۲۱
المحيط	النساء	﴿يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ .... وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا﴾ ۱۰۸
=	=	﴿وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا﴾ ۱۲۶
=	آل عمران	﴿اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْھُمْ ۡ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا .... اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ﴾ ۱۲۰
=	هود	﴿قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ .... اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ﴾ ۹۲
=	الانفال	﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَاۗءَ النَّاسِ .... وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ﴾ ۴۷

=	فصلت	﴿أَلَآ إِنَّهُمْ فِي مِرْيَةٍ مِّن لِّقَآءِ رَبِّهِمْ ۗ أَلَآ إِنَّهُۥ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ﴾ ۵۴
=	البروج	﴿وَاللَّهُ مِن وَرَآئِهِم مُّحِيطٌ﴾ ۲۰
العظيم	البقرة	﴿اللَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۚ ..... وَلَا يَئُودُهُۥ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ﴾ ۲۵۵
=	الشورى	﴿لَهُۥ مَا فِي السَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ﴾ ۴
=	الواقعة	﴿فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ﴾ ۷۴
=	=	﴿فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ﴾ ۹۶
=	الحاقة	﴿إِنَّهُۥ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ﴾ ۳۳
=	=	﴿فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ﴾ ۵۲
القادر	المؤمنون	﴿وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً بِقَدَرٍ فَأَسْكَنَّٰهُ فِي الْأَرْضِ ۖ وَإِنَّا عَلَىٰ ذَهَابٍ بِهِۦ لَقَٰدِرُونَ﴾ ۱۸
=	=	﴿وَإِنَّا عَلَىٰٓ أَن نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقَٰدِرُونَ﴾ ۹۵
=	المعارج	﴿فَلَآ أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشَٰرِقِ وَالْمَغَٰرِبِ إِنَّا لَقَٰدِرُونَ﴾ ۴۰
=	المرسلات	﴿فَقَدَرْنَا ۖ فَنِعْمَ الْقَٰدِرُونَ﴾ ۲۳
=	الطارق	﴿إِنَّهُۥ عَلَىٰ رَجْعِهِۦ لَقَادِرٌ﴾ ۸
القهار	يوسف	﴿يَٰصَٰحِبَيِ السِّجْنِ ءَأَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَٰحِدُ الْقَهَّارُ﴾ ۳۹
=	الرعد	﴿قُلْ مَن رَّبُّ السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضِ قُلِ اللَّهُ ۚ .... قُلِ اللَّهُ خَٰلِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ الْوَٰحِدُ الْقَهَّٰرُ﴾ ۱۶
=	إبراهيم	﴿يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَٰوَٰتُ ۖ وَبَرَزُوا لِلَّهِ الْوَٰحِدِ الْقَهَّارِ﴾ ۴۸
=	ص	﴿قُلْ إِنَّمَآ أَنَا۠ مُنذِرٌ ۖ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ الْوَٰحِدُ الْقَهَّارُ﴾ ۶۵
=	الزمر	﴿لَّوْ أَرَادَ اللَّهُ أَن يَتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفَىٰ مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ سُبْحَٰنَهُۥ ۖ هُوَ اللَّهُ الْوَٰحِدُ الْقَهَّارُ﴾ ۴
=	غافر	﴿يَوْمَ هُم بَٰرِزُونَ ۖ لَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۚ ...... لِلَّهِ الْوَٰحِدِ الْقَهَّارِ﴾ ۱۶
الكبير	النساء	﴿الرِّجَالُ قَوَّٰمُونَ عَلَى النِّسَآءِ .... فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيرًا﴾ ۳۴
=	الحج	﴿ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ .... وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ﴾ ۶۲
=	لقمان	﴿ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِن دُونِهِ الْبَٰطِلُ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ﴾ ۳۰
=	سبا	﴿وَلَا تَنفَعُ الشَّفَٰعَةُ عِندَهُۥٓ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُۥ ۚ ..... قَالُوا الْحَقَّ ۖ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ﴾ ۲۳

=	غافر	﴿ذٰلِكُمْ بِأَنَّهٗ إِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ .... فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ﴾ ۱۲
الغفار	ص	﴿رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ﴾ ۶۶
=	الزمر	﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ .... كُلٌّ يَّجْرِيْ لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ أَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ﴾ ۵
=	غافر	﴿تَدْعُوْنَنِيْ لِأَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَأُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۫ وَّأَنَا أَدْعُوْكُمْ إِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ﴾ ۴۲
=	نوح	﴿فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۗ إِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا﴾ ۱۰
المقتدر	الكهف	﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ أَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ .... وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا﴾ ۴۵
=	القمر	﴿كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَأَخَذْنٰهُمْ أَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ﴾ ۴۲
=	=	﴿فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ﴾ ۵۵
=	الزخرف	﴿أَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِيْ وَعَدْنٰهُمْ فَإِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ﴾ ۴۲
النصير	النساء	﴿وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِأَعْدَآئِكُمْ ۗ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۫ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا﴾ ۴۵
=	الأنفال	﴿وَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۗ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ﴾ ۴۰
=	الحج	﴿وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۗ ...... وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ۗ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ﴾ ۷۸
=	الفرقان	﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ۗ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا﴾ ۳۱
الحسيب	النساء	﴿وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰى إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ ...... فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۗ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا﴾ ۶
=	=	﴿وَإِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِأَحْسَنَ مِنْهَآ أَوْ رُدُّوْهَا ۗ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا﴾ ۸۶
=	الأحزاب	﴿الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللّٰهَ ۗ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا﴾ ۳۹
الشكور	فاطر	﴿لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۗ إِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ﴾ ۳۰
=	=	﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۗ إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرٌ﴾ ۳۴
=	الشورى	﴿ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا .... وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ۗ إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ﴾ ۲۳
الوهاب	آل عمران	﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ ۸
=	ص	﴿أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ﴾ ۹

=	=	﴿قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنبَغِي لِأَحَدٍ مِّن بَعْدِي ۖ إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ﴾ ٣٥
الأعلى	الأعلى	﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ ١
=	الليل	﴿إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ﴾ ٢٠
الحفيظ	هود	﴿فَإِن تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُم مَّا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ ۚ ....إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ﴾ ٥٧
=	سبا	﴿وَمَا كَانَ لَهُ عَلَيْهِم مِّن سُلْطَانٍ إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يُؤْمِنُ......وَرَبُّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ﴾ ٢١
الرقيب	النساء	﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ....إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ ١
=	الأحزاب	﴿لَّا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِن بَعْدُ وَلَا أَن تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ.... وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيبًا﴾ ٥٢
العالم	الأنبياء	﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِن قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ عَالِمِينَ﴾ ٥١
=	=	﴿وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ عَاصِفَةً تَجْرِي بِأَمْرِهِ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا ۚ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عَالِمِينَ﴾ ٨١
الكريم	النمل	﴿قَالَ الَّذِي عِندَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ....وَمَن شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ ۖ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ﴾ ٤٠
=	الإنفطار	﴿يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ﴾ ٦
المجيب	هود	﴿وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا ۚ.....فَاسْتَغْفِرُوهُ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُّجِيبٌ﴾ ٦١
المجيد	هود	﴿قَالُوا أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ ۖ رَحْمَتُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ ۚ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ﴾ ٧٣
=	البروج	﴿ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ﴾ ١٥
الوارث	الحجر	﴿وَإِنَّا لَنَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَنَحْنُ الْوَارِثُونَ﴾ ٢٣
=	القصص	﴿وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيشَتَهَا ۖ.....وَكُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِينَ﴾ ٥٨
الودود	هود	﴿وَاسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ وَدُودٌ﴾ ٩٠
=	البروج	﴿وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ﴾ ١٤
الأحد	الإخلاص	﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ ١
الأكرم	العلق	﴿اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ﴾ ٣
التواب	النصر	﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا﴾ ٣

الحفي	مريم	﴿قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا﴾ ۴۷
الرحمن	الرحمٰن	﴿اَلرَّحْمٰنُ﴾ ۱
الصمد	الإخلاص	﴿اَللّٰهُ الصَّمَدُ﴾ ۲
القريب	سبا	﴿قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِيْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِيْٓ اِلَيَّ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ﴾ ۵۰
القيوم	آل عمران	﴿اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ﴾ ۲
المبين	النور	﴿يَوْمَىِٕذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ﴾ ۲۵
المتعال	الرعد	﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ﴾ ۹
المتين	الذاريات	﴿اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ﴾ ۵۸
المقيت	النساء	﴿مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ ....وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا﴾ ۸۵
الواحد	الصافات	﴿اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ﴾ ۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آیاتِ قرآنی کے اخیر میں مذکور اسماءِ حسنیٰ

صفات واسماء الٰہیہ سے متعلق قواعد وضوابط اور تفصیلات کے بعد اب ذیل میں صفات الٰہیہ بالترتیب ذکر کی جارہی ہے، اس میں ابجدی ترتیب سے صفات مذکور ہے؛ البتہ ابجدی ترتیب صفات کے آخری حرف کے اعتبار سے ملحوظ رکھی گئی ہے، ذیل میں ان صفات کے مواقع مختلف اوزان میں فرق اور دیگر تفصیلات تحریر کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں۔

توّاب

قرآن مجید میں دس مقامات پر اسم ''توّاب'' آیا ہے، سورۂ نور میں ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيۡمٌ﴾(نور:۱۰) ہے، باقی آٹھ مقامات پر هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ ہے اور ایک جگہ صرف تَوَّابًا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالی کا توبہ قبول فرمانا مبنی بر رحم ہے اور رحم الٰہی ہی اللہ تعالی کا حکیم ہونا ظاہر کررہا ہے۔

معافی کے جذبہ سے کوئی انسان خالی نہیں، جس کے دل میں رحم، لطف، عطوفت مہربانی ہے وہی اوروں سے زیادہ معافی دینے والا ہوتا ہے۔

اللہ تعالی کا سراپا رحمت، سراپا رحم ہونا مسلم ہے، لہٰذا اس کا توبہ قبول کرنا بھی ضروری ہوا۔ ''توَّاب'' جو اسم پاک ہے اس کے معنی خود اللہ تعالی نے بیان فرمائے ہیں: ﴿وَهُوَ الَّذِيۡ يَقۡبَلُ التَّوۡبَةَ عَنۡ عِبَادِهٖ﴾ (شوریٰ:۲۵) ''اللہ تعالی ہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔'' غَافِرِ الذَّنۡۢبِ وَقَابِلِ التَّوۡبِ ''وہ گناہوں کا ڈھانک دینے والا، اور توبہ کو قبول کرنے والا ہے۔'' (المؤمن:۳) (قاضی منصور پوری:۱۸۱)

آیت کے اخیر میں صفت توّاب ایک جگہ پر ہے:

﴿فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَاسۡتَغۡفِرۡهُ ۚ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا﴾ (نصر:۳)

جب آجائے اللہ کی نصرت اور فتح حتیٰ کہ مکہ اور حجاز کے بڑے بڑے شہر فتح ہوجائیں اور دیکھ لیں لوگوں کو وہ جوق در جوق اور فوج در فوج اللہ کے دین اسلام میں داخل ہورہے ہیں، اور اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت کی تھی، وہ پوری ہوجائے اور دیکھ لیں کہ اسلام کا ظہور وغلبہ ہوگیا اور اب یہ بات نہیں کہ ایک ایک دو دو آدمی اسلام میں داخل ہوں؛

بلکہ فوج در فوج اور قبیلے کے قبیلے بیک وقت قبول اسلام کر رہے ہوں، تو اسی کی طرف سراپا انہماک وتوجہ کے لیے بس اپنے رب کی تسبیح و پاکی میں مشغول ہو جایئے، اس کی حمد وثناء کرتے ہوئے، اور اسی سے استغفار کیجئے؛ تاکہ اس حمد وثناء اور استغفار کے ذریعہ اس کے انعامات کا شکر ادا ہو سکے اور فتح ونصرت اور غلبۂ دین کا انعام بے شک اسی کو چاہتا ہے کہ اس کی طرف شاکرانہ انداز میں رجوع کیا جائے، بے شک وہ پروردگار بڑا ہی رجوع کرنے والا ہے، اپنے ہر اس بندہ کی طرف جو اپنا رخ اس کی طرف اس کی حمد وثناء اور استغفار وشکر کی صورت میں کرتا ہے۔(معارف القرآن ادریسی)

استغفار کے حکم میں حکمت:

اس کی حمد وشکر میں کمی کی تلافی کے لئے استغفار کا حکم دیا؛ کیونکہ انعامات خداوندی کے مقابلے میں بندے کی کوشش قابل اعتبار نہیں ہے، اس موقع پر دل میں یہ وسوسہ آسکتا ہے کہ جب میری حمد وثناء قابل اعتماد نہیں ہے تو پھر حمد وثناء کا کیا فائدہ ہے؟ اس شک کو دور کرنے کے لئے فرمایا: إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا یعنی وہ بندوں پر بے پایاں رحیم ہے اور بندوں کی طرف اس کی رحمت مسلسل جاری ہے، اس موقع پر توّاب کی صفتِ مبالغہ جملہ اسمیہ کے ساتھ لائے تاکہ کثرت رحمت ور جوع الی العفو کی طرف بھی اشارہ ہو جاوے۔ استغفار کے ساتھ توّاب کا جوڑ ہے نہ کہ وہّاب کا، کیونکہ وہّاب مال ودولت وغیرہ کو شامل ہے، جبکہ توّاب مغفرت، عفو اور رحمت پر دال ہے۔ صفت تواب پر مزید گفتگو دوسری صفات کے ساتھ مرکب استعمال کے موقع پر ان شاء اللہ تعالیٰ بیان ہوگی۔

حسیب

(الف) حَسِيبَ کے معنی کفایت ہیں، محاورہ ہے، ”هذا حَسْبُكَ من غيره“ یہ تجھے غیر سے کفایت کر جائے گا۔

اللہ تعالیٰ حَسِيب ہے، اسی کی حفاظت کافی ہے، اسی کی پناہ کافی ہے، وہی مہمات امور کے لیے کافی ہے۔ ﴿وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ﴾ (طلاق:۳) ”جو اللہ ہی پر بھروسہ کرتا ہے تو وہ (اللہ) اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے“۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کہہ دینے کا حکم ہوا ہے:

﴿قُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ﴾ (الزمر:۳۸)

”کہہ دے اللہ میرے لئے کافی ہے اور اسی پر توکل والوں کو اعتماد کرنا چاہیے۔“

﴿فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ﴾ (توبہ:۱۲۹)

”اگر یہ روگردانی کریں تو کہہ دے کہ اللہ مجھے کافی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی پر میرا اعتماد ہے، وہی

بزرگ ترین عرش کا پروردگار ہے۔''

بیشک ''الحسیب'' وہی ہے کہ اعداء کے اجتماع اور خوف و دہشت کی حالت کو معلوم کر کے جب اہل ایمان نے پڑھا: ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ (آل عمران: ۱۷۳) ''ہم کو اللہ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے۔''

تب نعمت وافضال الٰہی نے ان کا ہاتھ پکڑا، رضوان الٰہی نے ان کی دستگیری کی اور فضل عظیم ان کے شامل حال ہو گیا، تخویف شیطانی کا اثر جاتا رہا اور صرف خوفِ خدا ہی ان کی شمع راہ بنا رہا۔

(ب) **حسیب** کے معنی حساب کنندہ ہیں:

انہی معنی میں ہے: ﴿الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ﴾ (الرحمن: ۵) سورج اور چاند حساب کے اندر ہیں۔

* ...... ہاں **الحَسِيْب** وہی ہے جو سریع الحساب بھی ہے، ابن عباسؓ سے دریافت کیا گیا کہ قیامت میں سب کا حساب کس طرح یکبارگی لیا جا سکے گا؟ انہوں نے فرمایا: ''**يحاسبون كما يرزقون**'' جس طرح یہاں دنیا میں تمام مخلوق کو یکبارگی رزق مل رہا ہے اسی طرح وہاں بھی سب کا حساب یکبارگی لیا جائے گا۔

* ...... **الحَسِيْب** وہ ہے جو ﴿كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا﴾ (الاسراء: ۱۴) ''اے بندے آج تو خود اپنے نفس کا حساب کرنے میں کافی ہے'' کا حکم جاری فرمائے گا۔

* ...... **الحَسِيْب** وہ ہے جو ﴿جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا﴾ (النبا: ۳۶)

''تیرے رب کی طرف سے جو جزا ملے گی وہ عطا ہو گی اور وہ اندازہ باندازہ ہو گی۔'' کی شان میں متقین پر جود ونوال اور لطف وافضال کے دروازے کھول دے گا۔ (قاضی منصور پوری: ۱۱۹)

یہ صفت ۳ مقامات پر دو مختلف تراکیب کے ساتھ آئی ہے۔ **(و کفی باللہ حسیبا، ان اللہ علی کل شیئ حسیبا)** (النساء: ۶، الاحزاب: ۳۹)

صفت حسیب تین آیتوں میں مذکور ہے:

(۱) ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا﴾ (نساء: ۶)

اور مت کھا جاؤ یتیموں کا مال فضول خرچی سے اور اس خوف سے کہ وہ یتیم جب بڑے ہو جائیں گے، تو ان کا مال ان کے حوالہ کرنا پڑے گا اور وہ خود اپنے اموال پر قابض اور متصرف ہو جائیں گے اور ہمارا اختیار جاتا رہے گا: لہٰذا جلدی کر کے ان کے بڑے ہونے سے پہلے ہی جتنا کھا سکو وہ کھالو، حق تعالیٰ نے اس اسراف اور مبادرت کی ممانعت کر دی کہ ایسا ہرگز نہ کرو؛ بلکہ تم کو یہ چاہیے کہ جو یتیم کا ولی اور سرپرست توانگر ہو، یعنی اس کے پاس بقدر کفایت موجود ہو اور یتیم کے

مال کی اسے حاجت نہ ہو،تو اس کو چاہئے کہ یتیم کا مال لینے سے بالکل احتراز کرے اور جو حاجت منداور ضرورت مند ہوتو اس کو اجازت ہے کہ دستور کے مطابق کھالیوے،یعنی یتیم کا پرورش کرنے والا اگر حاجت مند ہوتو یتیم کے مال سے صرف اس قدر لے لے،جس قدر اس کی خدمت کا عرف میں حق ہے،دستور کے مطابق جس قدر اس کام کی اجرت ہوتی ہے، صرف اس قدر لے،اور اگر مستغنی ہے تو کچھ نہ لے،پھر جب ان کے بالغ ہونے کے بعد ان کے اموال ان کے حوالہ کرو تو مال سپرد کرتے وقت ان پر گواہ کرلیا کرو؛ تاکہ تم حسن اسلوب کے ساتھ بریٔ الذمہ ہوجاؤ اور آئندہ کے لیے تہمت، بدگمانی،نزاع اور اختلاف سے بچ جاؤ اور اللہ کافی ہے حساب لینے والا ،یعنی اگر ولی نے یا گواہوں نے کسی قسم کی خیانت کی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کے ظاہر و باطن سے خبردار ہے،وہ ان سے حساب لے گا۔ (معارف القرآن ادریسی)

مال دیتے وقت ان کے رشد کا علم ہونے کے باوجود نہ دینا، یا قبل رشد دے دینا تاکہ مال ضائع ہوجاوے،اسی طرح یتیم کے بالغ ہونے کے خوف سے اس کے مال کو جلدی سے صرف کرلینا؛ ان سب پر اللہ پاک حساب لے گا۔

(۲) ﴿إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا﴾(نساء:۸۶)

اشارہ اس طرف ہے کہ اگر احسان کا بدلہ اصل سے زیادہ ہوتو بہتر ہے؛ ورنہ برابر سرابر بھی کافی ہے، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب کرنے والا ہے،یعنی سلام کرنے والے اور اس کے جواب دینے والے کو بقدر اس کے سلام اور بقدر زیادتی کے جزاء دے گا۔

سلام کا جواب برابر یا اس سے اچھا دینا یہ معمولی نہ سمجھا جاوے،اس پر بھی حساب ہوگا؛ کیونکہ جواب قلبی کیفیت وتعلقات کی نمائندگی کرتا ہے۔

(۳)﴿وَ كَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا﴾ (احزاب:۳۹)

اور حکم خداوندی کا پہنچانا اور اس کا پھیلانا اگلے پیغمبروں کی سنت ہے،جن کی صفت یہ ہے کہ وہ انبیاء اللہ کے احکام اور پیام اپنی امتوں کو ٹھیک ٹھیک پہنچایا کرتے تھے اور تبلیغ احکام میں کسی کے طعن وتشنیع ،ملامت اور عار دلانے کی پروانہیں کرتے تھے،اور صرف اللہ ہی سے ڈرتے تھے اور سوائے خدا کے اور کسی سے نہیں ڈرتے تھے،خدا کا حکم ایک طرف اور سارا جہاں ایک طرف،اور اللہ حساب لینے کے لیے کافی ہے،دشمنوں سے رسولوں کا بدلہ لینے اور انبیاء کرام کو اس مشقت کے برداشت کرنے پر ثواب دینے پر قادر ہے،وہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کے ضرر کو دفع کردے گا؛ لہٰذا اس نکاح کے بارہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو طعن کرے گا،اللہ تعالیٰ اس کے دفع میں کفایت کرے گا،یہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے فرمایا کہ انبیاء سابقین کا طریقہ بھی یہی رہا ہے کہ وہ پیغام رسالت کے پہنچانے میں کسی سے نہیں ڈرتے؛ لہٰذا

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی مخالفین کے طعن کی پروانہ کریں اور نہ کسی کی ایذاء سے ڈریں، اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طاعنین کو سزا دینے کے لیے کافی ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمایا کہ اللہ پاک کی طرف ہی توجہ کریں، رسالت کے منکرین کا ہم حساب لینے والے ہیں۔

رقیب

رقیب، نگہبان، نگرانی کنندہ کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو موجودات کی حراست فرماتا اور معلومات کی رقابت کرتا ہے۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ''الرّقیب'' کے معنی میں علم اور حفظ کی مجموعی صفت جمع ہوتی ہے۔

سورۂ احزاب میں ہے: ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا﴾ (احزاب:۵۲)

''اللہ پاک تو ہر چیز کا نگہبان ہے۔''

سورۂ مائدہ میں ہے:

﴿فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ﴾ (مائدہ:۱۱۷)

''جب تونے مجھے ان لوگوں میں سے لے لیا تب تو خود ان کا نگہبان تھا۔'' (قاضی منصور پوری:۱۲۱)

رقیب دو آیتوں میں آیا ہے:

(۱) ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا﴾ (نساء:۱)

پہلی آیت میں حکم تقویٰ کی یہ علت بیان کی تھی کہ وہ تمہارا رب اور خالق ہے اور اس آیت میں حکم تقویٰ کی یہ علت بیان کی کہ جس ذات کا تم واسطہ دے کر لوگوں سے حاجتوں کو مانگتے ہو تم کو چاہئے کہ عام طور پر تمام امور میں اس ذات پاک کے تقویٰ اور پرہیزگاری کو خاص طور پر ملحوظ رکھو اور خاص طور پر قرابتوں سے ڈرو، یعنی رشتوں کے قطع کرنے اور ان کے حقوق ضائع کرنے سے ڈرو، تحقیق اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے، دیکھتا ہے کہ تم قطع رحمی کرتے ہو یا صلہ رحمی۔ (معارف القرآن ادریسی)

مذکور صفت کے مواقع:

آیات کے ختم پر جہاں وعدہ وعید اور ترغیب و ترہیب کا مضمون ہوتا ہے وہیں رقیب کی صفت آئی ہے، بندوں کے تمام افعال پر اس کی نگرانی مراد ہوتی ہے، پہلی آیت میں تقوی کے حکم کے ساتھ اعمال کی نگرانی کی مناسبت ظاہر ہے، تاکہ بندہ کو یہ وہم نہ ہو کہ حشر کے میدان میں از آدم تا قیامت کی مخلوق کے کثرت ازدہام سے کوئی چھوٹ جائے، جواب

ظاہر ہے کہ کثرت اس کی نگرانی کے لئے رکاوٹ نہیں ہوگی، پھر علی اعمالکم رقیبا نہیں فرمایا بلکہ علیکم فرمایا جو اعمال کے مقابلہ زیادہ شمولیت بتاتا ہے۔

(۲) ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا﴾ (احزاب:۵۲)

اے نبی! ان موجودہ نو بیبیوں کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کسی عورت سے نکاح حلال ہے اور نہ ان نو میں کوئی تغیر و تبدل جائز ہے، مگر وہ باندیاں جن کے تمہارے ہاتھ مالک ہیں، ان میں کمی اور زیادتی اور تغیر و تبدل کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار ہے اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے، کوئی چیز اس پر مخفی نہیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

اس آیت ﴿عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا﴾ میں پہلی آیت کے مقابلے میں زیادہ تاکید آئی ہے، جو مکمل تیقظ کی طرف مشیر ہے۔ اسی سے بصیر ورقیب کا فرق بھی معلوم ہوگیا کہ بصیر وہ چیز پر مطلق مطلع ہونے کا نام ہے اور رقیب بھی اسی طرح ہے؛ لیکن رقیب کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ بندہ کے اعمال کو دیکھتا ہے اور نگرانی کرتا ہے؛ تا کہ اس کا محاسبہ کیا جاوے، آیت کریمہ ﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ﴾ اس مفہوم کو خوب واضح کرتی ہے۔

سمیع قریب

یہ اسم آیت ذیل سے لیا گیا ہے:

﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ۭ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ﴾ (بقرہ:۱۸۶) ''اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! جب آپ سے لوگ (میرے بندے) میری بابت سوال کرتے ہیں تو میں قریب ہوں اور جب پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو اس کی پکار (دعا) کو قبول کرتا ہوں۔''

تفسیر خازن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا گیا ہے کہ یہودِ مدینہ نے یہ سوال کیا تھا کہ خدا تو عرش پر ہے اور عرش وفرش کے درمیان اتنے آسمانوں کا بُعد اور غلظت (دوری وموٹائی) حائل ہے، پھر خدا ہماری کیونکر سنتا ہے؟ تب ان کو اللہ عزوجل نے یہ جواب بھیجا تھا۔

بعض روایات میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے بعض نے یہ سوال کیا تھا کہ کیا ہمارا رب ہم سے قریب ہے تا کہ آہستہ آہستہ اس سے مناجات کیا کریں، یا ہمارا رب ہم سے بعید ہے کہ ہم اسے زور زور سے پکارا کریں، تب یہ جواب اترا تھا۔

ایک صحیح حدیث میں بھی یہی اسم آیا ہے، صحیحین میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خیبر کو تشریف لے جارہے تھے، لوگوں نے ایک وادی میں چڑھتے ہوئے اللہ اکبر لا الہ الا اللہ کی تکبیر زور سے لگائی، تب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ارْبَعُوا عَلٰی أَنْفُسِكُمْ إِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَصَمَّ، وَلَا غَائِبًا إِنَّكُمْ تَدْعُونَ سَمِيعًا قَرِيبًا.

''اے لوگو! اپنی جانوں پر نرمی کرو، تم کسی بہرہ گراں گوش کو یا غائب کو نہیں پکار رہے ہو، تم تو **سمیع و بصیر وقریب** کو پکار رہے ہو۔''

آیت قرآنی میں **قَرِيْبٌ** فرمایا اور اس کے تحت اجابت دعوت کا ذکر کیا۔ حدیث صحیح میں قریب فرمایا اور اس کا مطلب **سمیع بصیر** کے اسماء میں آشکارا فرما دیا۔

صفت قرب کے خواص و مدارج:

انسان غور کرے کہ قرب کے خواص کیا ہیں۔ جب کسی شئ یا انسان کے احوال پر ہمارا علم، ہماری شنوائی، ہماری بینائی بیک وقت بیک لحظہ کارفرما ہوں تو ثابت ہوگا کہ وہ شئ ہم سے قریب ہے یا ہم اس سے قریب ہیں، ہم سے اس شئ کا قریب ہونا تب صحیح ہوگا جب اس کا علم اور گوش و چشم بھی ہمارے او پر وہی عمل کرتے ہوں۔

اللہ عزوجل جس کا علم ہر ذرہ ذرہ پر حاوی ہے، اللہ تعالیٰ کی بصر جو شب تاریک میں سمندر کی سب سے زیادہ گہرائی کی تہہ میں پڑی ہوئی ادنیٰ شئ کو بھی دیکھ رہی ہے، اللہ کی سمع جو تحت الثریٰ کے نیچے پہاڑ کی غار کے اندر والے کیڑے کی- جو ہنوز پتھر کے اندر مخفی ہے- کی آواز کو بھی سننے والی ہے، بے شک ہم سے قریب ہے۔ گو وہی قرب ہم کو اس سے حاصل نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے اس قرب کے مدارج بھی بتلائے ہیں:

(۱) ﴿أَلَآ إِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيبٌ﴾ (بقرہ: ۲۱۴) ''خبردار! تحقیق اللہ کی مدد نزدیک ہے۔''

جب انسان وسائل دنیوی سے محروم ہو جاتا ہے اور اسباب کو اپنے خلاف پاتا ہے تو دل شکستگی کے ساتھ بے اختیار بول اٹھا کرتا ہے۔ ﴿مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ﴾ (بقرہ: ۲۱۴) ''اللہ کی مدد کہاں ہے؟''

اور اسی وقت قدسی کلام اسے ہدایت کرتا ہے کہ اللہ کی مدد تو قریب ہے، یہ قرب کا ایک درجہ ہوا جو نصرت و یاوری کی شکل میں تجلی ہوتا ہے۔

(۲) ﴿إِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ﴾ (اعراف: ۵۶)

''اللہ کی رحمت احسان والوں سے قریب تر ہے۔''

احسان کسے کہتے ہیں، اس کے معنی حدیث جبریل میں بتائے گئے ہیں۔

''أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ''

''اللہ کی عبادت کر گویا تو اسے دیکھتا ہے، اگر یہ نہیں تو وہ تجھے ضرور دیکھتا ہے۔''

آیت بالا میں بتایا گیا کہ رحمت الٰہیہ ان بندوں سے قریب ہے جو عبادت الٰہی میں حظ وافر، تعقل کامل اور اعتماد محکم سے مشغول رہنے والے ہیں۔

(۳) ﴿إِنَّهُ سَمِيعٌ قَرِيبٌ﴾ (سبا:۵۰)

''تحقیق وہ سننے والا نزدیک ہے۔''

یہ ذات پاک کے متعلق عرفان ہے، وہ ہم سے قریب ہے، ہماری باتوں، التجاؤں، دعاؤں کا شنوا بھی ہے۔

سمیع وقریب ہر دو صفات ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات انسانی صفات سے منزہ اور برتر ہیں۔

(۴) ﴿إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُّجِيبٌ﴾ (ھود:۶۱)

''میرا رب قریب ہے اور میری دعا سنتا ہے۔''

یہ الفاظ نبی اللہ کی زبان سے ہیں اور اس قرب کو ظاہر کرتے ہیں جو انبیاء کو بوجہ قبولیت وشرف واختصاص خاص حاصل ہوتا ہے کہ ان کی حمایت کی جاتی ،نصرت فرمائی جاتی اور ان کی معروضات کو درجہ اجابت دیا جاتا ہے۔

بعض لوگ قرب اور خلط کے معنی میں کوئی فرق نہیں کرتے اور اس آیت ہی سے خالق ومخلوق کو متحد الجنس کرنے اور بتانے کی سعی کیا کرتے ہیں، ان کو یاد رکھنا چاہئے کہ لغت اور کلام اللہ ان کی ایسی تاویلات کی تائید نہیں کرتے اور جب وہ لغت ولسان ہی کے قواعد کے پابند نہیں، تب تو کسی آیت کے بغیر بھی وہ جو چاہیں کہہ سکتے ہیں۔

دو اسم کے ایک ساتھ آنے میں نکتہ:

اسماء حسنیٰ کے حل مطالب کے متعلق یہ نکتہ یاد رکھنا چاہئے کہ اکثر آیات کے خاتمہ میں دو دو اسم آتے ہیں، جیسے **الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ، الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ، الْغَفُورُ الْوَدُودُ، حَمِيدٌ مَّجِيدٌ** یہ دونوں اسم ایک دوسرے کے معنیٰ کے تعین میں بہت بڑا تعلق اندرونی رکھتے ہیں، ایک کے اسرار دوسرے کے انوار سے بخوبی آشکارا ہوا کرتے ہیں۔

اسم قریب کے معنی کی دریافت میں تدبر کرنے سے پتا لگ جاتا ہے کہ آیات قرآنیہ میں اس کا استعمال **سمیع و بصیر** اور **مجیب** کے ساتھ ہوا ہے۔ یہی اسماء حقیقت قرب قریب کا بھی وضوح (وضاحت) فرمائیں گے۔ (قاضی منصور پوری:۱۲۵)

سمیع سے متعلق ایک نکتہ:

ایک آیت ﴿إِنَّهُ سَمِيعٌ قَرِيبٌ﴾ (سباء:۵۰) میں ہے، صفت سمیع جہاں ہوگی وہاں اس کے سیاق یا سباق یا شان نزول میں قول ہونا ضروری ہے، آیت میں ساحر مبین کا جواب سمیع سے دے کر اشارہ فرمایا کہ تمہاری تکذیب وافتراء

پردازی کو ہم اچھی طرح سن رہے ہیں۔

یقول الرازي: ”إنه سميع قريب يسمع إذا ناديته واستعديت به عليكم، قريب يأتيكم من غير تأخير“.

(تفسیر الفخر الرازی:۲۷۲/۱۳)

سمیع کا تعلق کلام سے اور قرب کا تعلق اعضاء سے ہے، لہذا دونوں کو جمع کیا، یہاں علیم وحلیم ذکر نہیں کیا، کیونکہ حلم سزا کی تاخیر کا تقاضہ کرتا ہے، اور علم کا تعلق احوال علم سے ہے، جبکہ آیت میں اس سے پہلے ہدایت وگمراہی کا ذکر ہے تو سمیع قریب ہی اس کے مناسب ہے۔

قریب ایک آیت میں آیا ہے:

(۱) ﴿إِنَّهُ سَمِيعٌ قَرِيبٌ﴾ (سباء:۵۰)

کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے گمان میں اس پر بھی میں گمراہ ہوں تو سوائے اس کے کچھ نہیں کہ میں اپنی ذات پر گمراہ ہوں، اس گمراہی کا ضرر مجھ کو ہی پہنچے گا، میری گمراہی سے تم کیوں اس قدر بیتاب اور پریشان ہو، اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو اس سبب سے ہے کہ میرا پروردگار مجھ پر وحی بھیجتا ہے، تحقیق میرا پروردگار سننے والا اور میرے نزدیک ہے، اس کی رحمت اور عنایت کبھی مجھ سے جدا نہیں ہوتی۔ (معارف القرآن ادریسی)

قریب مُجِیب

اسم علم ہے، جواب اور اجابت سے بنایا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ مُجِیب ہے کہ وہ ہر سائل کے سوال کا جواب دیتا ہے، وہ ہر ایک دعا مانگنے والے کی دعا کو شرف اجابت بخشتا ہے، وہ ہر ایک سوال کو سمجھتا ہے اور ان کی ضروریات طبعی واتفاقی کو پورا کردیتا ہے، سب کی زبان قال کو سمجھتا ہے اور صدق مقال کو شرفِ قرب عطا کرتا ہے اور جو اس پکارنے والے کی دعا کو جو اضطراب واضطرار میں رب العالمین کو یاد کرتا ہے سماعت فرماتا اور قبولیت عطا کرتا ہے۔

﴿أَمَّن يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ﴾ (النمل:۶۲)

”وہ کون ہے جو پکارنے والے مضطر کی پکار کو قبول فرماتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ مُجِیب ہے اور خود بندوں پر استجابتِ احکام کو فرض ٹھہراتا ہے۔

﴿فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي﴾ (البقرۃ:۱۸۶)

''چاہیے کہ میرے بندے حکموں کو قبول کیا کریں اور مجھ پر ایمان لے آئیں۔''

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے قریب و مُجیب ہونے کا ایمان رکھتے ہیں۔

جو لوگ احکام الٰہی کو فراخ دلی واستحکام سے قبول کرتے ہیں۔

جو لوگ نافرمانی وسرکشی سے دور رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا مجیب ہونا ان پر سراسر ظاہر ہوجاتا ہے۔ (قاضی منصور پوری:۱۲۶)

صفت مذکور کی اللہ پاک کی طرف اضافت اور بندوں کی طرف اضافت میں فرق:

یہ صفت عبد و معبود کے درمیان مشترک ہے؛ لیکن حیثیت و اضافت کے اعتبار سے فرق ہے۔

حضرت صالح ؑ اپنی قوم کو توحید کی دعوت دیتے ہیں، اور توبہ واستغفار کی دعوت دیتے ہیں اور بطور تعلیل وثمرہ کے فرماتے ہیں کہ میرا رب قریب بھی ہے، تمہاری دعاء قبول کرنے والا بھی ہے اور ہدایت قبول نہ کرنے پر وہ قریب و مجیب ہے، لہٰذا تمہارے عذاب کے سلسلے میں میری دعاء سننے والا ہے، صفت ربوبیت کو اضافت کے ساتھ ذکر کرکے رب سے اپنی قربت ذکر کی اور اشارہ کیا کہ ایمان قرب کا ذریعہ ہے جب کہ کفر دوری کا ذریعہ ہے۔ قریب و مجیب کو استغفار و توبہ کے ساتھ مربوط کیا کہ وہ تمام گناہوں کو معاف کرنے والا ہے؛ کیونکہ قریب و مجیب ہے اور مجیب کا تقاضہ ہے کہ بندہ اس کی طرف رجوع وانابت کرے۔

قال الامام ابن عاشور: وجملة إن ربي قريب مجيب استئناف بياني، كأنهم استعظموا أن يكون جرمهم مما يقبل الاستغفار، فأجيبوا بـأن الله قريب مجيب، وبذلك ظهر أن الجملة ليست بتعليل، وحرف (إن) فيها للتأكيد تنزيلا لهم، وهو أمر مقبول فيما أحسب في تعظيم جرمهم منزلة من يشك في قبول استغفاره لو أن محاورتهم انتهت إلى هداية، ولكن النص القرآني يشير إلى أنهم أنكروا ما جاء به صالح عليه السلام.

(التحرير والتنوير:۷/۱۶۳)

مجیب ایک آیت میں آیا ہے:

(۱) ﴿إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُّجِيبٌ﴾ (ھود:۶۱)

یہ فرمایا: اے میری قوم، تم صرف ایک اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں، اسی نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور زمین سے پیدا کرنے کے بعد تم کو زمین میں آباد کیا یا یہ معنیٰ ہیں کہ تمہاری عمریں دراز کیں، حاصل یہ کہ حق تعالیٰ نے کمال قدرت سے تم کو وجود عطاء فرمایا اور تمہاری حیات اور بقاء کا سامان پیدا کیا، پس اس منعم حقیقی سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرو یعنی ایمان لاؤ، پھر ہمہ تن اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ، تحقیق میرا پروردگار اہل توبہ اور اہل استغفار سے قریب ہے اور ان کی توبہ واستغفار کا قبول کرنے والا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

وَهَّاب

وهب وهبا سے ہے۔**هبه وموهب** بھی اسی مصدر سے ہیں۔وَ هَاب کے معنی کثیر الهبه اور دائم العطا ہے، یہ یادرکھنا چاہیے کہ **هبه**کی حقیقت وہ عطیہ ہے جو بلا کسی غرض وامید اور بلا کسی عوض کے ہو۔

حضرت ابراہیمؑ کو بادشاہ اور قوم نے اپنی حدود سے نکال دیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اسماعیل واسحاق علیہما السلام کا عطیہ دیا تو انہوں نے ان الفاظ میں شکریہ ادا کیا تھا:

﴿**اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ**﴾ (ابراہیم:۳۹)

''حمد اللہ کے لیے ہے جس نے بڑھاپے میں مجھے اسمٰعیل اور اسحٰق عطا کئے۔''

سورۂ انعام و مریم وغیرہ میں بھی اسحٰق و یعقوب علیہما السلام کی ولادت کا ذکر ہے، وہاں بھی اسی لفظ کے ساتھ ہے۔

سورۂ ص میں ہے:

وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَیْمٰنَ (سورہ ص:۳۰)

''ہم نے داؤدؑ کو سلیمانؑ بخشا۔''

سورۂ انبیاء میں زکریاؑ کے ہاں پسر کی ولادت کا ذکر ہے۔

﴿**وَوَهَبْنَا لَهٗ یَحْیٰى**﴾(سورہ الانبیاء:۹۰)

''ہم نے اسے یحییٰ عطا کیا۔''

سورۂ ص میں ہے کہ ایوبؑ کو جب دوسری بار اولاد واموال عطا فرمایا تو اسے بھی ﴿**وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ**﴾(سورہ:ص:۴۳) کے الفاظ سے بیان فرمایا ہے۔

موسیٰؑ کی دعاء پر ہارونؑ کو نبی بنایا تو﴿**وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَاۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِیًّا**﴾ (سورہ مریم:۵۳)

''ہم نے اپنی رحمت سے اس کے بھائی ہارون کو نبی بطور عطیہ دیا۔''

نبوت کو ہبہ ربانی حضرت موسیٰؑ کی زبان سے بھی بیان کیا گیا ہے:

﴿**رَبِّ هَبْ لِیْ حُكْمًا**﴾(الشعراء:۸۳)

ان آیات پر غور کرنے سے واضح ہوگا کہ اسم **وَهَّاب** کے ساتھ رحمت کا ذکر ضروری ہے، اور غور سے معلوم ہوجاتا ہے کہ رب العالمین کی جملہ عطایا و نعم کا مدار اُس کی رحمت ہی پر ہے اور رحمت ہی سے صفت ''وہّابیت'' کا ظہور ہوتا ہے۔

وَهَّاب وہ ہے کہ عطائے صوری و معنوی اور عطیات دنیوی واُخروی کا مالک وہی ہے۔یہی اسم ہے جو بتاتا ہے کہ

بندہ کے پاس اس کے گھر کی کوئی شے نہیں، جو کچھ ہے سب دادِ الٰہی اور وجود نا تناہی (بے پناہ سخاوت وعطا) کا نتیجہ ہے۔

(قاضی منصور پوری: ۹۱)

﴿إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ﴾ (آل عمران: ۸)

﴿قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنبَغِي لِأَحَدٍ مِّن بَعْدِي إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ﴾ (ص: ۳۵)

ان دونوں آیتوں میں ''وھاب'' پر ختم کی علت تلاش کرنے میں زیادہ مشقت نہیں ہے، کیونکہ جب مؤمنین نے پہلی آیت میں رحمت طلب کی تو اس کی علت بھی ذکر کی کہ انك انت الوھاب اسی طرح دوسری آیت میں حضرت سلیمانؑ نے ایسی سلطنت مانگی جو ان کے بعد کسی کے مناسب نہ ہو، تو ساتھ میں اس کی علت کے طور پر فرمایا کہ آپ ہی دینے والے ہیں، آپ کے خزانوں اور رحمت میں کوئی کمی نہیں ہے۔ وہاب وہ ذات ہے جو بندے کو اس کے استحقاق کے بغیر عطا فرماتے ہیں۔

قال الآلوسی: انك انت الوهاب، تعلیل للسؤال او لاعطاء المسئول.

(روح المعانی: ۱۴۷/۳، البحر المحیط: ۳۲/۳)

وھاب اور وھوب میں فرق ہے، وہاب وہ ذات ہے جو بار بار یکے بعد دیگرے عطا کرتا ہے اور وھوب وہ ذات ہے جو ایک ہی مرتبہ میں بہت کچھ عطا کرے۔ دونوں آیتوں کا سیاق صفت وھاب کا ہی تقاضی کرتا ہے نہ کہ وھوب کا۔

امام غزالیؒ نے الغفور اور غفار کے درمیان اسی طرح کا فرق کیا ہے:

قال: الغفور یدل علی کثرة المغفرة بالاضافة الی کثرة الذنوب، حتی ان من لا یغفر الا نوعا واحدا من الذنوب قد لا یقال غفور، والغفار یشیر الی کثرة علی سبیل التکرار، ای یغفر الذنوب، مرة بعد اخری حتی ان من یغفر جمیع الذنوب، اول مرة، ولا یغفر للعائد الی الذنب مرة بعد اخری، لم یستحق اسم الغفار.

(المقصد الاسنی: ۴۱)

وہاب تین آیتوں میں مذکور ہے:

(۱) ﴿إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ﴾ (آل عمران: ۸)

اے ہمارے پروردگار! بعد اس کے کہ تونے کتاب نازل فرما کر ہم کو ہدایت دی اور اس کتاب کے محکم اور متشابہ پر ایمان لانے کی توفیق عطا کی، اب اس لطف وعنایت اور اس توفیق اور ہدایت کے بعد ہمارے دلوں کو حق اور ہدایت سے کج اور منحرف مت فرما، ہمیں اپنے دلوں پر اطمینان نہیں، دلوں کا ہدایت پانا اور حق کو قبول کرنا، سب آپ کی توفیق سے ہے،

اور دے ڈال ہم کو اپنے پاس سے ہم کو خاص الخاص رحمت اور مہربانی، یعنی توفیق اور فہم صحیح، بے شک تو ہی سب کچھ عطا کرنے والا اور دے ڈالنے والا ہے، جس طرح ظاہری نعمتیں تیری بارگاہ سے ملتی ہیں اسی طرح علم صحیح فہم صحیح اور تاویل صحیح کی نعمت بھی تیری ہی بارگاہ سے ملتی ہیں، اسی طرح علم اور مہربانی ہے، تجھ پر کوئی شئ واجب نہیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

بندوں نے جب استقامت دین اور قلوب کی زیغ و باطل سے حفاظت وحق کی ہدایت مانگی اور رحمت ہبہ کرنے کی درخواست کی تو صفت وہاب سے زیادہ مناسب کوئی صفت نہیں تھی۔ اور پھر اس کو بھی حصر کے اسلوب میں ذکر کی تاکہ مقصود پر مکمل دلالت کرے۔

(۲) ﴿إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ﴾ (ص:۳۵)

اور بے شک ہم نے سلیمان علیہ السلام کو ایک اور طرح سے بھی آزمایا اور ان کے تخت پر لا ڈالا ایک ناتمام دھڑ، جس سے وہ سمجھ گئے اور متنبہ ہوئے کہ یہ تو میرا امتحان کیا گیا، اور اسی ندامت و پریشانی کی حالت میں پھر ہماری طرف رجوع کیا اور تضرع وزاری کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں دعا مانگنے لگے کہ میرے پروردگار! میرا قصور معاف کر دیجئے جو ہم سے واقع ہوا اور آیندہ کے لیے مجھ کو ایسی سلطنت عطا کر دیجئے جو میرے بعد کسی کو لائق و زیبا نہ ہو، بے شک تو ہی بڑا دینے والا ہے کہ جو چاہے عطا فرما دے، تیری بارگاہ میں نہ دعا کی قبولیت کوئی دشوار کام ہے اور نہ وہ چیز عطا کرنا دشوار ہے جو مانگی ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

یہاں بھی **وھب لی** کی صفت سے درخواست کرنا اور دعاء میں بے انتہاء ہبات کا ذکر متقاضی ہوا کہ صفت وہاب آخر میں ذکر کر دی جاوے۔

(۳) ﴿أَمْ عِندَهُمْ خَزَائِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيزِ الْوَهَّابِ﴾ (ص:۹)

ان کفار کا یہ احمقانہ قول کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی الٰہی کیوں نازل کی گئی ایک ناقابل عفو گستاخی ہے، کیا ان کے پاس اے ہمارے پیغمبر آپ کے رب کی رحمت کے خزانے ہیں جو بڑا ہی غالب وزبردست اور خوب عطا کرنے والا ہے، پھر یہ کون ہوتے ہیں کہ اللہ کے انعام ورحمت کو روک لیں یا اس پر کوئی نکتہ چینی کرے، وہ اپنی حکمت و دانائی سے جس کسی بشر کو چاہے منصب نبوت ورسالت سے نواز دے۔ (معارف القرآن ادریسی)

نبوت چونکہ بہت سارے ہدایہ وہبات کو شامل ہے، لہٰذا وہاب کا صیغہ لایا گیا جو بہت ساری عطاء و بخشش کو شامل ہے۔ لفظ خزائن بھی کمیت کے اعتبار سے کثرت بتانے کے لئے جمع کے صیغہ پر لایا گیا۔

یقول الإمام ابن عاشور: "وأجرى على الرب صفة العزيز لإبطال تدخلهم في تصرفاته، وصفة الوهاب

لإبطال جعلهم الحرمان من الخير تابعا لرغباتهم، دون موادة الله تعالى". (التحرير والتنوير: ۱۲/ ۱۹۶)

رسالت کے وصف سے کس کو متصف کیا جاوے اس کو طے کرنے والے یہ کون ہے؟ ان کی کیا طاقت ہے؟ عزیز تو خداوند قدوس کی صفت ہے، یہ تو عاجز ہیں، ان کو کیا اختیار؟ یہ خود کے مالک نہیں ہیں، وصف رسالت سے متصف کرنا اس کی قوت عطاء ورحمت کا مظہر ہے؛ لہٰذا صفت عزیز و وہاب کو جمع کیا۔

علام الغيوب

علام الغيوب: یہ چار جگہ (المائدہ: ۱۰۹، ۱۱۶، التوبۃ: ۷۸، سبا: ۴۸) آیا ہے، اس کی اضافت جمع کے صیغے غیوب کی طرف ہوتی ہے، فعّال کا صیغہ استمرار وتکرار اور تجدد کا تقاضہ کرتا ہے، نیز کثرت پر بھی دلالت کرتا ہے، علام الغیب اور عالم الغیوب قرآن مجید میں کبھی نہیں آیا ہے، علام کثرت کی طرف دلالت کرتا ہے، لہٰذا وہ جمع کے صیغہ ''غیوب'' کے ساتھ ہی آیا ہے۔

﴿يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ۭ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ﴾

(مائدہ: ۱۰۹)

﴿تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ﴾ (مائدہ: ۱۱۶)

﴿اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ﴾ (توبہ: ۷۸)

﴿قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ﴾ (سبا: ۴۸)

مذکور چار آیات میں علام الغیوب لانے کی وجہ:

(۱) پہلی آیت میں جب انبیاء کرام سے دریافت کیا جائے گا کہ امتوں نے تمہاری دعوت کا کیا جواب دیا؟ تو وہ عرض کریں گے: **لا علم لنا**. آیت میں رُسُل جمع کے صیغہ کے ساتھ آیا ہے جو کثرت پر دلالت کرتا ہے، اسی طرح جوابات بھی متعدد وکثیر ہوں گے، وہ ان تمام کے ہر ہر جواب کے متعلق گفتگو کرنے پر قادر نہیں ہوں گے، نیز ان کے انتقال کے بعد قوم نے کیا کیا؟ اس کو بھی وہ نہیں جانتے ہیں، تو انہوں نے ﴿اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ﴾ کے ذریعہ حقیقی علم کی نسبت اللہ پاک کی طرف فرمادی۔

یا یہ کہ رسولوں نے **لا علم لنا** سے ظاہر کی نفی نہیں کی؛ بلکہ باطنی امور کی نفی کی اور اللہ تعالیٰ تو ظاہر و باطن دونوں کو جانتے ہیں، لہٰذا باطن کی نفی کرتے ہوئے علم کو اللہ پاک کے حوالے فرمایا۔

(۲) دوسری آیت میں حضرت عیسیٰؑ علم غیب کی اپنی ذات سے نفی کر کے حق سبحانہ وتعالی کے لئے اثبات کرتے ہیں۔

قال الزمخشری: "إنک أنت علام الغیوب، تقریر للجملتین معا، لأن ما انطوت علیه النفوس من جملة الغیوب، ولأن ما یعلمه علام الغیوب لا ینتهي إلیه علم أحد". (الکشاف: ۱/۳۴۷)

(۳) اللہ پاک بندوں کے ظاہری و باطنی امور کے علاوہ دوسرے بہت سارے غیوب کو جانتے ہیں۔

قال الألوسی: فعلم اللّٰه لیس مقصورا علی معرفة أمورهم، بل علم اللّٰه سرهم ونجواهم، لأن صفته القیومیة، وأنه علام الغیوب، یعلم غیب هذا وغیب هذا وغیب هذا وجاءت المبالغة من تکرار علم غیب کل أحد". (روح المعاني: ۱۲/۲۲۸)

(۴) اللہ پاک اپنی وحی اپنے منتخب بندوں پر نازل کرتے ہیں، اس میں باطل کا صحیح جواب ہوتا ہے اور وہ خود حق بات ہوتی ہے۔ علام الغیوب سے گویا ان لوگوں کا جواب مقصود ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ قذف کبھی اٹکل سے ہونے کی وجہ سے غلط بھی ہو یا اتفاقی طور پر صحیح ہو جائے، تو بتایا کہ وہ نتائج سے غافل نہیں ہے، وہ حق و باطل دونوں کی ابتداء و انتہاء اور دونوں کے نتائج سے بھی بخوبی واقف ہے، کیونکہ وہ علام الغیوب ہے۔

علامہ ابن عاشور فرماتے ہیں کہ اس سے انبیاء کرام کی طرف اشارہ ہے کہ وہ حق تعالی کی صفت علام الغیوب کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں، لہذا وہ لوگوں کو باطل کی دعوت نہیں دے سکتے ہیں، کیونکہ حق تعالی اس پر ان کی پکڑ فرمائے گا، اس کا انبیاء کرام کو خوب احساس ہے۔ (التحریر والتنویر: ۱۱/۲۷۴) یہ جواب بطور فرض ومحال کے ہے، کیونکہ ۔نعوذ باللہ۔ انبیاء کرام سے اس کا تصور بھی نہیں ہوسکتا ہے، لیکن جیسے **ولو تقول علینا بعض الاقاویل** والی آیت میں لاخذنا منه بالیمین بالفرض ذکر کیا گیا، اسی طرح اس آیت میں بھی ذکر کیا گیا ہے۔

(۱) ﴿إِنَّكَ أَنتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ﴾ (مائدہ: ۱۰۹)

جس دن اللہ تعالیٰ کافروں کے الزام کے لیے رسولوں کو جمع کرے گا، پھر ان رسولوں سے پوچھے گا کہ تم کو تمہاری امتوں کی طرف سے کیا جواب دیا گیا تھا یعنی جب تم نے ان کو خدا کی طرف بلایا تو انہوں نے تمہاری دعوت کا کیا جواب دیا اسے قبول کیا یا رد کیا اس سوال کرنے سے خدا تعالیٰ کا مقصود منکرین اور مکذبین کو توبیخ کرنا ہوگا، پیغمبر جواب میں کہیں گے ہمیں حقیقت حال کا علم نہیں، تحقیق آپ ہی تمام غیبوں کے جاننے والے ہیں، ظاہر و باطن سب تجھ ہی پر روشن ہے ہم تو صرف ظاہر ہی کو کچھ جان لیتے ہیں، ہم تیرے سامنے کیا بیان کریں ہمارا علم تیرے علم کے سامنے کوئی چیز نہیں؛ بلکہ بمنزلہ عدم علم کے ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۲)﴿إِنَّكَ أَنتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ﴾ (مائدہ:۱۱۶)

منصب نبوت ہدایت خلق کے لیے عطا کیا جاتا ہے نہ کہ بندوں کو گمراہ کرنے کے لیے اور شرک کی دعوت دینے کے لیے، اگر بالفرض والتقدیر میں نے یہ بات کہی ہوگی تو تیرے علم میں ہوگی، اس لیے کہ تو تو میرے باطن اور ضمیر کی بات کو خوب جانتا ہے اور میں تیرے جی کی بات کو بالکل نہیں جانتا اس لیے کہ بے شک تو ہی تمام پوشیدہ باتوں کا جاننے والا ہے، پس جب میں اس قدر عاجز اور لاچار ہوں اور اس درجہ بے خبر ہوں کہ بغیر آپ کے بتلائے ہوئے کسی غیب کا مجھے علم نہیں ہوسکتا تو میں الوہیت کا دعویٰ کیسے کرسکتا ہوں۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۳)﴿أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ وَأَنَّ اللَّهَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ﴾ (توبہ:۷۸)

کیا ان منافقوں نے یہ نہیں جانا کہ تحقیق اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کے پوشیدہ اسرار کو اور ان کی کانا پھوسی کو جو اسلام کی مخالفت میں کرتے رہتے ہیں، خوب جانتا ہے، اس پر ان کی کوئی کارروائی مخفی نہیں اور ان کو یہ معلوم نہیں کہ تحقیق اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے، تمہارے مشورے اس پر پوشیدہ نہیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۴)﴿قُلْ إِنَّ رَبِّي يَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَّامُ الْغُيُوبِ﴾ (سبا:۴۸)

آپ ان سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ تحقیق میرا پروردگار اوپر سے مجھ پر حق پھینکتا جاتا ہے اور باطل پر گراتا جاتا ہے؛ تاکہ باطل پاش پاش ہوجاوے، وہ علام الغیوب ہے، اس کو پہلے ہی سے معلوم تھا کہ وہ حق کو اوپر سے اتارے گا اور باطل پر گرائے گا اور حق کے گرنے سے وہ باطل چور چور ہوجائے گا۔ (معارف القرآن ادریسی)

سریع الحساب

سریع عزوجل، جلدی کرنے والا اور سریع الحساب عزوجل قرآن کی ان آیات سے تخریج کئے گئے ہیں جن میں یہ لفظ آیا ہے۔

﴿وَمَن يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ﴾ (آل عمران:۱۹)

اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرے گا تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس سے جلد حساب لیں گے۔

قرآن کریم میں کل ۸ جگہ سریع الحساب آیا ہے، اس سے امام جعفر صادق، سفیان بن عیینہ اور ابوزید بغوی نے السریع عزوجل تخریج کیا ہے۔ ابن مندہ نے السریع اور سریع الحساب دونوں اسماء تخریج کئے ہیں؛ جبکہ بیہقی، قرطبی اور ابن قیم نے سریع الحساب عزوجل تخریج کیا ہے۔

سریع العقاب عزوجل، جلدی عذاب دینے والا، قرآن کریم کی سورہ انعام کی آیت: ۱۶۵ اور سورہ اعراف کی آیت: ۱۶۷ سے صرف امام قرطبی نے تخریج کیا ہے۔ یہ بات اہم ہے کہ دونوں جگہ آیت کے الفاظ ایک ہی ہیں۔

﴿إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ ۖ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (اعراف: ۱۶۷)

بالیقین آپ کا رب بہت جلد سزا دینے والا ہے اور بلاشبہ وہ بڑی مغفرت اور مہربانی کرنے والا بھی ہے۔ یہ اسماء قرآن کریم میں کل دس مرتبہ آئے ہیں۔

یہ صفت دس مقامات پر آئی ہے، ۸ رمرتبہ حساب کا مضاف بن کر اور ۲ رجگہ عقاب کا مضاف ہو کر مذکور ہے۔ سریع کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ وہ ذات جس کو ایک کا حساب دوسرے کے حساب کرنے سے مشغول نہ کرے کہ اس پر مخلوق کے حساب میں دیر ہو جائے۔ ابوحیان فرماتے ہیں: واللّٰہ سریع الحساب، ظاهر الاخبار عنه تعالى بسرعة حسابه، وسعته بانقضائه، كقصد مدته، فروى كقدر حلب شاة، وروى بمقدار فواق ناقة، وروى بمقدار لمحة بصر. (البحر المحیط: ۲/۱۳/۳) مؤمن وکافر دونوں کے حساب میں جلدی کرنے والا ہے، دنیوی اعتبار سے ہجوم کے موقع پر دیر لگتی ہے، وہاں یہ نہیں ہوگا۔

حضرت علیؓ سے دریافت کیا گیا کہ ایک ہی وقت تمام لوگوں کا حساب کیسے ہوگا؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا: جو ذات ایک ہی وقت میں سب کو روزی دینے پر قادر ہے وہ بیک وقت حساب لینے پر بھی قادر ہے۔

مؤمنین کے حساب سے مراد آخرت کی جزاء مراد ہے کہ ان کے اعمال ضائع نہیں ہوں گے۔ اور مشرکین وکفار کے حساب کی جلدی وعید کے طور پر ہے، کیونکہ اس میں احاطہ علم وقدرت کی طرف اشارہ ہے۔

مؤمنین کے جزاء والی آیات:

﴿أُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا ۚ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ﴾ (بقرۃ: ۲۰۲)

﴿أُولَٰئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ﴾ آل عمران: ۱۹۹)

﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ﴾ (مائدہ: ۴)

کفار واہل کتاب کی وعید والی آیات:

﴿وَمَن يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ﴾ (آل عمران: ۱۹)

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْآنُ مَاءً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَوَجَدَ اللَّهَ عِندَهُ فَوَفَّاهُ حِسَابَهُ ۗ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ﴾ (نور: ۳۹)

سریع کے ساتھ عقاب والی آیات:

سریع کے ساتھ عقاب کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں مقامات میں ان کے ایسے اعمال کا ذکر ہے جو سزا کا استحقاق ثابت کرتے ہیں:

﴿وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ إِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (انعام:۱۶۵)

﴿وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ يَسُومُهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ ۗ إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ ۖ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (اعراف:۱۶۷)

پہلی آیت میں ابتلا کا ذکر ہے جو مؤمن وکافر، محسن وغیر محسن سب کو پیش آسکتا ہے، لہذا دونوں وصف لائے، دوسری آیت ان مجرمین کے بارے میں ہے جو نصیحت کو بھول گئے (نسوا ما ذکروبه) (عتوعما نهوا عنه) تو عقاب کے مستحق ٹھہرے۔ البتہ دونوں جگہ غفور الرحیم کی صفات اس لئے لائے تاکہ معلوم ہو کہ بندے سزا کے مستحق اپنے برے اعمال کی وجہ سے ہوئے، اللہ پاک کے سریع العقاب ہونے کی وجہ سے نہیں؛ پس وہ تو غفور الرحیم بھی ہے۔

قال الشعراوی: فاذا قال: انه سريع العقاب، فهذا يعنى انه يسرع بعقاب المفسدين، لانه غفور رحيم بالمظلومين، الذين يظلمون، اذن فسرعة عقاب الظلمة رحمة منه بالمظلومين. (الشعراوی :۷/ ۴۴۱۹)

سریع صفت حساب کے ساتھ ۸ آیتوں میں مذکور ہے:

(۱) ﴿أُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِمَّا كَسَبُوا ۚ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ﴾ (بقرہ:۲۰۲)

ایسے لوگوں کے لیے دنیا اور آخرت میں بہت بڑا حصہ ہے اس چیز سے جو انہوں نے اپنی دعا اور استدعاء اور اعمال صالحہ سے کمایا ہے اور اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والے ہیں، یعنی قیامت قریب ہے، تم اس سے غافل نہ ہو۔

(معارف القرآن ادریسی)

(۲) ﴿وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ﴾ (آل عمران:۱۹)

تحقیق وہ دین کہ جو اللہ کے نزدیک مقبول اور پسندیدہ ہے وہ صرف اسلام ہے، نہ کہ یہودیت اور نصرانیت، اس لیے کہ اسلام کے معنی اپنے آپ کو ایک خدا کے حوالہ اور سپرد کردینے کے ہیں اور مسلم اور مسلمان اس بندہ کو کہتے ہیں جس نے ہمہ تن اپنے آپ کو خدائے واحد کے سپرد کردیا ہو اور اس کے احکام کے سامنے گردن ڈال دی ہو اور بالفاظ دیگر اسلام نام اطاعت اور فرمانبرداری کا ہے، شروع سے لے کر اخیر تک تمام انبیاء کرام کا یہی دین رہا ہے کہ ایک خدا کی اطاعت اور

فرمانبرداری کی جائے، پس جو لوگ حضرت مسیحؑ کو خدا یا خدا کا بیٹا مانتے ہیں اور مسیح اور مریمؑ کی تصویروں کو پوجتے ہیں یا جو بے وقوف درختوں، پتھروں، چاند، سورج اور ستاروں کو پوجتے ہیں ان کو اسلام سے کوئی واسطہ نہیں، اہل کتاب نے اس بارہ میں لاعلمی کی بناء پر اختلاف نہیں کیا، مگر صحیح علم آنے کے بعد جان بوجھ کر اختلاف کیا، اہل کتاب کو اس بات کا خوب علم تھا کہ اللہ کے نزدیک اسلام ہی پسندیدہ دین ہے؛ کیونکہ تورات اور انجیل میں اللہ تعالیٰ نے اس کو بیان فرمایا ہے اور یہ ان کا اختلاف اشتباہ اور خفاء کی بناء پر نہ تھا؛ بلکہ محض باہمی حسد اور آپس کی ضد سے تھا۔ اور جو شخص اللہ کی آیتوں کا انکار یا اللہ کے حکموں سے انحراف کرے اور اسلام اور توحید کو نہ مانے تو خوب سمجھ لو کہ بلا شبہ اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے، ان لوگوں سے اس اختلاف پر محاسبہ کرے گا اور سزا دے گا۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۳) ﴿أُولَٰئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ﴾ (آل عمران:۱۹۹)

ایسے اہل کتاب کے لیے جو قرآن پر بھی ایمان رکھتے ہوں اور کتب سابقہ پر بھی ایمان رکھتے ہوں، خدا تعالیٰ کے یہاں ان کے لیے مخصوص اجر ہے، یعنی ان اہل کتاب کا اجر اور ثواب اور لوگوں سے زیادہ ہے، جیسا کہ ارشاد باری ہے: **اولئك يؤتون اجرهم مرتين** اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ اہل کتاب کو دوہرا اجر ملے گا اور بہت جلد ملے گا جس میں دیر نہ ہوگی، اس لیے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ جلد حساب کرنے والا ہے، سب کے اعمال کا حساب بے باق کر دیا جائے گا۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۴) ﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ﴾ (مائدہ:۴)

حق تعالیٰ شانہ نے ان آیات میں شکار کے حلال ہونے کی شرائط کی طرف اشارہ فرمایا، اول یہ کہ وہ شکاری جانور تعلیم یافتہ یعنی سدھایا ہوا ہو؛ کیونکہ جب اس نے آدمی کی خو سیکھی تو گویا کہ آدمی نے ذبح کیا، اس لیے سدھانا اور تعلیم دینا شرط ہوا، اور جانور کے تعلیم یافتہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ مالک کے کہنے سے شکار پر حملہ کرے اور اس کے منع کرنے سے رک جائے، جب یہ حالت کم از کم تین مرتبہ تجربہ میں آجائے تو وہ تعلیم یافتہ سمجھا جائے گا، دوم یہ کہ شکار کو وہ خود نہ کھائے، اپنے مالک کے لیے روک لے، سوم یہ کہ کتے کو شکار پر چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھی گئی ہو، اور اللہ سے ڈرو یعنی ایسے شکار کو مت کھاؤ جس میں شرائط مذکورہ میں سے کوئی شرط مفقود ہو، تحقیق اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والا ہے، جو حرام کھائے گا اس سے مؤاخذہ ہوگا۔

(۵) ﴿وَاللَّهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ ۚ وَهُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ﴾ (رعد:۴۱)

اور اللہ حکم دیتا ہے جو چاہتا ہے، کوئی اس کے حکم کو پیچھے ہٹانے والا نہیں اور وہ جلد حساب لینے والا ہے، کافروں کو

جلد سزا دے گا اور مؤمنوں کو جلد جزا دے گا۔

(٦) ﴿لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾ (ابراہیم:۵۱)

اور اس دن تو مجرموں کو زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھے گا، پیروں میں بیڑیاں اور گردن مین طوق ہوں گے اور ان کے کرتے قطران کے ہوں گے، قطران سیاہ روغن گندھک کو کہتے ہیں جو نہایت بدبودار اور بدرنگ ہوتا ہے اور ایک دم آگ سے بھڑک اٹھتا ہے، اور چھا جائے گی ان کے چہروں کو آگ، اور یہ سب کچھ ان لوگوں کے ساتھ اس لیے ہوگا کہ اللہ جزاء دے ہر نفس کو جو اس نے کمایا ہے، بے شک اللہ جلدی حساب لینے والا ہے، اس کو اولین اور آخرین کا حساب کوئی دشوار نہیں، ایک سے حساب دوسرے سے حساب لینے کے لیے مانع نہیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

(٧) ﴿وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾(نور:۳۹)

اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے، اسے حساب لینے میں کوئی دیر نہیں لگتی، اسے کیا مشکل ہے، یہ مثال ان کافروں کے اعمال کی ہے، جنہوں نے دنیا میں کچھ صدقہ اور خیرات کیا اور کچھ نیک کام کیے اور ان کو ذریعۂ آخرت خیال کیا کہ ہم نے کچھ نیکی حاصل کی اور ہمیں اس کا ثواب ملے گا تو یہ کافر دنیا میں اپنے اعمال کو پانی کی طرح سمجھتا رہا کہ وقت پر میرے کام آئیں گے؛ حالانکہ وہ کفر اور شرک کی نحوست کی وجہ سے حقیقت میں پانی نہ تھے؛ بلکہ ظاہری طور پر صورۃً وہ پانی کے مشابہ تھے اور درحقیقت وہ سراب تھے، چمکتے ہوئے ریت کے مشابہ تھے، جب تشنگی سے بے تاب ہوکر وہاں پہنچا تو کچھ نہ پایا اور اس وقت تو حقیقت کھلی اور امید پر پانی پھر گیا اور بصد ہزار حسرت وغم پیاسا مر گیا، اس کو امید تھی کہ اللہ میرے ان اعمال سے راضی ہوگا، جب مر کر خدا کے پاس پہنچا تو بجائے آبِ حیات کے اسے آتش غضب الٰہی نظر آئی اور عمر بھر کی بداعمالیوں کا حساب کر دیا گیا اور ہمیشہ کے لیے عذاب میں مبتلا ہوا اور تباہ و برباد ہوا۔ (معارف القرآن ادریسی)

(٨) ﴿اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ۭ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾ (مومن:۱۷)

آج کے دن بدلہ دیا جائے گا ہر شخص کو اسی کام کا جو اس نے کیا، نہ کسی کی نیکی ضائع ہوگی اور نہ کسی کی برائی چھپی رہے گی، آج کے دن کچھ ظلم نہ ہوگا، اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ تمام خلائق ایک کھلے میدان میں اللہ رب العزت کے روبرو حاضر ہوں گے؛ نہ کوئی شخص اس کی نظروں سے غائب ہوگا اور نہ کوئی عمل اس سے چھپا ہوگا، اس حساب کی سرعت کا عالم یہ ہوگا کہ تمام مخلوق سے حساب اس قدر سریع ہوگا جیسے ایک انسان سے حساب کر لیا جائے، جیسے کہ ارشاد مبارک ہے: ﴿مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ﴾ اور اللہ رب العزت کی بارگاہ میں تو ہر بڑے سے بڑا کام بھی بس پلک جھپکنے میں ہوجاتا ہے۔ ﴿وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۢ بِالْبَصَرِ﴾ (معارف القرآن ادریسی)

عقاب کے ساتھ ۲ آیات میں مذکور ہے:

(۱)﴿اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (انعام:۱۶۵)

جس طرح وہ دنیا میں فرق مراتب پر قادر ہے، اسی طرح وہ آخرت میں جزاء وسزا میں فرق مراتب پر قدرت رکھتا ہے، خوب سمجھ لو کہ تحقیق تیرا پروردگار دین میں مختلف راہیں نکالنے والوں کو جلدی سزا دینے والا ہے اور تحقیق وہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے، اگر یہ نافرمان اب بھی ایمان لے آئیں تو وہ سب گناہوں کو معاف کردے۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۲)﴿اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (اعراف:۱۶۷)

بے شک تیرا پروردگار جب چاہے جلد سزا دینے والا ہے کہ جب گستاخی اور سرکشی میں حد سے گزر گئے تو دم کے دم میں بندر اور لنگور بنا دیا اور بے شک وہ توبہ کرنے والوں کے لیے بخشنے والا مہربان ہے کہ مغفرت کے بعد مہربانی بھی فرماتا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

شدید العقاب

الشدید عزوجل، اشد، شدید العقاب، شدید المحال یہ تینوں اسماء ہم معنی ہیں یعنی سخت عذاب دینے والا، سخت سزا دینے والا، سخت قوت والا اور قوت دینے والا، سخت مقابلہ والا۔

﴿وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا﴾ (نساء:۸۴)

اور اللہ تعالیٰ زیادہ زور والا اور سخت سزا دینے والا ہے۔

﴿وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ﴾ (ص:۲۰)

اور ہم نے اس کی (حضرت داؤد علیہ السلام کی) سلطنت زوردار مضبوط کردی اور انہیں فیصلہ کن بات کہنے کی (صلاحیت) عطا کی۔

﴿فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ (بقرہ:۲۱۱)

پس بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب (دینے) والا ہے۔

﴿وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ﴾ (بقرہ:۱۶۵)

اور یہ کہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔

﴿وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ﴾ (رعد:۱۳)

اور وہ (اللہ تعالیٰ) سخت عذاب والا ہے۔

قرآن کریم میں ۱۴ مرتبہ شدید العقاب، ایک مرتبہ شدید العذاب اور ایک مرتبہ شدید المحال آیا ہے اور شدید (اور اشد) بطور فعل ۶ مرتبہ آیا ہے۔

ان آیات سے امام جعفر صادق، سفیان بن عیینہ، ابوزید، بغوی، ابن ماجہ، طبرانی، ابن مندہ، ابونعیم اور ابن حجر رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے الشدید عزوجل تخریج کیا ہے۔

صرف قرطبی اور ابن قیمؒ نے شدید العقاب عزوجل تخریج کیا ہے۔

صرف ابن العربیؒ نے شدید المحال عزوجل تخریج کیا ہے۔

شَدّ لغت میں گروہ دینے کو کہتے ہیں، بعدازاں اس کا استعمال جسم اور قوی اور عذاب کے استحکام میں کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ کی صفت ﴿شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ ﴿شَدِيْدُ الْمِحَالِ﴾ ہے۔

شدید کے مقامات:

یہ صفت قرآن شریف میں بارہ مقامات پر آئی ہے، عقاب کے ساتھ مضاف ہوکر دس آیات میں، عذاب کی طرف ایک آیت اور محال کی طرف مضاف ہوکر ایک آیت میں مستعمل ہے۔

صفت شدید جن آیات میں آئی ہے ان پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مواقع انتہائی دقیق اور مضبوط ہیں، اسی میں مؤمنین کے لئے رحمت کا بھی احساس ہو رہا ہے۔

صفت شدید، عقاب کے ساتھ:

وہ دس آیات جن میں عقاب کی طرف مضاف ہے:

﴿وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ (بقرہ:۲۱۱)

﴿كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ (آل عمران:۱۱)

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ (انفال:۱۳)

﴿فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ۗ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ (انفال:۴۸)

﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ (رعد:۶)

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ (حشر:۴)

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ (بقرہ:۱۹۶)

﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ (انفال:۲۵)

﴿وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ (مائدہ:۲)

﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۤ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾
(حشر:۷)

عذاب کے ساتھ:

﴿وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ﴾ (بقرہ:۱۶۵)

محال کے ساتھ:

﴿ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَاۗءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ﴾ (رعد:۱۳)

پہلی دس آیات کے دو محور ہیں:

(۱) وہ محور جس کا تعلق اہل کتاب یا مشرکین کے افعال شنیعہ سے ہیں، جن کی وجہ سے وہ سزا کے مستحق ہوئے ہیں۔ تو وہاں عقاب کے ساتھ ختم کیا گیا، صفت شدید تو افعال کے برے ہونے کی وجہ سے اور عقاب کی اضافت اس وجہ سے کی گئی کہ وہ افعال شنیعہ سے سزا کے مستحق ہوئے۔

امام ابو ہلال فروق اللغویہ میں لکھتے ہیں:

العقاب ینبئی عن استحقاق، وسمی بذلک لان الفاعل یستحقه عقیب فعله، ویجوز ان یکون العذاب مستحقا وغیر مستحق. (ص:۲۲۹)

علامہ آلوسی فرماتے ہیں: وان اللّٰه شدید العقاب، وفائدة هذه الجملة المبالغة فی تحویل الخطب وتفظیع الامر. (۲/۵۳)

(۲) دوسرا محور: اوامر ونواہی کے ذریعہ مؤمنین کو اطاعت کا حکم دیا جا رہا ہے اور عدم اطاعت کی شکل میں تنبیہ کی جا رہی ہے، ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ (بقرہ:۱۹۶) اس آیت میں حج کے احکام کے بعد تقوی کا حکم دیا گیا اور اس مناسبت سے ''شدید العقاب'' بھی لایا گیا، عذاب سے ڈرنے والا التقوی اختیار کرے گا۔

لیکن مؤمنین وکفار دونوں کو شدید العقاب سے یکساں مخاطب کرنا مناسب نہیں تھا تو مؤمنین کو ساتھ میں

''وَاتَّقُوا اللّٰہَ' اور' وَاعْلَمُوْا'' کے نصائح سے متوجہ کیا گیا، جبکہ کفار کے لئے اس طرح کا کوئی ترغیبی جملہ استعمال نہیں فرمایا گیا:﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاۗصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ (انفال: ۲۵) سورۂ حشر کی آیت نمبر: ۷ میں بھی مؤمنین کو اوامر ونواہی کی بجا آوری کے لئے تقویٰ کی ترغیب دی گئی۔

عذاب وعتاب میں فرق:

مسلسل تکالیف کو عذاب کہتے ہیں اور عقاب اس عذاب کے مستحق ہونے کو کہتے ہیں اس اعتبار سے ہر عقاب عذاب ہوگا، لیکن ہر عذاب کا عقاب ہونا ضروری نہیں ہے، لٰہذا عذاب عقاب سے اشد ہوا۔ (الفروق اللغویۃ:۲۶۹)

شدید عقاب کے ساتھ ۷ آیتوں میں مذکور ہے:

(۱)﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ (بقرہ:۱۹۶)

پس جو شخص ان ایام میں حج اور عمرہ دونوں سے بہرہ مند ہو؛ لیکن ناداری کی وجہ سے اس کو ہدی میسر نہ آئے تو اس کے ذمہ تین روزے تو زمانۂ حج میں واجب ہیں، جن کا آخری دن نویں تاریخ ذی الحجہ ہے اور اگر اس سے پہلے ہی تین روزے رکھ لے تو وہ بالا جماع جائز ہیں، اور ان تین کے علاوہ سات روزے جب رکھو کہ جب تم حج سے فارغ ہو کر اپنے وطن واپس ہونے لگو، پس یہ پورے دس دن کے روزے ہوئے، اور زمانۂ حج میں عمرہ اور حج کو ملا کر متمتع اور منتفع ہونے کی یہ اجازت صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو مسجد حرام کے قرب وجوار اور اس کے آس پاس رہنے والے نہ ہوں، یعنی حدود حرم اور حدود مواقیت سے باہر کے رہنے والے ہوں اور جو لوگ حدود حرم کے رہنے والے ہیں وہ صرف اِفراد کریں، یعنی فقط حج کا احرام باندھیں، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو؛ مبادا کہ حالت احرام میں کوئی جنایت کر بیٹھو اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا والے ہیں، احرام کی حالت، دربار کی حاضری کی علامت ہے اور دربار میں حاضر ہو کر جنایت اور معصیت کا مرتکب ہونا سخت جرم ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۲)﴿فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ (بقرہ:۲۱۱)

چند تنبیہات اور تہدیدات کو ذکر فرماتے ہیں کہ حق جل شانہ کے صریح اور واضح حکم کے بعد عدول حکمی موجب عذاب ہے، اگر تم کو اس میں کچھ تردد ہے تو بنی اسرائیل سے پوچھ لو کہ ہم نے ان کو کتنی واضح اور روشن دلیلیں عطا کی تھیں؛ تاکہ حق واضح اور روشن ہو جائے، یہ حق جل شانہ کی ایک نعمت کبریٰ تھی، اس نعمت کا شکر اور حق یہ تھا کہ دل وجان سے حق کو قبول کرتے؛ لیکن دیدہ ودانستہ حق سے انحراف کیا، نتیجہ یہ نکلا کہ عذاب میں مبتلا ہوئے اور طرح طرح کی ذلتیں دیکھنی پڑیں، جیسا کہ پہلے پارہ میں ان کی شناعتوں اور عقوبتوں کا بیان ہوا اور ہمارا قانون یہی ہے کہ جو شخص اللہ کی نعمت کو بعد اس

کے کہ وہ نعمت خود اس کے پاس پہنچ چکی ہے، یعنی وہ نعمت بلا مشقت کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو ملی ہے، پس جو شخص ایسی نعمت کو کفر اور معصیت سے بدلے اور اس کے انعامات اور احسانات کی ناشکری کرے تو اللہ تعالیٰ بھی نعمت کو نقمت سے اور انعام کو انتقام سے بدل دیتے ہیں، پس تحقیق کہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب والے ہیں اور ایسے ناشکرے اسی کے مستحق ہیں کہ ان کو سخت سزا دی جائے۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۳) ﴿فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ (آل عمران:۱۱)

ان کا حال اور مآل تو ان فرعونیوں جیسا ہے کہ جس طرح دنیا میں فرعونیوں کو ان کے مال اور اولاد ان کو اللہ کے قہر سے نہ بچا سکے؛ ان کی بھی ایسی ہی گت بنے گی اور کچھ کام نہ آئے گا، اور جس طرح ان سے پہلے لوگوں نے یعنی قوم عاد و ثمود اور قوم لوط نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا؛ پس اللہ نے ان کو ان کے جرائم کی بنا پر پکڑا اور ہلاک کیا، ان کا سارا مال و متاع اور اولاد دھری رہ گئی، اگر تم نے حق کو قبول نہ کیا تو سمجھ لو کہ تمہارا بھی یہی انجام ہوگا اور اللہ تعالیٰ کا عذاب بہت سخت ہے، جس کے مقابلہ میں مال اور اولاد کچھ کام نہیں دیتا۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۴) ﴿وَمَن يُشَاقِقِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ (انفال:۱۳)

کافروں کا مقتول اور مخذول ہونا اس لیے ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا تو بے شک اللہ اس کو سخت عذاب دینے والا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۵) ﴿وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾

(انفال:۲۵)

اور بچتے اور ڈرتے رہو اس فتنہ سے کہ جس کا وبال تم میں سے فقط ان لوگوں پر نہ پڑے گا جنہوں نے خاص کر ظلم کا ارتکاب کیا ہے؛ بلکہ اس کا وبال عام ہوگا، ظالم اور غیر ظالم سب ہی اس کی زد میں آجائیں گے، آیت میں فتنہ سے مداہنت فی الدین کا فتنہ مراد ہے کہ جب لوگ کھلم کھلا منکرات کا ارتکاب کرنے لگیں، اور اہل علم باوجود قدرت کے مداہنت برتیں اور نہ ہاتھ سے اور نہ زبان سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں اور نہ دل سے اس سے نفرت کریں جو آخری درجہ ہے، اور نہ ایسے لوگوں سے میل جول کو چھوڑیں، تو ایسی صورت میں اگر من جانب اللہ کوئی عذاب آیا تو وہ عام ہوگا، جس میں اہل معاصی اور مرتکبین منکرات کی کوئی تخصیص نہ ہوگی؛ بلکہ وہ عذاب مداہنت کرنے والوں پر بھی واقع ہوگا اور جان لو کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۶) ﴿فَلَمَّا تَرَاءَتِ الْفِئَتَانِ نَكَصَ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ وَقَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكُمْ إِنِّي أَرَىٰ مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ ۚ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ (انفال:۴۸)

شیطان کو جبریل اور فرشتے آسمان سے اترتے ہوئے نظر آئے تو شیطان الٹے پاؤں پیچھے ہٹا اور کہا: میں تم سے بیزار اور بے تعلق ہوں، بے شک میں اس چیز کو دیکھ رہا ہوں جس کو تم نہیں دیکھتے، یعنی میں دیکھتا ہوں کہ فرشتے مسلمانوں کی مدد کو آرہے ہیں۔ تحقیق میں اللہ سے ڈر رہا ہوں کہ کہیں قیامت سے پہلے ہی نہ پکڑ لیا جاؤں اور اللہ کا عذاب سخت ہے، باوجود مہلت کے بھی چھوٹا موٹا عذاب دنیا میں مجھے دے سکتا ہے اور دنیا میں مجھ کو جو مہلت دی گئی ہے، وہ عذاب اخروی کے اعتبار سے ہے، جو عذاب دنیوی کے لحاظ سے بہت ہی شدید ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۷) ﴿إِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ (انفال: ۵۲)

دین حق اور نبی برحق کی عداوت اور تکذیب میں مشرکین عرب کا وہی طور وطریق ہے جو فرعونیوں کا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھا، اور جیسے ان سے پہلے قوم عاد اور ثمود کا اپنے پیغمبروں کے ساتھ دستور تھا کہ اللہ کی نشانیوں کو نہ مانا اور نافرمانی کی کوئی پروانہ کی، تو اللہ تعالیٰ نے قیامت سے پہلے ہی ان کو ان کے گناہوں کے سبب پکڑ لیا، یہی حال کفار مقتولین بدر کا ہوا کہ انہوں نے اللہ کی آیتوں کو نہ مانا اور دنیا ہی میں قتل اور قید کے عذاب میں گرفتار ہوئے۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا قوی ہے اور اپنے پیغمبر کے دشمنوں کو سخت عذاب دینے والا ہے، کافر اس کو عاجز نہیں کر سکتے۔ (معارف القرآن ادریسی)

شدید المحال

محال سخت پکڑ کو کہتے ہیں، من قولهم محل به محلا ومحالا اذا اراده بسوء.

(معجم مفردات الفاظ القرآن الکریم: ص: ۵۱۸)

صفت شدید المحال کے ساتھ ایک آیت میں آئی ہے:

(۱) ﴿وَهُوَ شَدِيدُ الْمِحَالِ﴾ (رعد: ۱۳)

اللہ تعالیٰ دنیا میں گرنے والی بجلیاں بھیجتا ہے، پھر ان کو جس پر چاہتا ہے گراتا ہے اور اس کو ہلاک کر دیتا ہے اور یہ کافر لوگ اللہ کے قہر کی پرواہ نہیں کرتے؛ بلکہ یہ لوگ اللہ کی قدرت اور قہر کے بارے میں جھگڑتے ہیں، حالانکہ وہ سخت قوت والا ہے، دشمن اس کے قبضۂ قدرت سے نکل نہیں سکتے۔

حدیث میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے ایک متکبر رئیس کے پاس دعوت اسلام کا پیغام بھیجا، وہ متکبر بولا کہ اللہ کا رسول کون ہے؟ اور اللہ کیا چیز ہے؟ سونے کا ہے یا چاندی کا یا تانبے کا؟ تیسری مرتبہ جب اس نے یہ گستاخانہ الفاظ بکے تو فوراً ایک بادل اٹھا اور اس پر بجلی گری جس سے اس کی کھوپڑی اڑ گئی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (معارف القرآن ادریسی)

مُقِیت

مُقِیت کے معنی نگہبان وعطائے قوت میں توانائی رکھنے والا ہے۔ انہی معنی میں یہ آیت ہے:

﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا﴾ (نساء:۸۵)

مُقِیت قوت سے بھی ہے۔ قوت غذا کی اس مقدار کو کہتے ہیں جو جزو بدن ہو سکے اور قوت وصحت کے قیام کا ذریعہ بن سکے۔

مُقِیت وہ ہے جو جملہ قوائے بدن کو توانائی دیتا ہے۔

مُقِیت وہ ہے جو قوائے روحانی کو غذا بخشتا ہے۔

مُقِیت وہ ہے کہ نباتات و جمادات اور حیوانات، جن و ملک اپنی اپنی طبعی ساخت اور اقتضائے فطرت کے مطابق اس کی روزی سے پل رہے ہے، بڑھ رہے، نشوونما پا رہے ہیں۔

دماغ کی غذا، قلب کی غذا، روح کی غذا وہی مہیا کرتا ہے اور اسی کی غذا سے ان سب کی تربیت وتقویت وتنویر ہوتی ہے۔ (قاضی منصور پوری: ۱۱۷)

المقیت: مقیت کی تعریف میں علماء لغت نے لکھا ہے کہ وہ ذات جو ہر چیز کو روزی دیتی ہے اور دوسری تعریف یہ ہے کہ وہ حفاظت کرنے والا جو ہر چیز کی اس کی ضرورت کے مطابق حفاظت کرتا ہے۔

یہ لفظ سورۂ نساء: ﴿مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا﴾ (نساء:۸۵) میں جہاد کے سیاق میں آیا ہے، لہذا قادر کے معنیٰ زیادہ قریب معلوم ہوتے ہیں، آیت کا لفظ علی کل شیئ بھی قادر کے مناسب ہے۔ امام بیہقی فرماتے ہیں: المقیت هو المقتدر فیرجع معناه الی صفة القدرة، وقیل: المقیت الحفیظ، وهو معطی القوت فیکون من صفات الفعل. (الاعجاز البیانی: ۱۳۳)

اگر کوئی یہ اشکال کرے کہ جب مقیت قادر یا مقتدر کے معنیٰ میں ہے تو پھر قادر کا لفظ کیوں نہیں لایا گیا؟ تو امام غزالیؒ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ مقیت کا معنیٰ غالب ومستولی علی الشیئ کے ہے اور غلبہ واستیلاء قدرت وعلم سے مکمل ہوتا ہے، لہذا مقیت کا لفظ صفت علم وقدرت دونوں کا مجموعہ ہے جو صرف تنہا صفت قادر یا عالم سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ (المقصد الاسنیٰ: ۱/ ۱۱۳)

مقیت ایک آیت میں آیا ہے:

﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا﴾ (نساء:۸۵)

منافقین ایک دوسرے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سفارش کیا کرتے تھے کہ آپ انہیں جنگ سے پیچھے رہنے کی اجازت دے دیں اور مومنین کا طریقہ یہ تھا کہ وہ اگر کسی کے پاس سامان جنگ نہ دیکھتے تو دوسرے صاحب مقدرت مسلمانوں سے کہہ سن کر ان کو سامان جنگ دلوا دیتے؛ تاکہ جہاد میں شریک ہوسکیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ جو شخص اچھی یا بری سفارش کرے گا اس کی جزاء وسزا اس کو بھگتنی پڑے گی، اور یہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، یعنی وہ اچھی سفارش پر ثواب اور بری سفارش پر عذاب دینے پر قادر ہے، نہ کوئی اس کے ثواب کو روک سکتا ہے اور نہ کوئی اس کی سزا کو، اور بعض علماء نے مقیت کے معنی نگہبان کے کیے ہیں، اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگہبان ہے یعنی اچھی اور بری سفارش اس کی نظروں سے پوشیدہ نہیں، وہ ہر سفارش کرنے والے کے حال سے بخوبی واقف ہے۔(معارف القرآن ادریسی)

خلاصہ یہ ہے کہ اچھی بری سفارش پر بدلہ دینے پر قدرت کی دلیل ذکر کی، کوئی یہ نہ سمجھے کہ مخلوق کی اتنی بڑی تعداد اور ان کے اعمال کا تنوع کیسے شمار میں آئے گا، اس کا جواب دیا کہ وہ مکمل نگران ہے، کوئی چیز اس سے مخفی نہیں ہے۔

الاحد

واضح ہو کہ ائمہ لغت کے نزدیک احد دراصل وحد تھا۔ واؤ کو ہمزہ سے بدل دیا گیا ہے، ہاں معنی کے اعتبار سے بھی واحد اور احد ایک ہی سمجھے جاتے ہیں، علامہ میر درد دہلی لکھتے ہیں کہ جامع الدعوات بیہقی اور سنن ترمذی میں اسم احد نہیں وارد ہوا، البتہ جامع الاصول ابن اثیر کی روایت میں **واحدُ الاَحد** مروی ہے۔

ہر دو اسماء کے متحد المعنی ہونے کا راز یہ بھی ہوگا کہ ہر دو اسماء توحید خالص پر دال ہیں اور ایسے اسماء اصلاً ومعناً ودلالۃً بھی ایک ہی ہونے چاہئے۔

خصوصیات:

علماء معانی نے ہر دو اسماء کی کچھ خصوصیات بھی بیان کی ہیں۔

واحد وہ ہے جو عدیم التجزی ہے یعنی جس کا تجزیہ نہیں ہوسکتا ہے۔

احد وہ ہے جو عدیم التثنی ہے یعنی جس کی نظیر کوئی نہیں۔

لفظ واحد کا اطلاق محل اثبات میں دیگر اشیاء پر بھی ہوجاتا ہے جیسے رجل واحد ودرہم واحد (ایک آدمی، ایک روپیہ) مگر لفظ احد کا اطلاق اثباتاً اللہ کے سوا اور کسی پر نہیں ہوتا۔ ہاں لفظ احد کا استعمال نفی دیگر میں ہوتا ہے اور اس وقت نفی

نہایت مکمل نفی ہوتی ہے۔ مثلاً: ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾ (الاخلاص:۴) پر غور کرو کہ کفوالٰہی کی نفی لفظ احد سے کی ہے اور یہ ایسی نفی ہے کہ اس کے بعد کوئی استثناء وغیرہ نہیں ہوسکتا۔ (ترجمہ) ''کہو اللہ کا کفو کوئی بھی تو نہیں۔''

ملحوظہ:

یہ بھی یادرکھنا چاہئے کہ قرآن مجید میں لفظ احد بطور اسم پاک صرف ایک ہی مقام ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ (الاخلاص:۱) میں مستعمل ہوا ہے اور یہ بھی دلائل احدیت میں سے ایک عجیب دلیل ہے، احدیت اپنی شان میں ایسی مکمل ہے کہ تکرار لفظی بھی نہیں ہوا۔ واہ، وا! مرحبا۔ زہے خوب!

اب یہ بھی غور کرو کہ اس مقام پر بھی اسم احد، الف لام تعریف سے مستغنی ہے، یعنی اسم احد اپنی ایسی شان میں جلوہ گر ہے کہ تعریف کی ضرورت نہیں اور احدیت ایسے کمال میں ہے کہ کسی زائد حرف کا نفاذ بھی نہیں ہوا۔

الواحد

قرآن پاک میں لفظ **واحد** بطور اسم پاک اکیس مقامات پر آیا ہے اور غور کے بعد واضح ہوجاتا ہے کہ اس کا اقتران یا تو لا إله إلا الله کے ساتھ ہوا ہے یا **قَهَّارُ** کے ساتھ۔

یعنی لفظ واحد ایسا وحدت پسند ہوا کہ ترکیب اقترانی میں بھی وہ ایسے کلمہ یا اسم کے ساتھ مستعمل ہوا ہے کہ وہ خود بھی شرکت سے دور ہیں۔

﴿اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ﴾ (سبا:۴۶)

''تم کو صرف ایک بات نصیحت کی کہتا ہوں۔''

ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا (المدثر:۱۱)

''وہ جسے میں نے تنہا بلا شرکت غیر سے پیدا کیا ہے۔''

حضرت عمر فاروقؓ کی صفت میں ہے:

''لقد احدثت به اُمّهٗ''

''ان کی ماں نے یکتا، بے مثل جنا، اس کی ماں نے اسی کو جنا۔''

بے شک اللہ تعالیٰ واحد ہے اور اسی کی وحدت ذاتی ہے۔

مخلوق میں سے کسی کو بھی ایسی وحدت حاصل نہیں، یہ کہا جاسکتا ہے کہ ذات پاک کے سوا جملہ اعیان واجسام کا ظہور دو اصلوں سے ہے، آدمؑ جو یقیناً ماں باپ کے بغیر پیدا ہوئے، ان کی پیدائش کی اصل یہی پانی اور مٹی ہے، پس

جب جملہ اعیان اجسام کی پیدائش اَصلَین پر مبنی ہے تو ثابت ہو گیا کہ الواحد اللہ تعالیٰ ہی کا پاک نام ہے۔
(قاضی منصور پوری:۱۶۱)

واحد ایک آیت میں آیا ہے:

(۱) ﴿اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ﴾ (صافات:۴)

بے شک تمہارا معبود اپنی ذات و صفات میں اور اپنے اقوال و افعال میں ایک ہے یعنی یکتا اور یگانہ ہے، یہ جواب قسم ہے، قسم کھا کر اپنی توحید الوہیت کو بیان فرمایا، اب آئندہ اس بات میں اپنی توحید ربوبیت کو بیان کرتے ہیں، اور مطلب یہ ہے کہ آسمان اور زمین کے تمام فرشتے اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ البتہ خدائے برحق ایک ہے اور وہی آسمان و زمین کا خالق ہے اور وہی سارے عالم میں متصرف ہے، جس کی دلیل یہ ہے کہ وہ رب السمٰوٰت والارض ہے اور تمام ثوابت و سیارات سب اس کے حکم کے سامنے مسخر ہیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

صمد

صَمَد وہ ہے جس میں جوف (کھلا کھلا پن) نہ ہو، جس میں سے کوئی شے خارج نہ ہو، جس کی احتیاج (ضرورت) سب کو ہو، جو جملہ انواع شرف و سیادت میں کامل ہو، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی بھی صَمَد ہونے کی شان نہیں رکھتا، اس کا کوئی کفو (ہمسر) نہیں۔ اس کی کوئی مثل نہیں، واحد القہّار وہی ہے۔ (علی بن ابی طلحہ عن ابن عباسؓ)

صَمَد وہ ہے جو کھانا نہ کھائے۔ (حکیم ابن امان عن عکرمہ)

صَمَد وہ ہے جو نہ کھائے نہ پیے۔ (شعبیؒ)

صَمَد وہ ہے جو پیدا شدہ نہ ہو، جس سے کوئی پیدا نہ ہو، کیونکہ ہر ایک پیدا ہونے والی شے کے لئے موت ہے، ہر ایک مرنے والے کے لیے ورثہ ہے، اللہ کے لیے نہ موت ہے نہ وارث ہے، کوئی اس کا کفو نہیں، کوئی اس کا مشابہ نہیں، کوئی اس کے برابر کا نہیں، کوئی اس کی مثال کی مثال جیسا بھی نہیں۔

صَمَد میں معنیٰ جامعیت پائے جاتے ہیں، مثلاً مکان مرتفع مضبوط کو مصمود کہتے ہیں، پس صمد وہ ہے جو اپنی ہستی میں مجتمع قوی ثابت ہو اور باقی سب لوگ اس کے احتیاج مند و دست نگر ہوں، وہی مرجع حاجات ہو اور منتہی کمالات۔ (ابن تیمیہؒ)

صَمَد وہ سید ہے جو سب پر حکمران ہو۔ (امام بخاریؒ)

واضح ہو کہ یہ اسم پاک بھی صرف سورۂ اخلاص میں آیا ہے، قرآن مجید کے دیگر کسی مقام پر نہیں آیا جس طرح بلحاظ معنیٰ عجیب ہے، اسی طرح بلحاظ استعمال غریب ہے۔ (قاضی منصور پوری:۱۶۷-۱۶۹)

الصمد: یہ ایک جگہ سورۂ اخلاص میں آیا ہے۔ اس جگہ ذکر کرنے کی وجہ اور مناسبت یہ ہے کہ یہ سورت اللہ پاک کا نسب دریافت کرنے کے جواب میں نازل ہوئی ہے، لہذا اس میں صفات کمال وجلال کا ذکر ہے، صفت صمدیت تمام صفات کو شامل ہے، کیونکہ اس کی تفسیر یہ ہے کہ سب اس کے محتاج ہوں اور وہ کسی کا محتاج نہ ہو، اسی کی طرف ساری حاجات لے کر لوگ جاتے ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے، آپ نے فرمایا:

"هو السيد الذي قد كمل في سؤدده، والشريف الذي قد كمل في شرفه، والعظيم الذي قد كمل في عظمته، والحليم الذي قد كمل في حلمه، والعليم الذي قد كمل في علمه، والحكيم الذي قد كمل في حكمه، وهو الذي قد كمل في أنواع الشرف والسؤدد". فكأن (الصمد) يشمل أسماء الله وصفاته جميعها، فهو اسم موجز تمام الإيجاز، فقد جاء في البرهان للإمام الزركشي: "ومن بديع الإيجاز قوله تعالى: قل هو الله أحد، الله الصمد، فإنها نهاية التنزيه". (البرهان في علوم القرآن: ۳/۲۲۵)

احد اور صمد سورہ اخلاص میں ہے:

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ﴾ (اخلاص:۱، ۲)

کہہ دیجئے اے ہمارے پیغمبر! جب یہ لوگ پوچھ رہے ہیں کہ آپ کے رب کی صفت کیا ہے؟ تو کہہ دیجئے: وہ خدا ایک ہی ہے، وہ اپنی ذات وصفات میں یکتا ہے، ذات میں یکتائی اس طرح کی کہ نہ اس کی ذات میں کوئی شریک ہے اور نہ اس کی الوہیت میں، اور صفات میں یکتائی یہ ہے کہ وہی ازلی ہے اور کوئی نہیں، وہی ابدی ہے اور کوئی نہیں، وہی قادر مطلق ہے اور کوئی نہیں، وہی علیم وخبیر ہے، اس کے احاطۂ علم سے کوئی چیز باہر نہیں، خواہ ظاہر ہو یا باطن؛ حتی کہ دلوں کے راز بھی وہی جاننے والا ہے اور کوئی نہیں، وہی رحمان ورحیم ہے، اس کے سوا اور کوئی نہیں، اس کی توحید ذات وصفات اس امر کو مستلزم ہے کہ وہی اللہ بے نیاز ہے، کسی کی اس کو حاجت نہیں؛ بلکہ سب ہی اس کے محتاج ہیں، تو ظاہر ہے صرف ایسا ہی ایک خدا عبادت کا مستحق ہے، ایسے خدا کو چھوڑ کر کسی کی عبادت کرنا یا اس کے ساتھ کسی اور کو عبادت میں شریک کر لینا عقل و فطرت کے خلاف امر اور انسان کا بدترین ظلم اور ذلیل جرم ہے۔

افسوس کہ اس کی ذات وصفات اور وحدانیت کے سمجھنے میں ٹھوکریں کھانے والوں نے بڑی ٹھوکریں کھائیں، کسی نے دو خالق "یزدان" "اہرمن" تجویز کئے اور نور وظلمت کو معبود بنالیا، کسی نے اس کے لیے بیٹا تجویز کر لیا، کسی نے خدائی کو تین خداؤں میں جمع کر دیا، پس سن لینا چاہئے ایسے تمام بعید الفہم لوگوں کو جو اپنی بلادت وحماقت سے یہ کہیں ﴿نَحْنُ

﴿اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ﴾ اور ان کو بھی جو یہ کہیں ﴿عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ﴾ اور ان مسیحوں کو بھی جو مسیح ابن مریمؑ کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور ان کو بھی جو فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں، الغرض ہر انسان کو جو خدا کی خدائی میں کسی کو شریک کرتا ہو یا اس جیسا کسی کو قرار دیتا ہو؛ یہ حقیقت سمجھ لینی چاہئے کہ وہ خدا ایسا واحد و یکتا ہے کہ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا؛ اس لیے کہ وہ احد و صمد ہے اور احدیت و صمدیت کا تقاضا یہی ہے کہ نہ اس کو کوئی بیٹا اور اولاد ہو اور نہ وہ کسی کی اولاد ہو؛ کیونکہ یہ چیز سراسر شرکت اور احتیاج ہے، لہٰذا احدیت و بے نیازی کے ساتھ کیونکر جمع ہو سکتی ہے اور اس کی یہ شان احدیت اس امر کو بھی مقتضی ہے کہ نہیں ہے اس کا کوئی بھی ہمسر اور مثال و نمونہ کہ ادنیٰ سے ادنیٰ مشابہت بھی رکھے۔ جیسے کہ ارشاد فرمایا گیا: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ اس لیے کہ اگر کسی میں مشابہت و مماثلت فرض کی جائے تو لامحالہ دو کا کسی ایک وصف میں برابر ہونا لازم آئے گا اور یہ برابری خداوند عالم کی شان کبریائی کے بھی منافی ہوگی اور معنوی طور پر وحدانیت کا بھی ابطال لازم آئے گا، جس کا نتیجہ یہی ہے کہ وہ واحد و یکتا ایسا بے نیاز ہے کہ اس کو نہ خاندان و قبیلہ کی ضرورت ہے، نہ بقاو نسل کے لیے نہ دیگر کسی امر کے باعث، اور نہ ہی اس کا کوئی نمونہ اور مثال ہے۔ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ۔ (معارف القرآن ادریسی)

خلاصہ کلام یہ کہ شرک کی مکمل نفی کرنے کے لئے صفت احد سے زیادہ مناسب کوئی صفت نہیں تھی، لہٰذا اس کا ذکر کیا گیا، پھر اللہ الصمد سے اخر تک اسی اجمال کی تفصیل کی گئی تا کہ سامع کا ذہن مکمل مرتکز ہو جاوے اور احد فرمایا واحد نہیں فرمایا کیونکہ واحد کے بعد تثنیہ آتا ہے اور احدیت میں ذات کی نفی ہے۔

الحمید

وہ مدح اور شکر کے معانی کا جامع بھی ہے اور اُن سے کچھ زائد معانی بھی اپنے اندر رکھتا ہے، لفظ حمد تو جملہ صفات جمالیہ کا جامع ہے۔ وہ ہر ایک وصف کو جو قدرت و حکومت الٰہیت و عظمت پر حاوی ہے، اپنے اندر احاطہ کئے ہوئے ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اس دعا پر غور کرو۔

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِاَنَّ لَکَ الْحَمْدَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ یَا حَنَّانُ یا مَنَّانُ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَا ذَالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ یاحَیُّ یاقَیُّوْمُ"

''یا اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں اس لیے کہ تیرے ہی لیے سب صفات ہیں، تو ہی معبود ہے، اے احسان کرنے والے، اے پیدا کرنے والے آسمان وزمین کے، اے صاحب بزرگی اور عزت کے، اے زندہ، اے قائم۔''

غور کرو کہ پہلے اللہ تعالیٰ کو حمد کا مالک اور اسی کی تفصیل میں الوہیت، حنانت منّت، ابداع، جلال واکرام اور حیات وقیام کا ذکر فرمایا، اس سے بخوبی واضح ہوجاتا ہے کہ حمد کس قدر جامع لفظ ہے، سورۂ فاتحہ میں ہے:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَۙ۝۱ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِۙ۝۲ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِؕ۝۳﴾ (الفاتحہ: ۱، ۲، ۳)

اللہ کی ربوبیت عام، رحمت کاملہ اور رحم تام اور ملکیت دوام کا ذکر فرمایا، اور تب اس کا حمد کے ساتھ مختص و مالک ہونا ظاہر کیا۔ (قاضی منصور پوری: ۱۵۵)

حمید ۱۳ مقامات میں ۴ طریقوں سے (عزیز، غنی، ولی کے ساتھ اور اکیلے) بھی آیا ہے:

تنہا حمید ایک آیت میں ہے:

(۱) ﴿وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚۖ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ﴾ (حج: ۲۴)

اوران کو دنیا میں پاکیزہ قول کی طرف ہدایت کی گئی اور خدائے ستودہ کے راستے کی طرف ان کو ہدایت کی گئی، پاکیزہ قول سے کلمۂ توحید یعنی لا الٰہ الا اللہ مراد ہے اور صراط حمید سے صراط مستقیم اور دین اسلام مراد ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

وفيه طريقان : الاولى ان المراد منه صراط الله المحمود كما قال الخطيب والطوسى، لان الحميد هو الله المستحق للحمد، وكما قال الرازى اى صراط الله الذى هو حميد او صراط الله المحمودة الجنة او المراد منه الاسلام كما قال الآلوسى اى محمود جدا، واضافة الصراط اليه بيانية، والمراد به الاسلام، فانه صراط محمود من يسلكه او هو محمود بنفسه، وعلى اي حال فان الحميد ذكر فى الفاصلة المراد منه الله بحذف المضاف اليه اى صراط الله الحميد. (تبصرة الرحمان: ۴۴/۲۳، الكبير: ۲۱/۲۳، روح المعانى: ۲۷/۱۷)

العزيز الحميد

عزیز کے ساتھ ۳ آیتوں میں ہے:

(۱) ﴿بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ﴾ (ابراہیم: ۱)

یہ کتاب ایک قرآن ہے جو ہم نے تجھ پر اتاری ہے؛ تاکہ تو اس کے ذریعہ سے لوگوں کو کفر اور معصیت کی تاریکیوں سے ایمان اور ہدایت کی روشنی کی طرف نکالے ان کے پروردگار کے حکم سے، یعنی خدا کی توفیق اور ہدایت سے جس کے لیے ہدایت مقدر کی ہے، وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سے ہدایت قبول کرے گا؛ کیونکہ اصل ہادی اللہ تعالیٰ ہیں اور رسول داعی ہیں، اپنی دعوت کے ذریعہ ظلمتوں سے نکال کر روشنی کی طرف یعنی ایسے خدا کے راستہ کی طرف لے جاتے ہیں جو غالب اور ستودہ ہے اور وہ راہ دین اسلام ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

جب کتاب نازل کرنے کی وجہ (لوگوں کو تاریکیوں سے نور کی طرف نکالنا) ذکر کی اور اس کی غایت عزیز وحمید کے راستہ تک پہونچانا بتایا تو ان دونوں صفات کے ذریعہ صراط کی اہمیت کو اجاگر کیا۔عزت سے ہر کمال کی قدرت کی طرف اشارہ ہونے کی وجہ سے اس کو مقدم کیا۔

(۲) ﴿وَيَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ﴾ (سباء:٦)

اور جن لوگوں کو علم دیا گیا یعنی صحابہ کرام یا علماء اہل کتاب ہو، خوب جانتے ہیں کہ جو قرآن من جانب اللہ آپ کی طرف اتارا گیا وہ بلاشبہ حق ہے اور ایسے خدا کی راہ دکھاتا ہے جو غالب ہے اور خوبیوں والا ہے، یعنی جو اس قرآن کی ہدایت پر چلے گا وہ خدا تک پہنچ جائے گا، یا یہ معنیٰ ہے کہ اہل علم اور اہل ایمان قیامت کے دن اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ قرآن نے جس ثواب اور عقاب کی خبر دی تھی وہ بالکل حق ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

دونوں آیتوں میں نزول قرآن ووحی کا ذکر ہے، اور اس کا تعلق عزیز ذات سے ہی ہوتا ہے؛ لہذا صفت عزیز ہی انزال کے مناسب تھی، البتہ صفت حمید ذکر کرنے کی حکمت کیا ہے؟ تو جاننا چاہئے کہ اللہ تعالی مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے بھی حمید ہے، پھر جب عجیب وغریب مخلوقات ومصنوعات پیدا کی تو اب مزید حمد کے استحقاق کے اسباب بھی سمجھ میں آ گئے، اور اللہ تعالی کی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت کتاب کا نزول ہے، اسی کے سبب سے مؤمنین ظلمات سے روشنی کی طرف آئے، **باذن ربھم** سے اسی نعمت ہدایت کی طرف اشارہ ہے لہذا صرف حمد ہی نہیں؛ بلکہ حمد میں مسلسل اضافہ کرنا چاہئے، اسی مناسبت سے ابن عاشور فرماتے ہیں:

واختيار وصف العزيز الحميد من بين الصفات العلى ، لمزيد مناسبتها للمقام؛ لانه الذی لا يغلب، وانزال الكتاب برهان على احقية ما اراده الله تعالى من الناس ، فهو به غالب للمخالفين ، مقيم الحجة عليهم ، والحميد بمعنى المحمود؛ لأن انزال هذا الكتاب نعمةٌ عظيمة ترشد الى حمده. (التحریر والتنویر: ۳۹۹/۷)

(۳) ﴿وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ﴾ (بروج:٨)

ان کو ایمان والوں سے کوئی تکلیف نہیں پہنچی تھی کہ اس کے انتقام میں ایسا کرتے، بجز اس کے کہ وہ ایمان لا چکے تھے اس اللہ پر جو بڑی عزت والا ہر حال میں قابل تعریف ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

مذکور صفات لانے میں حکمت:

یہ دونوں صفات رغبت اور رہبت کا فائدہ دیتی ہیں، عزیز خوف وانتقام کا فائدہ اور صفت حمید مؤمنین کے لئے رحمت کا فائدہ دے رہی ہے، لہذا مؤمنین صبر سے کام لیں اور مجرمین سزا کے لئے تیار رہیں، اور صفت عزیز اشارہ کر رہی

ہے کہ کفار مؤمنین کو آگ میں ڈالتے ہیں، یہ استدراج ومہلت ہے؛ ورنہ اللہ تعالی ابتداء میں ہی ان کو روک سکتے تھے، تو صفت حمیدیت نے بتایا کہ وہ اپنے نیک بندوں پر رحم ضرور فرمائے گا، کفار سے مکمل انتقام اور مؤمنین کے ساتھ رحم، یہ دونوں صفات کا حاصل ہے۔ کفار سے جلدی انتقام نہ لینا یا ان کی مؤمنین کو اذیت دینے پر قدرت یہ سب اس کی مشیت اور مصلحت کا تقاضہ ہے۔

قال الرازی: واشار بقوله (الحمید) الی ان المعتبر عنده سبحانه وتعالی من الافعال عواقبها، فهو وان کان قد امهل لکنه ما اهمل، فانه تعالی یوصل ثواب اولئک المومنین الیهم، وعقاب اولئک الکفرة الیهم، ولکنه لم یعاجلهم بذلک لانه لم یفعل الا علی حسب المشیئة او المصلحة علی سبیل التفضل۔ (تفسیر الرازی:۱۶/۱۲۱)

غنی حمید

غَنِيَ غَنَاءً غُنْيَانًا کثرت مال واسباب کی وجہ سے کسی کا دست نگر نہ ہو۔

اللہ تعالی کا نام غنی اس لیے ہے کہ وہ اپنی مخلوق میں سے کسی شخص، کسی شے کا محتاج نہیں، غنی مطلق وہی ہے:

﴿فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (آل عمران:۹۷)

''اللہ تو جملہ عوالم سے مستغنی ہے۔''

قرآن مجید پر غور کرو، یہ اسم پاک اسم حَمید، کریم، حلیم کے ساتھ مستعمل ہوا ہے۔

اللہ تعالی غنی ہے اور جملہ نعوت ومحامد، جلال وکمال کا مالک ہے۔

اللہ تعالی غنی ہے، اسے مخلوق سے کوئی احتیاج نہیں بلکہ وہ اپنے جودوکرم اور فضل وافضال سے سب کو سب کچھ دینے والا ہے۔

اللہ تعالی غنی ہے اور بایں ہمہ سائلوں کے سوال اور گداؤں کی درخواستوں کو وہ سنتا ہے، پورا کرتا ہے۔

﴿وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ﴾ (محمد:۳۸)

''اللہ غنی ہے اور سب فقیر وحاجت مند ہیں۔'' (قاضی منصور پوری:۱۸۷)

یہ صفت دس مقام پر آئی ہے اور سب جگہ مناسبت واضح ہے۔ اللہ پاک بندوں کی عبادت کا محتاج نہیں ہے، لہٰذا کوئی عبادت پر فخر نہ کرے اور کفر کرنے والے بھی جان لے کہ وہ تمہارے ایمان کا بھی محتاج نہیں ہے، کفر پر تم کو سخت سزا ملے گی، ساری مخلوق فقیر ومحتاج ہے اور وہی بے نیاز وقابل تعریف ہے۔

قال الإمام ابن عاشور: " ومن كفر فإن الله غني حميد، لإفادة أن الإعراض عن الشكر بعد

استشعاره كفر للنعمة، وأن الله غني عن شكره بخلاف المخلوقات، وهو حميد أي كثير المحمودية بلسان الكائنات كلها حتى حال الكافر به، كما قال تعالى: ﴿وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ﴾ (التحریر والتنویر: ۱۱/۱۱۹)

صفت غنی کے ساتھ اس میں تین طریقے ہے:

[ا] پانچ آیتوں میں تاکید کے طرز پر مذکور ہے۔

(۱) ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ﴾ (بقرہ: ۲۶۷)

جو چیز تمہارے لئے زمین سے نکالی ہے اس میں سے بھی پاکیزہ اور عمدہ ہی چیز خرچ کرو، اور خراب اور گندی چیز کا ارادہ بھی نہ کرو کہ اس میں سے کچھ خدا کی راہ میں خرچ کرو، خدا کی راہ میں خبیث اور ناپاک مال خرچ کرنے کا ارادہ اور نیت بھی گستاخی ہے، البتہ اگر بلا قصد اور بلا ارادہ تمہاری خیرات میں کوئی خراب چیز مل جائے تو اس پر مواخذہ نہیں؛ حالانکہ تمہارا حال یہ ہے کہ اگر تمہارا حق کسی کے ذمہ چاہتا ہو اور وہ تم کو کوئی خراب چیز دینے لگے تو اس خراب کو لینے والے نہیں مگر یہ کہ تم اس کے لینے میں چشم پوشی کرو، پس جبکہ تم اپنے حقوق میں خراب چیز لینا پسند نہیں کرتے، تو خدا کی راہ میں خراب چیز دینے کو کیسے پسند کرتے ہو اور تم اس بات کو خوب جان لو کہ تمہارا یہ چشم پوشی کرنا حاجت اور ضرورت کی بنا پر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ تو بے نیاز اور بے پروہ ہے، اسے تو پسندیدہ اور پاکیزہ کی بھی ضرورت نہیں اور اللہ تعالیٰ بڑی خوبیوں والا ہے، خوب سے خوب کو پسند کرتا ہے اور پاکیزہ ہی چیز کو قبول کرتا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۲) ﴿وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ﴾ (ابراہیم: ۸)

اور موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ اے میری قوم! وہ وقت یاد کرو جب میرے پروردگار نے میرے ذریعہ تم کو خبردار اور آگاہ کر دیا تھا کہ اگر تم میری نعمتوں کا شکر کرو گے تو البتہ میں تم کو اور زیادہ دوں گا اور اگر تم نے میری ناشکری کی تو سمجھ رکھو؛ بے شک میرا عذاب سخت ہے، تو تم کو ڈرنا چاہئے کہ خدا تعالیٰ ناراض ہو کر اپنی نعمت نہ واپس لے لے۔

اس لیے بعض بزرگوں کا قول ہے کہ اگر اسلام اور ایمان کی نعمت کا شکر کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس میں زیادتی فرمائے گا اور مقام احسان اور مشاہدہ تک پہنچا دے گا، اور موسیٰؑ نے یہ بھی کہا: اے قوم اگر تم اور تمام روئے زمین کے باشندے مل کر بھی خدا کی ناشکری کرنے لگو تو خوب سمجھ لو کہ تحقیق اللہ بے نیاز ہے، اسے کسی کے شکر کی ذرہ برابر ضرورت نہیں اور نہ تمام عالم کی ناشکری سے اس کا کوئی ضرر، اور وہ ستودہ ہے اور کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی تسبیح وتحمید میں غرق ہے۔

(معارف القرآن ادریسی)

خلاصہ یہ کہ صفت استغناء کو صراحۃ بتانا تھا، کیونکہ مقام اسی کا تقاضہ کرتا ہے، لہٰذا صفت کو صفت حمید سے پہلے لائے۔

(۳)﴿لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَإِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ﴾ (حج: ۶۴)

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، سب اسی کی ملک ہے اور سب اسی کے قبضۂ قدرت میں مقہور اور مسخر ہیں اور اس کے زندہ رکھنے سے زندہ ہیں، اور اسی کے حرکت دینے سے متحرک ہیں اور اسی کے ساکن رکھنے سے ساکن ہیں، اور بے شک اللہ ہی سب سے بے نیاز ہے؛ اسے کسی کی حاجت نہیں اور سب اس کے محتاج ہیں، اور ہر شان میں اور ہر آن میں وہی تحقیق حمد وستائش ہے، اسے اپنے دوستوں کی مدد کرنا اور ان کو غلبہ دینا کیا مشکل ہے۔

(معارف القرآن ادریسی)

امام رازیؒ فرماتے ہیں: لا يحتاج الى سبب لانه غنى عن الاشياء كلها وعن حمد الحامدين لانه كامل لذاته، والكامل لذاته غنى عن كل ما عداه في كل الامور . (تفسیر رازی: ۶۲/۲۴)

مطلب یہ کہ اللہ تعالی نے باوجود غنی ہونے کہ یہ سب بندوں پر بطور احسان کے فرمایا، لہٰذا وہ ہی حمد کے لائق ہے، لہٰذا دونوں صفات ذکر فرمائی۔

(۴)﴿وَمَنْ يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ﴾ (حدید: ۲۴)

اور یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ تو ہر چیز سے بے نیاز، ہر خوبی کے ساتھ موصوف ہے، اس کو کسی کی نافرمانی نقصان نہیں پہنچا سکتی اور نہ ہی اس کو کسی کی فرمانبرداری کی کوئی حاجت ہے؛ اس لیے کسی بھی انسان کو اللہ کی عطا کی ہوئی نعمتوں: مال و دولت پر مغرور و متکبر نہ ہونا چاہئے اور نہ شیخی اور بڑائی جتلانی چاہئے، اور جو کچھ اللہ نے مال عطا کیا ہے، اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہئے نہ یہ کہ بخل کرے؛ بلکہ اور ظلم یہ کہ دوسرے کو بھی بخل پر آمادہ کرے تو اس سے بڑھ کر انسان کے واسطے کوئی برائی نہیں ہو سکتی، ساتھ ہی اس کو یہ بھی عقیدہ قلب کی گہرائیوں میں راسخ کر لینا چاہئے کہ ہر راحت اللہ کا انعام ہے، اس وجہ سے اس پر شکر گزار ہو اور ہر تکلیف و مصیبت خدا ہی کے فیصلہ سے ہے؛ اس لیے اس پر صبر و استقامت چاہئے اور خدا ہی سے اس مصیبت سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے رجوع کرنا چاہئے کہ اس کی بارگاہ میں تضرع وزاری اور دعا و التجاء میں مشغول ہو؛ نہ یہ کہ بے صبری اور بے قراری اختیار کرلے۔ (معارف القرآن ادریسی)

سخاوت سے اعراض اور بخل کی دوسروں کو ترغیب یہ بھی اتباع حق سے بخل ہی ہے، کوئی سوال کرے کہ پھر بخیل کو مال کیوں دیا تو اس کا جواب دیا کہ وہ غنی ہے، بخیل کا بخل اس کو تو کوئی ضرر نہیں پہونچا سکتا ہے، اور وہ اس کو دینے میں قابل حمد بھی ہے کیونکہ باوجود نافرمانی و بخل کے وہ عطاء کرتا ہے، صفت غنی کو بندوں کی فاسد اغراض سے کوئی نقصان نہیں پہونچتا ہے۔

(الکبیر: ۲۰۴/۲۹، روح المعانی: ۱۸۸/۲۱)

(۵) ﴿وَمَنْ يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ﴾ (ممتحنہ:۶)

وقتی مفاد اور عارضی منفعت کی خاطر کافروں سے دوستی گانٹھنا کوئی اچھی بات نہیں؛ بلکہ مسلمان قوم کے لیے مہلک اور خطرناک ہے، یہ ہے وہ ضابطہ جس پر مسلمان کی فلاح وکامیابی اور عظمت وترقی موقوف ہے جو اس نعمت کو اختیار کرے گا وہ اس نعمت سے سرفراز ہوگا اور جو شخص اس سے منہ موڑے گا وہ خود ہی کو ذلیل و ناکام بنائے گا، بس اللہ تو ہر حال میں بے نیاز قابل تعریف ہے، اس کو نہ کسی کی اطاعت کی ضرورت ہے اور نہ کسی کی روگردانی سے اس کو کچھ نقصان ہے۔

(معارف القرآن ادریسی)

خلاصہ یہ کہ مذکور آیت میں اتباع نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب دی اور اس کے دو سبب ذکر کیے: (۱) اللہ تعالی کا خوف (۲) آخرت میں ثواب کی امید، اب صفت غنی کے ذریعہ اتباع سے اعراض کرنے والوں کو فرمایا کہ تمام مخلوق کی اتباع سے میں بے نیاز ہوں، کسی کی حمد کا بھی محتاج نہیں ہوں، میں خود کم عمل پر زیادہ ثواب دیتا ہوں، لہٰذا صفت حمد کو ساتھ میں لائے۔ (الکبیر:۲۹/۳۳،روح المعانی:۲۸/۷۴)

[۴] دو آیتوں میں حصر کا شائبہ ہے:

(۱) ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللهِ ۚ وَاللهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ﴾ (فاطر:۱۵)

اے لوگو! تمام مخلوقات میں تم ہی سب سے زیادہ اللہ کے محتاج ہو، آسمان سے بارش، زمین سے نباتات، ہوا اور پانی کے بغیر تم زندہ نہیں رہ سکتے اور کمال احتیاج کمال ذلت کی دلیل ہے، ہر مخلوق اللہ کی محتاج ہے مگر انسان کے برابر کوئی محتاج نہیں، دنیا سے اگر انسان معدوم ہوجائے تو کسی مخلوق کا کوئی نقصان نہیں؛ لیکن اگر ہوا، پانی، حیوانات اور نباتات میں سے کسی چیز کی کمی ہوجائے تو انسان زندہ نہیں رہ سکتا، پس تمام مخلوقات میں سے کمال احتیاج انسان ہی میں منحصر ہے اور کمال حاجت کمال ذلت کی دلیل اور علامت ہے اور اللہ ہی ہر طرح بے نیاز ہے، اسے تمہاری عبادت اور بندگی کی بھی حاجت نہیں، اور وہ ہر طرح ستودہ ہے اور کمال بے نیازی اور کمال ستودگی یہی کمال عزت ہے کہ تمام مخلوق ہر حال میں اس کی محتاج ہے اور اس کے سامنے ذلیل وخوار ہے، وہ غنی مطلق اگر چاہے تو تم کو صفحۂ ہستی سے لے جائے اور تم سب کو عدم اور فنا کے گھاٹ اتار دے، اور تمہارے بدلہ میں دوسری مخلوق لے آوے جو اللہ کی اطاعت کرے اور تمہاری طرح اس کی نافرمانی نہ کرے، اور یہ بات اللہ پر کچھ دشوار نہیں؛ بلکہ بہت آسان ہے، جس مخلوق کو چاہے مٹائے اور جس کو چاہے پیدا کرے، لہٰذا تم کو اس عزیز مطلق کے قہر اور غضب سے ڈرنا چاہیے۔ (معارف القرآن ادریسی)

قال الرازی انه تعالى لما ذكر افتقار الناس اليه فذكر من صفاته الغنى بانه غنى أي هو مع استغنائه

یدعوکم کل الدعاء وأنتم من احتیاجکم لا تجیبونہ ولا تدعونہ فیجیبکم. (الکبیر: ۲۶/ ۲۳۰)

(۲) ﴿وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيدٌ﴾ (تغابن: ۶)

تو اللہ کے رسول کے بشر ہونے کی وجہ سے انکار کیا اور منہ موڑ لیا، ان کا اعتقاد یہ تھا کہ بشر کی جنس سے کوئی فرد بشر رسول خدا نہیں ہوسکتا اور رسالت و بشریت میں انہوں نے تضاد سمجھا جس سے وہ گمراہی کا شکار بنے، اور اللہ ان سے بے نیاز ہوا جب کہ وہ اللہ سے اپنا رخ موڑ چکے تھے اور اللہ تو ہر حال میں بڑا ہی بے نیاز قابل تعریف ہے، جس کی کائنات میں مخلوق حمد و ثناء کرتی ہے، تو اس کو کیا پرواہ؛ اگر کچھ انسان اپنے اس لغو تخیل کے باعث خدا کے رسول پر ایمان نہ لائیں!؟ (معارف القرآن ادریسی)

اس سے پہلے کفار اور ان کے عذاب الیم سے خوف دلانے کا ذکر کیا تو اسی آیت میں ان کے عذاب کی علت یعنی کفر کو ذکر کیا، اور صفت غنی و حمید ذکر کر کے اپنے استغناء (عن الایمان) کو ذکر کیا کہ مجھے تمہارے ایمان کی کوئی ضرورت نہیں ہے؛ لیکن میں حمید بھی ہوں لہٰذا تمہارے فائدے کے لئے ہدایت و نعمتوں سے نوازتا ہوں کہ ایمان لاکر رحمت کے مستحق ہوجاؤ۔

۳ کان کے ساتھ ایک آیت میں ہے:

(۱) ﴿وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيدًا﴾ (نساء: ۱۳۱)

اور اگر تم منکر ہوجاؤ یعنی اللہ کی وصیت کو نہ مانو تو تم کو خوب معلوم ہے کہ اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، تمہارے کفر سے اس کا کیا بگڑتا ہے اور رہے اللہ تعالیٰ تو انگر اور بے پروا، اس کو تمہارے تقویٰ اور اطاعت کی ذرہ برابر احتیاج نہیں اور وہ ہر حال میں قابل تعریف ہے، اس کی شان و شوکت تمہاری اطاعت پر موقوف نہیں، کسی کی نافرمانی سے اس کی شان میں کوئی فرق نہیں آتا، کوئی اس کی حمد و ثناء کرے یا نہ کرے؛ وہ ہر حال میں حمید ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

لله ما فی السموٰت وما فی الارض سے کفر پر دھمکی ہے کہ میں تمہیں سزا دینے پر قادر ہوں اور **غَنِيًّا حَمِيدًا** سے اشارہ ہے کہ تمہارا کفر مجھے کوئی نقصان نہیں پہونچا سکتا ہے۔ (الکبیر: ۲۷/ ۱۷۱)

الولی الحمید

وِلَا سے ہے، **وِلَا** کے معنی محبت، صداقت، قرب، قرابت اور ملک ہیں۔

وَلِيَ يَلِي وَلِيًّا اس پر قیام کیا، اس کا مالک ہوا، اس کی مدد کی۔

اللہ تعالیٰ کی ولا و ولایت کے متعلق مندرجہ ذیل آیات پر غور کرو:

﴿اللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ (البقرۃ:۲۵۷)

''اللہ تو ایمان والوں سے محبت کرنے والا ہے۔''

﴿وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (آل عمران:۶۸)

''اللہ تو مومنوں کا ولی ہے۔''

﴿وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِينَ﴾ (الجاثیہ:۱۹)

''اللہ تقویٰ والوں کا ولی ہے۔''

﴿مَا لَكُمْ مِّنْ دُونِهِ مِنْ وَّلِيٍّ﴾ (السجدۃ:۴)

''اللہ کے سوا تمہارا کوئی ولی نہیں۔''

﴿هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ﴾ (الکہف:۴۴)

''پس تمام قدرت وطاقت اللہ ہی کے واسطے ہے جو معبود برحق ہے۔''

﴿إِنَّ وَلِيِّيَ اللّٰهُ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتَابَ﴾ (الاعراف:۱۹۶)

''میرا ولی تو اللہ ہے، جس نے قرآن کو نازل فرمایا۔''

﴿أَنْتَ وَلِيِّي فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾ (یوسف:۱۰۱)

''اے رب! دنیا میں بھی تو ہی میرا رب ہے اور آخرت میں بھی تو ہی میرا ولی ہے۔''

﴿مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللّٰهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوتِ اتَّخَذَتْ بَيْتًا وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوتِ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ﴾ (العنکبوت:۴۱)

''جو لوگ اللہ کے سوا اوروں کو اولیاء بنا لیتے ہیں ان کی مثال اس مکڑی کی سی ہے جو گھر بنا لیا کرتی ہے اور سب گھروں سے زیادہ بودا، کمزور گھر تو مکڑی کا گھر ہوتا ہے کاش کہ وہ لوگ جان لیتے۔''

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ○﴿۶۲﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ○ (یونس:۶۳)

''یادرکھو کہ اللہ سے محبت کرنے والوں پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ ان کا دل غمناک ہوتا ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اور تقویٰ کیا کرتے ہیں۔'' (قاضی منصور پوری:۱۵۰ تا ۱۵۲)

آثارِ رحمت:

سورۂ شوریٰ آیت:۲۸ میں یہ صفات بہترین موقع پر آئی ہے، بارش کا نازل کرنا یہ الولی کے مناسب

ہے؛ کیونکہ ولی اپنے بندوں کی مدد کرتا ہے، ان کے تمام امور کی نگہبانی ونگرانی کرتا ہے، ان کو تکلیف میں اکیلے نہیں چھوڑتا ہے، پھر صفت حمید کا اضافہ (من بعد ما قنطوا اور ینشر رحمته) کے بہت مناسب ہے۔ لفظ قنوط بندوں کی پریشانی و مایوسی اور فقر وفاقہ کا استحضار کرواتا ہے، ایسے موقع پر بارش کا نازل ہونا بندوں کی زبان حال وقال سے حمد وشکر کے کلمات کا ترنم اور اس کی شان حمیدی کی نغمہ سرائی بہت اخلاص کے ساتھ ہوتی ہے۔

قال الإمام ابن عاشور: ”وذكر وصفي (الولي الحميد) دون غيرها لمناسبتهما للإغاثة لأن الولي يحسن إلى مواليه، والحميد يعطي ما يحمد عليه، ووصف حميد فعيل بمعنى مفعول“.

(التحریر والتنویر: ۱۲۷/۱۳)

قال الإمام الثعالبي رحمه الله: ”وينشر رحمته، قيل: أراد بالرحمة المطر، وقيل أراد بالرحمة هنا الشمس، وذلك أن المطر إذا ألم بعد القنط حسن موقعه، فإذا دام سئم فتجيء الشمس عظيمة الموقع“.

(تفسیر الثعالبی: ۱۱۰/۴)

ولی کے ساتھ ایک آیت میں ہے:

(۱) ﴿وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ﴾ (شوریٰ: ۲۸)

اور وہی خدا ہے ایسا مہربان وکریم کہ بارش برساتا ہے بعد اس کے کہ لوگ ناامید ہو چکے ہوں، اور بکھیرتا ہے اپنی رحمت سارے عالم پر جس سے ہر قسم کے پھول، میوے، غلے اور نباتات پیدا ہوتے ہیں، جو تمام انسانوں اور حیوانوں کی غذا اور منفعت کا سامان ہے اور وہی کارساز لائق حمد وستائش ہے اور منجملہ اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا ہے اور ہر اس جاندار چیز کا پیدا کرنا ہے جس کو ان کے درمیان متحرک بنایا اور پھیلایا، اور جس طرح اللہ نے ان تمام چیزوں کو پیدا کیا اور اپنی قدرت کے ذریعے ایک ہی امر، یعنی امر تکوین سے سارے عالم میں بکھیر دیا، وہی خداوند عالم ان سب کو جمع کرنے پر بھی بڑا ہی قادر ہے جب بھی وہ چاہے، اور وہ پروردگار جس طرح خالق، منعم، قادر، ولی، کارساز ہے اور ہر حالت میں قابل حمد وثناء ہے، بندوں سے عفوودرگذر شان رحیمی اور کریمی کے باعث فرماتا ہے، اسی طرح وہ منتقم اور صاحب جلال بھی ہے اور بندوں کے اعمال وافعال پر جیسے انتقام عالم آخرت میں ہے، دنیا میں بھی پروردگار نے اپنے بندوں کے واسطے انتقام کا سلسلہ جاری فرمایا۔ (معارف القرآن ادریسی)

بارش سے بندوں کی ناامیدی کے بعد بارش برسانے کی دلیل وعلت میں دوصفات کا ذکر کیا، خاص کر کے صفت ولی کو حمید پر مقدم کر کے اشارہ کیا کہ میں ہی ولی وناصر ہوں، میرے علاوہ کوئی کسی قسم کی مدد ونصرت نہیں کرسکتا۔ اس کی

صفت ولی کا تقاضہ ہے کہ باوجود گناہوں کے وہ بارش برساتا ہے، کیونکہ ساتھ میں صفت حمد سے بھی متصف ہے، اس کے علاوہ کوئی حمد کے لائق نہیں ہے۔ اور جیسے نافرمانی کے باوجود ظاہری بارش برساتا ہے، اسی طرح گناہوں کے باوجود باطنی بارش وحی الٰہی کا سلسلہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک باقی رکھا، اور ظاہری جسم کے ساتھ روح کی غذاء کا بھی انتظام فرمایا، ﴿وَ كَذٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا﴾

الشھید

شہادت: خبر قاطع و بیان صحیح گواہی وکشتگی براہِ خدا (خدا کی راہ میں قربانی) کو کہتے ہیں۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے شَھِد کے معنی حاکم وقضا بیان کئے ہیں اور زجاج نے بَیَّنَ بتلائے ہیں، دیگر علما نے أَعْلَمَ وَأَخبر ظاہر کئے، ان قوال صحیحہ سے واضح ہوگیا کہ شہادت نام ہے حکم اور قضا اور اعلام و بیان اور اخبار کا، لہٰذا اللہ تعالیٰ کا اسم پاک الشھید درست ہوا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿شَهِدَ اللّٰهُ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَأُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾

(آل عمران:۱۸)

”گواہی دی اللہ نے یہ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے اور علم والے بھی انصاف کے ساتھ گواہی دیتے ہیں، کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے، غالب ہے حکمت والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پاک کے متعلق خود شہادت دی، جس سے رب العالمین کی وحدانیت اور قیام بالقسط واضح ہوگیا، اس کلام پاک سے علم الٰہی، تکلم سبحانی، اعلام ربانی، اخبار غیبی کے مراتب مکمل ہوگئے۔

اللہ تعالیٰ کا اسم پاک ”الشھید“ اس لیے ہے کہ شھود اُسی کو حاصل ہے اور اس لحاظ سے شھید بمعنی حاضر و ناظر ہے۔

اللہ تعالیٰ ”شھید“ ہے کہ اس نے علوم معرفت اور اسرار حقیقت کا اعلان فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ ”شھید“ ہے کہ عالم کی کوئی شے، کوئی سکون، کوئی حرکت اس کی شہادت سے باہر نہیں۔

﴿وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾ (سبا:۴۷)

”اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے۔“

اللہ کا نام اس لیے بھی ”شھید“ ہے کہ جملہ اختیار علمیہ پر وہ استدلال کرنا سکھاتا اور بصائر کو پیش کرتا ہے۔

(قاضی منصور پوری:۹:۱۳۹)

مختلف مواقع اور شہید کا معنیٰ:

یہ صفت ۱۴ر مقامات میں مختلف ترکیبات کے ساتھ آئی ہے۔

﴿واللہ علی کل شیئ شھید﴾

﴿و کفی باللہ شھیدا﴾

﴿واللہ شھید علی ما تعملون او تفعلون﴾

مفسرین نے شہید کو علیم اور حاضر کے معنی میں لیا ہے۔شہادت کا تعلق موجود سے ہوتا ہے اور علم حاضر وغیر حاضر دونوں کو شامل ہے۔(البحر المحیط:۲۷۸/۳)

شہادت علی الخلق اور حضور کے معنی میں (بقرہ:۲۸۲ر، النور:۲) بھی مستعمل ہے۔سورۂ مائدہ آیت:۱۱۷ میں حضرت عیسیٰ کا فرمان **و کنت علیھم شھیدا** سے حاضر اور گواہ کے مفہوم میں ہے اور اس درمیان میں اللہ پاک بھی علام الغیوب تھے ہی؛ لیکن ذہن کا تبادر اس طرف نہ ہو تو فرمایا **وانت علی کل شئی شھید** لفظ کل شمول وعموم کا فائدہ دے رہا ہے، اور سورۂ حج آیت:۱۷ میں ذہن کا تبادر قیامت اور حساب کتاب کی طرف کرایا گیا کہ وہاں انکار کرنا کسی کے لئے ممکن نہیں ہوگا؛ کیونکہ اللہ پاک ان پر اور تمام چیزوں پر گواہ ہوں گے، اسی طرح سورۂ نساء:۷۹، ۱۶۶، فتح:۲۸ میں **و کفی باللہ شھیدا** کی ترکیب اپنائی ہے، پچھلی آیات کی طرح **واللہ علی کل شئ شھید** پر ختم نہیں ہوئی، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں سیاق انسانی اعمال کے محاسبہ کا نہیں ہے؛ بلکہ رسالت کے سلسلے میں کلام ہے، کفار نے رسالت کا انکار کیا تو اس کے مناسب **و کفی باللہ شھیدا** ہی تھا کہ اللہ پاک آپ کی رسالت کی تصدیق کرتے ہیں۔

شہید دس آیات میں تین طرز پر مذکور ہے:

[أ] ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا﴾ کے اسلوب پر تین آیات میں ہے:

(۱) ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا﴾ (نساء:۷۹)

حق تعالیٰ شانہ منافقین کے الزام دور کرنے کے بعد نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کر کے فرماتے ہیں: اور—اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم—آپ کا سبب نحوست ہونا تو قطعاً ناممکن اور محال ہے؛ اس لیے کہ ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے نفع اور ہدایت کے لیے پیغام دے کر بھیجا ہے؛ تاکہ آپ لوگوں کو ہر خیر کی طرف دعوت دیں اور ہر شر سے ڈرائیں، آپ کی ذات بابرکات تو ہر خیر اور رحمت کا منبع اور سرچشمہ ہے، وہ نحوست کا سبب کیسے بن سکتی ہے، نحوست کا منبع خود ان کا نفس امارہ ہے اور یہود اور منافقین جس برائی کا مشاہدہ کر رہے ہیں، وہ ان کے اعمال کی شامت ہے، اے نبیٔ کریم! آپ ان کے بے ہودہ

الزام کی پرواہ نہ کیجئے اور غمگین اور رنجیدہ نہ ہوجایئے، اپنا کارِ رسالت کیے جایئے، اور اگر یہ لوگ آپ کی رسالت کا انکار کریں تو اللہ آپ کی رسالت کا کافی گواہ ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو معجزہ عطا کیے ہیں وہ سب من جانب اللہ آپ کی نبوت ورسالت کے گواہ ہیں اور ظاہر ہے کہ رسالت اور نحوست کا اجتماع عقلاً ناممکن ہے، نحوست جب آتی ہے تو بارگاہ رسالت کی مخالفت سے آتی ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۲) ﴿لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا﴾ (نساء:۱۶۶)

تو خدا تعالیٰ آپ کی نبوت ورسالت کا کافی گواہ ہے، اللہ کی گواہی کے بعد کسی کی گواہی کی ضرورت نہیں، مطلب یہ ہے کہ یہود باوجود شبہ رفع ہوجانے کے پھر بھی آپ کی نبوت کی شہادت نہ دیں تو پرواہ نہ کیجئے، خدا تعالیٰ آپ کی نبوت کی شہادت دیتا ہے، اور خدا کی شہادت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو دلائل نبوت یعنی معجزات عطا کیے اور یہ کتاب مستطاب یعنی قرآن آپ پر اتارا، جس کا اعجاز اور اس کی بے نظیر فصاحت وبلاغت اور اس کا اخبار غیبیہ پر مشتمل ہونا اس امر کی کافی دلیل ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور وہ آپ کے نبی ہونے کی شہادت دیتا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۳) ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا﴾ (فتح:۲۸)

وہی پروردگار ہے جس نے بھیجا ہے اپنا رسول ہدایت دے کر اور سچا دین؛ تاکہ غلبہ دے اس کو ہر دین پر جو اپنے اصول وعقائد اور فروع کے اعتبار سے اس قدر مضبوط، واضح اور مستحسن ہے کہ اس سے قبل جس قدر ادیان گزرے، شریعتیں اتاری گئیں اور انبیاء مبعوث ہوئے، سب پر اس کو غلبہ حاصل ہوگا؛ چنانچہ تاریخ نے اسلام کو دنیا کے تمام مذاہب واقوام پر غالب ثابت کردیا اور اسلام نے بڑی شان وشوکت سے صدیوں تمام مذاہب والوں پر حکومت کی اور آئندہ بھی دنیا اس حقیقت کا مشاہدہ کرے گی، باقی یہ بات کہ اس دعویٰ کی کیا دلیل ہے تو بس سن لینا چاہئے کہ اللہ ہی کافی ہے حق ثابت کرنے والا ہونے کی حیثیت سے کہ تاریخ عالم دین اسلام کی حقانیت کی دلیل ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

شہید حاضر کے معنی میں (مائدہ:۱۱۷) عالم اور حاضر کے معنیٰ میں (آل عمران:۱۸) تمام اشیاء پر مطلع اور تمام کی آواز سننے والا تمام چیزیں دیکھنے والا (البروج:۹۱) میں واقع ہے۔

تینوں آیتوں میں صفت شہید لانے کی وجہ یہ ہے کہ تینوں آیات میں رسالت کا ذکر ہے، لفظ شہید سے اشارہ ہے کہ آپ کی رسالت ونبوت دلائل واضحہ اور معجزات باہرہ سے اتنی واضح ہے کہ صفت شہید اس کی گواہ ہے، گویا مسئلہ غیبی ہے لیکن شواہد وبینات نے اس کو مشاہدتی بنادیا ہے، اور اس کی گواہی اور کوئی نہیں؛ عالم الغیب والشہادۃ ذات عالی خود

دے رہی ہے، وہی کافی ہے، منکرین کے انکار سے کیا ہوتا ہے۔

[۴] تاکید کے اسلوب پر شہید تین آیتوں میں ہے:

(۱)﴿إِنَّ اللهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ﴾(حج:۱۷)

تحقیق کہ جو لوگ قرآن کریم کی آیات بینات پر ایمان لائے اور دین اسلام میں داخل ہوئے یعنی مسلمان ہوئے اور جو لوگ یہودی ہوئے اور ستارہ پرست لوگ جو کواکب اور نجوم کی تاثیر کے معتقد ہیں اور تغیرات عالم کو انہیں کی طرف منسوب کرتے ہیں اور نصاریٰ اور مجوس یعنی آتش پرست جو آگ کو پوجتے ہیں اور دو خدا مانتے ہیں، خالق خیر کو ''یزدان'' کہتے ہیں، اور خالق شر کو ''اہرمن'' کہتے ہیں اور وہ لوگ جو مشرک ہیں یعنی بت پرست ہیں، کل چھ اہل ادیان ہیں ان میں سے صرف ایک دین والے یعنی مسلمان -جن کا مذہب اسلام ہے وہ- حق پر ہیں اور ان کا دین اللہ کا دین ہے اور باقی پانچوں باطل پر ہیں اور ان کا دین شیطان کا دین ہے، بے شک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سب کے درمیان عملی طور پر فیصلہ کر دے گا کہ مسلمانوں کو جنت میں داخل کر دے گا اور کافروں کو دوزخ میں، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر مطلع ہے، اس سے کسی کا عمل مخفی نہیں، سب کو ان کے اعمال کے مطابق جزا دے گا۔ (معارف القرآن ادریسی)

خلاصہ یہ کہ مذکور تمام فرقوں کے اعتقادات واعمال اللہ تعالی کے مشاہدہ میں ہے، کچھ بھی مخفی نہیں ہے، لہذا قیامت کے دن ان کے درمیان حق وانصاف سے فیصلہ کرے گا، ہر ایک کو اس کے اعتقادات کے مطابق بغیر ظلم وزیادتی کے بدلہ ملے گا، کیونکہ فیصلہ کرنے والا خود ہی شاہد اور گواہ ہے۔

(۲)﴿إِنَّ اللهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا﴾(احزاب:۵۵)

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو اجنبی مردوں سے پردہ کا حکم دیا، اب آئندہ آیات میں ان رشتہ داروں کا ذکر کرتے ہیں جن سے پردہ واجب نہیں اور وہ اس پردہ کے حکم سے مستثنیٰ ہیں جیسا کہ سورۂ نور کی اس آیت ﴿وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ﴾ میں تفصیل کے ساتھ گذرا، چنانچہ فرماتے ہیں: ان عورتوں پر اپنے باپوں کے سامنے آنے میں کوئی گناہ نہیں اور نہ بیٹوں کے سامنے اور نہ اپنے بھائیوں کے سامنے اور نہ اپنے بھتیجوں کے سامنے اور نہ اپنے بھانجوں کے سامنے اور نہ اپنی مسلمان عورتوں کے سامنے اور نہ اپنی باندیوں اور لونڈیوں کے سامنے، یعنی ان سب کے سامنے آنا جائز ہے۔ اور اے عورتیں! خدا سے ڈرتی رہو اور حیاء کا پردہ سامنے سے نہ اٹھاؤ، بے شک اللہ ہر چیز پر حاضر وناظر ہے، جو چیز تمہارے خیال میں گذرتی ہے خدا اس سے بھی باخبر ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

حاصل یہ کہ تمہاری خلوت وجلوت محارم کے ساتھ ہو یا غیر محارم کے ساتھ ہو، اللہ پاک تمام سے باخبر ہے، لہٰذا

غیر محرم سے تو پرہیز کرنا ہی ہے، محارم کے ساتھ بھی تقویٰ سے متصف رہو تا کہ شیطان کسی غلط وسوسہ میں مبتلا نہ کرے اور اس معاملہ میں اللہ پاک کو حاضر ناظر سمجھو تا کہ گناہ سے بچنے کا استحضار رہے۔

(۳) ﴿اَوَلَمْ یَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ﴾ (حم سجدہ: ۵۳)

تو کیا یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کو ثبوت اور شہادت کے درجے میں کافی نہیں ہے کہ وہ ہر چیز کا شاہد ہے، وہ ہر چیز کو دیکھتا اور جانتا ہے اور ایسے علیم وخبیر سے بڑھ کر کس کی شہادت ہو سکتی ہے اور اس رب کی شہادت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کی گواہی بھی ہے اور اللہ کا گواہ ہونا بہت بڑی بات ہے، جیسے کہ ارشاد ہے: ﴿وَ كَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا﴾ عقلاً ایسے دلائل وشواہد کے بعد چاہئے تو یہ تھا کہ منکرین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لاتے اور جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے متعلق کہتے ہیں، اس کو مانتے؛ لیکن خبردار ہو جاؤ، یہ لوگ تو شک وتردد ہی میں پڑے ہوئے ہیں اپنے پروردگار سے، قیامت کے روز ملاقات کرنے سے یاد رکھو، وہ پروردگار تو ہر چیز کا پورا پورا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

کائنات کی کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں ہے، ہر شخص کے اعمال واحوال بھی اس کے احاطۂ علم میں گھرے ہوئے ہیں، لہٰذا قیامت کے روز ہر ایک کے عمل کے مطابق اس کو بدلہ دیا جائے گا اور جب کہ ہر چیز اس کے علم میں ہے تو اصل قیامت کے آنے کا علم بھی اسی کو ہے، تو منکرین کا یہ سوال نہایت ہی لغو بات ہے کہ قیامت کب آئے گی، بس اس کا علم اور جواب اسی رب کی طرف لوٹایا جائے گا جس کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

[۴] چار آیات میں عدم تاکید کا اسلوب ہے:

(۱) ﴿وَ اَنْتَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ﴾ (مائدہ: ۱۱۷)

اگر بالفرض والتقدیر میں نے یہ بات کہی ہوگی تو تیرے علم میں ہوگی، اس لیے کہ تو تو میرے باطن اور ضمیر کی بات کو خوب جانتا ہے اور میں تیرے جی کی بات کو بالکل نہیں جانتا؛ اس لیے کہ بے شک تو ہی تمام پوشیدہ باتوں کا جاننے والا ہے، پس جب میں اس قدر عاجز اور لاچار ہوں اور اس درجہ بے خبر ہوں کہ بغیر آپ کے بتلائے ہوئے کسی غیب کا مجھے علم نہیں ہو سکتا تو میں الوہیت کا دعویٰ کیسے کر سکتا ہوں؟ اے خداوند عالم! آپ نے لوگوں کی ہدایت کے لیے مجھے رسول بنا کر بھیجا، میں نے ان سے صرف وہی کہا تھا جس کا تو نے مجھ کو حکم دیا تھا، وہ یہ کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے، یہاں تک تو عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے متعلق عرض ومعروض کی، اب آئندہ آیت میں قوم کے متعلق عرض کرتے ہیں: اور اے پروردگار عالم! میں ان کا نگران اور نگہبان تھا جب تک میں ان میں رہا، یعنی مجھے ان کے صرف وہ حالات معلوم ہیں جو میرے سامنے پیش آئے، پھر جب آپ نے مجھے اپنے قبضہ میں لے لیا اور دنیا سے اٹھا لیا تو

میری نگرانی ختم ہوگئی اور اس وقت آپ ہی ان پر نگران اور نگہبان تھے، یعنی آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد جو کچھ ہوا مجھے اس کی خبر نہیں اور اسی طرح نزول کے بعد جب میری وفات ہوگئی؛ اس کے بعد کی مجھے خبر نہیں کہ کس طرح یہ لوگ گمراہ ہوئے اور ان کی گمراہی کا کیا سبب ہوا اور آپ ہی ہر چیز پر نگہبان ہیں۔(معارف القرآن ادریسی)

چاروں آیات میں صفت شہید مذکورہ قطعی چیزوں کی علت اور دلیل کے طور پر بیان کی گئی ہے جیسے کہ (۱) پہلی آیت میں كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ، گویا کوئی چیز آپ سے مخفی نہیں آپ شہید ہیں۔

(۲)﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ﴾ (مجادلہ:۶)

جس دن کہ اٹھائے گا اللہ ان سب کو، پھر کھول کر رکھ دے گا ان کے سامنے ان کے وہ کام جو انہوں نے کیے، اللہ نے تو اس کا احاطہ کر رکھا ہے اور انہوں نے اس کو بھلا دیا ہے، ہر انسان، اس کا عمل اور اس کی ہر حالت خدا کے احاطہ میں ہے، کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں، گو انسان اپنے اعمال اور احوال کو بھلا دیتا ہے اور نہ ہی اس کو قیامت یاد رہتی ہے، اور اللہ کے سامنے ہر چیز حاضر ہے، کوئی ذرہ آسمانوں اور زمین میں اس سے پوشیدہ نہیں، ہر ایک کے سامنے اس کے اعمال کا دفتر کھول کر رکھ دیا جائے گا، زبان پر مہر لگا دی جائے گی اور انسان کے ہاتھ پاؤں گواہی دیتے ہوں گے، الغرض اس حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے کسی بھی نافرمان اور اللہ کی حدود سے تجاوز کرنے والے کو دھوکہ میں نہ رہنا چاہئے کہ وہ اللہ کی گرفت اور عذاب سے بچ جائے گا۔(معارف القرآن ادریسی)

اس آیت میں ﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ﴾ ﴿اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ﴾ کی علت کے طور پر مذکور ہے۔

(۳)﴿الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ﴾ (بروج:۹)

کائنات کی ہر چیز جس کی حمد وثناء کرتی ہے اور ہر زمان ومکان اور ہر حال اس کی خوبی وتعریف کا پیکر ہے، جس کی شان حاکمیت یہ ہے: اسی کے واسطے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی، اور اللہ تو ہر چیز پر خوب مطلع ہے، اس کی نظروں سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں، تو اس خدائے برتر وحدہ لاشریک لہ پر ایمان لانے والوں نے ان بدبختوں کو نہ تو ستایا تھا اور نہ کوئی قصور کیا تھا، بس ان کا جرم ان نافرمانوں بدبختوں کے نزدیک یہی تھا کہ وہ اس خداوند عالم پر ایمان لائے، جس کے قبضۂ قدرت میں ساری کائنات اور تمام عالم کا نظام ہے، ظاہر ہے کہ یہ ظلم وستم خالی نہیں جاسکتا تھا، عزیز ذوانتقام کی طرف سے اس پر انتقام اور سزا لازم تھی، انہوں نے تو ایمان والوں کے لیے ان خندقوں کو کھودا اور اس میں آگ دہکائی تھی؛ لیکن جوں ہی اللہ کا غضب آیا، وہی آگ خود ان پر پھیل گئی اور اس شعلے برسانے والی آگ نے ان امیروں اور بادشاہوں کے گھر پھونک دیئے، اور دم کے دم میں مجرمین کی وہ بستی جل کر خاک ہوگئی، تو جس طرح تاریخ قدیم کی یہ مجرم

قوم ایمان والوں کو ستا کر قہر خداوندی سے نہ بچ سکی، اسی طرح یہ منکرین ومجرمین جو مکی زندگی میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کو ستا رہے ہیں، غضب خداوندی کے شعلوں اور اس کے قہر کی آگ سے ہرگز ہرگز نہ بچ سکیں گے۔(معارف القرآن ادریسی)

تیسری آیت میں **وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ** کے ذریعہ بتایا کہ ان مؤمنین کو کفار کی طرف سے عذاب دینا محض ایمان باللہ تعالیٰ کی وجہ سے تھا، جو کچھ لوگوں پر مخفی ہوگا، لیکن اللہ تعالیٰ پر مخفی نہیں، ظالم ومظلوم کی مارنے اور مار کھانے کی وجوہات بھی وہی جانتے ہیں۔

(۴) ﴿**وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ**﴾(سباء:۴۷)

اے نبی! آپ ان سے یہ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس نصیحت پر کچھ بدلہ اور صلہ نہیں چاہتا، جو کچھ کہتا ہوں اس میں سراسر تمہارا ہی فائدہ ہے، اور اس پر یہ کہتا ہوں کہ میں تم سے جو کچھ عوض اور بدلہ مانگوں وہ سب تمہارے واسطے ہے، وہ تم ہی رکھو، مجھے تم سے اجر کی طلب اور آرزو نہیں، میرا اجر اللہ پر ہے، اور وہ ہر چیز سے باخبر ہے، وہی مجھے میرے کام کا اجر دے گا، اب بھی تم اگر نہ مانو، تو تم جانو، وہ میری نبوت، صداقت، اخلاص اور بے غرضی پر گواہ ہے۔(معارف القرآن ادریسی)

﴿**اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ**﴾ اگر تمہاری سمجھ میں نہ آئے تو نہ آئے، اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتے ہیں، کیونکہ وہ شہید ہیں۔

رحیم ودود

وداد کا درجہ محبت سے اعلیٰ ہے، وداد کے معنی صفائی محبت ہیں، محبت کے لُب اور خلاصہ کا نام وداد ہے۔ وداد محبت کا وہ درجہ ہے جو اخلاص سے حاصل ہوتا ہے اور شائبہ اغراض کا دھوکا جاتا رہتا ہے۔

وَدُود کے معنی **مَوْدُود** بھی ہیں، یعنی وہ ذات جس سے محبت کی جائے، جس کو نقد دل نذر میں پیش کر دیا جائے، وہ جس سے محبت شدید کا تعلق پیدا کیا جائے۔

وَدُوْد کے معنی وادّ بھی ہیں، یعنی وہ جو ہم سے محبت کرتا ہے۔

امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں ہر دو معانی کے اعتبار سے ودود کا ترجمہ حبیب کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے کہ وہ اپنے بندوں سے خود بھی محبت رکھتا ہے اور بندے بھی اس سے محبت رکھتے ہیں، محبت کا وجود ہر دو جانب متحقق ومسلّم ہے۔

﴿**يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ**﴾(المائدہ:۵۴)

''اللہ ان سب سے محبت کرتا ہے وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔''

﴿إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ وَدُودٌ﴾ (ہود:۹۰)

''وہ تو بے حد بخشنے والا اور کمال محبت کرنے والا ہے۔''

﴿سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا﴾ (مریم:۹۶)

''رحمٰن اُن کے لیے محبت کو خاص فرمادے گا۔''

ہاں محبت ربی، رحم بن کر بندہ نوازی کرتی ہے۔

ہاں محبت سبحانی، غفران بن کر اپنے غلاموں کو خلعت نجات پہناتی ہے۔

ہاں محبت الٰہی رحمت کو محبت کا تاج پہناتی اور بندہ خاک نشین کو تخت رضوان پر بلند کرتی ہے۔

﴿سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا﴾ (مریم:۹۶) پر بار بار غور کرو کہ محبت کی ابتداء ہمارے مالک کی جانب سے ہوئی ہے، محبت خود ان بندوں کی بن جاتی ہے، محبت کا انتفاع انہی کو حاصل ہوتا ہے۔ (قاضی منصور پوری:۱۳۳)

یہ صفات ایک آیت (ھود:۹۰) میں آئی ہیں، اللہ پاک توبہ کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور وہ مغفرت کے بعد اپنے بندے سے محبت کرتا ہے، توبہ کرنے والا اللہ پاک کا محبوب بن جاتا ہے، لہٰذا الودود کی صفت سے اس رشتہ کو اور مضبوط کردیا۔

وما ألطف اقتران اسم الودود بالرحيم وبالغفور، فإن الرجل قد يغفر لمن أساء إليه، ولا يحبه، وكذلك قد يرحم من لا يحب، والرب تعالى يغفر لعبده، إذا تاب إليه، ويرحمه ويحبه ومع ذلك فإنه يحب التوابين.

(التبیان فی أقسام القران:۵۷)

''ودود'' دو آیتوں میں مذکور ہے:

(۱) ﴿وَاسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ وَدُودٌ﴾ (ھود:۹۰)

موعظت سراپا حکمت کے بعد شعیب علیہ السلام اپنی قوم کو اپنی مخالفت پر عذاب سے ڈراتے ہیں: اور اے میری قوم! تم کو میری دشمنی اور عداوت اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم میری نافرمانی کرو، اور پھر تم کو ویسا ہی عذاب پہنچے جیسا کہ قوم نوح کو طوفان پہنچا، یا قوم ہود کو ہوا کا طوفان پہنچا جس سے وہ پارہ پارہ ہوئے، یا قوم صالح کو زلزلے نے تباہ اور برباد کیا، تم ان قوموں کے تاریخی حالات سے بخوبی واقف ہو؛ اگرچہ ان کو کچھ زمانہ گزر گیا ہے، تم کو چاہئے کہ ان سے عبرت پکڑو، اور قوم لوط تو تم سے دور نہیں، ان کو تباہ ہوئے کچھ زیادہ زمانہ نہیں گزرا، دیکھ لو کہ پیغمبر کی مخالفت سے تمہارے

روبرو کیسے ہلاک ہوئے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر گزشتہ امتوں کے حال سے عبرت نہیں پکڑتے تو قوم لوط سے عبرت پکڑو، اس قوم کی بستیاں تم سے دور نہیں اور اپنے پروردگار سے اپنے گزشتہ گناہوں کی معافی مانگو اور آئندہ کے لیے اس کی طرف رجوع کرو، یعنی اس کے حکم پر چلو اور کفر و شرک سے توبہ کرو اور ناپ تول میں کمی کو چھوڑو، بے شک میرا پروردگار بڑا مہربان ہے، استغفار کرنے والوں پر، اور بڑا محبت کرنے والا ہے توبہ کرنے والوں سے، استغفار سے اللہ کی رحمت اور عنایت نازل ہوتی ہے اور توبہ سے اللہ کی محبت اس پر نازل ہوتی ہے، جس کا ثمرہ یہ ہے کہ وہ دنیا اور آخرت میں خدا کا محبوب بن جاتا ہے۔ **كما قال تعالىٰ: إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ.** (معارف القرآن ادریسی)

توبہ و استغفار پر ابھارنے کے لئے حضرت صالحؑ نے **ثم توبوا إليه** فرمایا اور بعد میں **ودود** ذکر کر کے توبہ کے لئے ابھارا۔ نیز اس سے پہلے صفت رحیم کو ذکر کر کے مزید قبولیت توبہ کی طرف اشارہ فرمایا، صفت رحیم اور ودود کا انفرادی و اجتماعی ذکر گناہوں سے بچانے میں بڑا موثر ہے۔

الغفور الودود

حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اللہ پاک کی شان غفاری و رحمت دیکھئے کہ جنہوں نے ایمان والوں کو سخت آزمائش میں ڈالا ان کو کہا جا رہا ہے ﴿ثم لم یتوبوا﴾ یعنی اگر توبہ کرو گے تو معاف کر دوں گا- حالانکہ معلوم ہے کہ یہ توبہ کرنے والے نہیں ہے- تاکہ بندے بالکل مایوس نہ ہوں، یہ قرآنی طریقہ ہے کہ ترہیب کے ساتھ ترغیب اور ترغیب کے ساتھ ترہیب کو جمع کیا۔

يقول ابن القيم رحمه الله:

”وتأمل سر اقتران هذين الاسمين في قوله تعالى: وهو الغفور الودود، تجد فيه من الرد والإنكار على من قال لا يعود الود والمحبة منه لعبده أبدا بعد الذنب والمعصية“. (طريق الهجرتين وباب السعادتين:۳۵۷) وهذا ما يجعل جحافل المذنبين بعد أن يصدقوا توبتهم في أمل دائم ليس للمغفرة فحسب، فهو أمر قد تكفل به غفور، ولكن لمودة خالصة من رب ودود.

قال شيخ الإسلام ابن تيميه: ”فلا يستوحش أهل الذنوب، وينفرون منه، كأنهم حمر مستنفرة؛ فإنه غفور ودود، حيث مودته للمذنب إذا تاب إليه بخلاف القاسي الغليظ الذي لا ود فيه“. (النبوات:۷۹)

قال الإمام ابن عاشور رحمه الله:

”وهو الغفور الودود، جملة معطوفة على جملة إن بطش ربك لشديد؛ لأنه لما أفيد تعليل مضمون

جملة (إن الذين فتنوا المؤمنين ...) ناسب أن يقابل بتعليل مضمون جملة (إن الذين آمنوا و عملوا الصالحات ...)فعلل بقوله (وهو الغفور الودود)فهو يغفر للذين تابوا وآمنوا وعملوا الصالحات، وهو يحب التوابين ويودهم"

(التحرير والتنوير:۱۶/۱۹۹)

(۲)﴿وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ﴾(بروج:۱۴)

اے مخاطب! بے شک تیرے رب کی گرفت بڑی سخت ہے، جس سے کوئی نہیں بچ سکتا، وہی ہر چیز کو ابتداء میں وجود عطا کرنے والا ہے، اس کو عدم سے وجود میں لانے والا ہے اور وہی اس کو لوٹانے والا بھی ہے، لہٰذا جس رب العالمین نے انسان اور تمام کائنات کو ابتداء میں وجود عطا کیا، وہی رب العالمین قیامت میں انسانوں کو دوبارہ اٹھائے گا، وہ پروردگار تو اپنی شان رحیمی اور کریمی سے بڑا ہی مغفرت کرنے والا ہے، اپنے بندوں کو جو اپنی کسی غفلت و کوتاہی سے کوئی غلطی یا معصیت کرلیں، جب بھی وہ اپنے گناہوں پر استغفار و توبہ کریں، بڑا ہی محبت کرنے والا ہے اپنے فرمانبردار اور مطیع بندوں سے۔(معارف القرآن ادریسی)

اللہ پاک کا مخلوق سے محبت کرنا:

سورۂ بروج میں بڑی مخلوقات آسمان اور قیامت کے احوال و خوف ناک چیزوں نیز احیاء و اماتت وغیرہ نفوس انسانی میں اثر انداز واقعات کی طرف اشارہ کر کے خوف و رعب کا تذکرہ کیا تو رغبت و شوق کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ودود کی صفت لائے تاکہ خوف و رعب دور ہو جائے، اللہ پاک اپنی مخلوق سے محبت کرتا ہے، عذاب میں جلدی نہیں کرتا ہے، بلکہ مہلت دیتا ہے، بندہ کے اجر کو بڑھاتا ہے، صفت غفور نے مزید طاعت کی طرف رغبت دلائی، توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے تاکہ وہ استغفار کر کے محبت کرنے والے خداوند قدوس کی آشنائی میں آجائے، غفور کے بعد ودود کا ذکر محبت میں ترقی کر کے من الادنی الی الاعلی کی طرف مشیر ہے۔

حمید مجید

مجید: پایہ بلند، مرتبت عالی، شرف واسع۔ شرفِ نسب اور شرف افعال کا مجموعہ ہے۔

مجید وہ ہے جس میں صفات بالا پائی جائیں۔

مجید وہ ہے جس میں مجد نفسی، شرف ذاتی، سلامت افعال، کرامت افضال، جزالت عطا اور کثرت نوال پائی جائے۔

قرآن پاک میں یہ اسم یا تو اللہ تعالیٰ کے لیے آتا ہے، سورۂ ہود میں ہے:

﴿إِنَّهُ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ﴾ (ہود:۷۳)

''بیشک وہ تو حمد والا مجد والا ہے۔''

یا قرآن پاک کے لیے:

﴿بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ﴾ (البروج:۲۱)

''وہ قران ہے بلند شان والا۔''

وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ﴾ (ق:۱)

''قسم ہے قرآن کی جو مرتبت عالی والا ہے۔''

یا عرش عظیم کے لیے:

﴿ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ﴾ (البروج:۱۵)

''اللہ تعالیٰ عرشِ بلند و عالی و اشرف کا مالک ہے۔''

بے شک عرش اعظم اور کتاب اکرم میں جو علو مرتبت اور وسعت شرافت پائی جاتی ہے وہ دنیا و مافیہا کی بلند پائگی سے قطعاً علیحدہ ہے، برتر ہے اور عالی ہے اور یہ سب اسی مجید کی طرف سے ہے، حدیث میں ہے:

''سُبحان ذِی المَجْدِ والکرمِ سُبحان ذی الجَلالِ والإکرامِ۔''

''پاک ہے بزرگی اور بخشش والا۔ پاک ہے صاحب بزرگی اور عزت کرنے کا۔''

مجید کے معانی پر غور کرتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسم پاک اپنے مفہوم میں جلیل، وہاب اور کریم کے اسماء کا جامع ہے۔ (قاضی منصور پوری:۱۳۶)

صفت حمید کو مجید پر مقدم کرنے کی وجہ:

حمید کو مجید پر مقدم کیا تاکہ مقصد پر دلالت تام ہو جائے کہ منعم بڑی عظمت والا ہے، لہٰذا نعمت کو اس کے اسباب وظاہری وقت کے علاوہ میں بھی دیتا ہے۔ اور یہ مقام اس کی عظمت و بزرگی کا تھا لہٰذا مجید کا اضافہ کیا۔

قال الإمام ابن عاشور: وجملة إنه حميد مجيد تعليل لتوجه رحمته وبركاته إليهم بأن الله يحمد من يطيعه، وبأنه مجيد أي عظيم الشأن لا حد لنعمه، فلا يعظم عليه أن يعطيها ولدا، وفي اختيار وصف الحميد من بين الأسماء الحسنى كناية عن رضى الله تعالى على إبراهيم عليه السلام وأهله. (التحرير والتنوير:۷/۱۷۱)

ولعل المجيد كذلك، تعليل لما ستكون عليه ذرية إبراهيم من مجد، وسؤدد. لأن المجيد من مجد

بضم الجيم وأصله الرفعة .(فتح الباری:۸/۳۵۱)

وفي ختم الصلاة على النبي صلى الله عليه وآله وسلم أيضا بهذين الاسمين دلالة على ذلك.

مجید دوجگہوں میں آیا ہے:

(۱)﴿إِنَّهُ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ﴾(هود:۷۳)

سارہؑ بولی: ہائے میری کمبختی! کیا میں اب بچہ جنوں گی؛ حالانکہ میں بوڑھی ہوں، اس وقت میری عمر ننانوے سال کی ہے، اور میرا خاوند ہے بہت بوڑھا، جس کی عمر اس وقت ایک سو ایک بیس برس کی ہے، حضرت سارہ کو یہ بشارت اس لیے سنائی گئی کہ حضرت ابراہیمؑ کے ایک بیٹا ملے؛ لیکن فرزند نہ عطاء ہوا، یہاں تک کہ جب بڑھیا ہوگئیں اور مایوس ہوگئیں؛ اس وقت یہ بشارت دی گئی تو تعجب میں پڑگئیں، اور کہنے لگیں: تحقیق یہ بات تو بہت ہی عجیب ہے، کبھی دیکھنے اور سننے میں نہیں آئی، فرشتوں نے حضرت سارہؑ سے کہا: کیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے تعجب کرتی ہے، تعجب کی کیا بات ہے؟ خدا ہر امر پر قادر ہے، خدا کی صنعت کے لیے کسی آلہ کی اور اس کے فضل کے لیے کسی علت کی ضرورت نہیں، دو بوڑھوں سے لڑکا پیدا کرنا کوئی عجیب نہیں، اس کی قدرت کے سامنے بوڑھا اور جوان سب برابر ہے، اے ابراہیم کے گھر والو! تم پر دن رات کی رحمتیں اور برکتیں برس رہی ہیں، صبح و شام معجزات و کرامات اور خوارق عادات کا مشاہدہ کرتے رہتے ہو، تمہارا یہ تعجب بھی عجیب ہے، تمہارے حق میں یہ بشارت قابل تعجب نہیں؛ بلکہ تمہارا تعجب قابل تعجب ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ قابل تعریف ہے اور بزرگی والا ہے، اس کے جود و کرم سے کوئی شئ عجیب نہیں، تم بجائے تعجب کے اس کے حمد و شکر میں مشغول ہو جاؤ۔ (معارف القرآن ادریسی)

اللہ تعالیٰ اپنے افعال میں حمید ہے جو چاہے کرتے ہیں؛ چاہے وہ عادت و اسباب کے خلاف ہو، وہ بڑی قدرت و طاقت اور سطوت کا مالک ہے، اس کی عطاء میں نہ بخل ہے، نہ دھوکا، لہذا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بڑھاپے میں اولاد دینا بھی اس کی شانِ حمیدی کا مظہر ہے اور مجید بھی ہے، لہذا الخلوق پر مسلسل نعمتیں برساتا رہتا ہے۔

(۲)﴿ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ﴾(بروج:۱۵)

بڑی عظمت والے عرش کا مالک ہے، اس کی قدرت و کبریائی کی کوئی حد و نہایت نہیں، ایسا قادر مطلق ہے کہ کر ڈالتا ہے ہر وہ کام جو چاہتا ہے، اس کو دنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکتی، لا معقب لحکمہ (اس کے فیصلہ کو کوئی ٹال نہیں سکتا) چنانچہ تاریخ عالم اس بات کی کھلی شہادت ہے، اور گذرے ہوئے واقعات عالم خداوند عالم کی شان عظمت و کبریائی اور اس کے قادر مطلق ہونے کا پورا پورا ثبوت ہیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

جب پہلے والی آیت میں صفت **غفور الودود** کوذکر کیا تو ان دونوں صفات کے تتمہ کے لئے صفت مجید لائے کہ وہ قوی، عرش کا مالک، بزرگی والا ہے، اس کی مغفرت ومحبت کمزوری کی وجہ سے نہیں بلکہ مخلوق پر رحم کرنے کے لئے ہے ورنہ وہ قوۃ وعظمت والا بھی ہے۔ کسی کو سزا دینا چاہے تو کوئی نہ بچ سکتا ہے نہ بچا سکتا ہے، اس کی پکڑ بڑی دردناک اور سخت ہے، اس کے سوا کوئی پناہ گاہ نہیں ہے۔

بصیر

بصر سے ہے، بصر اس قوت کو کہتے ہیں جو مشہودات کا ادراک کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کو جملہ مبصرات ومدرکات ومشہودات کا ادراک حاصل ہے، ہاں اس کا بصیر ہونا صفتِ **بَصَر** سے ہے، نہ صرف ادراک ہی سے۔

وہ الوان واجسام، افعال واعمال، ہیئات واشکال کا دیکھنے والا ہے، ہر شے جس کا تعلق دید سے ہے وہ اسے دیکھنے والا ہے، آیت ذیل پر غور کرو:

﴿وَاللّٰہُ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ﴾ (آل عمران: ۱۵و۲۰)

''اللہ اپنے بندوں کو دیکھنے والا ہے۔''

﴿فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ (الانفال: ۳۹)

''اللہ بندوں کے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔''

﴿اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ﴾ (الشوریٰ: ۲۷)

''اللہ ہر شے کو دیکھنے والا ہے۔''

یہ اسم قرآن پاک میں کہیں اسم ''سمیع'' کے ساتھ اور کہیں اسم ''خبیر'' کے ساتھ مستعمل ہوا ہے۔

ہاں رب العالمین وہ ہے جس نے انسان کو بھی سمیع وبصیر بنایا: ﴿فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا﴾ (دہر: ۲)

رب العالمین وہ ہے جس نے مخلوق کے لیے بصائر کو نازل فرمایا ہے۔

﴿قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ﴾ (الانعام: ۱۰۴)

''تمہارے رب کی طرف سے بصائر آئی ہے''۔

رب العالمین وہ ہے کہ بصائر کو اس کا ادراک نہیں اور اسے ابصار کا ادراک حاصل ہے:

﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ ۖ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ﴾ (الانعام:۱۰۳)

''حواس اس کا ادراک نہیں کر سکتے، وہ ابصار کا ادراک کر سکتا ہے۔''

رب العالمین وہ ہے جو ہماری سمع وبصر کا مالک ہے:

﴿أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ﴾ (یونس:۳۱)

''شنوائی وبینائی کا مالک کون ہے۔''

رب العالمین وہ ہے جس نے کان کی ہڈی کو سننا، آنکھ کی چربی کو دیکھنا، زبان کے گوشت کو بولنا سکھایا ہے۔

رب العالمین وہ ہے کہ سمندروں کی گہرائیاں، رات کی تاریکیاں، اس کی دید کے مانع نہیں، دلوں کی حالتیں اور طبائع کے اطوار سب اس کی نظر کے سامنے ہیں۔ (قاضی منصور پوری:۱۰۲)

صفت بصیر تین اسلوب کے ساتھ ۲۶ مقامات پر مذکور ہے:

[ا] وہ آیات جن میں تنہا بصیر ہے، اس میں تین اسلوب ہے:

* کان استمرار کے ساتھ ۲ آیات میں ہے:

(۱) ﴿وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا﴾ (فتح:۲۴)

اور وہی ہے جس نے روک دیا تھا ان کافروں کے ہاتھوں کو تم سے جب کہ قریش مکہ کی کچھ ٹولیاں حدیبیہ کے مقام میں چوری چھپے حملہ آور ہونے کے ارادہ سے مسلمانوں تک پہنچ گئی تھیں، اور تمہارے ہاتھ روک دیئے ان سے سرزمین مکہ میں بعد اس کے کہ تم کو ان پر غلبہ (کامیابی) بھی دے دیا تھا اور اس قسم کی چند ٹولیاں شر پسندوں کی، جو آنحضرت ﷺ اور بعض صحابہ پر خفیۃً حملہ کرنے کی نیت سے آئے تھے، صحابہ نے ان کو پکڑ بھی لیا تھا اور زندہ گرفتار کر کے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش بھی کر دیا تھا، اور اللہ دیکھنے والا ہے ان تمام کاموں کو جو تم کرتے ہو، تو اس نے تمہارے اس حلم اور تحمل و درگزر کو بھی دیکھ لیا ہے، اور وہ یقیناً ایسے صبر وتحمل کا بہتر بدلہ دے گا اور خدا تعالیٰ کے علم اور نظروں سے مجرم ونافرمان چھپے ہوئے نہیں ہیں، خدا کو خوب معلوم ہے۔

(۲) ﴿وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا﴾ (احزاب:۹)

اے ایمان والو! تم اس نازک وقت میں اپنے اوپر اللہ کا انعام یاد کرو کہ اس نے بغیر قتال ہی کے تم کو کافروں پر غلبہ دیا اور کافروں کو باوجود پورے ساز وسامان کے ذلت وخواری کے ساتھ میدان جنگ سے بھگایا، اللہ تعالیٰ کا ایسا انعام ایسے ہی لوگوں پر ہوتا ہے جو اللہ سے ڈرتے ہوں اور اسی کے حکم پر چلتے ہوں، جس وقت کہ دشمنوں کے لشکر اور ان کی فوجیں

تمہارے سر پر آ پہنچیں، قریش مکہ، غطفان، کنانہ، بنو قریظہ اور بنو نضیر یہ تمام جماعتیں متفقہ طور پر تم پر آ چڑھیں، تو ہم نے دشمنان اسلام پر ایک تیز ہوا بھیجی جس نے ان کے تمام خیمے اکھاڑ دیئے اور ان کے گھوڑے چھوٹ گئے اور آگیں بجھ گئیں اور مٹی ان کے منہ پر آ کر لگنے لگی اور کافروں کی فوجیں گھبرا کر بھاگ کھڑی ہوئیں۔

اور اہل اسلام کی مدد کے لیے ہم نے فرشتوں کے لشکر بھیجے جن کو تم نے نہیں دیکھا، فرشتوں کے لشکروں نے اگر چہ جنگ بدر کی طرح کافروں سے قتال نہیں کیا مگر ان کے دل میں رعب ڈالتے تھے اور لشکر کے اطراف و جوانب میں بآواز بلند اللہ اکبر کہتے تھے۔ (روح المعانی: ۱۳۹/۲۱)

جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کفار کے لشکر میں یکلخت سراسیمگی پھیل گئی اور سراسیمگی اور پریشانی سے نوبت یہاں تک پہنچی کہ ہر قبیلہ کا سردار اپنے لوگوں سے کہنے لگا: چلو چلو بھاگو، اور بعض بدحواس ہو کر یہ کہنے لگے کہ واللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تم پر جادو کر دیا ہے، اب تم یہاں نہیں ٹھہر سکتے، لہٰذا کوچ کر جاؤ اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب دیکھنے والا تھا کہ آندھی سے دشمنوں کو ہلاک کیا اور اپنے دوستوں اور وفاداروں یعنی صحابہ کرامؓ کو محفوظ رکھا، لہٰذا اے مسلمانو! تم کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی اس تازہ نعمت کا شکر کرو۔ (معارف القرآن ادریسی)

صفت بصیر دونوں فریق کو جنگ سے باز رکھنے کی علت کے طور پر ذکر کی گئی ہے، دونوں فریق (مسلمان وقریش مکہ) کے متعلق اس کی کیا حکمت و مصلحت کارفرما تھی اس کی طرف توجہ دلانے کے لئے صفت بصیر کو ذکر کیا۔ قال الرازی بانه یری ویبصر اعمالکم یعلم ما فیه مصلحة لکم، ولذلك حجر کم عنهم رحمة لکم وحرمة لبیته العتیق؛ لئلا تسفك فیه الدماء. (الکبیر: ۹۸/۲۸، التحریر والتنویر: ۱۸۶/۲۶)

قال الرازي: وناسب المقام البصر لان الاعمال کلها تتعلق بالرویة فلذا اتی بکلمة تتعلق بالبصر.

(الکبیر: ۱۹۵/۲۵)

* تاکید کے اسلوب کے ساتھ ۷ آیات میں ہیں:

(۱) ﴿إِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ (بقرہ: ۱۱۰)

اگر تم کو اپنے ان دشمنان ایمان سے جہاد کا شوق ہے تو جہاد بالسیف کا حکم آنے سے پہلے جہاد نفس میں مشغول رہو، اور نماز کو قائم رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو، یہ عبادت مالی اور بدنی نفس پر بہت شاق اور گراں ہے، بس اس جانی و مالی جہاد میں لگے رہو، اور نماز اور زکوٰۃ کے علاوہ جو نیکی اور بھلائی بھی تم آگے بھیجو گے تمام جمع شدہ ذخیرہ اللہ تعالیٰ کے یہاں پاؤ گے، یہ ناممکن ہے کہ تمہارا کوئی عمل ضائع ہو جائے، تحقیق اللہ تعالیٰ تمہارے عمل کو خوب دیکھتا ہے، اس عمل کی کمیت

وکیفیت اور تمہارا اخلاص اور شوق اور نیت سب اس کی نظروں کے سامنے ہے۔(معارف القرآن ادریسی)

اس میں ترغیب اور ترہیب دونوں پہلو ہے۔

(۲)﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ (بقرہ:۲۳۳)

اگر ماں باپ باہمی رضامندی اور مشورہ سے دو برس سے پہلے ہی دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر اس بارہ میں کوئی گناہ نہیں، اور اگر تم کسی ضرورت یا مصلحت کی وجہ سے یہ ارادہ کرو کہ اپنے بچوں کو بجائے ماں کے کسی دایہ کا دودھ پلوانا چاہو؛ بشرطیکہ تم حوالہ اور سپرد کردو جو کچھ تم نے دینا مقرر کیا تھا دستور کے موافق، یعنی دودھ پلانے والی کا حق پورا دے دینا، اس میں کچھ کمی نہ کرنا، کسی کا حق مارنا یا کاٹنا بہت بری بات ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو کہ جو احکام ماؤں اور دودھ پلانے والیوں کے متعلق دیئے گئے ہیں اس کی خلاف ورزی نہ ہو، اور اس بات کو پیش نظر رکھو کہ تحقیق اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے کہ طلاق دے دینے کے بعد ماں سے دودھ پلوانے میں یا ماں کے ہوتے ہوئے کسی اناسے بچہ کو دودھ پلوانے میں کوئی نفسانی غرض تو شامل نہیں، کوئی دیکھے یا نہ دیکھے؛ مگر حق تعالیٰ تمہارے دل کے خیالات اور نفس کے خطرات کو بھی دیکھتا ہے۔(معارف القرآن ادریسی)

خلاصہ یہ ہے کہ میاں بیوی کے مسائل میں عامۃ باہمی تکاہل وتساہل برتا جاتا ہے، لہذا طویل عبارت سے سمجھانے کے بجائے مختصرا (وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ) کے ذریعہ سمجھا دیا کہ تمہارے تمام جھگڑے، تساہل، حق تلفیاں وغیرہ خوب اچھی طرح جانتے ہیں۔

(۳)﴿اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ (بقرہ:۲۳۷)

اور اگر تم عورتوں کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دو، دراں حالیکہ تم ان کے لیے مہر مقرر کر چکے تھے، تو ایسی صورت میں تم کو اس مہر کا نصف دینا پڑے گا جو تم نے نکاح کے وقت ٹھہرایا تھا اور نصف تم سے معاف ہو جائے گا، مگر دو صورتیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں، ایک یہ کہ عورتیں اپنا حق (نصف مہر) معاف کردیں اور شوہر سے کچھ نہ لیں، یا یہ کہ مرد جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ اپنا حق معاف کردے، یعنی بجائے نصف مہر دینے کے پورا مہر دے دے، اور اگر شوہر پورا مہر دے چکا ہے تو نصف مہر عورت سے واپس نہ لے اور تمہارا اپنے اپنے حق کو معاف کردینا، تقویٰ اور پرہیزگاری کے بہت ہی قریب ہے، یہ خطاب مردوں اور عورتوں دونوں کو ہے اور تم باہمی احسان اور نیکوئی کو نہ بھولو، ہر ایک کو چاہیے کہ اس کی کوشش کرے کہ فضل واحسان میرے ہاتھ سے سرزد ہو، دوسرے کے احسان پر نظر کرنا فضل اور فضیلت کے خلاف ہے، تحقیق اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھنے والے ہیں، وہ اس کو بھی دیکھتے ہیں کہ کون احسان کی طرف سبقت کرتا ہے اور کون

دوسرے کے احسان کی طرف نظر کرتا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

صفت بصیر احسان کی ترغیب دیتی ہے اور تعریض ہے کہ عفوو درگذر کرنا اللہ پاک کی رضامندی کا ذریعہ ہے، وہ اس پر پورا بدلہ عنایت فرمائے گا۔

(۴) ﴿فَاسْتَقِمْ كَمَآ أُمِرْتَ وَمَن تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۚ إِنَّهُۥ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ (ھود:۱۱۲)

تحقیق اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے، تمہاری اطاعت اور استقامت اور تمہار اعصیان اور طغیان اس کی نظروں کے سامنے ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

استقامت کا حکم اور طغیان کی ممانعت دونوں کی علت صفت بصیر ہے کہ وہ تمہاری استقامت کو بھی جانتا ہے اور سرکشوں کی سرکشی بھی جانتا ہے۔

(۵) ﴿إِنِّى بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ (سباء:۱۱)

اور اے آل داوٗد! کافروں کے مقابلہ اور ان کے وار کو روکنے کے لیے تو تم نے کشادہ زرہیں تیار کرلیں، مگر نفس اور شیطان کا وار روکنے کے لیے بھی زرہیں تیار رکھو، یعنی تم سب نیک عمل کرتے رہو کہ جس میں نفسانیت کا شائبہ نہ ہو، تحقیق میں تمہارے عمل کو خوب دیکھتا ہوں کہ اس میں کوئی کمزوری تو نہیں کہ نفس و شیطان کے مقابلہ میں کہیں کمزور زرہ ثابت نہ ہو۔

(۶) ﴿إِنَّهُۥ بِكُلِّ شَىْءٍۭ بَصِيرٌ﴾ (ملک:۱۹)

کیا انہوں نے نہیں دیکھا پرندوں کو کہ ان کے اوپر کس طرح پَر کھولے ہوتے ہیں اور پَر جھپکتے بھی ہیں، کوئی نہیں ہے ان کو روکے ہوئے بجز رحمٰن کے، وہی پروردگار رحمٰن ورحیم اپنی قدرت سے ان کو فضا میں معلق روکے ہوئے ہے، پرندوں کی یہ حالت خداوند عالم کی کبریائی کی بڑی ہی عظیم دلیل ہے، بے شک وہ پروردگار – جس نے یہ سب کچھ پیدا کیا – ہر چیز کو خوب دیکھنے والا ہے۔ (یعنی پرندوں کو روکتا ہے اپنے عمومی علم وحکمت کی وجہ سے، اور یہ کوئی نہیں کرسکتا اپنے علم و حکمت کے ناقص ہونے کے سبب سے۔)

شاید پرندوں کی مثال بیان کرنے سے یہاں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہو کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے عذاب بھیجنے پر قادر ہے اور کفار اپنے کفروشرارت سے اس کے مستحق بھی ہیں؛ لیکن جس طرح رحمٰن کی رحمت نے پرندوں کو ہوا میں روک رکھا ہے، عذاب بھی اس کی رحمت سے رکا ہوا ہے، کوئی بعید نہیں اسی لطیف اشارہ کے باعث اس موقعہ پر اللہ کی صفت رحمٰن ذکر فرمائی گئی ہو؛ حالانکہ یہ امر قدرت سے متعلق ہے، تو ظاہر کا تقاضا ہوسکتا تھا کہ صفت قدرت وعظمت کا ذکر ہوتا۔

(معارف القرآن ادریسی)

(۷)﴿إِنَّكَ كُنتَ بِنَا بَصِيرًا﴾(طٰہٰ:۳۵)

بلاشبہ تو ہم کو خوب دیکھنے والا ہے، یعنی تو خوب آگاہ ہے کہ ہم صرف تیری رضامندی چاہتے ہیں اور تو ہی داتا ہے کہ تبلیغ و دعوت میں ان چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

سیدنا موسیٰ ؑ نے اپنے لئے شرح صدر اور بھائی ہارونؑ کو وزیر بنانے کی درخواست کی اور اس کی علت کثرت ذکر و تسبیح کو بتایا تو بعد والی آیت میں اس کی بھی علت ذکر کی اور اس کو جملہ اسمیہ سے مؤکد کر کے (جو دوام و استمرار اور حصر کا فائدہ دیتا ہے) پیش کیا، اور اخیر میں بصیر کی صفت ذکر کی کیونکہ حضرت موسیٰؑ نے جو کچھ ذکر کیا اس کا تعلق ظاہری اعضاء اور رؤیت سے تھا۔

* تاکید سے خالی ۵ آیتوں میں مذکور ہے:

(۱)﴿وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾(آل عمران:۱۵۶)

اور اللہ ہی جلاتا اور مارتا ہے، سفر اور جہاد کو موت میں؛ اور وطن میں رہنے اور جہاد میں نہ جانے کو حیات میں کوئی دخل نہیں، بسا اوقات وطن میں رہنے والا مر جاتا ہے اور مسافر اور مجاہد خطرات اور ہلاکت کے میدانوں سے صحیح سالم واپس آجاتا ہے، گھر تو کیا؛ موت کو تو آہنی قلعہ بھی نہیں روک سکتا، اور اے مؤمنو! اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے کہ کوئی لفظ تمہاری زبان سے کافروں کے مشابہ اور مانند تو نہیں نکلتا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

کافروں کی مشابہت والے اعمال کا تعلق ظاہری نگاہ کے اعتبار سے ہے، لہذا صفت بصیر لائی گئی، خبیر و علیم نہیں لائے کیونکہ اس کا تعلق باطن سے ہے، اور علیم کا تعلق قلب اور خفی امور سے ہے۔

(۲)﴿وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾(بقرہ:۲۶۵)

مومن مخلص کی خیرات بمنزلہ باغ کے ہے کہ وہ ضائع اور برباد نہیں ہوتی، بقدر اخلاص، بقدر نیت اور بقدر اس کے خرچ کے اس کو ثواب ملے گا، زور کی بارش سے بہت مال خرچ کرنا مراد ہے اور شبنم اور اوس سے تھوڑا مال خرچ کرنا مراد ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھنے والے ہیں کہ کون اخلاص کے ساتھ خدا تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے دیتا ہے اور کون ریاء اور نفاق سے دیتا ہے اور کون دینے کے بعد احسان جتلاتا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

خلاصہ یہ کہ اللہ پاک کی راہ میں خرچ کرنے میں ریاکاری سے بچنا ضروری ہے، اس میں تنبیہ ہے کہ عمل کرنے والے اور ان کا عمل کتنا ہی زیادہ ہو ان کو جزاء عمل کے موافق ہی ملے گی، اور صفت بصیر سے بتادیا کہ اس پر کوئی عمل اس کی کیفیات کے ساتھ مخفی نہیں ہے۔

(۳) ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ (انفال: ۷۲)

اور اللہ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے، ایفاء عہد کرتے ہو یا عہد شکنی کرتے ہو، حکم خداوندی کی مخالفت نہ کرو۔ (معارف القرآن ادریسی)

مہاجرین وانصار کی دوستی ومحبت للہ تعالی ہے، لہذا وہ کبھی ختم نہیں ہوگی اور غیر مجاہدین والمہاجرین سے دوستی کی نفی کی گئی؛ لیکن یہ دشمنی بھی ہجرت کرنے سے ختم ہوسکتی ہے، پھر اس سلسلے کے احکام ذکر کئے، اور اوامر ونواہی کی بجا آوری (خاص کر کے ایفاء عہد) اعضاء سے تعلق رکھتی ہے، لہٰذا بصیر کی صفت لائی گئی۔

(۴) ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ (حدید: ۴)

وہ پروردگار تمہارے ہی ساتھ ہے جہاں کہیں بھی تم ہو، اور اللہ خوب دیکھتا ہے ان کاموں کو جو تم کرتے ہو، وہ کسی وقت اور کسی حال میں تم سے غائب نہیں اور اس سے کوئی عمل چھپا نہیں رہ سکتا، خواہ کوئی عمل ظاہر ہو یا چھپ کر کیا جائے، جب کہ وہ پروردگار دلوں کے حال احوال پر مطلع ہے، تو ظاہری اور حسی اعمال واحوال اس سے کیوں کر پوشیدہ رہ سکتے ہیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

خلاصہ یہ کہ اپنی صفت علم وقدرت کے ساتھ کما یلیق بشانہ وہ ہمارے ساتھ ہے، اس سے پہلے ذکر کردہ قدرت کی نشانیاں سب دعوی ہے، اور اس کی دلیل ذکر کی کہ وہ بصیر ہے؛ کوئی چیز اس کی طاقت وقدرت سے مخفی نہیں ہے۔

(۵) ﴿فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ (انفال: ۳۹)

اگر ظاہراً وہ اپنے کفر سے باز آجائیں اور کلمہ اسلام کا پڑھیں، تو تم ان کے ظاہری اسلام کو قبول کرو، اور ان کے دل اور نیت کا حال اللہ کے سپرد کرو، تحقیق اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو دیکھنے والا ہے، ان کے عمل کے موافق ان کو جزا دے گا۔ (معارف القرآن ادریسی)

خبیر بصیر

''بصیر'' کی صفت ۲۷ رجگہ مختلف ترکیبات کے ساتھ مستعمل ہے، ''واللّٰہ بما یعملون بصیر ''۱۹ رجگہ آیا ہے یعنی بصیر کی صفت یعملون یا تعملون (حاضر وغائب) کے ساتھ آئی ہے۔

﴿وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا يَعْمَلُوْنَ﴾ (بقرۃ: ۹۶)

﴿اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ (بقرۃ: ۱۱۰)

﴿وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ﴾ (آل عمران: ۲۰)

﴿اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا﴾(طٰہٰ:۳۵)

اسی طرح بالعباد یا بعبادہ یا بنا کے ساتھ آیا ہے،لفظ بکل شیئ کے ساتھ سورہ ملک :۱۹ میں آیا ہے۔

خبیر وبصیر کا فرق:

کچھ حضرات نے بصیر کو علیم وخبیر کے مترادف مانا ہے،لیکن تتبع سے پتہ چلتا ہے کہ سب میں قدرے اشتراک کے ساتھ افتراقی معنی بھی پایا جاتا ہے جو اس کو دوسرے سے ممتاز کرتا ہے۔صفت بصیر کا تعلق ظاہری بصارت کے ساتھ ہے،لیکن اللہ تعالی کے لئے اس کا ظاہری وخفی معنی کسی ظاہری جسم کے بغیر ہوگا۔

نظم قرآنی کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ صفت بصیر عامۃ **یعملون** فعل کے ساتھ مستعمل ہوتا ہے،جیسے کہ صفت علیم عامۃ **یفعلون** کے ساتھ ہی آیا ہے۔

فعل اور عمل کے معنی میں فرق:

عمل کا تعلق انسانی اعضاء سے ہے اور وہ ظاہر میں نظر آتے ہیں؛لہذا بصیر کا تعلق اس کے مناسب ہے،لیکن عمل خاص ہے اور فعل عام ہے،نیز عمل اپنے وجود کے لئے زمانے کا محتاج ہوتا ہے،جبکہ فعل بہت سرعت کے ساتھ بھی وجود میں آسکتا ہے۔

امام زرکشی فرماتے ہیں:

ان العمل اخص من الفعل و کل عمل فعل ولیس العکس.

اسی لئے نحویوں نے اسے اسم کے مقابلے میں رکھا ہے۔"**یعملون له ما یشاء**" اس میں زمانہ چاہئے۔

"**یفعلون ما یؤمرون**" یہ پلک جھپکنے میں ہوگیا،اسی طرح "**الم تر کیف فعل ربك باصحاب الفیل**" اور "**کیف فعل ربك بعاد**" نیز "**تبین لکم کیف فعلنا بھم**" ان تینوں آیتوں میں بھی ہلاکتیں بہت جلد واقع ہوئی۔

فانھا اھلاکات وقعت فی غیرہ بطأ. (زرکشی)

یہ بھی عجیب ہے کہ بصیر کی صفت فعل ماضی کے ساتھ نہیں آئی ہے؛ بلکہ فعل مضارع کے ساتھ ہی آئی ہے،جو زمانہ حال پر دلالت کرتا ہے اور وہ بصیر کے زیادہ مناسب ہے،جو مشاہدہ پر دلالت کرتا ہے،فعل ماضی جب ماضی کی چیز پر دلالت کرتا ہے تو پھر بصیر اس کے مناسب نہیں ہے۔

صفت بصیر ایک جگہ بکل شئی کے ساتھ مستعمل ہے،سورۂ ملک (آیت:۱۹) میں **انه بکل شئی بصیر** آیا ہے،وہ پرندوں کے فضا میں صف بستہ اور پر اوپر نیچے کرتے ہوئے مشاہدہ والے عمل کو ذکر کرنے کے لئے آیا ہے،اللہ پاک صرف پرندوں کو ہی نہیں دیکھتے ہیں، بلکہ ان کے تمام امور کا مشاہدہ بھی فرماتے ہیں۔

قال الامام الالوسی :وتقديم الخبير لتقدم متعلقه من الاعتقادات والنيات التي هي مبادئ الأعمال الظاهرة؛ لأن العبرة بما في القلب، كما يدل عليه أن الله سبحانه وتعالى لا ينظر إلى صوركم وأعمالكم ولكن ينظر إلى قلوبكم ونياتكم، ونية المؤمن خير من عمله. (روح المعانی:۱۵/۴۵، الغزہ:۲۵۹)

قال الإمام ابن عاشور: ”وتقديم الخبير على البصير؛ لأنه أشمل، وذكر البصير عقبه للعناية بالأعمال التي هي من المبصرات، وهي غالب شرائع الإسلام، وقد تكرر إرداف الخبير بالبصير في مواضع كثيرة من القران“. (التحریر والتنویر:۱۱/۴۸۱، غزہ:۲۶۰)

سورۂ اسراء آیت:۳۰ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ کسی کے لئے رزق کو کشادہ اور کسی کے لئے تنگ کرتے ہیں، وہ جانتا ہے کہ کس کو رزق کی کشادگی فائدہ مند ہوگی اور کس کو نقصان کرے گی، اس کا تعلق خبیر سے ہے؛ کیونکہ وہ بندے کے لئے غناء کے نقصان کی شکل میں اتنا ہی دیتا ہے، جس میں اس کی صلاح وفلاح ہو اور یہ معنیٰ بصیر سے متعلق ہے، ”بعبادہٖ“ میں اپنی طرف بندے کی نسبت کر کے اس کو یقین دلایا کہ جب تو میرا بندہ ہے تو تیری مصلحت کا میں خیال رکھوں گا اور تجھے بھی بندہ بن کر رہنا ہے۔

[۲] خبیر کے ساتھ دو طریقوں سے آتا ہے:

* تاکید کے اسلوب سے خالی (بغیر تاکید کے) ایک آیت میں آیا ہے:

(۱) ﴿وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا﴾ (اسراء:۱۷)

ہم نے حضرت نوح علیہ السلام کے بعد کتنی ہی قومیں اور امتیں ہلاک کر دیں، مطلب یہ ہے کہ پچھلے لوگ پیغمبروں کی نافرمانی کے بدولت عذاب کا مزہ چکھ چکے ہیں، منکرین اور مکذبین کو چاہئے کہ ان سے عبرت پکڑیں، اور اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تیرا پروردگار اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی خبردار ہے اور ظاہر و باطن کو دیکھنے والا ہے، اسے خوب معلوم ہے کہ کون طالب دنیا ہے اور کون طالب آخرت ہے؟ سب کے دل اس کی نظروں کے سامنے ہیں، کسی کی نیت اور دل کا حال اس سے پوشیدہ نہیں؛ اس لیے اب آئندہ آیت میں طالبان دنیا اور طالبان آخرت کا حال اور مآل ذکر فرماتے ہیں کہ کس کے دل میں دنیا کی طلب ہے اور کس کے دل میں آخرت کی طلب ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

خبیر کو مقدم کرنے میں حکمت:

کثرت ذنوب ہلاکت کا سبب ہے، خبیر کو مقدم کیا اعمال ظاہرہ و باطنہ دونوں پر دلالت کی وجہ سے، گناہ یا تو شرکیہ عقائد یا اعمال سیئہ سے متعلق ہوں گے، عقیدہ کا تعلق خبیر سے ہے اور اعمال کا تعلق بصیر سے ہے، لہٰذا یہ ترتیب ذکر کی

گئی، خبیر وبصیر ذات جب سزا دیتی ہے تو ظلم و جہالت؛ عجلت و کم علمی کا وسوسہ نہیں گذرتا۔

* تاکید کے اسلوب پر تین آیات میں ہے:

(۱) ﴿وَإِنَّهُ بِعِبَادِهِ خَبِيرٌ بَصِيرٌ﴾ (شوریٰ:۲۷)

فقراء اور غرباء جو اگرچہ اپنی کمائی میں امراء کے محتاج ہیں؛ لیکن اس کے بالمقابل امراء بھی ان کے محتاج بنا دیئے گئے کہ ان کی خدمت واعانت کے بغیر ان کی زندگی نہیں گذر سکتی؛ لیکن وہ اتارتا ہے رزق ایک اندازہ کے ساتھ- جتنا بھی چاہے- اپنی حکمت کے لحاظ سے، اس حکمت کے پیش نظر اللہ نے رزق میں مخلوق کے درمیان تفاوت درجات رکھا، جیسا کہ ایک حدیث میں ارشاد ہے: ان اللّٰہ تعالیٰ قسم بینکم اخلاقکم کما قسم بینکم ارزاقکم کہ اللہ نے تمہارے درمیان اخلاق کی بھی اسی طرح تقسیم کر دی ہے جیسے کہ تمہارے درمیان تمہارے رزق تقسیم کیے، بے شک وہ پروردگار اپنے بندوں کے احوال پر خوب مطلع ہے، اور خوب ان کو دیکھنے والا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

مخلوق کے تمام ظاہری باطنی احوال سے واقف ہے؛ لہٰذا کس کو کتنا رزق دینا ہے، کس کو تنگ رکھنا ہے، یہ سب وہ اپنی حکمت سے کرتا ہے، صفت خبیر وبصیر کو جمع کیا کیوں کہ وہ مصالح عباد واحوال مخلوق کو ان کے پیدا کرنے اور تقدیر واسباب تقدیر (یعنی ما یکون) کو جاننا (خبیر) ہے، اور صفت بصیر ان کے ان احوال سے متعلق ہے جو ما کان سے تعلق رکھتے ہے۔

والجمع بين وصفي (خبير و بصير) لان وصف خبير دال على العلم بمصالح العباد، واحوالهم قبل تقديرها، وتقدير اسبابها اى العلم بماسيكون، ووصف بصير دال على العلم المتعلق باحوالهم التى حصلت، والمتعلقين للعلم الالهى بينهما فرق واضح لا خفاء فيه. (التحریر والتنویر: ۱۲۵/۱۳) لبغوا فی الارض سے خبیر کا تعلق اور ولکن ینزل بقدر مایشاء بصیر سے متعلق ہے۔

(۲) ﴿إِنَّ اللَّهَ بِعِبَادِهِ لَخَبِيرٌ بَصِيرٌ﴾ (فاطر: ۳۱)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا حال جاننے والا اور دیکھنے والا ہے کہ کون اس کی تصدیق کرتا ہے اور کون تکذیب کرتا ہے اور کون اس کا اتباع کرتا ہے اور کون اس سے انحراف کرتا ہے؟ (معارف القرآن ادریسی)

قرآن کریم منزل من اللہ تعالیٰ ہے، یہ فرمانے کے بعد خبیر وبصیر کی صفات ذکر کی تاکہ کمزور ایمان والوں کا شک دور ہو جاوے، کہ اللہ تعالیٰ ظاہر وباطن دونوں کو جانتا ہے لہذا یہ قرآن کریم نہ ظاہری اعتبار سے باطل ہے نہ باطنی اعتبار سے باطل ہے، یا مشرکین قرآن کے نزول کے لئے مکہ مکرمہ وطائف کے بڑے سرداروں کے متعلق عرض کرتے تھے تو ان کا جواب دیا کہ ظاہر وباطن کے متعلق بصیر وخبیر ذات اقدس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی اپنی وحی کے مناسب سمجھا۔ اور خبیر کو

مقدم کرکے اشارہ کردیا کہ اصل تو باطن اور روحانی امور کی اصلاح ہے۔ ان اللّٰہ لا ینظر الی صور کم (حدیث) لیکن بصیر لاکر اعمال ظاہرہ کو بھی اہمیت دی گئی ہے۔

(۳) ﴿إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا﴾ (اسراء:۳۰)

بے شک تیرا پروردگار کشادہ کرتا ہے رزق جس کے لیے چاہتا ہے اور تنگی کرتا ہے جس پر چاہے، اس میں حکمتیں اور مصلحتیں ہیں، مطلب یہ ہے کہ قبض اور بسط اللہ ہی کو زیبا ہے اس کے خزانے خالی نہیں ہوتے، رہے بندے سوان پر حکم کے مطابق میانہ روی واجب ہے، بے شک اللہ اپنے بندوں کے باطن سے باخبر ہے اوران کے ظاہر کو دیکھنے والا ہے، وہ اپنی حکمت اور مصلحت سے جس بندہ کو چاہتا ہے تو انگر بنا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے فقیر بنا دیتا ہے، اللہ کو معلوم ہے کہ کون امیری کے لائق ہے اور کون فقیری کے لائق ہے، تم بندے ہو تمہیں مصلحتوں اور حکمتوں کا علم نہیں؛ لہٰذا تم کو جو میانہ روی کا حکم دیا گیا ہے تم اس کی تعمیل کرو۔

حضرت شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں یعنی ''محتاج کو دیکھ کر بے تاب نہ ہوجاؤ، اس کی حاجت تیرے ذمہ نہیں اللہ کے ذمہ ہے'' انتہیٰ کلامہ۔ مطلب یہ ہے کہ تمہارے ہاتھ روکنے سے تم غنی اور دوسرا فقیر نہ ہوجائے گا اور تمہاری سخاوت سے تم فقیر اور دوسرا غنی نہیں بن جائے گا، امیر بنانا اور غریب بنانا سب اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے تمہارا کام میانہ روی ہے، اللہ تعالیٰ نے تم کو جو حکم دیا وہی تمہارے حق میں بہتر ہے تم اللہ کے حکم پر چلو اور اپنی فکر کرو اور اپنے انجام کو سوچو۔

(۴) ﴿قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۚ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا﴾ (اسراء:۹۶)

اور اگر باوجود دلائل ظاہرہ اور آیات باہرہ کے یہ ظالم آپؐ سے کہیں کہ آپ کی نبوت ورسالت کا گواہ کون ہے؟ تو آپ جواب میں کہہ دیجئے کہ میرے نبی اور رسول ہونے پر میرے اور تمہارے درمیان اللہ کافی ہے گواہ، اللہ کی گواہی یہ ہے کہ اس نے میری زبان سے علم وحکمت کے چشمے جاری کردیئے اور قسم قسم کے معجزات اور نشانات میرے ہاتھ سے تم کو دکھلا دیئے، یہی اللہ کی گواہی ہے، بے شک وہ اپنے بندوں سے خبر دار ہے، ان کو دیکھنے والا ہے، وہ صادق کو بھی جانتا ہے اور کاذب کو بھی اور سعادت وشقاوت اور ہدایت و ضلالت سب اس کے ہاتھ میں ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

اللہ پاک کو رسالت کے لئے کس کا انتخاب کرنا ہے وہ سب کچھ ظاہری وباطنی طور پر جانتا ہے، سب میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا مستحق سمجھا تو خبیر وبصیر نے ان کا انتخاب فرمایا۔

صفت بصیر وخبیر والی پانچوں آیتوں میں لفظ **بعبادہ** کا ذکر ضرور آیا ہے، گویا دونوں صفات بندوں کے ظاہری وباطنی احوال سے متعلق ہے۔

اسی طرح آیات کے شروع میں ”اولم یروا“ آیا ہے تو اس کے مناسب صفت بصیر ہی ہے۔

السمیع البصیر

سمیع العلیم میں جو باتیں کہی جائے گی وہ سمیع بصیر میں بھی کہی جا سکتی ہے، البتہ دونوں میں تھوڑا سا اختلاف ہے، وہ یہ کہ سمیع بصیر میں وہ چیزیں ہوتی ہیں، جن کا تعلق سننے کے ساتھ دیکھنے سے ہے، چاہے وہ آیت کے شروع میں ہو یا سیاق میں ہو یا شان نزول کے متعلق ہو۔ نیز سمیع بصیر عام اعتبارات میں چیز کا احاطہ اور معیت کا فائدہ دیتے ہیں، اس میں مؤمنین کو مانوس کیا جاتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے اقوال کو سنتے اور ان کے احوال کو دیکھ رہے ہیں، اور کفار کو تہدید وتحذیر، ڈرایا دھمکایا جا رہا ہے، جیسے کہ حضرت موسیٰ و ہارونؑ کے قول ﴿قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى﴾ (طہ: ۴۵) تو اللہ پاک نے اس کے جواب میں فرمایا: ﴿قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى﴾ یعنی معیت خداوندی ان کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور ہم کو فرعون پر مکمل قدرت حاصل ہے، **اسمع واری** کے معمول کو حذف کرنا عموم کا فائدہ دے رہا ہے، ہر طرح کی مسموعات ومرئیات کو شامل ہے۔

قال الإمام الرازي في معرض تفسير قوله تعالى: ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ﴾ (الحج: ۶۱)

”أي تعلق لقوله: إن الله سميع بصير بما تقدم، الجواب أنه كما يقدر على ما لا يقدر عليه غيره، فكذلك يدرك المسموع والمبصر، ويكون ذلك كالتحذير من الإقدام على ما لا يجوز في المسموع والمبصر“.

(تفسير الفخر الرازی: ۲۱/۱۲)

اسی طرح المجادلۃ آیت: ۱، الاسراء: ۱، اور النساء: ۵۸ میں سمیع وبصیر پر ختم کی حکمت بہت واضح طور پر ظاہر ہو رہی ہے۔

۳ سمیع کے ساتھ ۴ طریقوں سے آتا ہے:

* حصر اور تاکید کے اسلوب پر دو آیتوں میں ہے:

(۱) ﴿اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ (اسراء: ۱)

پاک اور بے عیب ہے وہ ذات جو اپنے خاص بندہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کے ایک حصہ میں مسجد حرام سے یعنی خانہ کعبہ سے مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس تک لے گیا، ایسی مسجد جس کے گرداگرد ہم نے دینی اور دنیوی برکتیں رکھی ہیں، دینی برکت یہ ہے کہ وہ سرزمین انبیاء کرامؑ کا مولد ومسکن اور ان کا مدفن ہے، جس پر لیل ونہار اللہ کی وحی نازل ہوتی تھی، اور فرشتوں کا نزول ہوتا تھا اور دنیوی برکت یہ ہے کہ وہ زمین چشموں، نہروں، میووں اور درختوں سے مالا مال ہے، تو ہم

اپنے خاص بندے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جگہ لے گئے؛ تاکہ ہم اس کو اپنی قدرت کی بعض نشانیاں دکھائیں کہ تھوڑی ہی دیر میں مکہ معظّمہ سے براق پر سوار ہو کر ملک شام پہنچ گئے اور مسجد اقصیٰ میں انبیاء کرام سے ملاقات فرمائی اور ان کی امامت فرمائی، پھر وہاں سے ساتوں آسمانوں کی سیر کی اور بیت معمور اور سدرۃ المنتہی پہنچے؛ بلکہ اس سے بھی اوپر؛ تاکہ اس آسمانی سیر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کرامت اور علو مرتبت ظاہر ہو اور لوگوں کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت واضح طور پر ثابت ہو جائے، بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے، یعنی وہ اپنے نبی کے پاکیزہ اقوال کو سنتا ہے اور اس کے پسندیدہ افعال کو دیکھتا ہے اور اس کے مطابق اس کا اکرام ہوتا ہے اور فرش سے لے کر عرش تک اس کو اپنے عجائب ملکوت کا مشاہدہ کراتا ہے یا یہ معنی ہیں کہ اللہ اپنے بندوں کے اقوال کو سنتا ہے اور ان کے افعال دیکھتا ہے، ان کے مطابق ان کو جزاء وسزا دے گا۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۲) ﴿إِنَّ اللَّهَ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (غافر:۲۰)

گزشتہ آیات میں منکرین کی ذلت و رسوائی کا بیان تھا اور یہ کہ قیامت کے روز عذاب خداوندی دیکھ کر وہ اس کی تمنا کریں گے کہ کاش ہمیں پھر دنیا کی طرف لوٹا دیا جائے؛ تاکہ ہم ایمان لے آئیں اور نیک کام کرلیں، اب ان آیات میں ایسے منکروں اور ظالموں کو اس دن کی بے چینی اور اضطراب سے متنبہ کیا جا رہا ہے اور اسی کے ساتھ تاریخ قدیم میں گزرے ہوئے مجرمین اور سرکشوں کا انجام ہلاکت بیان کر کے یہ سمجھایا جا رہا ہے کہ اے کفار مکہ! تم لوگ اللہ کے دین کا مقابلہ اور پیغمبر خدا کی مخالفت کر کے خدا کے عذاب سے نہیں بچ سکتے، عاد و ثمود کو جب ان کی بے پناہ طاقت اور قوت نہ بچا سکی تو تمہاری کیا حقیقت ہے، تو فرمایا: اور اے ہمارے پیغمبر! آپ ان کو ڈرایئے قریب آنے والے دن کی مصیبت سے جو قیامت کا دن ہے، جس وقت کہ کلیجے منہ تک آتے ہوں گے شدت اضطراب و بے چینی کی وجہ سے، دم گھٹتے ہوں گے شدت غم کی وجہ سے، حال یہ ہوگا کہ اس وقت ان ظالموں کے واسطے نہ کوئی ولی اور دوست ہوگا اور نہ ہی کوئی ایسا سفارشی ہوگا جس کی بات مانی جائے، وہ پروردگار ظاہری اعمال و افعال اور نافرمانیاں تو درکنار؛ وہ تو جانتا ہے آنکھوں کی خیانت کو بھی اور ان چیزوں کو بھی جن کو سینے چھپاتے ہیں اور جس پروردگار کا علم اس قدر وسیع اور محیط ہو وہ اللہ ٹھیک فیصلہ کر دے گا اور یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر جن کی پرستش کرتے تھے وہ کسی طرح کا بھی فیصلہ نہیں کر سکتے؛ کیونکہ ان کو نہ علم ہے اور نہ قدرت ہے، علم کے بغیر فیصلہ درست نہیں ہو سکتا اور قدرت کے بغیر نافذ نہیں ہو سکتا، بے شک اللہ ہی وہ پروردگار ہے جو سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے، اس بناء پر اس کا فیصلہ نہایت ہی محکم ہوگا اور ہر عمل کا بدلہ عین عمل کے مطابق ہوگا۔

(معارف القرآن ادریسی)

* کان استمرار کے ساتھ ۲ آیتوں میں مذکور ہے:

(۱) ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا﴾ (نساء:۵۸)

تحقیق اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو امانت والوں کے حوالہ اور سپرد کردو، خواہ وہ امانتیں دنیا سے متعلق ہوں یا دین سے۔

مؤمنین کو امانات کی ادائیگی اور عدل کا حکم کرنے کے بعد فرمایا کہ اوامر کی بجا آوری میں فائدہ اور بشکل دیگر نقصان ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ سننے والے ہیں لہذا کوئی چیز اس پر مخفی نہیں ہے۔ اور تمہارے اعمال کو دیکھ بھی رہے ہیں، لہذا بجا آوری میں ہی فائدہ ہے۔

لانہ سیجازیکم علی اعمالکم ان خیر افخیرا، وان شر افشرا. (الکبیر: ۱۰/۱۴۲)

(۲) ﴿وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا بَصِيرًا﴾ (نساء:۱۳۴)

جو شخص اپنے اعمال کے صلہ میں صرف دنیا کا انعام چاہتا ہے تو یہ اس کی نادانی ہے، اسے معلوم نہیں کہ اللہ کے یہاں دنیا اور آخرت دونوں کا انعام ہے، اور ہے اللہ سننے والا دیکھنے والا، وہ بندوں کی دعائیں سنتا ہے کہ کون دنیا کی درخواست کرتا ہے اور کون آخرت کی اور تمہاری نیتوں کو دیکھتا ہے کہ دل میں کیا چھپا ہوا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

خلاصہ یہ کہ دنیا و آخرت میں صرف دنیا کے طالبین کو فرمایا کہ وہ سمیع و بصیر ہے، لہٰذا دنیوی طلب کو سنتا دیکھتا ہے۔

سمیع و بصیر کو ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ثواب کا ارادہ یا تو دعاء کرنے سے ہوتا ہے یا کوشش کرنے سے دعاء سنی جاتی ہے، اور عمل دیکھا جاتا ہے؛ لہٰذا دونوں صفات کی وجہ سے کامل جزاء ملے گی۔

* حصر کے ساتھ، کان استمرار کے بغیر، تاکید کے تین آیتوں میں مذکور ہے:

(۱) ﴿اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ﴾ (حج:۷۵)

بندہ میں یہ قدرت نہیں کہ وہ اللہ کو صحیح طور پر پہچان سکے، اس لیے اللہ تعالیٰ بندوں کی ہدایت کے لیے رسول بھیجتا ہے کہ وہ لوگوں کو خدا کی ذات و صفات سے آگاہ کریں، بندے اس بات سے عاجز ہیں کہ وہ محض اپنی عقل سے خدا کو پہچان سکیں، اس لیے آئندہ آیت میں نبوت کا مسئلہ بیان فرماتے ہیں، اللہ ہی انتخاب کرتا ہے فرشتوں میں سے پیغام پہنچانے والے اور اسی طرح لوگوں میں سے پیغمبروں کو اپنے پیغامات اور احکام پہنچانے کے لیے منتخب کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ پیغام پہنچانے کے لیے انتخاب کرنا اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، وہ اپنا پیغام دے کر ملائکہ کو انبیاء کی طرف بھیجتا ہے اور انبیاء کو لوگوں کی طرف بھیجتا ہے، پیغام لے جانے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ فرشتہ ہی ہو، خدا کو اختیار ہے کہ فرشتہ

کے ذریعہ بھیجے یا بشر کے ذریعہ۔

بے شک اللہ تمہارے اقوال کو سننے والا اور تمہارے افعال کو دیکھنے والا ہے، تمہارا کوئی حال اس سے پوشیدہ نہیں اور وہ سمیع و بصیر خوب جانتا ہے، جو ان کے روبرو اور سامنے ہے اور جو ان کے پس پشت اور پیچھے ہے، یعنی اللہ تعالیٰ فرشتوں، پیغمبروں اور تمام احوال سے اوران کے ماضی، حال اور استقبال سے پورا پورا باخبر ہے، اس کو اختیار ہے کہ جس کو چاہے اپنی رسالت کے لیے منتخب کرے ﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ﴾ اور تمام امور کا مرجع اللہ ہی کی ذات بابرکت ہے، ہر چیز کا اختیار اسی کو ہے، اللہ کے سوا اختیار کسی کو نہیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۲) ﴿اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ﴾ (لقمان:۲۸)

منکرین قیامت کے استبعاد کا رد فرماتے ہیں کہ جو یہ کہتے ہیں کہ موت کے بعد حشر ونشر کیسے ہوگا نہیں ہے تمہارا پیدا کرنا، اور نہیں ہے موت کے بعد تمہارا اٹھانا مگر مثل ایک جان کے پیدا کرنے اور جلانے کے، اس کی قدرت کے اعتبار سے سب لوگوں کا پیدا کرنا اور ایک جان کا پیدا کرنا سب برابر ہے، اس کی قدرت ازلیہ میں قلیل و کثیر سب برابر ہیں، ﴿اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـــًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بیک وقت تمام عالم کی آوازیں سننے والا ہے اور بیک وقت تمام کائنات کو دیکھنے والا ہے، اور ظاہر ہے کہ ایسے قادر مطلق کی قدرت کاملہ میں عجز کا دخل نہیں، ایسی ذات کو سارے عالم کا دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے اور جس طرح سمع اور بصر سے اشیاء کا ادراک دفعۃً ہوتا ہے اسی طرح خدا کے لیے سارے عالم کا دفعۃً احیاء (دوبارہ زندہ کرنا) بھی ممکن ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۳) ﴿اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ﴾ (مجادلہ:۱)

بے شک اللہ نے سن لی ہے اس عورت کی بات جو -اے ہمارے پیغمبر- آپ سے جھگڑ رہی تھی، اپنے خاوند کے حق میں، اور شکایت کر رہی تھی اپنی مصیبت و پریشانی کی اللہ کے سامنے، اور اسی کی بارگاہ میں التجا کر رہی تھی، اور اللہ سن رہا تھا تم دونوں کے سوال و جواب کو اور آپس کی رد و قدح کو کہ خولہؓ کہہ رہی تھی: یارسول اللہ اس نے مجھے طلاق نہیں دی اور اب میں کس طرح زندگی گزاروں اس کے یہ کہنے سے کہ "تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے" میں حرام ہوگئی، اور آپ کہتے تھے کہ مجھ پر تو کوئی اور حکم اللہ کی طرف سے نازل نہیں ہوا، بے شک اللہ خوب سنتا دیکھتا ہے، تو اس نے ایک دکھی عورت کی آواز والتجاء کو سنا اور اس کی مصیبت و پریشانی سے نجات پانے کا راستہ پیدا کر دیا۔ (معارف القرآن ادریسی)

تقول عائشة، قالت: الحمد لله الذي وسع سمعه الأصوات لقد جاءت المجادلة إلى النبي صلى الله عليه وسلم وأنا في ناحية البيت تشكو زوجها، وما أسمع ما تقول فانزل الله: قد سمع الله قول التى تجادلك فى

زوجھا. (ابن ماجہ:۱/۶۸)

* ایک آیت میں حصر کا شائبہ ہے:

(۱) ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (شوریٰ:۱۱)

یقیناً وہ پروردگار اپنی ذات وصفات میں ایسا کامل اور برتر ہے کہ اس کا کوئی مثل نہیں ہے، اسی کے اختیار میں ہیں کنجیاں آسمانوں اور زمین کی، اسی کے تصرف میں تمام کائنات ہے، جب چاہا کسی چیز کو خواہ رزق ہو یا عمل، ہدایت وگمراہی ہو، راحت وتکلیف ہو، نفع ونقصان، صحت و بیماری ہو، عزت وذلت ہو، ان سب چیزوں کی کنجیاں اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں، اگر وہ کسی چیز کو کھول دے تو کوئی دوسرا بند نہیں کرسکتا اور اگر بند کردے تو کھول نہیں سکتا، یہ سب باتیں دلائل سے ثابت ہیں، جن کے انکار کی عقلاً کوئی گنجائش نہیں، اسی کے قبضہ میں رزق ہے، جس کے واسطے چاہے رزق پھیلا دے اور جس کے واسطے چاہے تنگ کردے، بے شک وہی ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے، جانتا ہے کہ جس کو رزق زیادہ دیا تو کس حکمت سے دیا اور جس پر تنگی کی تو کس حکمت سے کی۔ (معارف القرآن ادریسی)

دو چیزوں میں مماثلت سے وہم نہ ہونا:

دو چیزوں کا مماثل ومشابہ ہونا اس کو وہم میں نہیں ڈالتا۔

قال الرازی فاتی بالوصفین الدالین علی علوہ تعالی و کمال قدرته علی المسموعات والمبصرات تنبها علی ان مماثلة الاشیاء له لا یتوهم منه لانه تعالی منزه عن ان یتصف بصفات المخلوق لان له الصفات الکاملة (الکبیر:۲۷/۱۳۵) نفی کی صفت لیس کمثله شییء کے بعد سمیع وبصیر کا اثبات ان دونوں صفات کی اہمیت (ادراک تامہ سمعا وبصرا) کو اجاگر کرتا ہے۔

خبیر

خَبَرٌ سے بھی خَبِيْرٌ بنتا ہے اور خَبُرَتْ سے بھی۔

لہٰذا خبیر وہ ہے جو جملہ اخبار غیب وشہادت کی اطلاع پر حاوی ہے، جو دنیا وآخرت کے احوال کو جانتا ہے، جسے جملہ وقائع کی خبر ہے، جو دانائی وزیرکی کا مالک ہے۔

جب ''خَبِیْر'' کے ساتھ ''عَلِیْم'' کا اسم ہوتا ہے تب علیم کا تعلق علم ذات سے ہوتا ہے اور ''خبیر'' کا تعلق دوسرے افعال سے، قرآن مجید میں اس اسم کا اطلاق کہیں اسم بَصِیْر کے ساتھ، کہیں اسم علیم کے ساتھ اور کہیں اسم لطیف

کے ساتھ ہوا ہے، اور یہ جملہ اسماء اطلاع وخبر اور واقفیت وعلم کے مختلف مدارج کو ظاہر کرتے ہیں۔ (قاضی منصور پوری: ۱۰۴)

یہ صفات چار مقامات پر آئی ہے۔ تمام مقامات پر سیاق دلالت کرتا ہے کہ اللہ پاک نے جو چیزیں ایجاد فرمائی وہ سب محکم اور حکمت کے ساتھ پیدا فرمائی ہے، اس کے ساتھ جب صفت خبیر کو لایا گیا تو یہ بتانے کے لئے کہ وہ اپنی مخلوق سے مکمل طور پر باخبر ہے، حکیم فی امرہ خبیر فی خلقه، سورۂ ہود آیت: ۱ میں ﴿أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِن لَّدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ﴾ سے واضح ہوتا ہے۔

علامہ ابن قیم حکیم وخبیر کی مناسبت سے فرماتے ہیں کہ یہ دونوں صفات کمال ارادہ پر دلالت کرتے ہیں، اور یہ بغیر حکمتِ بالغہ اور کمال علم کے ممکن نہیں ہے۔ اور اس کا تعلق ظاہری معلومات کے ساتھ ان باطنی چیزوں سے بھی ہوتا ہے جن کا ادراک بغیر تجربہ وپختگی کے نہیں ہوتا، پس حکمت کی نسبت ارادہ کے ساتھ ایسی ہی ہے جیسے خبر کی نسبت علم کے ساتھ ہے۔ پس مراد ظاہر ہے اور حکمت پوشیدہ ہے، اور علم ظاہر ہے اور تجربہ وخبر باطنی ہے۔ لہذا کمالِ ارادہ حکمت کے ساتھ واقع ہوتا ہے اور کمال علم تجربہ وخبر کو واشگاف کرتا ہے۔

الحكيم الخبير الدالان على كمال الإرادة، وأنها لا تتعلق بمراد إلا لحكمة بالغة، وعلى كمال العلم، وأنه يتعلق بظواهر المعلومات فهو متعلق ببواطنه التي لا تدرك إلا بالخبرة، فنسبة الحكمة إلى الإرادة، كنسبة الخبرة إلى العلم فالمراد ظاهر والحكمة باطنة، والعلم ظاهر والخبرة باطنة، فكمال الإرادة أن تكون واقعة على وجه الحكمة، وكمال العلم أن يكون كاشفا عن الخبرة، فالخبرة باطن العلم وكماله، والحكمة باطن الإرادة وكمالها. (بدائع الفوائد: ۱/۸۷)

یہ حکمتیں کبھی بعض لوگوں پر ظاہر ہوتی ہیں اور بعض سے مخفی رہتی ہیں، یہ دقت وکمال علم کے ساتھ حاصل ہوتی ہیں۔

قال الامام ابن عاشور: ووصف الحكيم تجمع إتقان الصنع فتدل على عظم القدرة، مع تعلق العلم بالمصنوعات، وصفة الخبير تجمع العلم بالمعلومات ظاهرها وباطنها. (التحریر والتنویر: ۴/۲۹۲)

حکیم کسی چیز کو بہترین انداز میں قوت وپختگی کے ساتھ مصالح کی رعایت کرتے ہوئے انجام دیتا ہے، اس حکمت ومصلحت کا ظہور علمائے ماہرین ومتقنین ومتقین پر ہوتا ہے چونکہ حکیم کوئی بھی کام مکمل علم کے ساتھ کرتا ہے؛ لہذا ساتھ میں صفت خبیر بھی ذکر کی گئی۔

قال الامام البقائی: ولما كانت الحكمة لا تتهيأ الا بدقيق العلم وصافيه ولبابه وهو الخبرة، قال الخبير، اى البليغ الخبير، وهو العلم بظواهر الامور وبواطنها حالا وما لا. (نظم الدرر: ۶/۱۴۹)

صفت خبیر دونوں کے درمیان فرق بتاتا ہے، خبیر وہ ذات ہے جو چیزوں کے اندرون و باطن کا علم اس کے ظاہر کو جاننے کے ساتھ رکھتی ہو۔

ووصف الحکیم تجمع اتقان الصنع فتدل علی عظم القدرۃ، مع تعلق العلم بالمصنوعات، وصفۃ الخبیر تجمع العلم بالمعلومات ظاھرھا وباطنھا. (التحریر والتنویر:۴/۴۹۲)

خبیر پر ختم ہونے والی آیات کا ضابطہ:

قرآن مجید میں صفت خبیر ۴۵ مرتبہ آئی ہے، اور عامۃً فعل **یعملون یا تعملون** کے ساتھ ہی مستعمل ہے، خبیر اول وہلہ میں علیم کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ علیم صرف علم پر دلالت کرتا ہے، جبکہ خبیر امور باطنہ کے علم پر دلالت کرتا ہے، خبیر علیم پر مزید اضافہ کا نام ہے، خبیر پر ختم ہونے والی آیات میں جب ہم غور وفکر کرتے ہیں تو اس کے دو بنیادی محور نظر آتے ہیں:

(۱) اللہ پاک کے اوامر ونواہی، چاہے مؤمنین کے لئے ہو یا غیر مؤمنین کے لئے، اور یہ طلب کا محور زیادہ مقدار میں پایا جاتا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ بندوں کے مختلف احوال (مصائب، فضائح اور باطنی چھپی ہوئی چیزوں) کو منکشف اور واضح کرتے ہیں۔

محور اول:

(۱) طلب کی مثالیں:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ كَذَلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا إِنَّ اللهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾ (نساء:۹۴)

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَى أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ إِنْ يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللهُ أَوْلَى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَى أَنْ تَعْدِلُوا وَإِنْ تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾(نساء:۱۳۵)

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَاتَّقُوا اللهَ إِنَّ اللهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾(مائدہ:۸)

﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَلِكَ أَزْكَى لَهُمْ إِنَّ اللهَ خَبِيرٌ بِمَا

يَصْنَعُوْنَ﴾ (نور:۳۰)

﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا﴾ (فرقان:۵۸)

﴿وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا﴾ (احزاب:۲)

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ (مجادلہ:۱۱)

یہ تمام آیات طلب پر مشتمل ہیں، ''فتبینوا، کونوا قوامین، اعدلوا، یغضوا، وتوکل، واتبع، فافسحوا وغیرہ بالترتیب اس کو واضح کرتے ہیں، چونکہ صفت خبیر باطنی اور دقیق مخفی اشیاء کے جاننے پر دلالت کرتی ہے، لہٰذا ان تمام مواقع پر صفت خبیر ہی مناسب تھی، گویا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''اعملوا'' جو حکم بھی کروں اس پر عمل کرو کیونکہ میں صرف بصیر ہی نہیں خبیر بھی ہوں، نفوس کے وساوس و باطنی احوال بھی جانتا ہوں، لہٰذا انتقام لینے پر بھی قادر ہوں، خبیر سے اس طرف متوجہ کیا گیا اور تنبیہ وڈرانا بھی لطیف اشارہ سے پایا گیا۔

﴿فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ (بقرہ:۲۳۴)

﴿وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا﴾ (نساء:۱۲۸)

ان دونوں آیتوں میں ایسی خفی باتیں ہیں جو میاں بیوی ایک دوسرے کے ماسوا کسی کو بتاتے نہیں ہے؛ لہٰذا خبیر کے ذریعہ اس کو واضح کیا کہ چاہے مخلوق کو معلوم نہ ہو خبیر ذات کو سب کچھ خبر ہے، لہٰذا میاں بیوی دونوں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھو۔

محور ثانی:

وہ آیات جو کشف وتبیین پر دلالت کرتی ہیں:

﴿اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّاۢ بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ (آل عمران:۱۵۳)

﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ (آل عمران:۱۸۰)

﴿وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ

بِمَا تَعْمَلُونَ﴾(نور:۵۳)

﴿سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُولُونَ بِأَلْسِنَتِهِم مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۚ قُلْ فَمَن يَمْلِكُ لَكُم مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۚ بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾(فتح:۱۱)

ان تمام آیات میں بندوں کے چھپے ہوئے باطنی راز وسینہ کے بھید سب کا علم خبیر ذات کو ہوجاتا ہے اس کو واضح کیا ہے۔

ابو حیان سورہ بقرہ کی آیت ۲۷۱ کے ضمن میں فرماتے ہیں: ختم اللّٰہ بھذہ الصفۃ لانھا تدل علی العلم بما لطف من الاشیاء وخفی فناسب الاختفاء ختمھا بالصفۃ المتعلقہ بما خفی۔ (۲/ ۶۹۳)

خبیر ۲۸ جگہوں میں چار طریقوں سے آیا ہے:

[۱] محض خبیر دس آیات میں تین اسلوب کے ساتھ آیا ہے:

* تاکید کے ساتھ دو آیتوں میں ہے:

(۱) ﴿وَإِن تُحْسِنُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾ (نساء:۱۲۸)

اے مردو! اگر تم عورتوں کے ساتھ سلوک اور احسان کرو اور ان کی حق تلفی سے بچو، تو بے شک جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے، تمہیں اس کی جزاء دے گا۔ (معارف القرآن ادریسی)

وذکر فی نھایتھا الخبیر للدلالۃ علی المقصود ففیہ تھدید عن الظلم والجور وانہ تعالی لما ذکر قبل الخبیر قولہ (وان تحسنوا وتتقوا) ولا بد لذلک من الخبرۃ والاطلاع فذکر الکلمۃ التی تدل علی الخبرۃ۔ (مرزا: ص/۱۱۹)

(۲) ﴿إِنَّ رَبَّهُم بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ﴾(عادیات:۱۱)

بے شک ان کا رب ان کے حال سے اس روز بڑا ہی باخبر ہے کہ انسانوں کے تمام احوال واعمال کا جیسے دنیا میں احاطہ کیے ہوئے تھا اور زندگی میں کیا ہوا ہر کام اس کی نظروں کے سامنے رہا ہے، آج اس کا بدلہ دیا جا رہا ہے، تو اس روز یہ بات ہر ایک پر ظاہر وعیاں ہوگی اور کسی کو انکار کی گنجائش نہ رہے گی، تو اس طرح اس دن یہ چیز ہر ایک کو خوب نظر آجائے گی کہ بے شک ان کا پروردگار ان کے احوال سے خوب باخبر ہے۔

ظاہر عنوان سے یہی بات راجح معلوم ہوتی ہے کہ گھوڑوں ہی کی قسم کھائی ہے اور غرض یہ ہے کہ غور کرو تو معلوم ہوجائے گا کہ خود گھوڑا زبان حال سے یہ شہادت دے رہا ہے کہ جو لوگ مالک حقیقی کی دی ہوئی روزی کھاتے ہیں اور اس

کی بے شمار نعمتوں سے شب وروز متمتع ہوتے ہوئے بھی اس کی فرمانبرداری نہیں کرتے، وہ جانوروں سے بھی زیادہ ذلیل و حقیر ہیں، ایک شائستہ گھوڑے کو مالک گھاس کے تنکے اور تھوڑا سادانہ کھلاتا ہے، وہ اتنی سی تربیت پر اپنے مالک کی وفاداری میں جان لڑادیتا ہے، جدھر سوار اشارہ کرتا ہے ادھر چلتا ہے، دوڑتا اور ہانپتا ہوا، ٹاپیں مارتا ہوا اور غبار اٹھاتا ہوا گھمسان کے معرکوں میں بے تکلف گھس جاتا ہے، گولیوں کی بارش میں، تلواروں اور سنگینوں کے سامنے پڑ کر سینہ نہیں پھیرتا؛ بلکہ بسا اوقات وفادار گھوڑا اپنے سوار کو بچانے کے لئے اپنی جان خطرہ میں ڈال دیتا ہے۔

کیا انسان نے ایسے گھوڑوں سے کچھ سبق سیکھا ہے کہ اس کا کوئی پالنے والا ہے، مالک ہے جس کی وفاداری کے لئے اسے جان و مال خرچ کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے، بے شک انسان بڑا ہی ناشکرا اور نالائق ہے کہ ایک گھوڑے بلکہ کتے کے برابر بھی وفاداری نہیں دکھلاسکتا۔ (معارف القرآن ادریسی)

* ماضی استمراری مع تاکید تین آیتوں میں ہے:

(۱) ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا﴾ (نساء:۹۴)

اے ایمان والو! ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ جہاں ایمان کی جھلک نظر آوے تو اپنے ہاتھوں کو روک لو، جب تم اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے سفر کرو تو خوب تحقیق کرلیا کرو اور جو تم کو سلام علیک کرے تو اس کو یہ نہ کہو کہ تم دل سے مسلمان نہیں، محض جان بچانے کے لیے تو سلام علیک کہہ رہا ہے، تم دنیاوی زندگانی کا سامان چاہتے ہو حالانکہ تمہیں اس حقیر سامان کی کوئی ضرورت نہیں؛ کیونکہ اللہ کے یہاں تمہارے لیے بہت سی غنیمتیں ہیں، جن کے سامنے ان چند بکریوں کی کوئی حقیقت نہیں، پہلے تم بھی ایسے تھے یعنی مکہ میں تمہاری یہی حالت تھی کہ تم اپنا ایمان چھپاتے تھے اور شروع اسلام میں سوائے **لا الٰہ الا اللہ** کے کچھ نہیں جانتے تھے، جیسے یہ چرواہا چھپاتا تھا اور تمہارے سامنے ظاہر کیا، تم پر اللہ نے احسان کیا کہ تمہارے اسلام کو قوی کیا اور کافروں پر تم کو غلبہ عطاء کیا اور تم علانیہ طور پر اسلام ظاہر کرنے لگے، پس جس طرح حق تعالیٰ نے ابتداء میں تمہارے ظاہری اسلام کو قبول کیا اور باطن کی تحقیق و تفتیش پر موقوف نہیں رکھا، پس اسی طرح تم بھی احتیاط سے کام لو اور تحقیق کرلیا کرو، جو شعار اسلام کو ظاہر کرے، اس کو قتل نہ کرو۔ تحقیق اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے پورا خبردار ہے، تمہاری بے احتیاطی اور جلدبازی اس سے پوشیدہ نہیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۲) ﴿وَاِنْ تَلْوٗا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا﴾ (نساء:۱۳۵)

اے ایمان والو! تمہارے ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ ہو جاؤ تم تمام معاملات میں انصاف کے قائم رکھنے والے اور محض اللہ کی خوشنودی کے لیے سچی گواہی دینے والے؛ اگرچہ اس گواہی کا نقصان اور ضرر تمہاری ہی جانوں پر پڑے یا

تمہارے والدین پر یا رشتہ داروں پر، یعنی گواہی میں اپنا اور اپنے والدین کا بھی خیال نہ کرو، جو حق ہو وہ کہو، چاہے اس میں کسی کا نفع ہو یا نقصان ہو، حق کو کسی حال میں نہ چھپاؤ، اگر وہ شخص جس پر تم گواہی دیتے ہو، مالدار یا محتاج ہے تو اللہ تعالیٰ ان پر تم سے زیادہ مہربان ہے، یعنی گواہی میں نہ مال دار کا پاس کرو اور نہ محتاج کا، جو سچ ہو وہ کہہ دو، اللہ کو ان کے ساتھ تم سے زیادہ ہمدردی ہے، پس گواہی میں نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرنا کہ عدل وانصاف سے عدول کر جاؤ، اور اگر تم گواہی میں پیچ دار بات کہو گے یعنی گول مول بات کہو گے، صاف کھول کر حق کو بیان نہ کرو گے یا گواہی دینے سے اعراض اور کنارہ کشی کرو گے تو خوب سمجھ لو کہ بلا شبہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے، وہ تمہیں اس گول مول اور پیچ دار گواہی کی اور حق کے اظہار سے اعراض کی ضرور سزا دے گا۔ (معارف القرآن ادریسی)

ولما كانت هذه الجملة الشرطية تنبىء عن التهديد فلذا ذكر في الفاصلة كلمة الخبير باسلوب التاكيد بانه تعالىٰ خبير باعمالكم. (الكبير: ۸۹/۲۸)

(۳) ﴿وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾ (احزاب: ۲)

اطاعت اس ذات کی کی جائے گی، جو عواقب امور کو خوب جانتا ہو، اور جو ذات ظاہر و باطن کی علیم وخبیر ہے اسی سے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہئے، خدا سے ڈرنے والوں کو دشمن ضرر نہیں پہنچا سکتا، لہٰذا تم ان کی قوت اور شوکت سے نہ ڈرو، اللہ تمہارا ناصر اور معین ہے، اور نہ ان کا کہنا مانو بلکہ جو کچھ تیرے پروردگار کی طرف سے وحی کی گئی پورا پورا اس کا اتباع کرو، بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے اور تمہاری نیتوں سے خبردار ہے، تمہارا ظاہر و باطن اس سے مخفی نہیں، وحی الٰہی کے اتباع میں ذرہ برابر کوتاہی نہ ہونی چاہئے اور کسی کے خوف سے وحی الٰہی کے اتباع کو نہ چھوڑو۔ (معارف القرآن ادریسی)

الوحي لايكون الا عن خبرة وعلم كامل، فاشار فيه باشارة خفية بانه يقتضي تعصيبه بكلمة تدل على الخبرة التامة، فلم يكن الا الخبير فلذا اتى في الفاصلة بكلمة الخبير لتكون علة الامر، وترغيبا الى الاتباع وزجرا عن اتباع الهوىٰ للناس عامة. (تفسير طبرى: ۳۲/۲)

* کان استمراری بغیر حروف تاکید کے ایک آیت میں ہے:

(۱) ﴿بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾ (فتح: ۱۱)

آپ (جہاد سے دور رہنے والوں سے) کہہ دیجئے: تو کس کو قدرت ہے تمہارے واسطے اللہ سے کسی چیز کو دفع کرنے کی، اگر اللہ چاہے کسی ضرر و مصیبت کو تمہارے لیے یا ارادہ کرے تم کو کوئی نفع پہنچانے کا، یقیناً اللہ پر کسی کا بس نہیں، دنیا کی کوئی طاقت اس کے کسی بھی ارادہ کو نہیں ٹال سکتی، ہر نفع ونقصان اسی کے قبضے میں ہے، اور اسی کی مشیت کے

تابع ہے، خداوند عالم کو اس طرح غلط اعذار اور حیلوں سے کوئی دھوکہ نہیں دے سکتا؛ بلکہ اللہ تعالیٰ تو خوب خبردار ہے ان کاموں سے جو تم کرتے ہو، اے لوگو! یہ غلط ہے کہ تم کو تمہارے کاروبار اور گھر کے لوگوں نے مہلت نہیں دی کہ تم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں نکلتے۔ (معارف القرآن ادریسی)

وذالك لانه خبير من اظهار الحرب واضمار غيره، وخبير مطلع على ما في قلوبكم من الكذب والنفاق. (مرزا:۱۲۱)

* حصر اور تاکید کے اسلوب سے خالی ہونے والی دس آیات میں آیا ہے:

(۱) ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ (بقرہ:۲۳۴)

اور جو لوگ تم میں سے اپنی عمر کو پوری کر کے دنیا سے چلے جائیں اور بیبیوں کو دنیا میں چھوڑ جائیں تو ان کو چاہیے کہ چار مہینے اور دس دن اپنے آپ کو نکاح سے روکے رکھیں، جب تک یہ مدت نہ گزر جائے کہیں نکاح نہ کریں، پس جب کہ وہ اپنی مدت اور عدت پوری کرلیں، تو اے وارثانِ میت تم پر اب کوئی گناہ نہیں اس کام میں جو وہ اپنی ذات کے لیے دستور کے مطابق کریں، اب ان کو زینت کرنے کی اور نکاح کرنے کی اجازت ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے، اگر تم نے کسی امر مشروع پر ان کو ملامت کی یا ان کی کسی بات میں ہارج اور مزاحم ہوئے تو اللہ تعالیٰ تم کو اس کی سزا دے گا۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۲) ﴿وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ (بقرہ:۲۷۱)

تم نے پوشیدہ دے کر فقیر کی پردہ پوشی کی، اس لیے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہارے اس پوشیدہ صدقہ کے صلہ میں تمہارے گناہوں اور برائیوں کی پردہ پوشی کرے گا اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خوب آگاہ اور واقف ہیں، خلاصہ کلام یہ کہ صدقہ کا اظہار اور اخفا دونوں ہی بہتر ہیں؛ مگر صدقہ کا اخفا بہت بہتر ہے، البتہ بعض حالات میں صدقہ کا اظہار زیادہ نافع ہوتا ہے، یہ عارضی امر ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

والخيرية والافضلية وتكفر السيئات لا بدلها من علم وخبرة فناسب ان يذكر كلمة تدل على الخبرة التامة التي يشمل الظواهر الخبايافلهذه المناسبة ذكر الخبير. (البحر المحيط:۲/۳۶۶)

(۳) ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ (آل عمران:۱۸۰)

اور اللہ ہی کے لیے ہے میراث آسمانوں اور زمین کی، یعنی تم سب فانی ہو، بقاء صرف اسی کے لیے ہے، تم سب مر جاؤ گے اور مال اور ملکیت سب یہیں چھوڑ جاؤ گے، چاہے تم اس کی زکوٰۃ دو یا نہ دو، سب مال اسی کا ہو کر رہے گا، بہتر ہے کہ تم

اپنے ہاتھ سے کچھ دے جاؤ؛ تاکہ تمہیں ثواب مل جائے، اپنی ملکیت کے غرہ میں نہ رہو، تم بھی فانی، اور تمہاری ملکیت بھی فانی اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خبردار ہے، وہ تمہارے بخل سے بھی باخبر ہے، اس کی سزا سے تم بچ نہیں سکتے۔

(معارف القرآن ادریسی)

جب وہ آسمان وزمین کا مالک ہے تو اس کو تمہارے مال خرچ کروانے کی کیا ضرورت؟ صرف ہمارے فائدے کے لئے ہی ہے، وہ معلل بالاغراض نہیں ہے، لہٰذا خبیر کے لفظ سے اشارہ کردیا اور ترغیب وترہیب بھی سمجھ میں آگئی۔

(۴) ﴿وَ كَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا﴾ (فرقان:۵۸)

(۵) ﴿اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا﴾ (فرقان:۵۹)

آپ اس زندہ خدا پر بھروسہ کیجئے کہ جسے کبھی موت نہیں، وہ تیرے لیے کافی ہے اور جب تیرا مددگار حی لایموت ہے تو سمجھ لے کہ اس کی مدد بھی دائم ہوگی، جس پر کبھی موت نہیں آئے گی، جس زندہ پر بھی بھروسہ کیا جائے اس کے مرنے کے بعد سہارا باقی نہیں رہتا، مگر خداوند ذوالجلال حی لایموت ہے، آپ کے کسی دشمن میں یہ طاقت نہیں کہ اس سہارے کو ختم کرسکے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی دشمنی کی وجہ سے پریشان نہ ہوں، اطمینان کے ساتھ اللہ کی تسبیح میں لگے رہئے، اور **سبحانك اللهم وبحمدك یا سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم** پڑھتے رہئے، اللہ کے ذکر اور تسبیح کی یہ خاصیت ہے کہ اس سے قلب کو اطمینان حاصل ہوتا ہے، **اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ** اور دل کی پریشانی دور ہوتی ہے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ بھی کرتے رہئے اور تسبیح بھی پڑھتے رہئے اور ان دشمنوں کی دشمنی کی پرواہ نہ کیجئے، اس لیے کہ خدا اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی خبردار ہے، وہ ان کو ان کے گناہوں کی سزا دے گا، مجرمین خواہ کتنے ہی بے شمار کیوں نہ ہوں مگر کوئی اس سے پوشیدہ نہیں؛ اس لیے کہ خداوند وہ ہے کہ جس نے چھ دن کی مقدار میں آسمانوں کو، زمین کو اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کو پیدا کیا ہے اور یہ ناممکن ہے کہ خالق کو اپنی مخلوق کا علم اور اس کی خبر نہ ہو، پھر وہ عرش پر قائم ہوا جو اس کی شان کے لائق ہے، اور تمام مخلوق میں سب سے بڑی مخلوق چیز وہ عرش مجید ہے جو تمام آسمانوں سے بلند اور برتر ہے اور تمام عالم کو محیط ہے۔

اور وہی خدا رحمٰن ہے جس کی رحمت تمام مخلوقات کو محیط ہے، پس اس کے متعلق کسی جاننے والے سے پوچھ لو کہ خداوند مہربان کی کیا شان ہے، یہ جاہل مشرک کیا جانیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

فذكر قبل الخبير وكفى بذنوب عباده، بان عباده اكثر ذنوبا، والكثرة والقلة من الكميات التي لا تعرفها الا الخبير فلذا اتى بالصفة التي تدل على الخبرة التامة وهي كلمة الخبير ترغيب للتوبة وتنويه بشانها.

(فی ظلال القرآن: ۲/ ۶۷۰)

(۶) ﴿وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۭ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ﴾ (فاطر:۱۴)

اور ہم نے تم کو شرک کی حقیقت اور انجام سے آگاہ کر دیا ہے، ہوش میں آجاؤ، خداوند خبر دار کی طرح کوئی تم کو آگاہ نہیں کرسکتا، اگر دنیا اور آخرت کی عزت چاہتے ہو تو خداوند علیم وخبیر پر ایمان لاؤ اور اس کی اطاعت کرو، ورنہ پچھتاوگے۔ (معارف القرآن ادریسی)

جب آیت میں ولا ینبئك فرمایا تو اس کے مناسب صفت خبیر ہی تھی۔

(۷) ﴿وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ (حدید:۱۰)

برابر نہیں تم میں سے وہ شخص جس نے فتح مکہ سے قبل خرچ کیا اور فتح مکہ سے قبل جہاد کیا، بے شک یہ لوگ بڑے درجہ والے ہیں بہ نسبت ان لوگوں کے جو بعد فتح مکہ کے خرچ کریں اور قتال کریں، دونوں گروہوں میں ایثار وقربانی اور اسلام کی اعانت ومدد کے لحاظ سے بڑا فرق ہے، اور یوں تو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک ہی سے نیک بدلہ کا وعدہ کیا ہے کہ ہر شخص کو نیکی کا بدلہ جزاء حسن ونیکی کی صورت میں ملے گا، اور اللہ ان تمام کاموں سے باخبر ہے جو تم کر رہے ہو، ہر ایک کو اس کے اخلاص، جذبہ اور عمل کی قدر وقیمت کے مناسب جزاء عطا فرمائے گا۔ (معارف القرآن ادریسی)

جب آیت میں وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى فرمایا تو یقینی بات ہے کہ ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق اجر دینا اس کے قبل الفتح وبعد الفتح خرچ کرنے کو جاننا اور اس میں اخلاص کا فرق ملحوظ رکھنا یہ سب صفت خبیر سے ہی متعلق ہو سکتا ہے۔

(۸) ﴿ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ (مجادلہ:۳)

اور وہ لوگ جو اپنی عورتوں سے ظہار کرلیں اور پھر وہ لوٹنا چاہیں اسی چیز کی طرف جس کے واسطے انہوں نے یہ کہا، یعنی حرمت تعلق، اور وہ پھر اس علاقۂ زوجیت کی طرف لوٹنا چاہیں تو ایک غلام آزاد کرنا ہے؛ اس سے قبل کہ وہ ایک دوسرے کو چھوئیں۔

اے مسلمانو! یہ ہے وہ بات جس کی نصیحت تم کو کی جارہی ہے، اور اس حکم کا تم کو پابند کیا جارہا ہے اور اللہ تو خوب خبر رکھنے والا ہے ان تمام کاموں کی جو تم کرتے ہو۔ (معارف القرآن ادریسی)

اس آیت میں بھی ذلکم توعظون به کے ذریعہ اللہ پاک اپنے اوامر کی بجاآوری اور مخالفت سے روکنے کی نصیحت فرماتے ہیں، اور نصیحت کرنا درحقیقت عبرت دلانا ہے۔ اور عبرت کے لئے خبر تام کا ہونا ضروری ہے تو صفت خبیر لاکر اس کی طرف اشارہ فرمادیا۔ (التحریر والتنویر: ۲۸/ ۲۹)

(۹) ﴿وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ (مجادلہ:۱۱)

اے ایمان والو! جب تم کو کہا جائے: کھل کر بیٹھو مجلس میں، تو کھل جاؤ، اللہ تعالیٰ تمہارے واسطے کشادگی فرمائے گا، اس لیے ایسا نہ کرنا چاہئے کہ منتشر بیٹھیں اور دوسرے آنے والوں کے لیے جگہ کشادہ نہ رہے؛ بلکہ قریب قریب حلقہ بنا کر بیٹھتے رہیں، اور اگر کہا جائے: اٹھ جاؤ تو اٹھ کھڑے ہو جایا کرو، حلقہ بنانے اور جگہ کشادہ کرنے کے لیے یا مجلس میں بعد میں آنے والوں کو جگہ دینے کے لیے، اللہ تعالیٰ بلند کرتا ہے تم میں سے ایمان لانے والوں اور علم والوں کے درجات، حقیقت یہی ہے، ایمان، اخلاص اور تہذیب وشائستگی جہاں انسان کو تواضع سکھانے کا ذریعہ ہے اسی کے ساتھ مراتب ودرجات کی بلندی کا بھی باعث ہے، اور اللہ خوب جانتا ہے ان تمام کاموں کو- جو اے لوگو- تم کرتے ہو، اس وجہ سے ہر ایک کو اس کے اخلاص اور صلاحیت کے اعتبار سے اجر وثواب ملے گا، ایمان اور علم یہی دو نعمتیں ہیں جن سے انسانوں کی صلاحیتوں اور استعداد میں جلا اور خوبی حاصل ہوتی ہے، تو ان ہی پر درجات ومراتب کی بلندی مرتب فرمائی گئی۔

(معارف القرآن ادریسی)

مؤمنین کے درجات وبلندی ایمان کی وجہ سے ہے اور ایمان علم سے حاصل ہوتا ہے، لہٰذا اس کے بعد اہل علم کی فضیلت ذکر کی کیونکہ وہ شرعی احکام سے باخبر ہوتے ہیں، اس مناسبت سے صفت خبیر کو لایا گیا، کیونکہ اس مقام پر طبعی طور پر یہ تقاضہ ہوتا ہے کہ خبر وعلم حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا ہی کامل ومکمل اور اصلی وحقیقی ہے مخلوق کا علم ناقص ہوتا ہے۔ فذکر تذییلا لما سبق وعلة لها کلمة الخبیر تتمیما لما ذکر من الاوامر باسلوب الردع عن المخالفة والوعید للمتکاسلین والمتغافلین عن الآداب وذلک لانه خبیر باحوالکم واعمالکم. (روح المعانی: ۲۸/ ۳۰)

(۱۰) ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ (تغابن: ۸)

اے لوگو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے اتارا ہے، وہ قرآن کریم ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا اور اللہ خوب جانتا ہے وہ تمام کام جو تم کرتے ہو، تو تمہارے ایمان لانے کے بعد جیسے بھی اعمال ہوں گے اسی کے مطابق قیامت کے روز جزا وسزا کا معاملہ ہوگا۔ (معارف القرآن ادریسی)

ولما کان ما ذکر من الامور المتعلقة بالخبرة ذکر الخبیر فی الفاصلة. وهذه الجملة قد ذکره بطریق التذییل لما سبق، وهذا یقتضی وعدا للمومنین ووعیدا ان لم یؤمنوا. (التحریر والتنویر: ۲۸/ ۲۷۳)

الحکیم الخبیر

[۳] حکیم کے ساتھ تین آیتوں میں مذکور ہے:

(۱) ﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ﴾ (انعام: ۱۸)

وہ ہر شیٔ پر قادر ہے، یعنی نفع ونقصان سب اسی کے ہاتھ میں ہے، پس اس کے سوا کسی کو اپنا ولی اور کارساز نہ بناؤ، عاجزوں کی خوشامد کرنے سے کیا فائدہ، اور وہی غالب ہے اپنے بندوں پر، سب بندے اسی کے زیرِ حکم ہیں، سب پر اسی کا زور چلتا ہے، ان میں تصرف کرتا ہے، کسی کی مجال نہیں کہ اس کے حکم کو رد کر سکے، ہر شیٔ اس کے سامنے مقہور اور مجبور ہے، اس کی عظمت، جلال، علو اور قدرت کے سامنے سب کی گردنیں خم ہیں، قاہر اس کو کہتے ہیں جس کو اپنے ارادہ پورا کرنے سے کوئی شیٔ عاجز نہ کر سکے۔

ف: قاہر کے معنی غالب کے ہیں اور فوق کے معنی بلند اور برتر کے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی فوقیت حسی اور مکانی نہیں؛ کیونکہ وہ مکان اور جہت سے بالا اور برتر ہے، اس آیت میں فوق سے فوقیتِ قہر، اور غلبہ مراد ہے، جیسا کہ **وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ** میں فوقیتِ شان اور فوقیت مرتبہ مراد ہے اور وہی ہے حکمت والا خبردار، اس کا کوئی تصرف حکمت سے خالی نہیں اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے، اپنے علم کے مطابق ہر ایک کو جزاء اور سزا دے گا، اور اس کی شان فوقیت وقہر اور شان علم وحکمت کا مقتضی یہی ہے کہ اس کے سوا کسی کو اپنا ولی اور کارساز نہ بنایا جائے۔

مطلب یہ ہے کہ الوہیت کے لیے یہ ضروری ہے کہ قدرت کاملہ اور قہر تام ہو کہ اس پر کسی کا زور نہ چل سکے، اور علم عام اور محیط ہو اور ہر نفع اور ضرر کا مالک ہو، اور ایسی ذات والا صفات کو چھوڑ کر کسی کو معبود اور کارساز بنانا حماقت نہیں تو کیا ہے؟ (معارف القرآن ادریسی)

(۲) ﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ﴾ (انعام: ۷۳)

وہی جاننے والا ہے پنہاں اور آشکارا کا، یعنی چھپے اور کھلے کا، اور وہی ہے حکمت والا خبردار، ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزاء دے گا، پس جس ذات کی یہ شان ہو کہ وہ خالق سموات وارض ہو اور عالم الغیب والشہادہ اور حکیم وخبیر ہو، اس کی عبادت اور بندگی کو چھوڑ کر شرک کی راہ کیسے اختیار کی جا سکتی ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

قال الآلوسی کانه قال بانه عالم للغیب والشهادة لانه حکیم فی جمیع افعاله، اذهو خبیر بجمیع الامور الخفیة والجلیة، ولذلک هو عالم للغیب والشهادة، ولانه هو الحکیم الذی افاض علی القوابل حسب القابلیات لانه خبیر باحوالها ومقدار قابلیتها لا حکیم غیره ولا خبیر سواه. (روح المعانی: ۷/ ۱۹۱-۱۹۲)

(۳) ﴿وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ﴾ (سباء: ۱)

تمام تعریفیں اسی خدائے برحق کے لیے سزاوار ہیں کہ جس کے ہاتھ میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور آخرت میں بھی اسی کے لیے حمد وثناء ہے، غرض یہ کہ دنیا اور آخرت میں وہی حمد وثناء کا مستحق اور سزاوار

ہے، فرق اتنا ہے کہ دنیا میں ظاہراً کسی اور کی بھی تعریف ہو جاتی ہے، مگر وہ درحقیقت اللہ ہی کے فعل کا پردہ ہوتی ہے اور آخرت میں کوئی پردہ نہیں، اور نہ کوئی واسطہ ہے، آخرت میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اسی کی طرف سے ہے، اور درمیان میں کوئی واسطہ نہیں، نیز دنیا اور آخرت کی حمد میں ایک فرق یہ ہے کہ دنیا میں اللہ کی حمد بطور عبادت اور اختیاری ہے، اور آخرت میں اللہ کی حمد بطور لذت وفرحت ہے، اور بمنزلہ سانس کے غیر اختیاری ہے، اور وہی ہے حکمتوں والا جس نے آسمان اور زمین کو اپنی نعمتوں کا واسطہ اور پردہ بنایا اور سب چیزوں سے باخبر ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

حکیم کو خبیر پر مقدم کیا تا کہ مدعیٰ پر دلالت کرے کہ دنیا وآخرت دونوں میں اس کا حکم حکمت ومصلحت سے معمور ہے۔

علیما خبیرا

[۳] علیم کے ساتھ، اور اس میں تین طرق ہیں:

* کان استمرار مع تاکید کے، وہ ایک آیت میں ہے:

(۱)﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا﴾ (نساء:۳۵)

اگر دونوں پنچ حقیقۃً اصلاح کا ارادہ کریں گے اور اپنے اپنے کنبہ کی پاسداری اور طرف داری نہ کریں گے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں یعنی میاں بیوی کے درمیان موافقت کرا دے گا، بے شک اللہ تعالیٰ بڑا جاننے والا اور خبردار ہے، اللہ کو خوب معلوم ہے کہ میاں بیوی کے پنچ کس راہ پر جارہے ہیں اور ان کی کیا نیت ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

قال الآلوسی: وذکر قبل الخبیر قوله یوفق اللّٰه بینهما فناسب ان یذکر کلمة تدل علی کون اللّٰه قادرا عالما من جمیع الوجوه، فلم یکن الخبیر مع کونه مؤخرا عن العلیم مزدوجا معه. (روح المعانی:۵/۲۷)

* تاکید کے ساتھ کان استمرار کے بغیر دو آیتوں میں مذکور ہے:

(۱)﴿إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ (لقمان:۳۴)

بے شک اللہ تعالیٰ ہی سب چیزوں کا جاننے والا ہے اور خبردار ہے، ہر چیز کا ظاہر وباطن اس کی نظروں کے سامنے ہے، ان پانچ چیزوں کو جن کا ذکر آیت میں ہے، ان کو مفاتیح الغیب کہتے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پانچ چیزوں کا ذکر فرمایا، اول کی تین چیزیں نہایت عظیم تھیں (یعنی قیام قیامت، اور نزول غیث، اور مافی الارحام) اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان تین چیزوں کی اسناد اور نسبت اپنی طرف فرمائی اور اخیر دو چیزیں بندہ کی صفات اور افعال سے متعلق تھیں یعنی کسب اور موت، اس لیے ان دو چیزوں کی نسبت بندوں کی طرف فرمائی۔

(معارف القرآن ادریسی)

حاصل یہ کہ اپنے علاوہ سب سے علم کی من کل الوجوہ نفی کر کے اپنے لئے ہی کمال علم کو ثابت کیا؛ گویا یہ تعلیل ہے ماقبل کے مضمون کی کہ اشیاءِ خمسہ کا علم اسی کو کیوں حاصل ہے۔

(۲)﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾ (حجرات:۱۳)

اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف شاخیں اور مختلف قبیلے بنایا؛ تاکہ تم ایک دوسرے کو شناخت کر سکو اور پہچان سکو، ورنہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو تم سب میں بڑا شریف اور عزت والا وہ ہے جو تم سب میں بڑا پرہیزگار اور زیادہ تقویٰ والا ہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ سب کو جانتا ہے اور سب کے حال سے باخبر ہے، اللہ تعالیٰ علیم اور خبیر ہے، یعنی ہر شخص کے نسب اور اس کے نسبی تفاخر کو بھی جانتا ہے اور ہر شخص کے تقویٰ سے بھی باخبر ہے۔

(معارف القرآن ادریسی)

فلا یخفی علیه شیئ، وبکونه علیما و خبیرا یعلم اهل التقوی فی الحقیقة، فهو خبیر ببواطنکم لا یخفی علیه امور کم، وزیدوا فی التقویٰ کما زدنا کم. (روح المعانی:۲۶/ ۱۶۳، الکبیر:۲۸/ ۱۴۰)

* بغیر تاکید کے ایک آیت میں ہے:

(۱)﴿قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ﴾ (تحریم:۳)

جب پیغمبر نے یہ بات ظاہر کی اس بیوی سے، تو اس نے پوچھا: کس نے خبر دی ہے آپ کو اس بات کی کہ میں نے یہ راز کسی کو بتایا ہے، جواب دیا: بتادیا مجھ کو اس بڑے علم رکھنے والے خبردار نے کہ جس پروردگار کے علم میں ہر چھوٹی بڑی چیز ہے، اللہ رب العزت جب کسی بات کو ظاہر کرنا چاہے تو اسے کوئی نہیں چھپا سکتا۔ (معارف القرآن ادریسی)

ولا بد للانباء من العلم والخبرة فاستدعی هذه الکلمة التی تدل علی ذکر من الانباء والاخبار فلذلك اتی بالخبیر فی النهایة مع تقدیم العلم. (روح المعانی:۲۸/ ۱۵۰)

لطیف خبیر

لطف سے ہے، لطف کے معنی گفتار و کردار میں نرمی اور مہربانی کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ لطیف ہے کیونکہ اس کے جملہ افعال واقوال بندوں پر رفق و مدارا اور مہربانی وعنایت کے ہیں۔

اللہ تعالیٰ لطیف ہے، اسی کی لطف صوری نے اشیائے مادیہ، صور جمیلہ، ہیئات موزوں، اجسام لطیفہ اجرام نورانیہ کی خوشنمائی تناسب، نورانیت، شفافی، موزونی اور رنگارنگی عطا کی ہے۔

اللہ تعالیٰ لطیف ہے، اور اسی کے لطف نے حکماء وعقلاء، سالکین وشائقین، مجاہدین وعلماء راسخین، اولیاء واصفیاء

اور انبیاء کو بقدر مراتب عرفان علمی عطا فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ لطیف ہے، اسی کی لطف عملی نے صاحبان عقل کو معاش، معاملت دوران کو منفعت، اہل شعور کو آگاہی ، اہل تقویٰ کو بصیرت عطا فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ لطیف ہے، اسی کی لطف باطنی نے نیک نفساں، اوصافی طینتاں، قانع مزاجاں اور آزاد طبع گروہ کو حفظِ وافر عطا فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ لطیف ہے، اسی کی لطف تکوینی موجودات کو فیضانِ وجود عطا کرتا اور عدم سے ہستی بخشتا ہے۔

اللہ تعالیٰ لطیف ہے، اسی کی لطف معنوی اشیاء مجردہ عقول ونفوس اور ملائکہ وانبیاء کے باطن کی تربیت فرماتا، صالحین پر اس لطیفہ نور کا پرتو ڈالتا ہے۔

اللہ تعالیٰ لطیف ہے، اسی کا لطف دنیوی اُمرء اوسلاطین دنیا کو نصرت وکامرانی بخشتا ہے۔

اللہ تعالیٰ لطیف ہے، اسی کا لطف اُخروی اہل قرب سے معیت رکھتا ہے، اہل ایمان کو نجات اور اہل احسان کو بقابدرجۂ اتم واکمل آخرت میں عطا فرمائے گا۔

(ب) لطف کے معنی دانائے امور مخفیہ اور واقف وقائق عجیبہ بھی ہیں۔

﴿إِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ لِّمَا يَشَاءُ﴾ (یوسف:۱۰۰)﴿اللَّهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ﴾ (الشوریٰ :۱۹) انہیں معنی میں ہے، قرآن مجید میں اسم خبیر کے ساتھ اس کا استعمال ہوا ہے۔

﴿وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾ (الملک:۱۴)﴿إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ﴾ (لقمان:۱۶) معنی یہ ہیں کہ وہ اسرار جو لوگوں کے سینوں میں مخفی ہیں ان کو بھی جانتا ہے، وہ اخبار جو لوگوں کے درمیان اشاعت گرفتہ ہیں اُن سے بھی باخبر ہے۔

(قاضی منصور پوری: ۱۰۲ تا ۱۰۴)

لطیف کے معانی اور مواقع:

لطیف کے دو معنوں میں سے پہلا معنی لَطُف ای دقّ وخف یہ صفت تنزیہیہ ہے یعنی اللہ پاک کی ذات اقدس کی ماہیت اور اس کی ذات وصفات کے احاطہ سے انسانی حواس عاجز ہیں؛ جب لطیف کے ساتھ خبیر کا ملاپ ہوتا ہے تو عموماً یہی معنی مراد ہوتا ہے جیسے سورہ ملک آیت: ۱۴، سورہ یوسف: آیت: ۱۰۰، شوریٰ، آیت: ۱۹، لقمان: آیت ۱۶، سورہ انعام : آیت ۱۱۳، وغیرہ میں مذکور ہے۔ یہ معنی ان تمام آیات میں مناسب ہے جن میں لطیف کے ساتھ لام یا باء کا تعدیہ ہو، اور یہ صفت لطیف مفرد آئی ہو۔

البتہ سورۂ حج آیت: ۶۳ میں **لطف** ہونے کے باوجود نرمی کے معنیٰ میں مراد ہے۔اسی طرح سورۂ احزاب آیت: ۳۴ میں بھی ازواج مطہرات کو بطور احسان وتمنن کے **لطیفا خبیرا** کی صفت سے خطاب کیا، کیونکہ ان کے حجرات میں آیات اللہ وحکمت کی تلاوت کی جاتی ہے۔

قال الطبری: ان اللّٰہ کان ذالطف بکن اذ جعلکن فی البیوت التی تتلی فیھا آیاتہ، خبیر ابکن اذا اختار کن لرسولہ ازواجا.(جامع البیان:۱۰/ ۲۰۳)

باقی تین آیات (الانعام: ۱۰۳، الملک: ۱۴، لقمان: ۱۶) میں لطیف دقیق کے معنی میں ہے، پہلی آیت میں **لا تدرکہ الابصار** کے مناسب اللطیف ہے اور **وھو یدرك الابصار** کے مناسب خبیر ہے۔

قال الامام ابن عاشور: وجملة وهو اللطيف الخبير معطوفة على جملة لا تدركه الأبصار، فهي صفة أخرى، أوهي تذييل للاحتراس دفعالتوهم أن من لا تدركه الأبصار لا يعلم أحوال من لا يدركونه.

(التحریر والتنویر: ۵/۶۵)

اور دوسری آیت سے پہلے والی آیت ۱۳ میں فرمایا گیا کہ تم اپنی بات کو زور سے یا آہستہ سے کہو، اللہ پاک دلوں کے راز کو جانتا ہے۔

اللطيف أي الذي يعلم ما بثه في القلوب لأنه يصل إلى الأشياء بأضدادها فكيف بغير ذلك. الخبير أي بالغ العلم بالظواهر والبواطن فكيف يخفى عليه شيء من الأشياء. (نظم الدرر: ۸/۷۵)

تیسری آیت میں بھی فرمایا کہ وہ دقیق وجلی، گناہ یا نیکی وغیرہ سب کو جانتا ہے اور ان کو حاضر کرے گا، کوئی چیز اس سے مخفی اور اس کی طاقت وقدرت سے باہر نہیں ہے۔

[۴] لطیف کے ساتھ، اور اس میں دو اسلوب ہیں:

* تاکید کے ساتھ دو آیتوں میں ہے:

(۱) ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ﴾ (حج: ۶۳)

اے مخاطب! تو نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا، پھر اس سے زمین سرسبز اور تروتازہ ہو جاتی ہے، یعنی ہر قسم کے نباتات اگاتی ہے، بے شک اللہ بڑا مہربان ہے کہ اس نے بندوں کی زندگی کا سامان اگایا اور بے شک وہ خبردار ہے، بندوں کا حال اور ان کی ضرورتوں کو خوب جانتا ہے، یہ سب اللہ کی نعمت ہے اور اس کے کمال قدرت کی دلیل ہے کہ یہ سارا کارخانہ اس کی مشیت سے چل رہا ہے، جس میں کسی کا کچھ دخل نہیں، پس اس سے تم اس کی معرفت حاصل

کرو۔ (معارف القرآن ادریسی)

ولما کان هذا عن الامور اللطيفة الرقيقة الدقيقة فناسب ان يذكر كلمة تدل على اللطافة والخبرة ولم يكن الا اللطيف الخبير فلذا ذكر الخبير في الفاصلة مع تقديم اللطيف عليه وانه لطيف بارزاق عباده خبير بمافي قلوبهم من القنوط فلذلك ينزل الماء من السماء انما ذكر بهذا الاسلوب ليكون دليلا على كمال قدرته على البعث ولنشور. (روح المعانی: ۲۱/۸۹، التبیان: ۷/۲۳۶)

(۲) ﴿إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ﴾ (لقمان:۱۶)

جب لقمان نے اپنے بیٹے کو وصیت کی تو اس نے اپنے باپ سے عرض کیا کہ اگر میں ایسے مقام پر گناہ کروں، جہاں کوئی نہ دیکھتا ہو تو کیا اللہ اس کو جان لے گا، اور اس پر مؤاخذہ کرے گا، تو لقمان نے کہا: بیٹا! اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی کوئی عمل ہو، نیک ہو یا بد ہو، اور پھر وہ عمل- جو رائی کے دانہ کے برابر ہے- کسی سخت پتھر کے اندر چھپا ہوا ہو اور وہ پتھر ایسا ہو کہ جس میں کوئی سوراخ بھی نہ ہو یا وہ عمل آسمانوں میں ہو، جہاں عام طور پر کسی کی رسائی نہیں یا وہ عمل زمین کی تہ میں کہیں چھپا ہوا ہو، آسمان سے زیادہ بلند کوئی چیز نہیں اور زمین سے زیادہ پست کوئی چیز نہیں اور اندرون صخرہ سے زیادہ کوئی چیز مخفی اور پوشیدہ نہیں؛ اس لیے ان تین چیزوں کا ذکر کیا اور رائی کے دانہ سے بڑھ کر کوئی چھوٹی چیز نہیں، غرض یہ کہ عمل کتنا ہی چھوٹا اور پوشیدہ کیوں نہ ہو، قیامت کے دن حساب و کتاب کے وقت اللہ تعالیٰ اس کو لا حاضر کرے گا اور کرنے والے سے اس کا حساب لے گا، بے شک اللہ تعالیٰ بڑا باریک بین اور خبردار ہے، اس کا علم دقیق اور غیر متناہی ہے اور ذرہ ذرہ کو محیط ہے، چٹان ہو یا آسمان ہو، یا زیر زمین کوئی تہ خانہ ہو، باریک سے باریک چیز بھی اللہ کی نظر سے پوشیدہ نہیں۔

(معارف القرآن ادریسی)

فهو عظيم المتّ (التوسل والوسائل) بالوجوه الخفية الدقيقة الغامضة في بلوغه...... وخبير اى بالغ العلم باخفى الاشياء فلا يخفى عليه شيئ ولا يفوته امر. (نظم الدرر: ۶/۱۹)

خبیر سے پہلے یأت بها اللّٰہ ذکر کیا اور کسی چیز کو لانے کے لئے اس کے متعلق علم و تجربہ اور تفصیلات کا مکمل علم اور اس کو لانے کی قدرت تامہ ہونا ضروری ہے، لہٰذا ان دونوں صفات کو ذکر کیا۔

قال اللرازی وذلک لانه خبير عالي ببواطن الامور فيعلم مستقرها لانه يعلم كنه الاشياء فلا يعسر عليه الاقدام على امر، ولانه ذو لطف بعباده فلذا يتلطف بالاتيان بها وذلك لانه عالم بخفايا الاشياء فالجملة علة مصححة للاتيان فلذا اتى بهافي النهاية. (روح المعانی: ۷/۲۴۸، الکبیر: ۱۳/۱۳۳)

* دو آیتوں میں حصر کا شائبہ ہے۔

(۱) ﴿وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾ (انعام: ۱۰۳)

اور وہ نہایت لطیف اور باریک بین خبردار ہے، وہ ان چیزوں کا بھی ادراک کرتا ہے جن کے ادراک سے تمام نگاہیں قاصر ہیں، باریک بین سے مراد یہ ہے کہ وہ اشیاء کے اندرونی حالات سے بخوبی واقف ہے، کوئی شئ خواہ کیسی ہی دقیق کیوں نہ ہو وہ اس سے مخفی نہیں، اس بیان سے یہ ظاہر ہو گیا کہ لطیف کا تعلق لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ سے ہے، خبیر کا تعلق وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ سے بلا تشبیہ اور بلا تمثیل کے ایسا سمجھو کہ جیسے روح ہے کہ نگاہیں اس کے ادراک سے قاصر ہیں، اور روح نگاہوں کا اور تمام چیزوں کا ادراک کرسکتی ہے، اسی وجہ سے افعال انسانی کو روح کی طرف نسبت کیا جاتا ہے کسی اور شئ کی طرف نسبت نہیں کی جاتی، اس سے کافروں کے اس شبہ کا بھی جواب ہو گیا کہ خدا ہم سے غائب کیوں ہے اور وہ ہمیں نظر کیوں نہیں آتا؟

جواب اس طرح ہو گیا کہ وہ معبود برحق لطیف و خبیر ہے، کمال لطافت کی وجہ سے نظر نہیں آتا جیسے روح کمال لطافت کی وجہ سے نظر نہیں آتی اسی طرح وہ لطیف و خبیر بھی نظر نہیں آتا، اور اس عالم اجسام میں ہوا بھی ایک جسم لطیف ہے اپنی لطافت کی وجہ سے نظر نہیں آتی۔ خلاصۂ کلام یہ کہ معبود برحق وہ ہے کہ جو علیم و قدیر اور لطیف و خبیر ہو اور یہ صفت سوائے اللہ کے کسی کے لیے ثابت نہیں، پھر کیسے کوئی اس کا شریک اور سہیم ہوسکتا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

فاللطيف يناسب قوله (وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ) والخبير يناسب قوله (لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ) وجملة وهو اللطيف الخبير معطوفة على جملة لا تدركه الابصار، فهى صفة اخرى اوهى تذييل الاحتراس دفعا كتوهم ان من لا تدركه الابصار لا يعلم احوال من لا يدركونه. (التحرير والتنوير: ۶۵/۵)

(۲) ﴿أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۖ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾ (ملک: ۱۴)

سوچنا چاہئے کیا وہ پروردگار نہیں جانے گا جس نے پیدا کیا، وہ تو بہت ہی لطیف، باریک بین اور مخلوقات کے احوال سے پورا باخبر ہے؛ اس لیے کہ وہ مخلوقات کا خالق ہے اور یہ کیسے ممکن ہے کہ خالق کو اپنی مخلوق کا علم نہ ہو، دلی خیالات بھی مخلوق ہیں، گو وہ دل میں چھپے ہوئے ہیں، مگر وہ تو چونکہ لطیف ہے اور لطافت دلیل ہے علم و انکشاف کی، لہٰذا وہ دل کے خیالات سے بھی باخبر ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

فانهم ان اسروا او جهروا فان ذلك سواء لانه يعلم خلقه واسرار عباده مهما دقت وخفيت، ولانه لطيف فدقة السر وخفائه تتناسب مع لطف المولى. (نظم الدرر: ۶۵/۸)

* کان استمرار کے ساتھ تاکید کے طریقے سے ایک آیت میں ہے:

(۱) ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا﴾ (احزاب:۳۴)

اور چونکہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ تھا کہ اہل بیت نبوت کو طہارت کاملہ عطا کرے؛ اس لیے ان کو زینت دنیا اور آرائش دنیا کی رغبت اور میلان سے پاک کر دیا؛ کیونکہ زینت دنیا کی رغبت یہ بھی ایک قسم کا رِجس اور ایک نوع کی نجاست ہے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ بڑا مہربان ہے، اس کا لطف اور اس کی عنایت تمہارے ساتھ ہے اور وہ بڑا اخبردار ہے، وہ چاہتا ہے کہ نبی کا گھرانہ ہر قسم کی گندگی اور پلیدی سے پاک ہو جائے۔ (معارف القرآن ادریسی)

شاکر علیم

شُکر کے معنی وضع لغت میں اس فربہی اور تیاری کو کہتے ہیں جو حیوان کے جسم پر عمدہ عمدہ غذاؤں کے استعمال سے نمایاں ہو جاتی ہے، صحیح مسلم کی حدیث میں ہے:

"حتىٰ إنّ الدوابّ تشكرُ من لُحومهم" (ترمذی: ابواب التفسیر، باب ومن سورة الكهف، رقم:۳۱۵۳)

شکر کے معنی قبولیت ورضامندی ہیں، جب کوئی شخص کسی کے فعل یا خدمت کو قبول کرتا اور اس پر رضامند ہو جاتا ہے تو اسے لفظ شکر کے استعمال سے ظاہر کیا جاتا ہے۔

﴿وَكَانَ سَعْيُكُم مَّشْكُورًا﴾ الدہر:۲۲)

''تمہاری کوششوں کو منظور کر لیا گیا ہے۔''

اللہ تعالیٰ شاکر ہے اور وہ اپنے بندوں کی خدمات وطاعات کو قبول فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ شاکر ہے اور وہ اپنے بندوں کے اعمال حسنہ سے رضامند ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ شاکر ہے اور وہ اپنے بندوں کی شکر گزاری کو شرف اجابت دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ شاکر ہے اور وہ اپنے بندوں کی شکر گزاری پر نعمت مزید اور مزیت جاوید عطا فرماتا ہے۔

(قاضی منصور پوری:۲۰۵-۲۰۶)

شاکر اور شکور ۵ آیتوں میں مذکور ہے:

* شاکر آیت کے آخر میں نہیں آیا، ہاں! دوسری صفت کے ساتھ مل کر ۲ آیتوں میں آیا ہے۔

(۱) ﴿وَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ﴾ (بقرہ:۱۵۸)

صفا اور مروہ مکہ میں دو پہاڑیاں ہیں، حضرت ابراہیمؑ کے وقت سے لوگ ان دو پہاڑوں کے درمیان میں طواف کرتے تھے، زمانۂ جاہلیت میں کافروں نے ان پر دو بت رکھ دیئے اور ان کی تعظیم کرتے اور ان کا استلام کرتے اور یہ سمجھتے کہ یہ طواف ان دو بتوں کی تعظیم کے لیے ہے، جب زمانہ اسلام کا آیا اور مسلمانوں کو سعی بین الصفا والمروہ کا حکم ہوا تو مسلمانوں کو یہ خیال ہوا کہ صفا اور مروہ کا طواف بھی ممنوع ہونا چاہئے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ تحقیق کوہ صفا اور کوہ مروہ اور پہاڑوں کی طرح معمولی پہاڑ تھے، مگر حضرت ہاجرہ اور اسماعیل علیہ السلام کے رضا بالقضاء کی برکت سے خدا کی یادگاروں میں سے ہو گئے اور ان کا طواف مناسک حج سے بنایا گیا، سو جو شخص حج بیت اللہ یا عمرہ کا ارادہ کرے اس پر صفا اور مروہ کی سعی اور طواف میں ذرہ برابر گناہ نہیں، تم کافروں کی مشابہت سے شبہ میں مت پڑو، صفا اور مروہ دراصل شعائر الٰہیہ میں سے ہیں اور ان کا طواف سراسر خیر اور عبادت ہے، اور جو شخص کوئی خیر اور نیکی شوق اور رغبت سے کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی قدردانی فرماتے ہیں اور اس کی نیت اور اخلاص کو خوب جانتے ہیں، اور بقدر اخلاص کے اس کو ثواب عطاء فرمائیں گے۔

آیت شریفہ کا مطلب یہ ہے کہ جب مسلمانوں کو صفا اور مروہ کی سعی کے حکم سے بت پرستوں کی مشابہت کا خیال ہوا تو یہ آیت نازل ہوئی، جس کا حاصل یہ ہے کہ صفا اور مروہ اصل میں اللہ کی یادگاریں ہیں، اور کافروں کی مشابہت امر عارضی ہے، وہ اس میں موثر نہ ہوگی، جب کہ نیت خالص اللہ کی ہو، جیسے خانہ کعبہ چندروز غلبۂ کفار کی وجہ سے بیت الاصنام یعنی بت خانہ بن گیا؛ لیکن اس کا قبلہ اور مطاف ہونا ساقط نہ ہوا، اس لیے کہ جو شیٔ بالذات ہوتی ہے وہ عوارض کی وجہ سے زائل اور ساقط نہیں ہوتی؛ اس لیے مسلمانوں کو صفا اور مروہ کی سعی میں کوئی تردد اور تامل نہ ہونا چاہئے، مشابہت کفار اس وقت موجب حرمت ہوتی ہے کہ جب کسی شیٔ کا شعائر اللہ میں سے ہونا کسی دلیل سے ثابت نہ ہو۔

(معارف القرآن ادریسی)

والشکر فی حقه تعالیٰ، انه یثیب علی العمل القلیل الاجر الکبیر. تھوڑے عمل پر زیادہ ثواب دینا یہ حق اللہ تعالیٰ کا شاکر ہونا ہے۔ بندہ اللہ پاک کی نعمتوں کا مکمل شکر گذار ہو ہی نہیں سکتا ہے، شکر کی توفیق بھی وہی دیتا ہے، یہ اس کا ہی احسان وشفقت ہے، آیت میں وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا کے مناسب شاکر کی صفت ہی ہے، اور صفت علم کا اضافہ بندہ کو اخلاص کی دعوت دیتا ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام ظاہر وباطن کا جاننے والا ہے۔ قال الامام الثعالبی وفی قوله علیما تحذیر وندب الی الاخلاص. (الجواہر الحسان: ۱/۴۲۷، والکبیر: ۲/۱۸۰)

وذکر الوصفین؛ لان ترک الثواب عن الاحسان لا یکون الا عن جحود الفضیلة، او جهل بها فلذالك

نفیا، بقوله (شاكر عليم) وبمثل ما سبق يكون وجه الحكمة من الختم في الآية الثانية لانها في سياق الحديث عن المنافقين . اللہ پاک فرماتے ہیں کہ بندے شکر گذار رہے تو وہ کیوں عذاب دے؟ وہ تو شاکر قدرداں ہے، بندہ کے علم و عمل کو جانتا ہے، لہٰذا ثواب میں کمی نہیں کرے گا۔

(۲) إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنتُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا (نساء:۱۴۷)

منافقین کو خطاب فرماتے ہیں کہ عذاب خداوندی کا دارومدار کفر، فسوق اور عصیان پر ہے، خواہ مخواہ اللہ تعالیٰ کسی کو عذاب نہیں دیتے، کیا کرے گا اللہ تعالیٰ تم کو عذاب دے کر اگر تم اللہ کے شکر گذار ہو جاؤ اور اللہ پر ایمان لے آؤ، اور اللہ تعالیٰ بڑا ہی قدردان اور دانا ہے، تمہاری سب باتوں کو جانتا ہے اور تمہارے نیک کاموں کا قدردان ہے، تو جو شخص خدا کا شکر گذار، فرمانبردار اور اطاعت شعار بندہ ہو تو وہ ایسے شخص کو ہرگز عذاب نہ دے گا، وہ تو عذاب صرف انہی لوگوں کو دیتا ہے جو پرلے درجہ کے سرکش اور متمرد ہیں اور اس کا حکم نہیں مانتے، اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ ناحق بلا وجہ کسی کو عذاب دے، جو جاننے والا اور قدردان ہو وہ بلا وجہ کسی کو عذاب نہیں دے سکتا، اور اس سے زیادہ کیا قدردانی ہوگی کہ ایک نیکی کا ثواب دس گونہ سے لے کر سات سو گونہ اور اس سے زیادہ بھی عطا فرماتے ہیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

غَفُورٌ شَكُورٌ

شکر سے ہے، شکر کے چند معانی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا شکور ہونا ان سب معانی سے ہے۔

(الف)

شکر کے معنی، مدح وثنا بیان کرنا ہے، اللہ تعالیٰ شکور ہے کیونکہ اس نے اپنی ذات کی خود مدح وثنا فرمائی ہے۔ اپنی صفاتِ عالیہ خود بیان فرمائی ہیں۔

(ب)

شکر کے معنی کسی کام کا قبول کرنا اور کسی خدمت سے راضی ہو جانا ہے، اللہ تعالیٰ شکور ہے، وہ بندوں کے اعمال صالحہ کو قبول فرماتا ہے اور ان کی عبادات وطاعات سے رضامند ہوتا ہے۔ سورۂ فاطر میں ہے:

﴿إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ﴾ (فاطر:۳۰)

''وہ تو ضرور ہی غفور اور شکور ہے۔''

نیز اسی سورت میں ہے:

﴿إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ﴾ (فاطر:۳۴)

''ہمارا رب گناہ بخشنے والا بھی ہے اور طاعات کو قبول کرنے والا بھی۔''

سورۂ تغابن میں ہے:

﴿وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ﴾ (التغابن: ۱۷)

''یعنی وہ طاعات کو قبول کرتا، گناہوں پر بردباری فرماتا ہے۔''

ہاں اللہ تعالیٰ شکور ہے کہ وہ اپنے عباد کو توفیق شکر دیتا ہے۔

ہاں اللہ تعالیٰ شکور ہے کہ وہ شکریہ شاکرین کو قبول فرماتا ہے۔

ہاں اللہ تعالیٰ شکور ہے کہ وہ شکر پر نعمت مزید اور ارزانی فرماتا ہے۔ (قاضی منصور پوری: ۱۰۹-۱۱۰)

مذکور صفت کے قرآن میں مواقع:

یہ وہ ذات ہے جو بڑے بڑے گناہوں کی مغفرت کرتی ہے، اور قلیل وحقیر عمل کو قبول کرتی ہے اور اس پر اجر عظیم عطاء فرماتی ہے، یہ صفات ۳ آیات میں آئی ہے۔ (فاطر: ۳۰، ۳۴، شوریٰ: ۲۳) پہلی آیت میں **لیوفیهم اجورهم** اور **ویزیدهم من فضله** یہ شکور کے مناسب ہے۔ علامہ شوکانی فرماتے ہیں: انه غفور شكور، تعليل لما ذكر من التوفية والزيادة. مغفرت گناہوں پر ہے اور شکوریت ان کو اجر عظیم عطاء فرماتی ہے۔

دوسری آیت میں جنتی لوگ جب ان کے گناہوں کی معافی اور انعامات کی کثرت دیکھیں گے تو کہیں گے: ان ربنا لغفور شكور، وفي هذا معنى التعليل، اى بمغفرته وشكره وصلنا الى دار كرامته. تیسری آیت میں **نزد له فيها حسنا** یہ زیادتی شان شکوریت کے مناسب ہے جو قلیل کو بڑھاتا ہے۔

إن الله لغفور شكور، تذييل وتعليل للزيادة، لقصد تحقيقها بأن الله كثيرة مغفرته لمن يستحقها، كثير شكره للمتقربين إليه. (التحرير والتنوير: ۱۳/ ۱۱۹)

* **شکور** تین آیات میں تاکیدی اسلوب میں ہے:

(۱) ﴿اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرٌ﴾ (فاطر: ۳۴)

اور یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کو دیکھ کر یہ کہیں گے: حمد ہے اس خدا کی جس نے ہم سے غم کو دور کیا، یہاں آنے کے بعد کوئی فکر اور غم نہیں ہے، بے شک ہمارا پروردگار بڑا بخشنے والا اور بڑا قدردان ہے کہ اس نے ہمارے گناہوں کو تو معاف کر دیا اور معمولی حسنات پر وہم وگمان سے بڑھ کر اجر عطا کیا۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۲) ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ﴾ (شوریٰ: ۲۳)

جو شخص بھی کوئی نیکی کا کام کرے گا؛ اللہ رب العزت کا یہ پیغام ہے کہ ہم اس کے واسطے اس کی نیکی میں اجر وثواب کا اضافہ کرتے ہیں، بے شک اللہ تو بہت ہی درگذر کرنے والا اور قدر دان ہے کہ اگر اعمال میں کسی طرح کی تقصیر اور کوتاہی واقع ہو جائے تو درگذر فرماتا ہے، اور جو کچھ بندہ نیکی کرتا ہے اس کو وہ سراہتا ہے، وہ قدر دان ہے، اہل ایمان و عمل صالح کو انعامات واجور سے محروم نہیں رکھتا۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۳)﴿لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ﴾ (فاطر: ۳۰)

جن بندوں کی یہ صفت ہے کہ وہ یہ سمجھ کر اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں کہ یہ ہمارے پروردگار کی نازل کردہ کتاب ہے، اور اس کے موافق عمل بھی کرتے ہیں اور اس کے احکام کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں اور نماز بھی درست رکھتے ہیں، یعنی اس کی پابندی کرتے ہیں اور اس کے حقوق ادا کرتے ہیں، اور جو مال ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے ظاہر اور پوشیدہ طور پر ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں، اگر پوشیدہ خرچ کرنے کا موقع ہے تو پوشیدہ خرچ کرتے ہیں اور اگر اعلانیہ خرچ کرنے کا موقع ہے تو اعلانیہ خرچ کرتے ہیں، جس طرح بھی میسر ہو؛ اگرچہ عام طور پر افضل صدقہ وہی ہے جو پوشیدہ ہو، ایسے ہی لوگ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جس میں کوئی خسارہ نہ ہوگا، اس سے آخرت کی تجارت مراد ہے اور اس تجارت کا انجام اور نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان تاجران آخرت کو پورا پورا اجر دیں گے؛ بلکہ اپنے فضل سے اور زیادہ دیں گے، جتنے کا استحقاق ہے اس سے زیادہ ملے گا۔ تحقیق اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت فرمانے والے ہیں، کوتاہیوں سے درگذر فرماتے ہیں اور بڑے قدر دان ہیں کہ وہم وگمان سے بڑھ کر دیتے ہیں، لہٰذا جو تم کو ملے اس کو خدا کا فضل سمجھو، اپنا استحقاق نہ سمجھو۔ (معارف القرآن ادریسی)

الغفور

غَفُور اور **غَفَّار** دونوں اسماء غفران سے بطور صیغہ مبالغہ مستعمل ہیں۔

معنیٰ ''غَفَّار'' کا تعلق مغفور بندوں کی تعداد سے ہے، یعنی غفار وہ ہے جو حد سے افزوں تعداد کے گناہوں کو معاف کرے۔

اور ''غَفُور'' کے معنی میں مغفرت کا زائد از مقدار ہونا واضح ہوتا ہے، یعنی غفور وہ ہے جس کی عطا و بخشائش لاانتہا ہے۔

(ب) **غَافِر** وہ ہے جو بروز محشر گناہوں پر پردہ ڈال دے گا۔

اور **غَفَّار** وہ ہے جو بندوں کے گناہوں کو ملائکہ کی بھی آنکھوں سے چھپا دے اور وہ ہے جو بندوں کے دل سے

بھی گناہوں کی یاد اور ان کا الم اور احساس وانفعال کھو دے۔

قرآن مجید میں یہ اسم:

اسم رَحِيم کے ساتھ : ۷۵/دفعہ

اسم عَزِيز کے ساتھ : ۲/دفعہ

اسم عَفُوّ کے ساتھ : ۵/دفعہ

اسم شَكُور کے ساتھ : ۲/دفعہ

اسم حَلِيم کے ساتھ : ایک دفعہ

اسم وَدُود کے ساتھ : ایک دفعہ

صفت ذو الرَّحمة کے ساتھ : ایک دفعہ

مفرد : ۵/مرتبہ

کل : ۹۲/دفعہ آیا ہے

یعنی اللہ تعالیٰ کی مغفرت اسی لیے بھی ہے کہ وہ عزت و بردباری والا ہے۔

اور اس لیے بھی کہ وہ شکر قبول کرتا ہے۔

اور اس لیے بھی کہ وہ سب سے محبت کرتا ہے۔

اور اس لیے بھی کہ وہ عاجز بندوں پر رحم کھاتا ہے۔

اور سب سے زیادہ وجہ یہی رحم شاہانہ ہے۔ (قاضی منصور پوری:۱۰۸-۱۰۹)

غفور اور غفار ۱۴ آیتوں میں آیا ہے:

[أ] غفور تنہا تاکید کے اسلوب پر مع کان استمرار کے ایک آیت میں آیا ہے:

(۱) ﴿إِنْ تَكُونُوا صٰلِحِيْنَ فَإِنَّهُ كَانَ لِلْأَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا﴾ (اسراء:۲۵)

تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ والدین کے متعلق تمہارے دلوں میں کیا بات پوشیدہ ہے، ممکن ہے کہ ظاہر میں تم نے ادب و احترام کو ملحوظ رکھا ہو؛ لیکن دل میں کوئی گرانی اور ناگواری مضمر ہو، سو اس کے متعلق حکم یہ ہے کہ اگر تم فی الواقع نیک بخت ہوگے، یعنی دل سے ان کے مطیع اور فرمانبردار اور خدمت گزار ہوں گے اور بتقاضائے بشریت ان کا پورا حق خدمت ادا نہ ہو سکے گا اور اس پر نادم ہو کر اللہ تعالیٰ کے آگے توبہ کرو گے، تو بے شک خدا کی طرف رجوع کرنے

والوں کی تقصیر کو بخشنے والا ہے، بھول چوک یا عدم استطاعت کی بناء پر جو کمی اور کوتاہی ان کی خدمت میں واقع ہوگی، اس کو وہ معاف فرما دے گا، اوّاب کی تفسیر میں کئی قول ہیں، جامع قول یہ ہے کہ جو شخص کثرت کے ساتھ بار بار بات میں شرمندہ ہو کر خدا کی طرف رجوع کرتا ہو وہ اوّاب ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

صالحین او ابین کو رغبت دلانے کے لئے اپنی صفت غفور کو ذکر کیا۔

عَفُوٌّ غفور

عَفَا عَفْوًا سے ہے، جس کے معنی ترک کرنا، چھوڑنا ہے، حدیث میں ہے: ''وَاعْفُوا اللِّحیٰ'' داڑھی کو بڑھنے کے لیے چھوڑ دو۔

قرآن مجید میں اسم **عفو** پانچ مقامات پر آیا ہے۔ چار جگہ اسم غفور کے ساتھ اور ایک جگہ اسم قدیر کے ساتھ آیا ہے۔

غفور کے ساتھ **عفو** کا ہونا غفرانِ ذنب (گناہوں کی بخشش) کی مکمل صورت کو پیش نظر کر دیتا ہے اور ظاہر ہو جاتا ہے کہ غفران وعفو کی صفات اس ذات پاک میں ذاتی ونفسی ہیں، تصنع کو اس میں دخل نہیں۔

اسم قدیر کا ساتھ ہونا بتلاتا ہے کہ صفت **عفو** اسی کی جانب ہی سے زیبا ہے جو اخذ اور پاداش پر بھی قدرت رکھتا ہو۔

عفو وہی **عفو** ہے جو قدرت والے کی طرف سے ہو، ورنہ اس کا نام تو عجز ہوگا۔

اللہ تعالیٰ **عفوّ** ہے اور ہر ایک باایمان کو معافی دینے کا حکم فرماتا ہے:

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ﴾ (الاعراف:۱۹۹)

''معافی کو اپنی عادت بناؤ، نیک کام کرنے کی ہدایت کیا کرو، جاہلوں سے منہ پھیر لیا کرو۔''

(قاضی منصور پوری:۱۸۲تا۱۸۴)

عفو کا تعلق ابتداء معافی سے ہے، جبکہ مغفرت کا تعلق گناہ سے ہے۔ (البرہان:۳/ ۲۷۴)

اوّلا اللہ تعالیٰ بندے کو معاف کر دیتا ہے، گویا صفت عفو بندے کے گناہ ہونے نہ ہونے سے متعلق نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی شان کریمی وعفو سے متعلق ہے۔ اور مغفرت کا تعلق بندے کے گناہ سے ہے کہ اللہ پاک اس کے گناہ کی ستاری فرماتے ہیں، لان العفو يتعلق بالعبد مباشرة، واما المغفرة فتتعلق بالذنب.

سورۂ بقرہ کی آیت **لا يكلف الله نفسا** سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاً عفو پھر مغفرت اور پھر رحمت بالترتیب ہے گویا عفو میں بندے کے گناہ کی طرف نظر نہیں ہوتی، کرم وفضل کی ہی شان غالب ہے۔ کبھی آدمی یہ سمجھتا ہے کہ شاید گناہ کم ہونے کی وجہ سے معاف کر دیا تو اس کا جواب ہے کہ ہماری طرف سے تمہارے گناہوں کی قلت وکثرت کی طرف دیکھا

ہی نہیں گیا، شان کریمی نے اول ہی عفو سے کام لیا ہے اور بندے کو دعاء میں اولاً اسی شان اقدس کی طرف متوجہ کیا۔

البتہ عفو کا دوسرا مفہوم یا دوسرا متعلق بھی ہے وہ گناہوں کے عفو سے تعلق رکھتا ہے، اس وقت معنی مٹانے اور ختم کرنے کے ہوں گے، سورۂ شوریٰ آیت: ۲۵ میں **یعفو عن السیئات** سے گناہوں کے مٹانے کی معنیٰ ہی مراد لئے ہیں۔

قرآن شریف میں مذکور چار آیات: (الحج: ۶۰، مجادلہ: ۲، النساء: ۴۳، ۹۹) ہیں۔

(۱) ﴿ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ﴾ (الحج: ۶۰)

(۲) ﴿اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۭ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰۗـِٔيْ وَلَدْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ﴾ (مجادلہ: ۲)

(۳) ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا﴾ (نساء: ۳۴)

(۴) ﴿فَاُولٰۗىِٕكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا﴾ (نساء: ۹۹)

ان آیات میں غور وفکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں عفو میں من وجہ گناہ یا اختیاری امور میں خلاف اولی یا حکم کی بجا آوری میں قدرے کمی وغیرہ پائی جاتی ہے۔

[۲] غفور ۱۰ آیتوں میں آیا ہے:

* صفت عفو کے ساتھ کان استمرار تاکید کے اسلوب پر ایک آیت میں ہے:

(۱) ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا﴾ (نساء: ۴۳)

پانی موجود ہی نہ ہو یا موجود تو ہو مگر بیماری اور معذوری کی وجہ سے استعمال نہ کر سکتا ہو، تو یہ بھی نہ ہونے ہی کے حکم میں ہے، پس تم ان تمام حالتوں میں طہارت حاصل کرنے کے لیے تیمم کرو، جس کا طریقہ یہ ہے کہ تم پاک زمین کا قصد کرو، پس مسح کرلو اپنے چہروں پر اور اپنے ہاتھوں پر، پاک زمین کا قصد کرنا یہ تو تیمم کی نیت ہوئی اور چہروں اور ہاتھوں پر مسح کر لینے کا نام تیمم ہے، بے شک اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے اور بڑے بخشنے والے ہیں کہ اس نے اپنی رحمت سے مٹی کو پانی کے قائم مقام کر دیا کہ جو پانی سے بھی زیادہ سہل الوصول ہے، اور تمہارا ابتداء اور منتہی ہے، ﴿مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى﴾ اور تواضع اور خاکساری کا خاص نشان ہے، جو ظاہری اور باطنی نجاستوں کے زائل کرنے میں پانی سے کم نہیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

اذ عفا عن المسلمین فلم یکلفهم الغسل او الوضوء عند المرض ولا ترقب وجود الماء عند عدمه حتی

تکثر علیهم الصلوات فیعسر علیهم القضاء بل رخص فی التیمم فی هذه الاحوال للتسهیل والتیسیر.(روح المعانی:۵/۴۴۱) صلی بعض المسلمین وهم لم یتخلصوا من السکر وذلك حینما لم یکن نص ولا حکم تحریم.

* کان کے بغیر تاکید کے ساتھ ۲ آیتوں میں مذکور ہے:

(۱) ﴿وَإِنَّ اللهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ﴾ (مجادلہ:۲)

جولوگ ظہار کر بیٹھیں تم میں سے اپنی عورتوں سے اور ان کو اپنی ماں کہہ بیٹھیں اور ماں کے بدن سے ان کو تشبیہ دے دیں، تو وہ نہیں ہو جاتیں ان کی مائیں، ان کی مائیں تو صرف وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا، اور یقیناً وہ بول رہے ہیں ایک بہت ہی ناپسندیدہ اور جھوٹی بات کہ جس عورت نے ان کو جنا نہیں؛ وہ کیسے ان پر ماں کی طرح حرام ہو سکتی ہے، یہ بیہودہ بات ایسی تو نہ تھی کہ اس پر درگذر کیا جاتا، لیکن اللہ بہت ہی درگذر کرنے والا ہے جو اپنے بندوں کو بخشنے والا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

وذلك لانه عفو فقد عفا عنهم وانما عفا عنهم لانه غفور فغفرلهم ما صدر منهم لاجل ندمهم علی افعالهم، فلذا قدم علی الغفور العفو، وقع یمین الظهار ولم یکن ثمة حکم له ولا نص فیه.

(۲) ﴿إِنَّ اللهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ﴾ (حج:۶۰)

بے شک اللہ تعالیٰ بڑا معاف کرنے والا بخشنے والا ہے، یعنی مظلوم کو ظالم سے انتقام لینے کی جو اجازت دی گئی تھی، اس میں مماثلت کی قید تھی؛ لیکن بعض اوقات باوجود حتی الامکان کوشش کے انتقام میں مماثلت نہیں رہتی، بلکہ سہواً اور نسیاناً کچھ زیادتی بھی ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف کرنے والا ہے، ایسی غفلت پر اللہ کی طرف سے مؤاخذہ نہیں اور نہ اس کی وجہ سے وعدۂ نصرت میں کوئی خلل پڑتا ہے، ایسی کوتاہی معاف ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

وقدم علیه العفو للدلالة التامة علی المراد مع انه ینصره فهو العفو یعفو عن التائب. وذلك لانه غفور فیستر الذنوب، ویمحوها، ویبدل السیئة بالحسنة، ففیه تعریض وتحضیض للمؤمنین الی الانابة للحق والعفو والمغفرة کی لا یعذب فرد منهم. (مرزا:۱۳۰) ان الذی وقع علیه العقاب له ان یعفو او ان یرد العقوبة بمثلها فهو بین مباحین فلما عدل عن الفاضل وهو العفو الی المفضول وهو رد العقوبة، ختم المولی بالعفو لیتبین له انه لم یؤاخذه بما عدل.

حلیماً غفوراً

یہ صفات دو آیات (الاسراء:۴۴، فاطر:۴۱) میں آئی ہیں، سورۂ اسراء آیت ۴۴ میں علمائے تفسیر کا اختلاف ہے؛ کیونکہ بظاہر **لا تفقهون** کی حلیماً غفوراً سے مناسبت معلوم نہیں ہوتی ہے؛ لیکن اگر سورۂ اسراء کی آیت ۴۰ کو دیکھا جائے تو

اس میں مشرکین نے اپنے لئے بیٹے اور اللہ پاک کے لئے فرشتوں کو بیٹیاں تجویز کیں، اس پر سخت ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے اس کو قولا عظیما فرمایا گیا ہے، اس کی سزا ان کو ابھی ملنی چاہئے؛ لیکن وہ بندوں پر حلیم ہے، لہٰذا سزا میں جلدی نہیں کرتا ہے، اور غفور بھی ہے؛ جب وہ اپنے غلط قول سے توبہ کرلیں، اس طرح یہ آیت بغیر تاویل کے مناسب معلوم ہوتی ہے۔

يقول الإمام الطبري: ”إن الله كان حليما، لا يعجل على خلقه الذين يخالفون أمره، ويكفرون به، ولولا ذلك لعاجل هؤلاء المشركين الذين يدعون معه الآلهة والأنداد بالعقوبة، غفورا ساترا عليهم ذنوبهم إذا هم تابوا منها“. (جامع البیان:۸/۸۴)

وبمثله قال الإمام ابن عاشور: ”وجملة إنه كان حليما غفورا، استئناف يفيد التعريض بأن مقالتهم تقتضي تعجيل العقاب لهم في الدنيا، لولا أن الله عاملهم بالحلم والإمهال، وفي ذلك تعريض بالحث والإقلاع عن مقالتهم ليغفر الله لهم“. (التحریر والتنویر:۸/۲۴۱)

دوسری آیت میں حلیم وغفور کی مناسبت واضح ہے؛ کیونکہ اس سے پہلے والی آیت ۴۰ میں مشرکین کے شرک کو ذکر کیا جو بڑا ظلم اور بہتان عظیم ہے، آسمان وزمین ٹوٹ پڑے؛ لیکن صفت حلم نے ان کو روکے رکھا ہے، اور غفران یہ ہے کہ جلدی عذاب نازل نہیں کیا، بلکہ توبہ کی مہلت دی۔

قال الإمام الألوسي: ” حليما غفورا ، فلذا حلم على المشركين وغفر لمن تاب منهم مع عظم جرمهم المقتضي لتعجيل العقوبة، وعدم إمساك السماوات والأرض وتخريب العالم الذي هم فيه، فلا يتوهم أن المقام يقتضي ذكر القدرة لا الحلم والمغفرة“. (روح المعانی:۲۲/۲۰۴)

قال الإمام الزمخشري: إنه كان حليما غفورا، غير معاجل بالعقوبة حيث يمسكهما وكانتا جديرتين بأن تهدّ هدًّا العظم كلمة الشرك كما قال: ﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا﴾

(الكشاف:۳/۱۱۱۵)

۳ حلیم کے ساتھ تاکید کے طرز پر مع کان استمراری کے دو آیتوں میں:

(۱) ﴿اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا﴾ (اسراء:۴۴)

وہ ذات والا صفات پاک اور منزہ ہے اس سے کہ کوئی اس کا شریک، اس کا ہمسر اور اس کا مقابل ہو، اور وہ بلند اور برتر ہے ان باتوں سے جو یہ ظالم اس کے بارہ میں کہتے ہیں، بہت زیادہ بلندی اور برتری جہاں وہم وخیال کی بھی رسائی نہیں، اس کی بارگاہ عالی میں منازعت اور مقابلہ کا تصور بھی ممکن نہیں، اب آگے فرماتے ہیں کہ تمام مخلوق اللہ ہی کی تسبیح

وتقدیس کرتی ہے، سات آسمان اور زمین اور جو کوئی فرشتہ اور جن اور انس ان میں ہے سب اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور انہی پر کیا انحصار ہے؛ کوئی شیٔ بھی ایسی نہیں کہ جو خدا کی حمد وثناء کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کرتی ہو۔ بے شک خدا تعالیٰ بڑا بردبار اور آمرزگار ہے، گستاخانہ کلمات پر فوراً نہیں پکڑتا اور توبہ کرنے والے کو معاف کر دیتا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

ساری مخلوق کا تسبیح کرنا ذکر کیا، ساتھ میں انسان کو اطاعت کی ترغیب دی کہ اللہ پاک **حلیم** ہے باوجود اس کے کہ تم شرک کرتے ہو اس کی تسبیح بیان نہیں کرتے ہو پھر بھی تمہیں عذاب نہیں دے رہا ہے؛ بلکہ مہلت دے رہا ہے کہ ایمان لے آؤ، کیونکہ وہ غفور بھی ہے لہٰذا توبہ سے تمہارے گناہ معاف فرما دے گا، اس میں ترغیب وتحضیض ہے۔

(۲) ﴿وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا﴾ (فاطر:۴۱)

کیا اس قدرت عظیم میں غور نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کو روکے ہوئے اور تھامے ہوئے ہے کہ اپنی جگہ سے ٹل نہ جائیں، یعنی اللہ کی قدرت عظیم کا ایک کرشمہ ہے کہ آسمان وزمین باوجود بڑے بڑے اجسام ہونے کے اپنی اپنی جگہ پر قائم ہیں، کسی کی یہ مجال نہیں کہ ذرہ برابر اپنی جگہ سے جنبش کر سکے اور اگر آسمان وزمین اپنی جگہ سے ٹل جائیں تو سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کی مجال نہیں کہ ان کو روک سکے اور تھام سکے۔ **کما قال تعالیٰ:** ﴿وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ. وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ﴾.

ان کے کفر کا مقتضی تو یہ تھا کہ غضب الٰہی جوش میں آتا اور ان پر قہر خداوندی نازل ہوتا؛ لیکن حلم الٰہی کی وجہ سے قہر خداوندی کا نزول رکا ہوا ہے، اس لیے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ بڑا ہی بردبار ہے، مجرمین کے پکڑنے میں جلدی نہیں کرتا اور آمرزگار ہے، کفر اور معصیت کو دیکھتا ہے مگر عذاب میں جلدی نہیں کرتا، ورنہ اگر چاہتا تو ایک دم سے ان پر آسمان گرا دیتا یا زمین میں ان کو دھنسا دیتا، نافرمانوں کو چاہئے کہ عذاب نہ آنے کو اللہ کے حلم اور بردباری کی دلیل سمجھیں، اس کے عفو کلی کی دلیل نہ سمجھیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

فمن حلمه يمهلكم ولا يعذبكم ولا يعجل فى عقوبتكم وذلك لانه غفور ومن مغفرته وغفرانه لايمسک عليكم ابواب الرزق بل يدر عليكم ويزيد كم فى الاجر وإنما جمع بين الوصفين ولم يذكر غيرهما لانهما هما الدالان على المراد، ولا يناسب ان يذكر العزيز وغيره لان هذا المقام مقام الانابة دون غيره فلذا ذكرهما فى الأية. (مرزا:۱۳۲)

عزیز غفور

[۴] عزیز کے ساتھ دو آیتوں میں ہے:

* تاکید کا اسلوب ایک آیت میں ہے:

(۱) ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۗ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ﴾ (فاطر:۲۸)

اللہ سے صرف وہی لوگ ڈرتے ہیں جو صاحب علم اور صاحب فہم ہیں، جو اللہ کی شان عظمت کو جانتے اور پہچانتے ہیں، وہی خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، جس درجہ کا علم اور معرفت ہے اسی درجہ کی خشیت ہے۔

بے شک اللہ بڑی عزت والا ہے، جو اس سے نہ ڈرے اسے پکڑنے والا ہے اور جو بندہ اس سے ڈرے اور اپنی تقصیر پر توبہ کرے تو اسے معاف کرنے والا ہے، پس جس ذات کی یہ شان ہے اس سے خوف اور خشیت فرض اور لازم ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

قدرت خداوندی کا علم علماء کو ہوتا ہے، اور جس کو زیادہ علم الٰہی ہوگا اس کی معرفت وخشیت دوسروں سے زیادہ ہوگی اور صفت خشیت کامیابی کی دلیل ہے تو مناسب تھا کہ ایسا کلمہ ذکر کیا جاوے جو اس کی قوت ومغفرت پر دلالت کرے؛ لہٰذا صفت غفور لائی گئی، نیز صفت عزیز میں اللہ پاک کی قہاریت کی طرف دلالت ہے تو بندوں کو اپنے سے قریب ومانوس کرنے کے لئے صفت غفور کو ذکر کیا گیا۔

* تاکید سے خالی ایک آیت میں مذکور ہے:

(۲) ﴿وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ﴾ (ملک:۲)

وہی پروردگار ہے جس نے موت وحیات کو پیدا کیا تاکہ تم کو آزمائے کہ تم میں سے کون ہے بہتر اپنے عمل کے لحاظ سے، موت وحیات کا یہ تمام سلسلہ اسی لیے ہے کہ انسان کی پہلی زندگی میں پتہ چل جائے کہ کس کے عمل اچھے ہیں اور کس کے برے، اور پہلی زندگی کے اس امتحان کا نتیجہ دوسری زندگی میں مکمل طور پر دکھلا دیا جائے، حیات نہ ہوتی تو اچھے برے کا علم نہ ہوتا اور موت نہ ہوتی تو نیکی اور بدی کا نتیجہ ظاہر نہ ہوتا، اور وہی بڑی عزت والا بخشش کرنے والا ہے کہ وہ اپنی عزت وغلبہ کی وجہ سے قادر ہے کہ بندوں پر جزاء وسزا جاری کرے، اور وہ اسی کے ساتھ بڑی مغفرت بھی فرمانے والا ہے کہ بہت سے برے کاموں کی مغفرت بھی فرماتا رہتا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

موت وحیات اور ابتلاء پر قدرت رکھنے والی ذات عزیز بھی ہے اور غفور بھی ہے، عدم اطاعت والے صفت عزیز کو یاد رکھے اور فرمابردار صفت عزیز کے ساتھ صفت غفور کا بھی استحضار رکھے، وہ عزیز ہے اس کو کسی کی اطاعت کی ضرورت نہیں البتہ فرمابرداری تمہارے لئے فائدہ مند ہے کیونکہ وہ غفور ہے لہذا ہمارے اجر میں اضافہ کرے گا اور اس کی سزا سے نجات ملے گی۔

الرَّحِيْمُ الْغَفُوْرُ

الرحیم الغفور ایک آیت (سبا:۲) میں آئی ہے، اور الغفور الرحیم ۲۷ جگہ آیا ہے، صرف سورۂ سبا میں ہی الرحیم

الغفور پر مقدم ہے، اس عدول کی وجہ یہ ہے کہ آیت کا مضمون علم الٰہی کے تمام مخلوقات سماویہ وارضیہ کو محیط ہونے پر دلالت کرتا ہے تو یہ رحمت عامہ ہے، اور مغفرت سب کو عام نہیں ہے؛ بلکہ بعض کے ساتھ خصوصی ہوگی اور عام رتبہ کے اعتبار سے خاص سے مقدم ہے، ایک اور وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں سراپا رحمت کا ذکر ہے، آسمان سے نازل ہونے والی بارش، زمین سے اگنے والی کھیتی، پھل پھول اور معدنیات وغیرہ سب اس کی رحمت کی کرشمہ سازیاں ہیں، وہ بارش ایک دم نہیں برساتا، ورنہ ہم لوگ ہلاک و برباد ہو جاتے، اسی طرح برف کی ہلکی خوشگوار پھوار برساتا ہے، یہ سب رحمت کے مظاہر ہیں، لہٰذا صفت رحیم ہی مناسب تھی، اللہ پاک کی ان سب رحمتوں کے باوجود بندوں کی طرف سے گناہ ومعصیت کی کثرت ہو رہی ہے، تو وہ غفور ہے، ان کو معاف کرتا ہے۔

⑤ رحیم کے ساتھ ایک آیت میں ہے:

(۱)﴿وَهُوَ الرَّحِيمُ الْغَفُورُ﴾(سبا:۲)

وہ خوب جانتا ہے جو زمین میں داخل ہوتی ہے اور جو چیز زمین سے نکلتی ہے، اور وہ خوب جانتا ہے جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو آسمان میں چڑھتا ہے، جیسے بندوں کے اعمال اور ان کی دعائیں اور ان کے کلمات طیبہ اور ارواح طاہرہ، اور وہ بڑا مہربان ہے اور کوتاہیوں کو معاف کرنے والا ہے، بندوں کے گناہوں اور کوتاہیوں کو رحمت کے پردہ میں چھپاتا ہے۔(معارف القرآن ادریسی)

آیت میں اللہ پاک کے خبیر وحکیم ہونے کی علت ذکر کرتے ہوئے اس کی قدرت کی مختلف نشانیوں کو ذکر کیا، جس سے اس کی شان عظمت وقدرت کا استحضار ہوتا ہے، تو صفت رحمت ومغفرت کے ذریعہ بندوں کو اپنی شان رحیمی بھی یاد دلائی کہ رغبت ورہبت میں اعتدال رہے۔

وفيه من التعريض التام بالمشركين للانابة الى الله وتوحيده، وترك العقائد الشركية، لانه يرحم بهم مع مخالفتهم له وسيتوب عليهم ويغفر لهم ان رجعوا عن الشرك، وسيزيدلهم اجورهم ان تابوا.

(التحرير والتنوير: ۲۲/۱۳۸)

رب غفور

یہ صفات سورۂ سبا آیت:۱۵ میں ایک مرتبہ آئی ہے، قوم سبا کو پاکیزہ شہر عنایت فرمائے، جن میں مکھی مچھر وغیرہ کچھ نہیں تھا اور مغفرت بھی کردی گئی تھی، بلقیس کے ایمان لانے کے سبب سے ان کے قدیم کفر کو معاف کردیا گیا تھا اور رزق حرام کے استعمال سے بھی مغفرت کردی۔

ومعنى غفور متجاوز عنكم أي عن كفرهم الذي كانوا عليه قبل إيمان بلقيس. وقيل أنه إنما جمع لهم بين طيب البلدة والمغفرة للإشارة إلى أن الرزق قد يكون فيه حرام. (التحرير والتنوير: ١١/٢٦٩، فتح القدير: ٤/٤٥٤)

لكن الأرجح- والله أعلم- أن ما هم فيه من نعمة يستوجب مضاعفة الحمد والعبادة، وهم حين لم يفعلوا ذلك لم يعاقبهم وإنما يغفر لهم، فالتقصير عن حمد النعمة يستوجب الاستغفار.

۶ رب کے ساتھ ایک آیت میں آیا ہے:

(۱) ﴿لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ ۖ جَنَّتَانِ عَن يَمِينٍ وَشِمَالٍ ۖ كُلُوا مِن رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ ۚ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ﴾ (سبا: ۱۵)

تحقیق قوم سبا کے لیے ان کے مکانات میں خدا کے لطف وکرم کی عظیم نشانی موجود تھی ہر طرف راحت کا سامان تھا، تکلیف کا نام ونشان نہ تھا، یعنی ان کی بستی کے دائیں اور بائیں جانب باغوں کی دو مسلسل قطاریں تھیں کہ میلوں تک اسی طرح چلی گئی تھیں، دوطرفہ متصل باغات چلے گئے تھے کہ ہر جانب کی قطار حکم میں ایک باغ کے تھی، قرب اور اتصال کی وجہ سے ہر قطار مثل ایک باغ کے معلوم ہوتی تھی۔ غرض کہ راحت وآرام کا اور ترقی اور تمدن کا کوئی دقیقہ باقی نہ رہا تھا اور یہ تنعم اور خوشحالی سوائے قوم سبا کے اور کسی کو حاصل نہ تھی اور اس بے مثل لطف وعنایت کے بعد انبیاء اور وارثین انبیاء کی معرفت بطور تلطف ان کو یہ حکم ہوا کہ اپنے پروردگار کے دیئے ہوئے رزق سے کھاؤ اور اس کا شکر کرو کہ اس نے بلا طلب کے اور بلا محنت اور مشقت کے تم کو کیسی کیسی نعمتیں دیں، کیا خوب پاکیزہ شہر ہے اور کیسا رب غفور ہے جس نے تم پر یہ رحمتیں اور نعمتیں مبذول کیں اور تمہاری کوتاہیوں پر مواخذہ نہیں کرتا، اس پر ایمان لاؤ اور اس کا شکر کرو۔ (معارف القرآن ادریسی)

غفار

غَفَرَ کے معنی چھپانا، ڈھانپ دینا ہے۔ غَفَرَ الْمَتَاعَ فِي الْوِعَاءِ کپڑے صندوق میں رکھ دیئے۔ غَفَرَ الشَّيْبَ بِالْخِضَابِ سفید بالوں کو خضاب سے چھپا دیئے۔ چھپا دینے کا مطلب یہ ہے کہ ہم لوگ گندی، قابل نفرت چیز پر مٹی ڈال دیتے ہیں اور اللہ پاک ہماری آلودگیوں کو اپنی بخشش وبخشائش سے دور کر دیتا ہے۔

اسی مصدر سے غَفُورٌ بھی آتا ہے اور (غَافِرِ الذَّنبِ) بھی (المؤمن: ۳) غَفَّار قرآن مجید میں تین مقامات پر آیا ہے۔ سورۂ نوح، میں بحالتِ انفرادی إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا (نوح: ۱۰) سورہ زمر ومومن میں: هُوَ الْعَزِيزُ الْغَفَّارُ (الزمر: ۵) فرمایا

گیا ہے اور عزت وقوت وقدرت وشوکت کے ساتھ غفران کی شان اور بھی عالی ہوجاتی ہے۔(قاضی منصور پوری:۸۷-۸۸)

کفار ومعاندین کے لئے عزیز ہے، اسی لئے رب السمٰوت والارض وما بینهما سے قدرت عظیمہ وغلبۂ باہرہ کی طرف اشارہ فرمایا، لیکن اسی کے ساتھ کفار کو رزق بھی دیتا ہے اور دوسری ہزاروں نعمتوں سے بھی سرفراز کئے ہوئے ہیں، یہ شان غفاریت کا ہی مظہر ہے۔

قال الإمام ابن عاشور رحمه الله: ووصف العزيز تمهيد للوصف بالغفار، أي الغفار عن عزة ومقدرة لا عن عجز وملق. (التحرير والتنوير:۲۵۵/۱۲، الغزه:۱۸۲)

غفار دو اسلوب کے ساتھ آیا ہے:

[۱] تاکید کے اسلوب پر مع کان استمرار کے ایک آیت میں ہے:

(۱)﴿فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا﴾(نوح:۱۰)

ہر طرح اور ہر حال میں خلوت وجلوت اور اجتماعی وانفرادی، غرض ہر حالت میں ان کو بس میں نے یہی کہا: معافی طلب کرو اپنے رب سے، وہی گناہ بخشنے والا ہے۔(معارف القرآن ادریسی)

﴿اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا﴾ یہ جملہ اسمیہ تاکید کے ساتھ بطور علت کے مذکور ہے کہ جب وہ غفار ہے، تو اس سے استغفار کرو؛ تاکہ تمہارے گناہ معاف کرے۔

العزيز الغفار

[۲] عزیز کے ساتھ تین آیتوں میں آیا ہے:

(۱)﴿رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ﴾(ص:٦٦)

جو بڑا ہی غالب ہے، جو رب ہے آسمانوں اور زمینوں کا اور ان تمام چیزوں کا جو ان کے درمیان میں ہیں، جو زبردست اور گناہوں کو بڑا ہی بخشنے والا ہے۔(معارف القرآن ادریسی)

(۲)﴿كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ﴾(زمر:۵)

اس کی قوت اور غلبہ کا تو یہ عالم ہے کہ اس نے آسمان وزمین کو حکمت سے پیدا کیا، وہ رات کی ظلمت کو لپیٹ دیتا ہے دن کی روشنی پر، جس سے دن غائب ہوجاتا ہے، اور ایسا ہی ہوجاتا ہے جیسے کسی چیز کو کسی میں لپیٹ کر چھپا دیا گیا، اور دن کی روشنی کو لپیٹ دیتا ہے رات کی ظلمت پر جس سے رات غائب ہوجاتی ہے، اور مسخر کردیا ہے اس نے سورج کو اور چاند کو، ہر ایک کو اپنے کام میں لگا رکھا ہے کہ ان میں ہر ایک چلتا رہے گا ایک وقت مقرر تک، ہر ایک کی رفتار اور نظام لیل و

نہار قیامت تک اس بہترین اسلوب کے ساتھ جاری رہے گا، یہ آسمان اور زمین اور لیل ونہار اپنے میں کس قدر حکمتیں اور خالق رب العالمین کی وحدانیت اور الوہیت کی دلیلیں لیے ہوئے ہیں، خبردار ہو جاؤ، وہی ہے زبردست قدرت والا ان لوگوں کو عذاب دینے کے لیے جو ان دلائل کے باوجود اس کی توحید پر ایمان نہ لائیں، ساتھ ہی بڑی مغفرت کرنے والا ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنی گذشتہ زندگی کے کفر وشرک کو چھوڑ کر ایمان لے آئیں۔(معارف القرآن ادریسی)

عزیز ہو لیکن شان غفوریت نہ ہو تو بندے مایوس ہو جاوے یا غفور ہی کی صفت ہو عزیز وقدیر کی صفت نہ ہو تو بندے بے خوف وجری ہو جائے، یہاں دونوں شان علی وجہ الاکمل پائی جاتی ہیں، وہ انفعالی کیفیتیں نہیں رکھتا کہ کسی چیز سے متاثر ہو کر کوئی اقدام کرے بلکہ اپنی شان کبریائی وقوت ارادی کے ساتھ حکیم وحلیم بھی ہے۔

(۳) ﴿وَاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ﴾ (حم مؤمن:۴۲)

اور میری قوم مجھے کیا ہوا، میں یہ عجیب منظر دیکھ رہا ہوں کہ میں تم کو دعوت دے رہا ہوں نجات کے راستہ کی طرف اور تم مجھ کو بلا رہے ہو دوزخ کی آگ کی جانب، تم تو مجھ کو اس بات کی دعوت دے رہے ہو- العیاذ باللہ- کہ میں اللہ کا انکار کروں اور اس کے ساتھ کفر کروں اور اس کے ساتھ ایسی چیز شریک کروں جس کا مجھے کوئی علم اور میرے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں، اور میں تم کو بلا رہا ہوں اس عزت والے خطا بخش پروردگار کی طرف کہ جس کی قوت وعزت کے باعث کوئی اس کی رحمت کو روک نہیں سکتا باوجودیکہ اس کی عزت وعظمت کا حق ادا نہیں ہو سکتا، وہ غفار وخطا بخش ہے۔(معارف القرآن ادریسی)

ان ربی عزیز غالب سیعاقبکم بالعقاب العاجل او الآجل، وکونه غفارا یمنع عقابه عنکم فعلیکم الایمان به، والایتمار باوامره والانتهاء عن منهیاته. (مرزا:۵:۱۳۵)

القادرُ

اندازہ قدرت وتوانائی۔

اللہ تعالیٰ قادر ہے، جملہ ممکنات کی ایجاد، اسی کی قدرت کا جلوہ ہے۔

جملہ تغیرات ارضی وسماوی، روحی ومادی، اسی کی قدرت کا کرشمہ ہے، اس کی قدرت کے سامنے سب کی طاقتیں ہیچ ہیں، اور اس کی قدرت کے سامنے سب کے دعاوی ہیچ ہیں۔

اللہ تعالیٰ قادر ہے جو ﴿اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ﴾ (القمر:۴۹)

''ہم نے ہر شے کو اندازہ کے موافق پیدا کیا۔'' کا مالک ہے۔

اللہ تعالیٰ قادر ہے اور ﴿قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا﴾ (الطلاق: ۳) ''اللہ نے ہر شے کی ایک خاص قدر رکھی ہے۔'' اس کی شان ہے۔

اللہ تعالیٰ قادر ہے اور ﴿وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ﴾ (المؤمنون: ۱۸)

''ہم نے پانی کو اوپر سے اندازہ کے موافق اتارا ہے۔'' سے اس کی قدرت نمودار ہے۔

اللہ تعالیٰ قادر ہے اور ﴿نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ﴾ (الواقعہ: ۶۰)

''ہم نے موت وزندگی کو تمہارے درمیان اندازہ کے موافق رکھا ہوا ہے۔'' سے اس کی قدرت ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ قادر ہے ﴿فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقَادِرُونَ﴾ (المرسلات: ۲۳)

''ہم نے اندازہ کیا اور ہم بہتر قدرت والے، بہتر اندازہ والے ہیں۔'' سے اس کی توانائی آشکار ہے۔

اللہ تعالیٰ قادر ہے ﴿وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ﴾ (یٰس: ۳۹) ''ہم نے چاند کی منزلوں کو مقرر کر رکھا ہے۔'' سے زمین وآسمان کا زیر قدرت ہونا ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ قادر ہے اور کوئی انسان نہ اس کی قدرت کا اندازہ کرسکتا ہے اور نہ اس کی شان کے موافق اس کی تعظیم کرسکتا ہے۔

﴿مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهِ﴾ (الانعام: ۹۱، الحج: ۷۴)

''اللہ کی عزت کا اندازہ یہ لوگ کر نہیں سکتے۔''

پس الْقَادِرِ اللہ تعالیٰ کا نام اس لیے بھی ہے کہ وہ قدرت والا ہے اور اس لیے بھی کہ قدر و اندازہ کا مالک ہے۔

قرآن مجید میں قَدِيرٌ بھی بطور اسم پاک آیا ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ قَدِيرٌ﴾ (النحل: ۷۰)

''اللہ تعالیٰ تو علم والا ہے، قدرت والا ہے۔''

﴿وَهُوَ الْعَلِيمُ الْقَدِيرُ﴾ (الروم: ۵۴)

''اللہ تعالیٰ تو علیم وقدیر ہے۔''

اور بطور وصف تو یہ ۳۷ مقامات پر آیا ہے۔

﴿وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (ہود: ۴)

''اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

یہ نام حدیث ترمذی میں نہیں ہے۔ (قاضی منصور پوری: ۱۷۱-۱۷۲)

قادر ایک آیت میں آیا ہے:

(۱) ﴿اِنَّهٗ عَلٰی رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ﴾ (طارق: ۸)

بے شک وہ ذات قادر مطلق اس انسان کو واپس لوٹانے پر بھی یقیناً قدرت رکھتا ہے، حالانکہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا اس قدر عجیب نہیں جتنا کہ ابتداء اس کو پیدا کرنا عجیب تر ہے اور ایک ایک چیز اور بدن کا ایک ایک حصہ اللہ رب العالمین کی قدرت وحکمت کا واضح ثبوت ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

اللہ تعالی نے بطور شاہد کے آسمان، ستارے، قیامت، نگران فرشتوں اور انسان کی تخلیق کے ضعف وغیرہ کا ذکر کر کے بعث بعد الموت کے دلائل ذکر کئے، تو اس کے بعد صراحۃ مدعیٰ کو جملہ اسمیہ مؤکدہ اور اسم فاعل (جو تجدد فعل پر دلالت کرتا ہے) کے ساتھ ذکر کر کے اپنی قدرت بعث ونشور کو بھی ذکر کیا۔

قدیر

قَدَرَ سے ہے۔ قدر کے معنی اندازہ اور طاقت وقدرت کے ہیں۔

اس مادہ سے چند اسماء حسنیٰ آتے ہیں: **القَادِرُ، المُقتدِرُ، القَدِیر** اور ہر ایک اسم اپنی وضع میں ایک خاص معنی پر اشارہ رکھتا ہے، گو ہر ایک مشترک المعنی بھی ہے۔

قدیر وہ ہے جو باقتضائے حکمت خود ہر ایک فعل کا فاعل ہے، اس طرح پر کہ اس فعل سے بڑھ کر نہ زیادتی صحیح ہے اور نہ کمی۔ (قاضی منصور پوری: ۲۰۰)

مذکور صفت کے قرآن میں مواقع اور مناسبت:

یہ صفت قرآن شریف میں چالیس مقامات پر ختم آیات کے موقع پر مختلف تراکیب کے ساتھ آئی ہے، لیکن سب جگہ پر صفت قدرت کو ثابت کرتی ہے، یہ تمام مقامات ایسے ہیں کہ وہاں صفت قدرت کے علاوہ صفت اس کے قائم مقام نہیں ہو سکتی تھی۔

کیونکہ یہ تمام آیات کے سیاق وسباق یا تو ماضی میں ہو چکنے والے مظاہر قدرت پر دلالت کرتے ہیں، وہاں صفت قدرت تعجب وغرابت دور کرتی ہے۔ یا تو مستقبل کی طرف مشیر ہے تو قدیر پر ختم اوامر الٰہیہ کے یقینی ہونے اور بندوں کو ان کے تسلیم کرنے کی ترغیب دینا ہے، کیونکہ وہ ہی تمام اشیاء پر قادر مطلق ہے۔

یہ حدوث پر دلالت کرنے والے فعل ماضی و مستقبل جو آیات قدیر پر ختم ہوتے ہیں، وہ یہ ہیں:

﴿إِنَّ اللهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (بقرۃ:۲۰)

﴿أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (بقرۃ:۱۰۶)

﴿إِنَّ اللهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (بقرۃ:۱۴۸)

﴿وَكَانَ اللهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ قَدِيرًا﴾ (نساء:۱۳۳)

﴿وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (ہود:۴)

﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلَىٰ فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ أَن تَقُولُوا مَا جَاءَنَا مِن بَشِيرٍ وَلَا نَذِيرٍ ۖ فَقَدْ جَاءَكُم بَشِيرٌ وَنَذِيرٌ ۗ وَاللهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (المائدہ:۱۹)

﴿وَكَانَ اللهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا﴾ (احزاب:۲۷)

﴿إِنَّ اللهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (آل عمران:۱۶۵)

اسی طرح آسمان و زمین کی ملکیت کے اثبات کے موقع پر بھی صفت قدرت وارد ہوئی ہے۔

﴿لِّلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَإِن تُبْدُوا مَا فِي أَنفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُم بِهِ اللهُ ۖ فَيَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ۗ وَاللهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (بقرہ:۲۸۴)

﴿وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَاللهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (آل عمران:۱۸۹)

﴿لَّقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قُلْ فَمَن يَمْلِكُ مِنَ اللهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَن يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَمَن فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۗ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ وَاللهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (مائدہ:۱۷)

﴿أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ وَيَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ ۗ وَاللهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (مائدہ:۴۰)

﴿لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا فِيهِنَّ ۚ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (مائدہ:۱۲۰)

﴿لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۖ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (حدید:۲)

﴿تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (ملک:۷)

ملکیت والا تصرف کرتا ہے اور تصرف کے لئے قدرت کی ضرورت ہوتی ہے، لہذا صفت قدرت پر آیات کو ختم

کر کے ملکیت کے ساتھ تصرف کی قدرت کا بھی اضافہ فرمایا۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں:

ولما کان له الملك، فهو متصرف في ملكه، والتصرف مفتقر الى القدرة، فقال: والله على كلي شيء قدير. (۲۱/۱۵)

علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ ملک مجازی میں آدمی مالک ہوتا ہے؛ لیکن تصرف تام نہیں رکھتا ہے، صفت قدیر پر ختم نے اس وہم کو دور کردیا کہ اللہ پاک کو ملک کے ساتھ قدرت تامہ حاصل ہے۔ (روح المعانی: ۵/۱۶)

علیماً قدیراً

[۲] علیم کے ساتھ تین طرق سے آیا ہے:

* تاکید سے خالی کان استمرار کے ساتھ ایک آیت میں آیا ہے:

(۱) ﴿إِنَّهُ كَانَ عَلِيمًا قَدِيرًا﴾ (فاطر: ۴۴)

کیا یہ کفر کرنے والے زمین میں پھرے نہیں کہ دیکھیں کہ آخر کیا انجام ہوا ان سے پہلے کفر کرنے والوں کا اور مکر کرنے والوں کا اور وہ لوگ ان سے قوت اور جسامت اور مال و دولت میں بہت زیادہ تھے؛ مگر باوجود اس کے اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکے، اور خدا کے مقابلہ میں ان کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی، اور کوئی چیز آسمانوں اور زمین میں ایسی نہیں کہ خدا تعالیٰ کو پکڑنے سے عاجز کرسکے، بے شک وہ دانا اور توانا ہے، نہ کوئی چیز اس کے علم سے باہر ہے اور نہ اس کی قدرت سے خارج ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

مشرکین کو دنیوی عذاب کا خوف دلانے کے لئے پچھلی امتوں کے عذاب و ہلاکت کا ذکر کیا اور یہ بھی بتایا کہ ان کا عجز پچھلوں کے عجز سے زیادہ ہے، ﴿وَمَا بَلَغُوا مِعْشَارَ مَا آتَيْنَاهُمْ﴾، اس کے مقابلے اپنے علم و قدرت کا استحضار کروایا اور عجز کی نفی کی۔ تو یہ ایسی صفات کا تقاضیٰ کرتا ہے جو علم و قدرت پر لازمی دلالت کرے، اسی لئے ﴿إِنَّهُ كَانَ عَلِيمًا قَدِيرًا﴾ میں ثبوت و دوام والے اسلوب کو اپنایا اور صفت علم کو صفت قدرت پر مقدم کیا کیونکہ قدرت علم کا تقاضہ کرتی ہے، اگر کوئی قادر ہو لیکن عالم نہ ہو تو وہ مستحق و غیر مستحق کا فرق محسوس نہیں کرسکے گا، جو لازما افراط و تفریط کا شکار ہوگا، تعالى الله عن ذلك علوا قديرا اور قدیر میں جو مبالغہ ہے وہ قادر و مقتدر میں نہیں ہے۔

* تاکید کے اسلوب کے ساتھ دو آیتوں میں آیا ہے:

(۱) ﴿وَيَجْعَلُ مَن يَشَاءُ عَقِيمًا ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ﴾ (شوریٰ: ۵۰)

بے شک اللہ ہی کے واسطے ہے سلطنت آسمانوں کی، جو چاہے پیدا کرے، جس کو چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے،

اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عطا کرتا ہے، یا جن کے واسطے بیٹے اور بیٹیاں دونوں کو جمع کر دیتا ہے اور جس کو چاہے بے اولاد کر دیتا ہے، بے شک وہ بڑا ہی جاننے والا بڑی ہی قدرت والا ہے، تو بالکل اسی طرح ہر انسان میں جیسے افعال وخصائل چاہے وہ پیدا فرما دیتا ہے اور جس طرح کسی کو عقیم و بے اولاد بنانا اسی کی قدرت ہے اسی طرح کسی انسان سے ہر طرح کی خیر اور نفع کی توقع ختم ہو جانا یہ بھی اللہ ہی کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

یہ صفات بھی قدرت وعلم کا تقاضہ کرتی ہیں، بندوں سے ان صفات عالیہ کی نفی اور اپنے لئے اثبات مزید تاکید پیدا کرتی ہے۔

﴿وَيَجْعَلُ مَن يَشَآءُ عَقِيمًا﴾ سے اپنی قدرت تامہ کے مظاہر سے واقف کرایا تو لامحالہ قدرت اور علم (جس کے بغیر قدرت کا ظہور نہیں ہوتا) کو ذکر کیا، علیم ہونے کی وجہ سے کسی کو مذکر یا مؤنث اولاد یا دونوں دینا یا نہ دینا ان سب کا حکمت تامہ سے ظہور فرماتے ہیں، گویا یہ صفات بطور علت ذکر کی۔

(۲) ﴿إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ قَدِيرٌ﴾ (نحل:۷۰)

اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا اور عدم سے وجود میں لایا اور ہر ایک کی عمر کی مدت مقرر کی، پھر تم کو مار ڈالے گا اور دوبارہ عدم میں لے جائے گا، اور تم میں سے کچھ ایسے بھی ہیں کہ جو ذلیل اور ناکارہ عمر کی طرف لوٹا دیئے جاتے ہیں؛ تاکہ جاننے کے بعد کچھ نہ جانے یعنی ایسا بوڑھا پھوس ہو جائے کہ عقل بھی جاتی رہے اور عالم ہونے کے بعد جاہل بن جائے، مطلب یہ ہے کہ جس طرح خدا تعالیٰ مارنے اور جلانے پر قادر ہے ویسے ہی وہ عالم سے جاہل بنانے پر بھی قادر ہے، پس جس کے ہاتھ میں تمہارا وجود وعدم اور علم وجہل ہے اسی کی پرستش کرو، بڑھاپے میں ہوش وحواس میں تو سب کے ہی فتور آجاتا ہے مگر جو قرآن خواں ہیں خدا ان کی مدد کرتا ہے، وہ ارذل العمر کو نہیں پہنچتا، بہر حال انسان کا نطفے سے پیدا ہونا اور پھر اس کا بوڑھا ہو کر مر جانا، مادہ اور طبیعت کا کام نہیں کیونکہ مادہ اور طبیعت تو بے شعور ہیں؛ بلکہ یہ کسی مدبر حکیم کا کام ہے۔ بے شک اللہ علم والا قدرت والا ہے کہ اس کے علم اور قدرت کی کوئی حد نہیں اور نہ اس کے لیے فناء وزوال ہے، بندہ کو چاہئے کہ اپنے علم اور قوت پر گھمنڈ نہ کرے، بڑھاپے میں نہ علم رہتا ہے نہ قدرت رہتی ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

* تاکید کے اسلوب سے خالی ایک آیت میں ہے:

(۱) ﴿وَهُوَ الْعَلِيمُ الْقَدِيرُ﴾ (روم:۵۴)

خداوند مطلق اور معبود برحق وہ ہے جس نے تم کو ناتوانی اور کمزوری سے پیدا کیا، نطفہ سے لے کر بچپن تک زمانہ کمزوری کا ہے، پھر کمزوری کے بعد اللہ نے تم کو قوت دی یعنی جوانی دی، پھر قوت اور توانائی کے بعد تم کو کمزوری اور بڑھاپا

دیا، جس طرح چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، کبھی کمزوری اور کبھی توانائی، کبھی تندرستی اور کبھی بیماری، اسی طرح قوت اور ضعف کے بیابانوں میں تمہیں پلٹیاں دے رہا ہے اور وہ علم والا اور قدرت والا ہے، ضعف اور قوت کی پلٹیاں دے کر تمہیں اپنی قدرت اور تمہاری لاچارگی کا تماشا دکھا رہا ہے، اور علیم وقدیر وہ ہے کہ جو صفتوں اور کیفیتوں کے بدلنے پر قادر ہو، یہ مشرکین اور منکرین قیامت اگر اپنے جسمانی تغیرات میں ذرا غور کریں تو وحدانیت کے بھی قائل ہو جائیں اور قیامت کے بھی قائل ہو جائیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

یہ جملہ بھی ماقبل کی علت ہے کہ یہ سب تغیرات اس لئے کرتا ہے کہ وہ قدیر وعلیم ہے۔

علیم کے بعد قدیر لانے میں حکمت:

یہ صفات ۴ مقامات پر آئی ہیں۔ (شوریٰ: ۵۰، الروم: ۵۴، النحل: ۷۰، فاطر: ۴۴) ان آیات میں بھی علیم کے مقدم ہونے کی مناسبت زیادہ ہے لہٰذا علیم کو مقدم کیا۔

(۱) اولاد دینا یا نہ دینا، یا مذکر و مؤنث دونوں صنف دینا یا صرف ایک صنف دینا یہ علم سے متعلق ہے، لہٰذا جس کے مناسب علم الٰہی میں جو تھا وہ اس کو دیا، اس سے بندے کو اس کی تقسیم پر راضی ہونے کی وضاحت فرمائی اور بندے کو مزید اطمینان ہوتا ہے جبکہ صفت قدرت کا بھی یقین پیدا ہوتا ہے۔

(۲) جو ذات انسان کو ضعف سے قوت اور قوت سے ضعف کی طرف پھیرتی ہے؛ وہ سب اپنے علم کامل سے ہی کرتی ہے اور وہ ان تمام امور کو اپنی قدرت تامہ کاملہ سے انجام دیتی ہے۔

(۳) آیت میں یتوفاکم، اور یرد الی ارذل الامور کے مراحل صفت علم کی ہی وجہ سے ہے، پھر وہ اپنی قدرت سے اس کو تام کرتا ہے اور اس میں جو چاہے تغیر وتبدل کرتا ہے۔

(۴) اپنے علم کامل سے قوموں کے عروج وزوال کے اسباب جانتا ہے اور نافرمانوں کے زوال کے اسباب پر ان کو عذاب دینے پر قادر ہے، آسمان وزمین کی کوئی مخلوق اس کو عاجز نہیں کرسکتی۔

قدیر ۴۰ آیات میں تین طرق سے آیا ہے:

[ا] قدیر تنہا تین اسلوب کے ساتھ آیا ہے:

* کان استمرار کے ساتھ تین آیتوں میں مذکور ہے۔

(۱) ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا﴾ (احزاب: ۲۷)

اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی میں تم کو ایسی زمین کا وارث بنا رکھا ہے جس کو تمہارے قدموں نے ابھی نہیں

روندا ہے، اس سے آئندہ فتوحات کی طرف اشارہ ہے کہ سرزمین قریظہ کے بعد اور زمینیں بھی فتح ہوں گی۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ کر سکتا ہے، وہ اس پر قادر ہے کہ وہ اپنے بے سروسامان محبین باوفا کو اپنے دشمنوں کی زمین کا وارث بنا دے۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۲) وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا (فتح:۲۱)

اور اس وقت کی فتح کے علاوہ ایک اور فتح بھی اللہ نے تمہارے واسطے طے کر دی ہے، جس پر تم ابھی قادر نہیں ہوئے ہو، جس کا اللہ نے احاطہ کر لیا ہے، اور وہ اس کے قابو میں ہے اور اللہ تو ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے، اس لیے جس غنیمت اور فتح کو مسلمانوں کے واسطے اللہ نے طے کر دیا ہے؛ دنیا کی کوئی طاقت اس کو اللہ کے قابو سے نہیں نکال سکتی۔ (معارف القرآن ادریسی)

لان الاشياء كلها تحت امره وتصرفه فلا تسقط رزقه الا بامره وارادته فالله تعالى كامل القدرة ليس لاحد ان يفعل الا ما يريده تعالى طوعا او كرها، وانما لم يأت بصفة اخرى لان هذا المقام المبالغة فى القدرة ولا يناسبه الا كلمة القدير. (فی ظلال القرآن:۶/ ۳۳۲۷)

(۳) ﴿اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا﴾ (نساء:۱۳۳)

اے لوگو! اگر وہ چاہے تو تم سب کو نا پید کر دے اور تمہاری جگہ دوسروں کو لا بسائے، اس کو تمہاری پروا کیا ہے؟ اور ہے اللہ اس پر قادر یعنی وہ تمہارے نا پید کرنے اور تمہاری جگہ دوسرے لوگوں کو آباد کرنے پر پوری قدرت رکھتا ہے؛ لیکن یہ اس کی مہربانی ہے کہ اس نے تم کو ہلاک نہیں کیا تو تم ایسے حلیم و کریم کی اطاعت کیوں نہیں کرتے، اس سے سرکشی کر کے اس کا کیا بگاڑو گے؟ اپنا ہی نقصان کرو گے۔ (معارف القرآن ادریسی)

* تنہا قدیر تاکید کے اسلوب کے ساتھ ۱۴ آیتوں میں مذکور ہے:

(۱) ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (بقرۃ:۲۰)

دین اسلام کو باران رحمت کے ساتھ تشبیہ دی ہے، اور ان کے شبہات اور نفسانی اغراض کو ظلمت کے ساتھ، اور عذاب الٰہی سے ڈرانے والی آیات کو رعد کے ساتھ، اور فتوحات اسلام اور غلبۂ دین حق کو برق کے ساتھ تشبیہ دی ہے، جب عذاب سے ڈرانے والی آیتیں نازل ہوتی ہیں تو یہ منافق ان کو سننا نہیں چاہتے، کانوں میں انگلیاں دیتے ہیں، اور جب کبھی غلبہ اسلام کی برق کوندنے لگتی ہے اور اسلام کا نور چمکنے لگتا ہے تو اسلام کی طرف چلنے لگتے ہیں، اور جب اغراض نفسانی کی ظلمت اور تاریکی کا غلبہ ہوتا ہے، مثلاً کافروں سے جہاد اور قتال کا حکم آتا ہے تو پھر اسلام کی طرف چلنے سے رک

جاتے ہیں، ﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ اور اگر خدا چاہتا تو بغیر بجلی اور کڑک ہی کے ان کے کان اور آنکھیں سب ہی لے جاتا، بے شک اللہ ہی ہر چیز پر قادر ہے، وہ کسی سبب کا محتاج نہیں اور نہ اس کے لئے کوئی مانع ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

ولو شاء اللہ لذھب بسمعھم وابصارھم کی دھمکی قادر مطلق ہی دے سکتا ہے؛ کیونکہ جلب منفعت و دفع مضرت یہ دونوں قوت قادرہ سے ہی وجود میں آسکتے ہیں، ففی قدرۃ العبد وقدرۃ اللّٰہ تعالیٰ فرق ظاھر، لانه اذا وصف بھا العبد المراد منه الھیئة التی یتمکن من فعل شیئ او ترکه، واذا وصف به اللّٰہ تعالی فھی نفی العجز عنه.

(المفردات فی غریب القرآن:ص:۴۰۹)

(۲) ﴿اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ (بقرہ:۱۰۶)

ہم چاہے کسی آیت کے حکم کو منسوخ کریں یا اس آیت کو ذہنوں سے بھلائیں نسخ کے بعد، اس آیت منسوخہ یا منسیہ سے کوئی بہتر چیز لاتے ہیں یا اس آیت کے مثل لاتے ہیں، یعنی حکم ناسخ حکم منسوخ سے سہولت عمل یا موافقت مصلحت یا کثرت ثواب کے اعتبار سے بہتر ہوتا ہے یا برابر، کیا تجھے یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اس کو سب اختیار ہے، ہر لمحہ اور ہر لحظہ تو اس کے عجائب قدرت اور غرائب مشیت کا مشاہدہ کرتا ہے؛ جیسے مرض کا صحت سے بدلنا اور فقر کا تونگری سے بدلنا اور عزت کا ذلت سے بدلنا اور روشنی کا تاریکی سے بدلنا، پس جو ذات ان تغیرات اور تبدلات پر قادر ہے کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ وہ ایک حکم سے دوسرے حکم کو بدل دے، اور جس طرح احکام تکوینیہ میں حسب اقتضاء مصلحت تغیر اور تبدل معاذ اللہ جہالت نہیں؛ بلکہ عین حکمت ہے، اسی طرح احکام شرعیہ میں بھی باقتضاء زمان و مکان اور باقتضاء طبع تغیر و تبدل عین حکمت اور عین مصلحت ہے اور الہامی کتابوں میں بھی احکام بدلتے رہے ہیں، اگر یہ بات نہ ہوتی تو توارت کے بعد انجیل کے نازل کرنے کی کیا ضرورت تھی اور اس تغیر و تبدل سے اللہ تعالیٰ کے علم میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا، پہلے ہی سے یہ سب کچھ اس کے علم میں تھا، البتہ اس تغیر اور تبدل سے ہمارے علم میں تغیر ہوتا ہے، سو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم کو قصور علم کی وجہ سے اس حکم کی مدت معلوم نہ تھی اور قصور فہم کی وجہ سے اس حکم کو دائم اور مستمر سمجھ بیٹھے، جب حکم ناسخ نازل ہوا اس وقت اپنے قصور علم کا علم ہوا اور قصور فہم کا فہم ہوا، قوانین حکومت میں بھی تغیر و تبدل ہوتا ہے؛ لیکن ہاں کسی فروگذاشت اور لاعلمی کی بناء پر پہلا حکم منسوخ ہوتا ہے، اور حق جل شانہ کے احکام میں تغیر و تبدل ہمیشہ حکمت و مصلحت کی بناء پر ہوتا ہے، اللہ کا علم غلطی سے پاک ہے۔

لا یضل ربی ولا ینسی میرا رب نہ غلطی کرتا ہے نہ بھولتا ہے

مریض کے حالات بدلنے کی وجہ سے طبیب دوا بدلتا رہتا ہے، یہ طبیب کی جہالت نہیں؛ بلکہ دلیل حذاقت ہے کہ ہر وقت کی مصلحت اس کی پیش نظر ہے اور اس قدرت کے علاوہ کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہت آسمانوں کی اور زمینوں کی، اور حکومت اور بادشاہت کے لوازم میں سے ہے کہ احکام میں تغیر اور تبدل ہو؛ لہٰذا جس وقت جو حکم دے اس کی تعمیل فرض اور لازم ہے، اور اگر اس کے حکم اور فرمان کی تعمیل میں تامل کرو اور یہ کہو کہ ہم تو پہلے ہی حکم کو مانیں گے، دوسرے حکم کو نہیں مانیں گے، تو سمجھ لو کہ تمہارے لیے اللہ کے سوا کوئی کارساز اور مددگار نہیں کہ جو تمہیں اس کی گرفت اور باز پرس سے بچا سکے۔ (معارف القرآن ادریسی)

ناسخ و منسوخ احکام صفت علم و قدرت اور حکمت کا تقاضہ کرتے ہیں۔ (مرزا)

(۳) ﴿فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (بقرہ:۱۰۹)

اے مسلمانو! یہ یہود قرآن اور دین میں طرح طرح کے شبہے نکالتے ہیں، کبھی نسخ احکام پر اعتراض کرتے ہیں، اصل وجہ یہ ہے کہ اکثر اہل کتاب کی دلی خواہش اور تمنا یہ ہے کہ کسی طرح تم کو ایمان سے پھیر کر کافر بنا دیں کہ اہل کتاب کی طرح تم بھی جدید حکم کا انکار کر دو اور اپنے نبی پر یہ اعتراض کرو کہ تم نے پہلے تو یہ حکم دیا تھا اور اب یہ دوسرا حکم اس کے خلاف کیسا؟ اور اس غرض فاسد کا کوئی محرک اور باعث تمہاری جانب سے وقوع میں نہیں آیا، بلا وجہ محض حسد کی بناء پر کہ جو خود ان کے ناپاک اور گندے نفسوں سے پیدا ہوا ہے، اور پھر تعجب یہ ہے کہ ان کی یہ کوشش اور یہ حسد کسی شک اور شبہ کی بناء پر نہیں؛ بلکہ اس کے بعد ہے کہ حق ان کو خوب واضح ہو چکا ہے کہ مسلمانوں کا دین اور ان کی کتاب اور ان کا رسول سب سچے ہیں، نیز ان کو یہ بھی خوب معلوم ہے کہ ہر شریعت میں علی اختلاف المصالح احکام بدلتے رہتے ہیں، بقرہ ہی کے قصہ میں دیکھ لو کہ کتنی مرتبہ نسخ ہوا، تم ان کی باتوں کا خیال مت کرو، یہ حسد میں مبتلا ہیں، خدا کا شکر کرو کہ تم حاسد نہیں محسود ہو، پس تم ان حاسدوں سے معاف کرو اور درگذر کرو، یعنی زبان سے بھی ان کو کچھ برا بھلا نہ کہو اور فی الحال ان سے کوئی جنگ و جدال اور قتل و قتال نہ کرو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ جہاد و قتال اور جزیہ کا حکم نازل فرمائے، اور جہاد و قتال کے حکم میں تاخیر عاجز ہونے کی بناء پر نہیں؛ بلکہ فی الحال بھی قادر ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پر قادر ہے؛ لیکن اس تاخیر میں کچھ حکمتیں ہیں، وہ قادر و توانا جب چاہے گا ضعیف کو قوی پر غالب کر دے گا، اور اگر تم کو اپنے ان دشمنان ایمان سے جہاد کا شوق ہے تو جہاد بالسیف کا حکم آنے سے پہلے جہاد نفس میں مشغول رہو۔ (معارف القرآن ادریسی)

دوسری طرف اہل کتاب کے مکر کے جواب میں مسلمانوں کو عفو سے کام لینے کا حکم دیا اور اس کی غایت یہ بتائی کہ اللہ پاک مسلمانوں کو فتح اور دشمنوں کو شکست دینے پر قادر ہے، لہٰذا قدرت تامہ پر دلالت کرنے والی صفت ذکر کی گئی۔

(مرزا:۱۴۵)

(۴)﴿اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ (بقرہ:۱۴۸)

ہر امت کے لیے ایک جداگانہ قبلہ ہے جس کی طرف وہ امت متوجہ ہوتی ہے، ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں نماز کا قبلہ خانہ کعبہ تھا اور موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں نماز کا قبلہ بیت المقدس تھا، اسی طرح تمہارے لئے بھی ایک مستقل قبلہ تجویز ہوا، جس طرح تمہارا دین مستقل اور جداگانہ ہے اسی طرح تمہارے لیے قبلہ بھی مستقل ہونا چاہئے، کوئی جہت اور کوئی سمت اپنی ذات سے قبلہ نہیں، خدا تعالیٰ نے جس جہت کو قبلہ بنا دیا وہ قبلہ ہوگئی، اسی طرح خدا تعالیٰ نے تمہارے لیے ایک جہت کو قبلہ مقرر کر دیا، پس اے مسلمانو! تم اس قبلہ کے مسئلہ میں کنج وکاؤ نہ کرو، اصل نیکیوں کی طرف دوڑو جو مقصود بالذات ہیں، یعنی نماز اور روزہ وغیرہ، نہ کہ قبلہ کہ وہ اصل عبادت نہیں؛ بلکہ ذریعۂ عبادت ہے اور اصل عبادت تو حکم خداوندی کا امتثال ہے، اس کی طرف دوڑو، جس وقت وہ خداوند ذوالجلال بیت المقدس کے استقبال کا حکم دے بیت المقدس کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور جس وقت خانہ کعبہ اور مسجد حرام کی طرف متوجہ ہونے کا حکم دے اس طرف متوجہ ہو جاؤ، کسی سے منازعت کی ضرورت نہیں، تمام خیرات اور نیکیوں کی جڑ امر خداوندی کے امتثال میں مبادرت اور سبقت کرنا ہے، اصل بھلائی حکم کی پیروی میں ہے، جس وقت جو حکم ہو اس کی تعمیل کرو اور آخرت کی فکر کرو، جہاں سب عبادتوں پر اجر ملے گا، اور اصل عبادت تعمیل حکم ہے، وہ احکم الحاکمین ہے جو چاہے حکم دے، مشرق اور مغرب میں جہاں کہیں بھی ہوگے تم سب کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حساب کے لیے حاضر کرے گا اور تمہارے اعمال کے مطابق تم کو جزا دے گا، یعنی اختلاف جہات صرف دنیا میں ہے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سب کو جہات مختلفہ سے ایک مکان میں جمع کرے گا اور سب کو بھلائی اور برائی کی جزا دے گا، اور سب نمازوں کو بمنزلہ ایک نماز کے بنا دے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

ایْمَا تکونوا یأت بکم اللہ جمیعا یہ صفت قدرت کا تقاضہ کرتا ہے۔ (التحریر والتنویر: ۲/۴۲)

(۵)﴿بِیَدِكَ الْخَیْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ (آل عمران:۲۶)

اے اللہ مالک بادشاہی اور سلطنت کے، ہم کو بادشاہی اور عزت عطا فرما؛ تاکہ کوئی کافر تیرے دین اور تیرے نام لیواؤں کو ذلیل نہ کر سکے اور شان وشوکت کے ساتھ تیرے دین کے احکام جاری ہوں، ہم اگرچہ قلیل اور ظاہر میں ذلیل ہیں مگر آپ کو سب کچھ قدرت ہے، اس لیے کہ آپ مالک مطلق اور قادر مطلق ہیں، جس کو چاہیں بادشاہی اور سلطنت عطا فرمائیں اور جس سے چاہیں سلطنت چھین لیں، تیرے ہاتھ میں ہے ہر بھلائی، بلاشبہ آپ ہر چیز پر قادر ہیں اور عزت کو ذلت سے اور ذلت کو عزت سے بدلنا ایسا ہی آپ کی قدرت میں ہے جیسا کہ نور کو ظلمت سے اور ظلمت کو نور سے

بدلنا آپ کی قدرت میں ہے، اس لیے کہ آپ کو یہ قدرت ہے کہ رات کے ایک حصہ کو دن میں داخل کر دیتے ہیں جس سے دن بڑا ہوجاتا ہے، اور کسی فصل میں دن کے کسی حصہ کو رات میں داخل کر دیتے ہیں، جس سے رات بڑی ہوجاتی ہے، مثلاً کسی موسم میں رات چودہ گھنٹے کی ہوتی ہے اور دن دس گھنٹہ کا، پھر چند ماہ بعد رات کے چار گھنٹہ کاٹ کر دن میں داخل کر دیئے جاتے ہیں جس سے دن چودہ گھنٹے کا ہوجاتا ہے اور رات دس گھنٹہ کی رہ جاتی ہے، اور تو ہی نکالتا ہے جاندار کو بے جان سے اور تو ہی نکالتا ہے بے جان کو جاندار سے، جیسے بیضہ سے چوزہ اور چوزہ سے بچہ اور عالم سے جاہل اور جاہل سے عالم اور مؤمن سے کافر اور کافر سے مؤمن، اور تو ہی روزی دیتا ہے جس کو چاہے بے شمار، یہ آپ کی قدرت کاملہ اور جودوکرم کے چند نمونے ہیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۶) ﴿قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (آل عمران:۱۶۵)

منافقوں نے یہ کہا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو احد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شکست کیوں ہوئی؟ چنانچہ فرماتے ہیں: کیا جس وقت احد میں تم کو ایسی مصیبت پہنچی جو بدر میں اس سے پہلے تم اپنے دشمنوں کو اس کا دو چند پہنچا چکے ہو تو تم بطور تعجب۔ نہ بطور اعتراض۔ یہ کہنے لگے کہ یہ مصیبت کہاں سے آئی؟ یعنی جنگ احد میں اگر تمہارے ستر آدمی شہید ہو گئے تو جنگ بدر میں ان کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر تمہارے ہاتھ قید ہوئے اور قیدی بھی مقتول کے برابر ہی ہوتا ہے تو ایسی حالت میں اپنی نصف مصیبت کا شکوہ کرنا اور بددل ہونا مناسب نہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، جس کو جب چاہے غالب اور جب چاہے مغلوب کرے۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۷) ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (نحل:۷۷)

من جملہ دلائل الوہیت کے اس کا کمال علم اور کمال قدرت ہے، اس لیے کہ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزیں اللہ ہی کو معلوم ہیں، اس سے کوئی شئ چھپی ہوئی نہیں، خواہ وہ زمین میں ہو یا آسمان میں ہو، یہ اس کا کمال علم ہوا، اور منجملہ غیب کے قیامت بھی ہے، اس کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں، اور نہیں ہے قیامت کا کام مگر ایسا جیسے پلک جھپکنا یا اس سے بھی زیادہ نزدیک، مطلب یہ کہ مردوں کا دوبارہ زندہ کرنا کوئی مشکل کام نہیں، جب اللہ چاہے گا آناً فاناً ہوجائے گا، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے، جس کام کا وہ ارادہ کرتا ہے وہ پلک جھپکنے سے بھی پہلے ہوجاتا ہے، یہ اس کے کمال قدرت کی دلیل ہے، خلاصۂ کلام یہ کہ جس کا علم اور قدرت عالم کے ذرہ ذرہ کو محیط ہو کون اس کا ہمسر ہوسکتا ہے؟ (معارف القرآن ادریسی)

(۸) ﴿وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (حج:۶)

اور اگر ان منکرین قیامت کا یہ گمان ہے کہ انسان کی پیدائش میں جس قدر تغیرات اور انقلابات پیش آتے ہیں وہ

سب شکم مادر میں ہیں، شکم قبر میں یہ تغیرات اور انقلابات نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اے مخاطب! تو زمین کو مردہ کی طرح خشک اور بے رونق دیکھتا ہے کہ عرصہ تک بجھی ہوئی آگ کی طرح خشک پڑی رہتی ہے، جس میں سبزہ کا کہیں نام ونشان نہیں ہوتا، اس طرح قبر میں مردہ بھی خشک پڑا رہتا ہے، پھر جب کچھ عرصہ بعد ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو اس خشک زمین کی قوت نامیہ جوش میں آجاتی ہے اور سبزہ سے لہلہانے لگتی ہے، اور پھولنے لگتی ہے، اور ولادت حمل کی طرح خروج نباتات کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں، گویا کہ زمانۂ ولادت قریب آگیا ہے اور پھر باذن الٰہی ہر قسم کے تروتازہ اور خوشنما چیز اگاتی ہے، جس طرح بطن مادر سے ایک خوشنما بچہ نمودار ہوتا ہے، پس جو خدا اس طرح مردہ زمین کے زندہ کرنے پر قادر ہے تو کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ مردوں کے اجزاء متفرقہ کو جمع کرکے پھر اسی حال پر لے آئے جس پر وہ پہلے تھا، کیا یہ تخم شجر نطفہ کے مشابہ نہیں کہ جب یہ تخم زمین میں ڈال دیا جاتا ہے تو گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہوجاتا ہے اور پھر بعد چندے خوشنما ہوکر زمین سے نکل آتا ہے، جس طرح نطفہ سے بچہ پیدا ہونے کے لیے ایک وقت مقرر ہے، اسی طرح تخم ریزی کے بعد روئیدگی کے لیے بھی ایک وقت مقرر ہے۔

یہاں تک دونوں دلیلیں ختم ہوئیں، اب آئندہ آیت میں ان دونوں دلیلوں کا نتیجہ ذکر فرماتے ہیں، اور وہ پانچ باتیں ہیں:

(اول) یہ سب جو ابتداءِ خلقت انسان سے احیاءِ زمین تک ہوا، اس کی وجہ اور سبب یہ ہے کہ تم جان لو کہ اللہ جو ہے وہی حق ہے، یعنی خدائے برحق وہ ہے کہ جس کی قدرت کاملہ سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔

(دوم) اور یہ کہ تحقیق وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے جیسا کہ نطفہ کو اور مردہ زمین کو زندہ کرنا تمہاری نظروں کے سامنے ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ موت اور حیات اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

(سوم) اور یہ کہ وہ بلاشبہ ہر چیز پر قادر ہے، اس کی قدرت مردہ زمین کے ساتھ مخصوص نہیں، وہ تمام ممکنات پر قادر ہے۔

(چہارم) اور یہ کہ بلاشبہ قیامت آنے والی ہے، یعنی اس زندگی کے بعد دوسری زندگی آنے والی ہے جس میں کچھ شک نہیں۔

(پنجم) اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو زندہ کرکے اٹھائے گا جو قبروں میں مدفون ہیں اور اس دوبارہ زندہ ہونے کا نام بعث بعد الموت ہے، غرض یہ کہ ان دلائل سے بخوبی یہ ثابت ہوگیا کہ قیامت کا آنا حق ہے، ضرور آئے گی، اس کے آنے میں ذرا شک نہیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۹) ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرٌ﴾ (فتح: ۳۹)

اجازت دی گئی مسلمانوں کو جن کے ساتھ مشرکین قتال کرتے ہیں کہ کافروں سے جہاد وقتال کریں اور یہ جہاد و قتال کی اجازت اس لیے دی گئی کہ وہ مظلوم ہیں، کافروں نے ان پر ظلم کیا ہے اور تحقیق اللہ تعالیٰ ان بے سروسامان مظلومین کی مدد کرنے پر پوری قدرت رکھتا ہے، مطلب یہ ہے کہ صحابہ کو جہاد کی اجازت اس لیے دی گئی کہ یہ لوگ مظلوم ہیں اور مظلوم کو ظالم کے ظلم کا مقابلہ تمام مذاہب میں نہ صرف جائز ہے؛ بلکہ واجب اور لازم ہے اور حق کو باطل کی سرکوبی کا ہر وقت حق حاصل ہے حتی کہ اگر حق مصلحت سمجھے قبل اس کے کہ باطل سر اٹھائے، سر اٹھانے سے پہلے ہی اس کا سر کچل دیا جائے تو یہ بھی عین حق ہے اور کمال تدبر و دانائی ہے، اور انتظار میں رہنا کہ جب باطل مجھ پر حملہ آور ہو تو اس کی مدافعت کروں گا، تو یہ کم عقلی ہے اور مسلمان چونکہ بے سروسامان تھے اور تعداد میں بھی بہت قلیل تھے، اس لیے ان کی تسلی کے لیے فرمایا: اے مسلمانو! تم جہاد وقتال کی اجازت سے گھبرانا نہیں ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری مدد پر قادر ہے اگرچہ تمہاری تعداد قلیل ہے، مگر تم اپنی قلت اور دشمن کی قوت وکثرت پر نظر نہ کرو، ہماری قدرت پر نظر رکھو، یہ کلام مسلمانوں کے لیے عجیب عنوان سے فتح کی بشارت ہے اور کافروں کے لیے تہدید ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۱۰) ﴿يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (نور:۴۵)

اور اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا، ہر حیوان کا اصل مادہ اور جوہر پانی ہے، سو ان میں سے بعض تو وہ ہیں جو اپنے پیٹ پر چلتے ہیں جیسے سانپ اور مچھلی وغیرہ، اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو دو پاؤں پر چلتے ہیں، جیسے آدمی اور بہت سے پرندے جبکہ ہوا میں نہ ہوں، اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو چار پاؤں پر چلتے ہیں، جیسے بہائم اور درندے، اونٹ، گائے، بکری وغیرہ، اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے، اس کی قدرت کے اعتبار سے سب برابر ہیں، کسی کے لیے پیٹ کو چلنے کا ذریعہ بنایا اور کسی کے لیے دو پیر اور کسی کے لیے چار بنائے تاکہ لوگ اللہ کی قدرت کے کرشموں کو دیکھیں اور سمجھیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۱۱) ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (عنکبوت:۲۰)

اے ابراہیم! آپ اپنی قوم سے کہہ دیجیے کہ اپنی ذات کو چھوڑ کر دوسری چیزوں کی پیدائش میں بھی غور کرو اور تم کو اگر دوبارہ زندگی میں کچھ تردد ہے تو زمین میں چلو پھرو، پھر دیکھو کہ خدا تعالیٰ نے زمین میں قسم قسم کی مخلوق کو کس طرح پہلی بار پیدا کیا ہے، قسم قسم کے درخت فناء ہو جاتے ہیں اور پھر دوسری بار پیدا ہو جاتے ہیں جن کا شب وروز تم مشاہدہ کرتے ہو، تو سمجھ لو کہ پھر پچھلی بار بھی اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرے گا، دوسری زندگی کو پہلی زندگی پر قیاس کرلو، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے، اس کی قدرت کاملہ کے اعتبار سے پہلی بار پیدا کرنا اور دوسری بار سب برابر ہے، بلاشبہ وہی اپنی قدرت کاملہ

سے سب کو دوبارہ زندہ کرے گا۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۱۲) ﴿يَزِيدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (فاطر:۱)

اس کی قدرت کے اعتبار سے دو اور چار اور توڑنا اور پھوڑنا اور جوڑنا سب برابر ہے، اور بڑھاتا ہے وہ فاطر (قادر) پیدائش میں کمیت اور کیفیت اور صورت اور صفت کے اعتبار سے جو چاہتا ہے اور جس قدر چاہتا ہے، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے، لہٰذا فرشتوں کے تین چار بازو سن کر تعجب نہ کرنا چاہئے، اس کی صنعت کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا، وہ قادر مطلق اور خالق مطلق ہے، جس طرح چاہے بنائے، اس نے اپنی قدرت اور حکمت سے جس مخلوق کی خلقت اور صنعت میں جتنی چاہی زیادتی کر دی، کسی کو دو پایہ بنایا اور کسی کو چار پایہ اور کسی کو چھل پایہ (کنکھجورا) بنایا، مکھی کی آنکھ بظاہر ایک دکھائی دیتی ہے مگر انکشافات جدیدہ سے یہ معلوم ہوا ہے کہ جب بذریعہ خوردبین دیکھو تو اس کی آنکھیں آٹھ ہزار سے زیادہ نظر آتی ہیں، لوگوں کے حواس خمسہ کم وبیش اور مختلف ہیں، کوئی کم دیکھتا ہے اور کوئی زیادہ، اور کوئی کم سنتا ہے اور کوئی زیادہ، کسی کو عقل اتنی زیادہ دی کہ آسمان تک پرواز کر سکے، کسی کو بے بال و پر بنایا، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی کسی حکمت سے فرشتوں کی خلقت میں تفاوت رکھا، کسی کے دو اور کسی کے چار بازو بنائے اور کسی کے اس سے بھی زیادہ، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے شب معراج میں جبرئیلؑ کو دیکھا کہ اس کے چھ سو بازو ہیں۔

زجاجؒ، فراءؒ اور جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ يَزِيدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ میں جس زیادتی کا ذکر ہے وہ ملائکہ کے ساتھ مخصوص نہیں؛ بلکہ عام ہے، ہر خلقت وصنعت اور قد و قامت اور حواس ظاہرہ و باطنہ سب کو شامل ہے، جس میں حسن صورت، حسن سیرت اور آنکھوں کی ملاحت، زبان کی حلاوت، خوش آوازی، نغمۂ دلکش اور جسامت، جسمانی قوت اور عقل کی جودت ومتانت وغیرہ وغیرہ سب يَزِيدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ میں داخل ہے، کسی خاص نوع کے ساتھ مخصوص نہیں اور امام رازیؒ نے تفسیر میں اسی عموم کو اختیار کیا ہے، اسی طرح سمجھو کہ فرشتے اللہ کی ایک نورانی مخلوق ہے جو ہوا سے زیادہ لطیف ہے اور ان کی خلقت اور پیدائش میں اس نے اپنی حکمت سے تفاوت رکھا ہے، کسی کو دو پر عطا کیے، کسی کو تین، کسی کو چار اور کسی کو اس سے بھی زیادہ، وہ قادر مطلق اور حکیم مطلق ہے، وہ اپنی پیدائش اور بناوٹ میں جو کمی اور زیادتی جانتا ہے اس پر کسی کو چون وچرا کی مجال نہیں، سارا عالم اس کی قدرت کے سامنے اور سارے عالم کی عقلیں اس کے علم وحکمت کے سامنے بے بال و پر ہیں، کسی کی مجال نہیں اس کے آسمان قدرت وحکمت تک پرواز کر سکے، جسم انسانی کی طرح روح انسانی بھی ایک خاص شکل اور خاص ہیئت ہے، مگر وہ لطیف اور مجرد من المادہ ہے اور لطافت کی وجہ سے ادراک اور احساس سے بالا اور برتر ہے، روح کی شکل اور ہیئت کو انسان کی ظاہری ہیئت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح فرشتوں کے پروں اور بازوؤں کو

پرندوں کے پروں اور بازوؤں پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۱۳) ﴿اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۭ اِنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (حم سجدہ:۳۹)

اور اللہ کی قدرت کی عظیم نشانیوں میں سے یہ بھی ایک عظیم نشانی ہے کہ اے مخاطب تو دیکھتا ہے زمین کو کہ دبی دبائی پڑی ہے، پھر جب ہم نے اس پر پانی برسایا تو لہلہانے لگی، ابھرنے اور پھلنے پھولنے لگی، بے شک جس پروردگار نے اس خشک و بنجر زمین کو زندہ کیا، یقیناً وہی مردوں کو بھی زندہ کرنے والا ہے، بے شک وہ ہر چیز پر بڑی قدرت والا ہے، تو اسی طرح قیامت میں مردوں کو زندہ کرے گا اور قدرت کاملہ سے وہ دنیا میں بھی مردہ قلوب کو حیات بخش کر ان کو ایمان و معرفت اور تقویٰ وطاعت کی شادابی سے سرسبز وشاداب بنا سکتا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۱۴) ﴿اِنَّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (تحریم:۸)

ان اہل ایمان کا نور دوڑتا ہوگا ان کے آگے اور ان کی داہنی جانبوں میں، کہتے ہوں گے غایت فرحت و سرور سے اور اللہ کے انعامات کا شکرادا کرتے ہوئے: اے ہمارے پروردگار! پوری کردے ہمارے واسطے ہماری روشنی، اور معاف کر دے ہماری وہ تمام کوتاہیاں اور غلطیاں جو ہم نے تیرا حق ادا کرنے میں کیں، بے شک تو ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

* تاکید کے اسلوب سے خالی ۱۶ آیتوں میں مذکور ہے:

(۱) ﴿فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (بقرہ:۲۸۴)

جو اخلاق اور اعمال تمہارے دل اور ضمیر میں مضمر اور پوشیدہ ہیں، ان کو زبان یا اعضاء اور جوارح سے ظاہر کرو یا دل ہی میں چھپائے رکھو، ان سب پر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تم سے حساب لے گا اور پھر محاسبہ کے بعد جس کو چاہے گا بخشے گا اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا، جس ظاہر اور پوشیدہ کو چاہے گا معاف کرے گا اور جس پر چاہے گا سزا دے گا، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں، اگر چاہیں تو صغیرہ پر بھی عذاب دے سکتے ہیں اور چاہیں تو کبیرہ کو بھی بلا توبہ ہی معاف فرمادیں، تمام اہل سنت والجماعت کا اس پر اجماع ہے کہ اعمال قلبیہ وقالبیہ اور افعال نفسانیہ وجسمانیہ-خواہ صغائر ہوں یا کبائر- سب پر محاسبہ حق ہے اور جزاء اور سزا سب اللہ کے اختیار میں ہیں، کوئی شیٔ اس پر واجب نہیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۲) ﴿وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (آل عمران:۲۹)

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ تم کافروں کی محبت خواہ اپنے سینوں میں چھپاؤ یا اسے اپنے کسی قول یا فعل سے ظاہر کرو، تو خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے؛ اس لیے کہ اس کے سامنے ظاہر اور باطن، سینہ اور

زبان سب برابر ہیں، اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے یعنی اس کا علم تمام کائنات کو محیط ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، علم کی طرح اس کی قدرت بھی محیط ہے، لہٰذا تم کو چاہئے کہ اس علیم وقدیر کے دوستوں سے دوستی کرو، اور اس کے دشمنوں کی دوستی سے ظاہر وباطن میں احتیاط رکھو۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۳) ﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (آل عمران:۱۸۹)

اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہت آسمانوں کی اور زمین کی اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے، پس ایسے قادر مطلق کے عذاب سے چھٹکارا پانے کی کوئی سبیل نہیں اور خصوصاً جو گستاخ آسمان وزمین کے مالک کو فقیر کہتا ہوا ایسے گستاخ کی تو عذاب سے کسی طرح رہائی نہیں ہوسکتی؛ اس لیے کہ جس کی سلطنت آسمان و زمین کو محیط ہو اس کا مجرم بھاگ کر آخر کہاں جائے گا۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۴) ﴿يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (مائدہ:۱۷)

کسی کو یہ شبہ ہو کہ عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں تو خوب سمجھ لینا چاہئے کہ اس طرح پیدا ہونا یہ دلیل الوہیت کی نہیں؛ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جس چیز کو جس طرح چاہتے ہیں پیدا کرتے ہیں، جیسے کسی کو بے ماں باپ دونوں کے پیدا کیا جیسے حضرت آدم علیہ السلام کو، اس کی قدرت کے اعتبار سے تخلیق وتکوین کی تمام صورتیں برابر ہیں، اس نے اپنی حکمت بالغہ سے کسی کو کسی طرح پیدا کیا اور کسی کو کسی طرح، پیدائش کا امتیاز الوہیت کی دلیل نہیں بن سکتا، اور کیوں نہ برابر ہوں، اللہ ہر چیز پر قادر ہے، اس کی قدرت کے لیے کسی سبب اور مادہ کی ضرورت نہیں، وہ جس طرح چاہے پیدا کرے، بغیر باپ کے پیدا ہونا دلیل الوہیت کی نہیں؛ بلکہ کمال قدرتِ دلیل الوہیت ہے جو حضرت عیسیٰ میں نہیں پائی جاتی۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۵) ﴿فَقَدْ جَاۗءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (مائدہ:۱۹)

اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، اس کو اختیار ہے کہ چاہے مسلسل نبی بھیجے یا ایک عرصہ تک سلسلہ منقطع رہنے کے بعد رسول بھیجے، یا یہ مطلب ہے کہ اگر تم نے اس پیغمبر کی دعوت اور ہدایت کو قبول نہ کیا تو اللہ تعالیٰ کوئی دوسری قوم کھڑی کر دے جو اس نبی کی دعوت کو قبول کرے، خدا کا کام کچھ تم پر موقوف نہیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۶) ﴿يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (مائدہ:۴۰)

گذشتہ آیت میں مغفرت اور رحمت کا بیان تھا، اب اس آیت میں اپنی مالکیت اور کمال قدرت کو بیان فرماتے ہیں: (اے مخاطب) کیا تجھے یہ معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی، وہ جس کو چاہے عذاب

دے اور جس کو چاہے بخشے اور معاف کرے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے جو چاہے حکم دے اور جو چاہے سزا دے، وہ مالک مطلق اور حاکم مطلق ہے، کوئی اس کے حکم کو رد نہیں کرسکتا۔ (معارف القرآن ادریسی)

قل هو من عند انفسكم بان هذه المصيبة لكم من كسب انفسكم وهو عدم العمل بسنة رسول الله ﷺ عدم اطاعت رسول پر ظاہری مصیبت دینے میں اطاعت کے فضائل بتاتا ہے اور اپنی قدرت تامہ کی طرف اشارہ ہے، وہ حالات کو بدلتا رہتا ہے، وتلك الايام نداولها بين الناس. (مرز ا:۱۴۵)

(۷)﴿لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (مائدہ:۱۲۰)

اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہت آسمانوں کی اور زمین کی اور جو ان کے درمیان میں ہے، اس میں عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ بھی آگئیں، تو خدا کیسے بنائے گئے، اور وہی ہر چیز پر قادر ہے، جس کو چاہے عذاب دے اور جس کو چاہے اپنی نعمتوں سے سرفراز فرمائے، کامیابی کا اصل دارومدار اس کی قدرت اور مشیت پر ہے، کسی کے استحقاق کی بناء پر نہیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۸)﴿وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (انعام:۱۷)

اور اے بندے اگر اللہ تجھ کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اس تکلیف کا دور کرنے والا نہیں، یعنی مرض اور قحط، افلاس اور دیگر مصائب کو خدا ہی دور کرسکتا ہے اور کوئی نہیں کرسکتا، اور اے بندے اگر خدا تجھ کو کوئی بھلائی پہنچائے تو اس کے لیے کوئی مشکل نہیں؛ کیونکہ وہ ہر شئ پر قادر ہے یعنی نفع ونقصان سب اسی کے ہاتھ میں ہے، پس اس کے سوا کسی کو اپنا ولی اور کارساز نہ بناؤ، عاجزوں کی خوشامد کرنے سے کیا فائدہ۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۹)﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (انفال:۴۱)

اللہ تعالیٰ نے خاص اس امت کے لیے مال غنیمت کو حلال کیا اور اس آیت میں اس کی تقسیم کا طریقہ اور اس کے مصارف کو بیان کیا، بعدازاں اللہ تعالیٰ نے اپنا احسان جتایا کہ بدر کے دن اللہ تعالیٰ نے حق کو باطل سے جدا کیا اور اپنے دین کو غلبہ بخشا اور اپنے نبی اور اس کے یاران باوفا کی نصرت وحمایت کی اور اس دن کا نام یوم الفرقان رکھا، آئندہ بھی اللہ سے ایسی ہی امید رکھو اور مال غنیمت میں سے خدا کے نام کا خمس نکالنے میں پس وپیش نہ کرو، اللہ ہر چیز پر قادر ہے، آئندہ اس سے زیادہ دینے پر بھی قادر ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۱۰)﴿اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (ھود:۴)

تم سب کو اللہ ہی کی طرف جانا ہے، اور وہ ہر شئ پر قادر ہے یعنی وہ دوبارہ زندہ کرنے اور ثواب وعتاب دینے پر

قادر ہے، جزا وسزا کے لیے یہ ضروری ہے کہ مجرم حاکم کے سامنے حاضر ہو، سو حق تعالیٰ تم کو اپنے روبرو حاضر کرنے پر بھی قادر ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۱۱) ﴿اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (روم: ۵۰)

پس اے ظاہر بین اللہ تعالیٰ کے آثار رحمت کی طرف نظر کر اور دیکھ کہ وہ خدا کس طرح زمین کو مردگی اور افسردگی کے بعد زندہ کر دیتا ہے، تحقیق جو ذات پاک زمین کو مردگی کے بعد زندہ کرتی ہے وہی ذات قیامت کے دن مردوں کو زندہ کرے گی اور وہ تو ہر چیز پر قادر ہے، اس کی قدرت تمام مخلوقات کے ساتھ یکساں ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۱۲) ﴿فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (شوریٰ: ۹)

کیا انہوں نے خدا کے علاوہ اپنے واسطے کچھ مددگار بنا لیے ہیں، حالانکہ حقیقت تو یہ ہے کہ بس اللہ ہی ہے جو مددگار وولی ہے، وہی سب کا کارساز ہے، بگڑی ہوئی بنانا تو کیا وہ تو مردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، الغرض توحید وشرک اور ایمان وکفر کا فرق دنیا میں اللہ نے اپنی حکمت سے مقدر فرمایا ہے؛ کیونکہ دنیا دار الامتحان ہے اور آخرت دار الجزاء ہے، اس لیے بحکمت خداوندی ضروری تھا کہ دنیا میں دونوں چیزیں مقدر کی جائیں؛ تاکہ آخرت میں مطیعین کو جزاء اور مجرمین کو سزا دی جائے۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۱۳) ﴿وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ﴾ (شوریٰ: ۲۹)

اور منجملہ اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا ہے اور ہر اس جاندار چیز کا پیدا کرنا ہے جس کو ان کے درمیان متحرک بنایا، اور پھیلایا اور جس طرح اللہ نے ان تمام چیزوں کو پیدا کیا اور اپنی قدرت کے ذریعہ ایک ہی امر یعنی امر تکوین سے سارے عالم میں بکھیر دیا، وہی خداوند عالم ان سب کو جمع کرنے پر بھی بڑا ہی قادر ہے؛ جب بھی وہ چاہے، اور وہ پروردگار جس طرح خالق، منعم، قادر، ولی کارساز ہے اور ہر حالت میں قابل حمد وثناء ہے، بندوں سے عفوو درگذر شان رحیمی اور کریمی کے باعث فرماتا ہے، اسی طرح وہ منتقم اور صاحب جلال بھی ہے اور بندوں کے اعمال و افعال پر جیسے انتقام عالم آخرت میں ہے، دنیا میں بھی پروردگار نے اپنے بندوں کے واسطے انتقام کا سلسلہ جاری فرمایا۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۱۴) ﴿يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (حدید: ۲)

اسی کے واسطے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی، وہی ان سب کا نظام چلا رہا ہے، اور اس کی حاکمیت میں کوئی شریک نہیں، اسی کی یہ شان ہے کہ وہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر بڑا ہی قادر ہے، آسمانوں اور زمین پر صرف اسی کا حکم چلتا ہے اور کوئی طاقت اس کے حکم کو روک نہیں سکتی۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۱۵) ﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (حشر:٦)

اور جو کچھ مال لوٹایا اللہ نے اپنے رسول کی طرف ان لوگوں سے، سو وہ ایسا مال ہے کہ نہیں دوڑائے ہیں تم نے اس پر گھوڑے اور نہ ہی اونٹ؛ لیکن اللہ اپنے رسولوں کو غلبہ دے دیتا ہے جس پر چاہے اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۱۶) ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (ملک:۱)

بڑی ہی عظمت و برکت والا ہے وہ پروردگار جس کے ہاتھ میں ہے سلطنت وحکمرانی تمام کائنات کی، اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے، نہ اس کے ملک سے کوئی نکل سکتا ہے اور نہ قدرت و گرفت سے بچ سکتا ہے اور نہ کوئی چیز اس کے علم سے دور ہو سکتی ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

عفوا قدیرا

۳ عفو کے ساتھ مل کر ایک آیت میں آیا ہے:

(۱) ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا﴾ (نساء:۱۴۹)

اللہ نہیں پسند کرتا بری بات کے افشاء اور اظہار کو، یعنی اللہ کو یہ پسند نہیں کہ کسی کی برائی کو ظاہر کیا جائے مگر مظلوم کو اپنے ظلم وستم کے اظہار اور بیان کی اجازت ہے کہ بغیر اس کے اس کو چارہ نہیں، لہٰذا اگر مظلوم اپنے ظالم کی شکایت کرے تو گناہ نہیں، یا عفو کا معاملہ خدا کے یہاں اس کے کہیں زیادہ محبوب ہے، اگر تم برائی کرنے والے کے ساتھ کوئی بھلائی کرو خواہ اس بھلائی کو ظاہر کرو یا چھپاؤ تو یہ بہت بلند مقام ہے، **کما قال تعالیٰ:** ﴿اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ﴾ یا برائی سے درگذر کرو یعنی معاف کردو تو یہ اہل ہمت کا مقام ہے اور تخلق باخلاق الٰہیہ ہے؛ اس لیے کہ بے شک اللہ بڑا معاف کرنے والا قدرت والا ہے، قدرت کے بعد عفو اللہ کی خاص صفت ہے، تمہیں چاہئے کہ اللہ کی اس صفت اور عادت کا اتباع کرو۔ ع ؎ درعفو لذتیست کہ در انتقام نیست۔

اور ایک اثر میں ہے کہ حاملانِ عرش اللہ کی تسبیح کرتے ہیں، بعض ان میں سے یہ کہتے ہیں: سبحانك على حلمك بعد علمك. اور بعض کہتے ہیں: سبحانك على عفوك بعد قدرتك. (معارف القرآن ادریسی)

او تعفو عن سوء تقاضیٰ کرتا ہے عفو کا اور عفو قدرتِ تامہ کے ساتھ ہوتا ہے، لہٰذا عفو کے ساتھ قدرت کا ذکر کیا، گویا یہاں بھی یہ بطور علت کے آیا ہے، کہ وہ معاف کرتا ہے کیونکہ معاف کرنے پر قادر ہے اور سزا دینے پر بھی قادر ہے، اس کا عفو عجز وخوف کی وجہ سے نہیں ہے، اور بندوں کو بھی دوسروں کو معاف کرنے کی رغبت دلائی ہے۔

الواحد القھار

قہر سے ہے، قہر کے معنی غلبہ کے ہیں: **قہّار** وہ ہے جو ہر ایک غالب سے غالب تر ہے، جو ہر ایک زبردست کو زیر رکھنے والا ہے۔

رب العالمین ہی کو یہ اسم لائق ہے جو ہماری روح، ہمارے جسم پر پورا غلبہ رکھتا ہے، ہمارا زمین پر چلنا پھرنا، آسمان کے تلے بےفکر رہنا سہنا محض اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان اشیاء سے ہم کو حق تمتع (فائدہ پکڑنا) دیا ہے، ورنہ وہی زمین ہم کو اپنا لقمہ بنا سکتی ہے اور وہی آسمان پر کاہ کی طرح ہم کو جلا سکتا ہے، مندرجہ ذیل آیات پر غور کرو:

﴿أَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ (یوسف:۳۹)

''یا اکیلا اللہ جو سب پر حکمران ہے۔''

﴿وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ (ہود:۱۶)

''وہ تو ایک اور سب کا حاکم ہے۔''

﴿وَمَا مِنْ إِلٰهٍ إِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ (ص:۶۵)

''اللہ کے سوا جو ایک اور حاکم کل ہے اور تو کوئی بھی معبود نہیں۔''

﴿سُبْحٰنَهٗ ۖ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ (زمر:۴)

''وہ تو پاک ہے، وہی اللہ ہے جو یکتا اور حکمران کُل ہے۔''

﴿وَبَرَزُوا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ (ابراہیم:۴۸)

''سب کے سب اللہ کے سامنے جو یکتا اور سب کا حکمران ہے، حاضر ہوں گے۔''

﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ (مؤمن:۱۶)

''آج بادشاہی کس کی ہے، اللہ کی ہے جو واحد اور قہار ہے۔''

غور کرو کہ اسم قہار میں ایک نرالی شان اور جلالی شان ہے، وہ الوہیت و وحدانیت کے سوا اور کسی اسم کے ساتھ مستعمل نہیں ہوا۔ یہی اسم ہے جو بتلاتا ہے کہ وجود کو اعیان پر اور واجب الوجود کو امکان پر کس طرح غلبہ کلی حاصل ہے کہ کوئی شے، کوئی امر، کوئی زمان، کوئی مکان، اس کے غلبہ سے باہر نہیں، اس اسم سے تعلق پیدا کرنے والوں کو عبادت، اطاعت اور خشیت اللہ تعالیٰ ہی کی کرنی واجب ہے۔ (قاضی منصور پوری:۸۹-۹۰)

قہار ۶ آیتوں میں الواحد کے ساتھ مذکور ہے:

(۱) ﴿يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ (یوسف:۳۹)

اے میرے جیل خانہ کے رفیقو! بتلاؤ تو سہی کہ کیا جدا جدا اور متفرق معبود بہتر ہیں یا اللہ جو اکیلا اور زبردست ہے اور سب پر غالب ہے، اور معبود برحق تو وہی ہے جو سب پر غالب ہو، اور یہ بت جن کی تم پرستش کرتے ہو یہ سب عاجز اور مغلوب ہیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۲) ﴿قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ (رعد:۱۶)

اگر مخلوقات عالم میں غور کریں اور عقلوں سے کام لیں تو تمام اشیاء کا خالق اللہ تعالیٰ ہی کو پائیں گے؛ اس لیے اے نبی! آپ ان مشرکوں سے کہہ دیجیے کہ اللہ ہی ہر شیٔ کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی اپنی ذات وصفات میں یکتا ہے اور سب پر غالب ہے اور اس کے سوا جو ہے وہ مغلوب ہے اور مغلوب خدا اور معبود نہیں ہوسکتا۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۳) ﴿يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ (ابراہیم:۴۸)

یہ بدلہ اس روز ہوگا جس دن اس زمین اور آسمان کے علاوہ دوسری زمین اور آسمان بدل دیئے جائیں گے، اور اس دن سب قبروں سے نکل کر حساب وکتاب کے لیے خدائے واحد قہار کے حضور حاضر ہوجائیں گے۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۴) ﴿وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ (ص:۶۵)

اور یہ سن لو نہیں ہے کوئی معبود عبادت کے لائق بجز اللہ واحد (یکتا) کے جو بڑا ہی غالب ہے۔

(۵) ﴿سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ (زمر:۴)

وہ تو ہر عیب سے پاک ہے، وہ اللہ یکتا ہے کہ اس کا کوئی شریک اور نمونہ نہیں جو زبردست عزت اور غلبہ والا ہے؛ لہٰذا نہ اس کی طرف اولاد کی نسبت کی جاسکتی ہے اور نہ یہ ممکن ہے کہ ایسے شرک کا ارتکاب کرنے والے اس کی گرفت اور عذاب سے بچ سکیں۔

(۶) ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ؕ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ (مومن:۱۶)

ہر دیکھنے والا، ہر سوچنے والا اور پوچھنے والا جب یہ کہتا ہوگا لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ آج کے دن کس کی حکومت ہے؟ تو حالات ومشاہدات اور خدا کے فرشتے یہی جواب دیں گے اور سب سے آخر پروردگار عالم ہی کا جواب ہوگا جب کہ ساری مخلوق ہیبت وعظمت خداوندی کے باعث کوئی حرف زبان سے بولنے پر قادر نہ ہوگی، لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ بس اسی خدا کے لیے ہے جو یکتا اور غالب ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

یہ صفت اللہ پاک کی وحدانیت کے اثبات اور وحدانیت وقہاریت کی دلیل کے طور پر تمام (۶) مواقع میں الواحد

کے ساتھ ہی مستعمل ہوئی ہے۔وہ اپنی ذات،صفات اور افعال میں واحد ہے اور تمام مخلوق اس کی قدرت کے ماتحت داخل ہے،تمام آسمان اس کے قبضۂ کاملہ میں لپٹے ہوئے اور اس کے زیر اقتدار ہیں،تمام آیات میں غور وفکر کرنے سے یہی وحدانیت وقہاریت کا علم ہوتا ہے۔وہ آیات یہ ہیں:(غافر:۱۶،ابراہیم:۴۸،رعد:۱۶،یوسف:۳۹،الزمر:۴،ص:۶۵)

پہلی دو آیتیں دلائل وحدانیت اور ظالموں وجابروں پر قہر وغلبہ میں ظاہر ہے اور واحد کے ساتھ قہار ایک وہم دور کرنے کے لئے آئی کہ واحد پر لوگ نعوذ باللہ تعالیٰ غلبہ پا سکتے ہیں،تو اس کا جواب صفت قہاریت سے دیا کہ وہ باوجود واحد ہونے کے سب پر غالب ہے،یہ اس کی وحدانیت کی مزید تاکید ہے،اور قہار مبالغہ کا صیغہ ہمیں غور وفکر کی دعوت دیتا ہے کہ یہ ہمیشہ صفت قہر کے ساتھ متصف ہے،چاہے بندوں کی تعداد کتنی ہی زیادہ ہو۔(مرزا)

ولكن السوال الآن لما اقترن الواحد بالقهار لا بغيره؟ ووجه الحكمة فى ذلك دفع توهم ممن يتوهم انه كونه واحدا، فقد يتكاثر عليه ويغلب، لكثرة مافى الكون من مظاهر القدرة، والقهار ياتى لدفع هذا الوهم، ويثبت انه سبحانه وتعالى على وحدانيته فلا يتكاثر عليه ولا يغلب، بل يقهر العباد جميعا، ولنا ان نتأمل بناء المبالغة (القهار) ليبين لنا انه كثير القهر دائمه، متمكن من قهر الجميع، مهما كانت قوتهم وكثرتهم.

(التحرير والتنوير:۱۲/۲۱۶)

العلی الکبیر

کِبَر سے ہے،مطلقاً بزرگی وبزرگ منشی بھی اسی کے معنی ہیں،اللہ تعالیٰ زمان ومکان سے ارفع واعلیٰ ہے،اس کے اسم احسن میں مطلق بزرگی وعظمت کے معنی ہی مقصود ہیں۔

اللہ تعالیٰ کبیر ہے اور جملہ موجودات زمانی وغیر زمانی پر اسے سبقت حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ کبیر ہے اور اس کی کبریائی کے سامنے ہر ایک اکبر الکبیر ادنیٰ ترین صغیر ہے۔

اللہ تعالیٰ کبیر ہے وہ کامل الصفات اور شامل الصفات ہے۔

اللہ تعالیٰ کبیر ہے اور کبریائی اس کی رداء ہے۔

مر اورا رسد کبریا ومعنی　　　　که ملکش قدیم ست وذاتش غنی

﴿وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾(الجاثیہ:۳۷)

"آسمانوں اور زمین میں اسی کو کبریائی حاصل ہے،وہی عزت والا ہے،حکمت والا ہے۔"

بے شک اللہ تعالیٰ ہی کبیر ہے جو آیات کبریٰ کا مالک ہے،وہ آیات کبریٰ کہ ان کی سیر اپنے حبیب وخلیل محمد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرائی تھی۔

اللہ تعالیٰ ہی کبیر ہے جس کے حکم میں ﴿الطَّامَّةُ الْكُبْرَىٰ﴾ (النّٰزعات: ۳۴) ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی کبیر ہے جس کا اقتدار نار کبریٰ پر ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی کبیر ہے جو یوم کبریٰ میں اپنی کبریائی کا شکوہ دکھلائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہی کبیر ہے جو اپنے عباد پر **فضلِ کبیر** بذل فرماتا جو مخلصین کو **فوز کبیر** تک پہنچاتا اور اہل طاعت کو اخبر اِ بیر سے شادکام فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی کبیر ہے جو اہل ایمان کو نعیم اور ملک کبیر عطا فرمائے گا۔ (قاضی منصور پوری: ۱۱۴-۱۱۵)

العلی کے ساتھ الکبیر لانے کی حکمت:

کبیر کے ساتھ العلی پانچ مرتبہ، عظیم کے ساتھ دو جگہ اور حکیم کے ساتھ ایک مقام پر آیا ہے، کبیر و عظیم کا فرق اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے۔ صفت العلی سے دوری اور بُعد کا وہم ہو سکتا ہے؛ کیونکہ عقلاً کسی چیز کی بلندی اس کی دوری کی طرف مشیر ہوتی ہے اور دور کی چیز دیکھنے والوں کو چھوٹی معلوم ہوتی ہے، لہٰذا اسم کبیر ساتھ میں لایا گیا؛ تا کہ یہ وہم کلی طور پر ذہن سے نکل جاوے، اور شان کبریاء سے اس کی تلافی ہو جاوے، البتہ جن آیات میں یہ صفات مذکور ہیں ان کے سیاق و سباق کی مناسبت بھی جاننا ضروری ہے۔ (الحج: ۶۲، لقمان: ۳۰، غافر: ۱۲) جب اللہ پاک نے معبودان باطلہ کا ذکر کیا تو اپنی صفت العلی سے آیت کا ختم باطل کے حقیر و ذلیل بتانے کے لئے مناسب ہے، اس کا حق ہونا علو و بلندی ہے، وہ اپنے معبودوں کے لئے حق و بلندی خیال کرتے تھے تو **هو الحق** اور **العلی الکبیر** سے اس کا رد کر دیا۔ انسانی نفوس حاکم کی عظمت اور بزرگی کی بنیاد پر اس کی تعظیم و فرمابرداری کرتے ہیں، تو سورۂ نساء آیت ۳۴ میں مرد و عورت کے آپسی تعلقات کی استواری کے موقع پر ﴿علیا کبیرا﴾ فرما کر مرد کو عورت پر ظلم کرنے سے روکا۔

کفار باطل کے لئے علو ذکر کرتے ہیں، جیسے کہ ابو سفیان نے غزوۂ احد میں اعل هبل کہا تو اس کے جواب میں صحابۂ کرام کو اللہ پاک کی بلندی بتائی گئی (اللّٰه مولانا و لا مولی لکم) یہاں پر بھی ان مواقع میں ان کے معبودوں سے علو کی صفت کی نفی کر کے اللہ پاک کے لئے ضمیر شان ذکر کر کے حصر فرما دیا کہ اس کے لئے بھی علو سزاوار ہے، اس کے علاوہ کسی کے لئے بھی علو نہیں ہے، اور جب لوگ عظمت والے کا ہی حکم مانتے ہیں تو اپنی کبریائی کو لفظ کبیر سے تعبیر فرمایا۔ (نظم الدرر: ۶/۴۹۱)

قال الإمام البقاعي في سياق تفسير الآية السابقة: "عليا كبيرا أي له العلو والكبر على الإطلاق، بكمال القدرة ونفوذ المشيئة، فهو لا يحب الباغي، ولا يقره على بغيه، وقدرته عليكم أعظم من قدرتكم عليهن، وهو مع

ذلك يعفو عمن عصاه، وإن ملأ الأرض خطايا إذا أطاعه، ولا يؤاخذه بشيء مما فرط في حقه، بل يبدل سيئاته حسنات، فلو أخذكم بذنوبكم أهلككم؛ فتخلقوا بما قدرتم عليه من صفاته لتنالوا جليل هباته، وخافوا سطوته، واحذروا عقوبته بما له من العلو والكبر". (نظم الدرر: ۲/۲۵۳)

کبیر ۵ آیات میں آیا ہے:

(۱) ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيرًا﴾ (نساء: ۳۴)

بے شک اللہ تعالیٰ بہت بلند مرتبہ اور سب سے بڑا ہے کہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ ظالم مردوں سے مظلوم عورتوں کا بدلہ لے اور تمہیں اپنی عورتوں پر وہ قدرت نہیں کہ جو اس علیِ کبیر کو تمام عالم پر حاصل ہے، پس جب وہ علیِ کبیر باوجود اپنے رفعت، کبریائی اور علوشان کے تم سے نرمی کا معاملہ کرتا ہے تو تم بھی اپنی عورتوں سے نرمی کا معاملہ کرو اور خوب جان لو کہ جس قدر تم اپنے ماتحتوں پر قدرت رکھتے ہو اس سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ تم پر قدرت رکھتا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۲) ﴿ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِن دُونِهِ هُوَ الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ﴾ (حج: ۶۲)

ظالم اور مظلوم سب اس کی نظروں کے سامنے ہیں، یہ سب اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ تو خدائے برحق ہی ہے، کسی میں یہ قدرت نہیں کہ اس کی قدرت اور مشیت میں مزاحمت کر سکے اور یہ بے عقل جس کو پکارتے ہیں، وہی باطل ہیں، یعنی جن بتوں کو یہ پکارتے ہیں یہ سب غلط ہے، وہ نہ کسی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع، اور اللہ وہی ہے جو بلند اور برتر ہے اور سب اس کے سامنے ذلیل اور حقیر ہیں، وہ جس کو چاہے بلند کرے اور جس کو چاہے پست کرے، یہ شان تو اللہ ہی کی ہے، بتوں میں یہ قدرت کہاں ہے اور اللہ اس پر قادر ہے کہ حق کو بلند کرے اور باطل کو پست کرے۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۳) ﴿وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ﴾ (لقمان: ۳۰)

یہ سب نظام عالم اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی موجود برحق اور واجب الوجود اور موجود بالذات ہے، جس کے اشارہ سے یہ سارا کارخانہ چل رہا ہے اور اس کے سوا جس چیز کو یہ پکارتے ہیں وہ سب بے اصل اور بے حقیقت ہے، کسی کا وجود بالذات اور خود بخود نہیں، اور بے شک اللہ ہی عالیشان اور سب سے بڑا ہے، اس سے بڑا کوئی نہیں۔

(معارف القرآن ادریسی)

(۴) ﴿وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ﴾ (سبا: ۲۳)

اور وہی ہے سب سے بلند اور برتر، اس دن کسی ملک مقرب اور نبی مرسل کی یہ مجال نہیں کہ بغیر اس کی اجازت کے اس کی بارگاہ عالی میں لب کشائی کر سکے اور اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے، اس کی عظمت اور ہیبت کی کوئی انتہا

نہیں، وہ جو چاہے اپنے بندوں میں حکم جاری کرے۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۵) ﴿فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ﴾ (مومن: ۱۲)

پس اب فیصلہ اللہ ہی کے لیے ہے، جو بڑی شان اور بڑے رتبہ والا ہے، جو اس کی بارگاہ سے صادر ہو چکا کہ ﴿أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ﴾ اب یہ کافر ہرگز دنیا کی طرف نہیں لوٹیں گے، اور اگر بالفرض لوٹیں بھی تو کیا فائدہ ہوگا؛ کیونکہ ایمان تو اسی وقت ایمان تھا جب غیب پر تھا۔ (معارف القرآن ادریسی)

المُقْتَدِرُ

اس اسم میں بمقابلہ اسم قادر مبالغہ پایا جاتا ہے، یعنی اللہ تعالی کو قدرت تامہ وکاملہ حاصل ہے، کمالات دائمیہ پر اسے اقتدار کلی ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ﴾ (القمر: ۵۵)

''قدرت والے بادشاہ کے پاس۔''

﴿أَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ﴾ (القمر: ۴۲)

غلبہ والے اور قدرت والے کا سا پکڑنا''

قادر اور مقتدر معنی میں وقوف حاصل کرنے کے لیے اُن آیات پر غور کرو جن میں ان اسماء کا استعمال ہوا ہے۔

اسم **قادر** کا استعمال؛ خلق (پیدائش) احیلہ قدر و اندازہ کے افعال پر ہوا ہے اور **مُقْتَدِر** کا استعمال عزت وملک وفرماں روائی کی شان کے ساتھ، یہی دونوں اسماء کے خصائص ہیں۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ **مُقْتَدِر** لازم ومتعدی ہر دو معانی میں آتا ہے۔ (قاضی منصور پوری: ۱۷۳)

قرآن مجید میں واقع مقامات میں مذکور صفت ذکر کرنے میں حکمت:

یہ صفت تین جگہ آئی ہے (الکھف: ۴۵، القمر: ۴۲، ۵۵) ان میں ایک جمع کی ضمیر مقتدرون آئی ہے۔ (الکھف: ۴۵) مقتدر یہ قادر اور قدیر سے افضل ہے۔ مقتدر پر گفتگو اس سے پہلے ہو چکی ہے کہ اس میں مکمل غلبہ اور کامل سلطنت کا اللہ پاک کے لئے ثبوت ہے۔

● سورۂ کہف میں فناء کرنا اور حیات عطاء کرنا ذکر کیا گیا ہے اور یہ صفت اللہ پاک کے علاوہ کسی میں نہیں ہے، یقول الامام القرطبی: ''وكان الله على كل شيء مقتدرا، من الإنشاء والإفناء والإحياء''، (الجامع لأحكام القرآن

: ۷۳۲/۵، وكذلك الكشاف: ۷۱۲/۱) وبمثله ذهب الإمام الطاهر بن عاشور: "وكان الله على كل شيء مقتدرا، جملة معترضة في آخر الكلام، موقعها التذكير بقدرة الله على خلق الأشياء وأضدادها، وترتيبه أسباب الفناء على أسباب البقاء، وذلک اقتدار عجيب". (التحریر والتنویر: ۳۸۰/۸)

● سورۂ زخرف آیت ۴۲ بھی اسی قدرت کاملہ مطلقہ والے سیاق میں آئی ہے کہ اللہ پاک کو ان کے اوپر افناء واحیاء کا مکمل تصرف حاصل ہے، اقتدار سے مراد اگر صرف آپ ﷺ کو وعدہ کی ہوئی چیزیں دکھانا ہوتی تو صفت قادر آتی جیسے سورۂ مؤمنون آیت ۹۵ میں صفت قادرون آئی ہے، گویا صفت مقتدر بڑے بڑے امور کے موقع پر مستعمل ہوتی ہے، جیسے كذبوا بآياتنا كلها فأخذناهم اخذ عزيز مقتدر. (القمر: ۴۲) میں آیا ہے۔

● عزیز کی صفت تو اس لئے کہ قصہ فرعون کا چل رہا ہے اور اخذ کی صفت عزیز کے ہی شایانِ شان ہے جو غلبۂ قدرت اور قوت پر دلالت کرتا ہے اور مقتدر کی صفت سخت پکڑ، تنگی اور دشواری پر دلالت کرتی ہے اور مولیٰ کی قدرت و مکمل قبضہ کو بیان کرتی ہے، لہٰذا قادر و قدیر کے بجائے صفت مقتدر کو ذکر کیا۔

يقول الإمام الفخر الرازي: "وفي قوله (عزيز مقتدر) لطيفة، وهي أن العزيز المراد منه الغالب، لكن العزيز قد يكون الذي يغلب على العدو ويظفر به، وفي الأول يكون غير متمكن من أخذه لبعده إن كان هاربا، ولمنعته إن كان محاربا، فقال أخذ غالب لم يكن عاجزا وإنما كان ممهلا".

"وأراد بذلك أنه أخذ لم يبق على العدو أي إبقاء بحيث قطع دابر فرعون وآله."

(التحریر والتنویر: ۲۵۷/۱۴)

قال الإمام السيوطي: "أخذ عزيز مقتدر، فإنه أبلغ من قادر، للإشارة إلى زيادة التمكن في القدرة، وأنه لا رادو لا معقب." (الاتقان فی علوم القرآن: ۲۳۷/۲) وكذلك يقول أئمة اللغة مثل ابن جني: "فمقتدر هنا أوفق من قادر من حيث كان الموضع لتفخيم الأمر وشدة الأخذ". (الخصائص: ۲۶۵/۳)

مقتدر ۳ آیات میں آیا ہے:

(۱) ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا﴾ (کہف: ۴۵)

اور اے نبی! آپ ان کافروں کے لیے- جو اموال و اولاد پر فخر کرتے ہیں- دنیاوی زندگی کی مثال بیان کر دیجئے کہ وہ کیسی ہری بھری معلوم ہوتی ہے اور پھر کیسی جلدی زائل اور فنا ہو جاتی ہے، وہ ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس پانی کے ذریعہ سے گنجان روئیدگی حاصل ہوئی، جس سے وہ زمین تروتازہ اور سرسبز و شاداب ہوگئی اور

خوش نما معلوم ہونے لگی، پھر آخر کار وہ خشک ہو کر ریزہ ریزہ ہوگئی جس کو ہوائیں اڑانے لگیں، اور اللہ تعالیٰ ہر شئ پر قادر ہے، وہی اپنی قدرت سے سبزہ اگاتا ہے اور پھر اس کو خشک کر کے ہوا میں اڑاتا ہے، لہٰذا چند روزہ رونق اور بہار پر پھولنا اور اترانا عقل کا کام نہیں، خوب سمجھ لو کہ جس خدا نے تم کو آل واولاد کی زینت عطا کی ہے وہ اس کے فناء کرنے پر بھی قادر ہے۔
(معارف القرآن ادریسی)

(۲) ﴿كَذَّبُوا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ﴾ (قمر:۴۲)

اور فرعون والوں کے پاس بھی ڈرانے والے پہنچے خداوند عالم کے رسول حضرت موسیٰ وہارون اور ان کو عطا کیے ہوئے معجزات، مگر جھٹلایا انہوں نے بھی ہماری تمام نشانیوں کو، جس پر ہم نے ان کو بھی پکڑا اپنی سخت گرفت میں، اور ایسے عذاب میں کہ اس سے بچ کر نہ نکل سکے اور فرعون مع اپنے لشکر کے غرق کر دیا گیا۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۳) ﴿فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ﴾ (قمر:۵۵)

بے شک اللہ سے ڈرنے والے ایمان والے باغوں اور نہروں میں ہوں گے کہ ان کے رہنے کے واسطے باغ و محل ہوں گے، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ بڑی ہی سچائی کے ٹھکانے میں عزت واکرام کے ساتھ بیٹھنے والے ہوں گے، اپنے اس بادشاہ کے نزدیک جو ہر چیز پر بڑی ہی قدرت اور قابو رکھنے والا ہے۔

اور ظاہر ہے کہ اس عزت وشرف کا یہ مقام شہنشاہ رب العالمین کے نزدیک ملنا یہ اس سچائی کا بدلہ ہے جو اہل ایمان نے اپنے صدق قلب سے ایمان قبول کر کے پھر سچائی کے ساتھ اپنے وعدوں پر قائم رہنے کی صورت میں اختیار کی اور یقیناً یہ مجلس عز وشرف کی وہ سچی مجلس ہے، جس سے بڑھ کر کوئی صداقت کی منزل ومحفل نہیں ہو سکتی اور ایسے معزز مکان ومجلس کے ساتھ خالق کونین کا قرب مزید عزت وبرتری کا باعث ہوگا۔ (معارف القرآن ادریسی)

اس جگہ (قمر:۵۵) میں صفت ملک اور مالک سے عدول کر کے ملیک کی صفت لائی گئی، جیسے کہ قادر اور قدیر کے بجائے مقتدر کی صفت کو لایا گیا، کثرة المباني تدل على زيادة المعاني کے پیش نظر دونوں جگہ ملیک اور مقتدر میں مبالغہ زیادہ پایا جاتا ہے، پھر اوزان کے درمیان بھی فرق ہوتا ہے؛ کیونکہ ان دونوں اوزان میں باقی دو دو اوزان کے مقابلہ میں زیادتیٔ حروف ومعانی اور وزن پائی جاتی ہے، لہٰذا ان میں قدرت تامہ اور تقلیب الامور کی مقدار مابقیہ سے زیادہ ہے، جیسے کہ سورۂ زخرف کی آیت: ۴۲ ﴿اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِيْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ﴾ (زخرف:۴۲) میں قدرت کاملہ کے مفہوم کو عَلَيْهِمْ سے واضح کیا گیا ہے۔

بادشاہوں سے قرب ونزدیکی لذیذ وپسندیدہ ہوتی ہے، جتنا قرب زیادہ اتنی لذت بھی زیادہ ہوتی ہے، اس جگہ

اللہ تعالیٰ نے مؤمنین پر دخول جنت کا احسان فرمایا، بادشاہوں کے قرب سے اللہ تعالیٰ کے قرب میں فرق ہے؛ کیونکہ بادشاہ ان لوگوں کو بھی قریب کرتا ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں اور جن سے بادشاہ کو بغاوت کا خطرہ ہوتا ہے، ان کو بھی بغاوت کے خوف اور دشمن سے مل جانے کے خطرہ سے قریب کرتا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ مقتدر ہے، وہ اپنے فضل سے ہی لوگوں کو قریب کرتا ہے۔ (تفسیر کبیر:۸۲/۵)

قال الفخر الرازی: لأن القرابة من الملوك لذيذة كلما كان الملك أشد اقتدارا كان المتقرب منه أشد التذاذا، وفيه إشارة إلى مخالفة معنى القرب منه من معنى القرب من الملوك، فإن الملوك يقربون من يكون ممن يحبونه وممن يرهبونه مخافة أن يعصوا عليه، وينحازوا إلى عدوه فيغلبونه، والله تعالى قال مقتدر، لا يقرب أحدا إلا بفضله. (تفسير الفخر الرازی:۸۲/۵)

ہر ملک مقتدر و قادر نہیں ہوتا؛ کیونکہ دنیا میں بہت سے بادشاہ وحکمران عاجز ہیں، ان کو کوئی قدرت نہیں ہوتی، لہٰذا مقتدر کی صفت لائی گئی جو تمام قدرت پر دلالت کرتی ہے، اور جب بادشاہ کا قرب لذیذ ہوتا ہے تو جنتیوں کو بھی خداوند قدوس کا قرب لذیذ تر ہوگا، اس کے لئے ملک و مالک کی صفت کے مقابلہ میں ملیک کی صفت میں انس ومحبت زیادہ معلوم ہوتی ہے، مالک وملک میں جو ایک قسم کا خوف ورہبت معلوم ہوتی ہے وہ ملیک کے لفظ سے ختم ہوکر انس ومہمان نوازی و لذتِ قرب سے بدل جاتی ہے، اسی وجہ سے شاید یوم الدین جو خوف وگھبراہٹ کا دن ہوگا اس کے لئے ملک کی صفت کا استعمال کیا گیا۔

یہ گفتگو تو ملیک کے سلسلے میں تھی، صفت قادر وقدیر کے مقابلہ میں مقتدر لانے میں تو اس سے بھی زیادہ مظاہر قدرت کا استحضار ہوتا ہے، خاص کر کے اہل جنت کو ہر چاہت کی چیز میسر ہونا مکمل اقتدار وتمکن کا ہی تقاضہ کرتا ہے، اس کے علاوہ صیغے سے یہ حاصل نہ ہوتا۔

پھر دونوں صفات نکرہ لائی گئی، علامہ آلوسی اس کی وجہ بیان فرماتے ہیں:

ونکر مليكا ومقتدر اللاشارة الى ان ملكه تعالى وقدرته عزوجل لا تدری الأفهام كنههما، وان قربهم منه سبحانه وتعالىٰ بمنزله من السعادة والكرامة بحيث لا عين رأت، ولا اذن سمعت، مما يجد عن البيان وتكل دونه الاذهان. (روح المعانی:۱۴۶/۱۵) إذن التنكير هنا يفيد التعظيم، كأنه عظم أمرهما بحيث يصلا إلى حد الإبهام، فلا تصل العقول إلى تصور ما يفيضه المولى على عباده المؤمنين بسبب قدرته، وملكه.

(التحرير والتنوير: ۲۲۴۰/۱، والكشاف: ۱۲۱۱/۱)

نعم المولیٰ ونعم النصیر

اللہ تعالیٰ مولا ہے اور وہی سچے صحیح معنی میں ہمارا آقا ہے۔ مَوْلٰهُمُ الحق.

اللہ تعالیٰ مولا ہے اور تمام مخلوق کو اس کے غلام ہونے کی عزت حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ مولا ہے اور ایک دن آنے والا ہے جب ﴿هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ﴾ (الکہف: ۴۴) سچی ولایت اسی کی اس روز ہوگی۔

اللہ تعالیٰ مولا ہے اور اسی کی بہترین اعانت ونصرت ہمارے ساتھ ہے۔ وہی ﴿فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ﴾ (الحج: ۷۸) ہے۔

اللہ تعالیٰ مولا ہے اور اس نے کفار ومومنین کے درمیان عدم موالات کا حکم دیا ہے۔

﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (آل عمران: ۲۸)

کمال ایمان یہی ہے کہ خود کو اللہ تعالیٰ کی تولیت میں سپرد کردے، موالات وعدم موالات کا حصر مالک کی خوشنودی ورضوان پر رکھے۔ (قاضی منصور پوری: ۲۱۵)

نصر ونصرت بمعنی عون ومدد ہے، بندہ کی جانب سے اللہ کی نصرت اور اللہ کی جانب سے بندہ کی نصرت لفظ کا اطلاق بہر دو جانب ہوا ہے۔ بندہ کی جانب سے اللہ کی نصرت:

﴿آمَنُوْا إِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ﴾ (محمد: ۷)

’’تم اللہ کی نصرت کرو گے تو اللہ تمہاری نصرت کرے گا۔‘‘

﴿كُوْنُوْا أَنْصَارَ اللّٰهِ﴾ (الصف: ۱۴)

’’اے لوگوں اللہ کے انصار بن جاؤ۔‘‘

اب یاد رکھنا چاہیے کہ بندہ کی جانب سے اللہ کی نصرت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ والے بندوں میں باہمی نصرت و امداد قائم ہوجائے، ایک دوسرے کا کام بنانے میں باہمی امداد کریں، اللہ تعالیٰ کے احکام کی حفاظت، حدود الٰہی کی رعایت، پابندی احکام اور نفرت از نواہی یہ سب نصرت کے معنی میں داخل ہیں۔

یہ نصرت الٰہیہ تھی، جسے شب تار میں اہل یثرب کے چند نفوس کو اقتباس انوار کا موقع عطا فرمایا اور وہ آئندہ کے لیے انصار اور ان کا شہر مدینۃ الرسول کے نام سے مشہور ہوا۔

اللہ تعالیٰ ہی **نصیر** ہے اور اس کی نصرت کا ظہور بشکل ہدایت ہوتا ہے۔

﴿وَ كَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّ نَصِيْرًا﴾ (الفرقان: ۳۱)

اللہ تعالیٰ ہی **نصیر** ہے اور اس کی نصرت بشکل ولایت دستگیر عباد ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی **نصیر** ہے اور ظالم ومشرک، نافرمان وسرکش اس نصرت سے محروم رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہی **نصیر** ہے، اس کی نصرت سینہ کھول دیتی ہے، قلب میں وسعت پیدا ہوجاتی ہے، اطمینان ونزول کا سکون ہوتا ہے، سکینہ کا تمکن ہوتا ہے، مصائب دنیا نگاہ میں خفیف ہوجاتی ہیں، اعتماد وثوق فرشتے بن کر اہل ایمان میں ثبات قدم اور اقرار دل پیدا کرتے ہیں، فتح مبین، نصر عزیز اہل ایمان کے یمین ویسار کو گھیر لیتے ہیں اور اس وقت کمزور سے کمزور بندہ ایسے ایسے نمایاں کام کر گزرتا ہے جس کے سرانجام دینے سے بڑے بڑے شاہ وحکمران عاجز ہوتے ہیں۔

(قاضی منصور پوری: ۲۱۵ تا ۲۱۸)

قرآن میں جائے ورود اور مناسبت:

النصیر: یہ ۳ جگہ (النساء: ۴۵، الانفال: ۴۰، الحج: ۷۸) مسلمانوں کے دشمنوں سے جہاد یا عداوت یا نصرت کے موقع پر مذکور ہے؛ جہاں نصرت کی اہل ایمان کو خاص ضرورت ہے، لفظ نصیر غیر اللہ کے لئے بھی مستعمل ہے (النساء: ۵۲، ۷۵، ۱۴۵، الاسراء: ۷۵) نصیر کا استعمال لفظ مولی کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے آیا ہے؛ کیونکہ مولی ہی مؤمنین سے تکالیف دور کرتا ہے اور نصیر اس تکلیف سے بچا کر اس کی نصرت کرتا ہے، گویا **مولی** کا لفظ دفع شدت وازالۂ مکروہ کے لئے اور **نصیر** کا لفظ مؤمنین کے غلبے اور منفعت ونصرت کے لئے ہے، لفظ نعم مزید تاکید کے لئے آیا ہے۔ وتکریر الفعل فی الجملتین مع اظهار الاسم الجليل ،لتاكيد كفايته، مع الاشعار بالعلية. (روح المعانی: ۶۸/۴)

نصیر ۴ آیات میں آیا ہے:

(۱) ﴿وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۫ وَّ كَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا﴾ (نساء: ۴۵)

(اے نبی) کیا آپ نے ان لوگوں کو دیکھا نہیں جن کو کتاب یعنی توریت کے علم سے بہرہ ور کیا گیا ہے اور اس کے علم سے ان کو ایک حصہ دیا گیا ہے، یعنی کیا آپ کو ان کی گمراہی اور شرارت کا حال معلوم نہیں کہ وہ کیسے سخت گمراہ اور شریر ہیں کہ وہ لوگ ہدایت کو دے کر گمراہی خرید کر لاتے ہیں، یعنی یہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کر کے ہدایت کے بدلے میں گمراہی خریدتے ہیں، خود تو گمراہی کے خریدار بنے ہیں اور مزید برآں چاہتے یہ ہیں کہ تم بھی سیدھے راستہ سے بھٹک جاؤ، لہٰذا تم ان سے احتیاط رکھنا کیونکہ یہ تمہارے دشمن ہیں، اور شاید تم کو ان کی دشمنی کا علم نہ ہو مگر اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے، اللہ تعالیٰ نے تم کو بتلا دیا ہے کہ تم ان کو اپنا دشمن سمجھو اور ان سے بچتے رہو اور ان کی باتوں میں نہ آؤ

اور ان کی دشمنی کا حال سن کر پریشان بھی نہ ہوجانا؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارا کافی حمایتی ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارا کافی مددگار ہے، یعنی ان کی عداوت تم کو نقصان نہیں پہنچا سکتی؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارا حامی ہے، اس کی حمایت کے مقابلہ میں سارے عالم کی عداوت ہیچ ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارا مددگار ہے، اس کی نصرت اور حمایت پر بھروسہ رکھو اور ان سے بالکل نہ ڈرو۔

(معارف القرآن ادریسی)

اعداء جمع کا صیغہ نصرت کا تقاضہ کرتا ہے، اور وہ بھی بڑی نصرت جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی شان نہیں ہے، لہٰذا مؤمنین کو تسلی اور کافرین کو قطع امید کے لیے ولیا و نصیرا کا اضافہ کیا گیا، اور کفی باللہ کا انداز یہ بتاتا ہے کہ اللہ پاک کی نصرت اور ولایت کبھی ختم نہیں ہوگی؛ ہمیشہ ہوتی ہی رہے گی۔

(۲) ﴿نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ﴾ (انفال:۴۰)

اگر ظاہراً وہ اپنے کفر سے باز آجائیں اور کلمہ اسلام کا پڑھیں تو تم ان کے ظاہری اسلام کو قبول کرو اور ان کے دل اور نیت کا حال اللہ کے سپرد کرو، تحقیق اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو دیکھنے والا ہے، ان کے عمل کے موافق ان کو جزا دے گا اور اگر وہ قبول حق سے روگردانی کریں اور مسلمانوں کے مقابلہ پر جمے رہیں، تو تم بھی ان کے مقابلہ اور مقاتلے پر جمے رہو اور یقین رکھو کہ اللہ تمہارا کارساز، حافظ، ناصر اور مددگار ہے، اور کیا ہی خوب کارساز اور کیا ہی خوب مددگار ہے، جس کا وہ کارساز اور مددگار ہو، اس کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا تم بے فکر ہو کر خدا کے دشمنوں سے جہاد وقتال کرتے رہو اور ہمت نہ ہارو، ہماری نصرت وحمایت تمہارے ساتھ ہے، جیسے تم جنگ بدر میں دیکھ چکے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح تمہاری حمایت اور نصرت فرمائی، لہٰذا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرکے کفار سے خوب جہاد کرو، اور ان کی کثرت وشوکت سے مرعوب نہ ہو، اللہ تعالیٰ تم کو عزت اور غلبہ دے گا اور ان کو مغلوب کرے گا، اور ان کی دولت ومال کا تم کو مالک بنادے گا۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۳) ﴿هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ﴾ (حج:۷۸)

اللہ تعالیٰ نے تم کو جو تمام امتوں میں سے منتخب کیا اور تم کو خیر الامم بنایا اور تمہارا نام ہی مسلمان رکھا؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ قیامت کے ایک بڑے مقدمہ میں تم کو بطور گواہ کھڑا کرنا ہے؛ تاکہ تمہاری شہادت سے تمام امتوں کے مقابلہ میں تمہاری عدالت اور فضیلت ظاہر ہو، پس اس عزت وکرامت کی لاج رکھنا اور خدا کی فرمانبرداری اور وفاداری میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھنا، پس جب خدا تعالیٰ نے تم کو یہ فضل وشرف عطاء کیا ہے تو تم نماز کو ٹھیک ٹھیک قائم رکھو اور زکوۃ وخیرات دیتے رہو، اور ہر حال میں اللہ کے دین کو مضبوط پکڑے رہو، وہ تمہارا آقا ہے، سو کیا ہی اچھا آقا ہے اور کیا ہی اچھا مددگار ہے، لہٰذا اسی پر بھروسہ رکھو اور کسی پر نظر نہ کرو، اس سے تعلق رکھنے والا بندہ کبھی ذلیل وخوار نہیں ہوسکتا، فلاح دارین کا دارومدار اس

سے وابستگی اور تعلق پر ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

هاديا ونصيرا

اللہ تعالی کی ہدایت کے چار مراتب ہیں۔

(۱) وہ ہدایت جو ہر ایک مخلوق جمادات، نباتات وحیوانات کو حاصل ہے، اور جس سے ہر ایک شے اپنی مقتضیات فطرت کو پورا کرتی اور ترقیات جبلی کو پورا کرتی ہے۔ اس ہدایت کا ذکر اس آیت میں ہے:

﴿رَبُّنَا الَّذِیٓ أَعۡطٰی كُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَهٗ ثُمَّ هَدٰی﴾ (طٰہٰ:۵۰)

(۲) وہ ہدایت جس کی تبلیغ انبیاءؑ نے کی اور جس کی طرف مکلفین کو دعوت دی گئی: اس کا ذکر اس آیت میں ہے:

﴿وَجَعَلۡنَا مِنۡهُمۡ أَئِمَّةً یَّهۡدُوۡنَ بِأَمۡرِنَا﴾ (السجدۃ:۲۴)

(۳) وہ ہدایت جس کے معنی توفیق ہے، جس سے بعض عباد کو خصوصیت حاصل ہوتی ہے۔

(۴) وہ ہدایت ہے جو آخرت میں اہل ایمان کو حاصل ہوگی، اپنے رب کو پہچانیں گے، راہ جنت سے واقف ہوں گے، املاک اور اہلیت، جنت کی شناخت کریں گے۔

اللہ تعالیٰ هَادِی ہے، وہی بندوں کو اصلاح امور معاش کی ہدایت فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ هَادِی ہے، اور وہی انبیاء کو حقائق اصلیہ اور حق محبت کی حقیقت سے آگاہ فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ هَادِی ہے، اور وہی کشف والہام سے مخلصین کی ہدایت فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ هَادِی ہے، عقل وحکمت سے ارباب دانش کو ہدایت فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ هَادِی ہے، اور وہی توفیق خیر سے اہل طاعت کے قلوب کو معرفت کی ہدایت فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ هَادِی ہے، اور رشد ورضوان کی جانب مومنین کو ہدایت فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ هَادِی ہے، مگر فاسق، کاذب، کفار، خائن، مسرف اس کی ہدایت سے محروم ہوجاتے ہیں۔

اس اسم سے تخلیق پیدا کرنے والوں کو لازم ہے کہ اول ان عیوب کو ترک کریں جو ہدایت کی روک ہیں اور پھر چشم وگوش اور عقل وہوش کو احکام الٰہی پر لگا دیں، ہدایت اسے رستہ بتائے گی، ہدایت اس کی رفیق راہ بن کر اسے منزل تک پہنچائے گی، یہی وہ ہدایت ہے جس کا سوال ہر ایک نمازی رب العالمین سے کیا کرتا ہے:

﴿اهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ أَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ﴾ (الفاتحۃ:۶)(قاضی منصور پوری: ۱۹۳تا۱۹۵)

(۴) ﴿وَكَفٰی بِرَبِّكَ هَادِیًا وَّنَصِیۡرًا﴾ (فرقان:۳۱)

اور اے نبی آپ ان کی باتوں سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں، جس طرح ہم نے تیری قوم کے کافروں کو تیرا دشمن بنایا ہے اسی طرح ہم مجرم لوگوں میں سے ہر نبی کے دشمن بناتے رہے ہیں اور وہ صبر کرتے رہے ہیں، اسی طرح آپ بھی صبر کیجئے اور تیرا پروردگار کافی ہادی اور مددگار رہے، تو تسلی رکھ، تیرا پروردگار تجھ سے ہدایت جاری کرے گا اور دشمنوں کے مقابلہ میں تیری نصرت اور یاوری کرے گا۔(معارف القرآن ادریسی)

ھادی اور نصیر کو جمع کرنے کی وجہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان، تسلی اور سکون عطاء فرمانا ہے: (۱) آپ کے دشمنوں کو ہدایت دے کر آپ کو خوش کرنا ہے۔ ھادی حقیقی وہی ہے۔ (۲) اور جن کے مقدر میں ایمان نہیں ہے ان کے خلاف آپ کی نصرت کرے گا، فکری نصرت ہدایت کے ذریعہ اور لشکری نصرت غلبہ و کامیابی کے ذریعہ ہوگی؛ البتہ نبی کی بعثت کا اصل مقصد ہدایت ہے اس سے نبی اور اہل ایمان خوش ہوتے ہیں کہ دین کا شدید مخالف ایمان میں داخل ہوگیا، اور وہ بھی اپنی مرضی ورغبت، جبکہ مغلوب ہوکر ہدایت بھی اچھی چیز ہے؛ لیکن یہ قہراً وغلبۃً ہو رہی ہے، لہٰذا ھادیا کو مقدم کیا جیسے طائف کی سخت آزمائش کے موقع پر آپ نے ان کے لئے ہدایت کی دعاء کی۔ گویا آپ کی چاہت بھی نصرت کے مقابلہ میں ہدایت کی ہی تھی لہٰذا آیت مبارکہ میں آپ کی چاہت کی رعایت کی گئی

وإنما قال (هاديا ونصيرا) لأن المشركين كانوا يصدون الناس عن اتباع القرآن لئلا يهتدي أحد به. (تفسير ابن كثير:۴۲۳/۳) وكأنه يقول له: كفاك يا محمد بربك هاديا يهديك إلى الحق، ويبصرك الرشد، ناصرا لك على أعدائك ، فلا يهولنك أعداؤك من المشركين . وكفى في الآية بمعنى اكتف .(جامع البيان:۳۸۵/۹) يقول الإمام الألوسي : وعد كريم له عليه الصلاة والسلام، بالهداية إلى كافة مطالبه ،والنصر على أعدائه، أي كفاك مالك أمرك ومبلغك إلى الكمال هاديا لك إلى ما يوصلك إلى غاية الغايات التي من جملتها تبليغ ما أنزل إليك، وناصرا لك عليهم على أبلغ وجه. (روح المعاني:۱۴/۱۹)(غزه:۲۵۱)

القوی العزیز

قرآن مجید میں **القَوِيُّ** نام اللہ تعالی کے لیے سورۂ انفال ومومن میں (**شَدِيدُ الْعِقَابِ**) کے ساتھ اور سورۂ حدید وشوریٰ اور ہود وحج میں اسم العَزِیز کے ساتھ مستعمل ہوا ہے۔

اللہ تعالی قوی ہے اور تمام قوتیں اسی سے حاصل ہوتی ہیں۔

اللہ تعالی قوی ہے اور اسی نے جملہ مظاہر کو قوت ربانی سے ظہور بخشا ہے۔

اللہ تعالیٰ قوی ہے اور اسی کا نام ضعیفوں کے لیے توانائی بخشنے والا ہے۔ (قاضی منصور پوری: ۱۴۸)

یہ اسم عزت سے بنایا گیا ہے، عزت کے معنیٰ ارجمندی، قوت وشوکت اور غلبہ کے ہے، اور عزیز وہ ہے جس میں صفات بالا بدرجہ اتم پائی جائیں۔

قرآن مجید پر غور کرو کہ اس اسم عزیز کو کن اسماء کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے، ۲۴/مقامات پر **عزیز حکیم** فرمایا ہے، اور ۵ مقامات پر **عزیز رحیم** اور ۲/مقامات پر **عزیز غفور**، ۳/مقامات پر **عزیز غفّار**، ایک جگہ پر **عزیز مُّقتدِر**، ۲/مقامات پر **قوِیٌّ عَزیزٌ**، ایک جگہ **عزیز وھّاب** ۴/دفعہ **عزیزُ الحلیم**، ۲/دفعہ **عزیزِ الحمید** فرمایا ہے۔

ان جملہ آیات پر غور کرنے سے واضح ہوجاتا ہے کہ وہ ملک جسے ساری مخلوق پر غلبہ تام اور اقتدار کامل حاصل ہے وہ اپنی اقتدار و قدرت کا استعمال حکمت اور رحم، غفران اور علم، حمد اور رحم کے ساتھ فرماتا ہے، یہ سبق ہے ان لوگوں کے لیے جن کو دنیائے فانی میں چندروز محدود غلبہ کسی مقام یا اشخاص پر حاصل ہوگیا ہو کہ وہ بھی اپنے اختیارات کا استعمال علم صحیح کے بعد اول عفو و رحم اور پھر دانائی و حکمت کے ساتھ کیا کریں۔ (قاضی منصور پوری: ۸۰،۸۱،۸۲)

القوی کے بعد العزیز لانے میں حکمت خداوندی:

قرآن شریف میں العزیز القوی کی ترتیب سے نہیں آیا بلکہ القوی العزیز کی ترتیب آئی ہے، جہاں دو صفات کا ساتھ میں تذکرہ ہوتا ہے وہاں عموماً پہلی صفت کے ذکر سے کوئی وہم یا تأمل پیدا ہوا ہو تو دوسری صفت اس کو دور کرتی ہے اور مزید تقویت عطاء فرماتی ہے، اگر العزیز کو پہلے لاتے تو اس میں القوی سے زیادہ قوت پائی جاتی ہے، اس صورت میں العزیز کی تاکید کے بعد القوی کا لانا اقوی کے بعد قوی کو لانے کے درجہ میں ہوتا جو غیر مستحسن ہے، جبکہ القوی کے بعد العزیز؛ ترقی من الادنیٰ الی الاعلی کی قبیل سے ہوئی؛ کیونکہ قوی عزیز نہیں بھی ہوتا ہے، ایک انسان قوت کی مختلف شکلوں کا مالک ہونے کے باوجود باعزت نہیں ہوتا؛ بلکہ ذلیل ہوتا ہے، تو اس سے القوی العزیز کا اقتران سمجھ میں آگیا، مختلف آیات کے سیاق سے اس کا پتہ چلتا ہے، چنانچہ سورۂ حدید آیت: ۲۵ میں ابتداء آیت سے لے کر اخیر تک قوت کا ہی ذکر ہے، رسولوں کے بھیجنے، کتابوں کے نازل کرنے اور لوہے میں قوت و بأس شدید پایا جاتا ہے۔ ابن عاشور فرماتے ہیں:

"وجملة إن اللّٰه لقوي عزيز تعليل لجملة (أرسلنا رسلنا بالبينات) إلى آخرها، لأن اللّٰه قوي عزيز في شؤونه القدسية، فكذلك يجب أن تكون رسله أقوياء أعزة، وان تكون كتبه معظمة موقرة".

(التحریر والتنویر: ۱۴/ ۴۲۱)

اسی طرح سورۂ احزاب کی آیت ۲۵ میں بھی غزوۂ احزاب کا ذکر کرتے ہوئے کفار کی واپسی اور سخت ہوا کا چلنا،

مشرکین و یہود میں اختلاف ہوجانا بھی اللہ تعالیٰ کی قوت وطاقت کا مظاہرہ ہے کہ ان کی مراد پوری نہ ہوسکی، ناکام واپس جانا پڑا اور اللہ پاک مؤمنین کے لئے کافی ہوگیا؛ کیونکہ وہ قوی اور عزیز ہے۔

قال الإمام الزركشي: "فإن الكلام لو اقتصر فيه على قوله، وكفى الله المؤمنين القتال، لأوهم ذلك بعض الضعفاء موافقته للكفار في اعتقادهم أن الريح التي حدثت كانت سبب رجوعهم، ولم يبلغوا ما أرادوا، وأن ذلك أمر اتفاقي فأخبر سبحانه في فاصلة الآية عن نفسه بالقوة والعزة ليعلم المؤمنين أن تلك الريح التي هبت ليست اتفاقا بل هي من إرساله سبحانه على أعدائه كعادته". (البرهان فی علوم القران: ۷۹/۱)

تیسری آیت (الحج: ۴۰) میں بھی تاکیدی کلمات کے ساتھ مدد خداوندی کا ذکر کیا گیا تاکہ ذہن میں یہ بات ثابت ہوجائے کہ اللہ پاک اپنے دوستوں کی ضرور مدد کرتا ہے۔ **ان الله لقوی عزیز** یہ تعلیل ہے **ولینصرن الله من ینصره** کی، یعنی ان کی مدد اس لئے کی گئی کہ مدد کرنے والا قوی وعزیز ہے، چوتھی آیت (مجادلہ: ۲۱) میں بھی غلبہ کا ذکر ہے؛ کیونکہ وہ قوی وعزیز ہے۔

قال الإمام البغوي: "غلبة الرسل منهم على نوعين من بعث منهم بالحرب فهو غالب بالحرب، ومن لم يؤمر بالحرب فهو غالب بالحجة". (معالم التنزیل: ۶۲/۱)

عزیز ۶ آیتوں میں تین اسلوب کے ساتھ آیا ہے:

* تاکید کے ساتھ چار آیتوں میں مذکور ہے:

(۱) ﴿إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ﴾ (ھود: ۶۶)

پس حسب وعدہ تین دن گذر جانے کے بعد جب ہمارے عذاب کا حکم آپہنچا تو ہم نے صالح علیہ السلام کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنے فضل اور رحمت سے ان کو عذاب سے بچالیا، اور اس دن کی رسوائی سے بھی بچالیا، بے شک تیرا پروردگار توانا اور غالب ہے، اپنے دوستوں کو عزت دیتا ہے اور دشمنوں کو ذلیل وخوار کرتا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

وجملة ﴿إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ﴾ معترضة وقد اكد الخبير بثلاث مؤكدات للاهتمام وتقديم هو على القوى والعزيز تعريض بالذين ظلموا للإيماء بالموصول إلى علة ترتب الحكم أى لظلمهم وهو ظلم الشرك وفيه تعريض بمشركى أهل مكة بالتحذير من ان يصيبهم مثل ما اصاب اولئك لأنهم ظالمون ايضاً.

(التحریر والتنویر: ۱۱۴/۱۲)

(۲) ﴿إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ﴾ (حج: ۴۰)

بے شک اللہ تعالیٰ قوت اور عزت والا ہے، دم کے دم میں جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلیل وخوار کرے، خدا جس کی مدد کرے وہ مظفر ومنصور ہے اور خدا جس کی مدد نہ کرے وہ ذلیل وخوار ہے، **قال اللہ تعالیٰ:** ﴿وَإِن يَخْذُلْكُمْ فَمَن ذَا الَّذِي يَنصُرُكُم مِّن بَعْدِهِ﴾ یعنی اگر خدا تمہاری مدد نہ کرے تو پھر اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کرے، اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنصُورُونَ﴾ یعنی بارگاہ خداوندی میں یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ مرسلین مظفر ومنصور ہوں گے اور خدا کا لشکر غالب ہوگا، حق جل شانہ نے اس آیت میں قسم کھا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے لیے جس فتح ونصرت کا وعدہ فرمایا تھا وہ پورا ہوا اور دنیا نے اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ مہاجرین وانصار جو بے سروسامان، فقیر اور درویش تھے ٹوٹے پھوٹے ہتھیاروں سے بڑی شان وشوکت والی سلطنتوں پر حملہ آور ہوئے اور ان پر فتحیاب ہوئے، صحابہ کرام حسب ارشاد خداوندی: ﴿وَإِنَّ جُندَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ﴾ خدا کا لشکر تھے، باوجود بے سروسامانی، ساز وسامان والوں کے لشکر پر غالب آئے۔ (معارف القرآن ادریسی)

انما ینصر من ینصر دینه ویخذل اعدائه، لأنه القوی علی کل مایریدو علی نصر المؤمنین، من جاهدفی سبیله من اهل طاعته. وانه لا یجوز علیه المنع فلا یمنع لان العزیز هو الذی لا یضار ولا یمنع ممایریده فلا یمانعه شیء. (الرازی الکبیر: ۲۳/۴۱، روح المعانی: ۱۷/۱۶۴)

(۳) ﴿إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ﴾ (حدید: ۲۵)

اور ہم نے اتارا لوہا کہ زمین میں اس کی کانیں پیدا کریں، جس میں بہت سختی ہے اور منافع بھی ہیں لوگوں کے واسطے کہ لوہے سے اسلحہ اور سامان حرب تیار کیا جاسکتا ہے، جس سے جہاد وقتال ہوتا ہے اور کافروں پر اس کے ذریعہ سختی و شدت واقع کی جاتی ہے، اور ساتھ ہی اس کے ذریعہ لوگوں کی معیشت کے بہت سے مادی فوائد ومنفعتیں بھی وابستہ ہیں، یہ سب کچھ اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں؛ تاکہ لوگ اس کی خالقیت وقدرت پر ایمان لائیں اور اس کی اطاعت کریں اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ دیکھ لے کہ کون مدد کرتا ہے اس کی اور اس کے رسولوں کی بغیر اللہ کو دیکھے، بے شک اللہ تعالیٰ بڑی ہی قوت والا غالب وعزیز ہے، اس کی قوت وعزت کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی حقیقت نہیں اور کافروں کی مجال نہیں کہ اللہ کو اور اس کے رسولوں کو مغلوب کرسکیں، پیغمبری اور کتب ہدایت نازل کرنے کے لیے اللہ نے اپنی ہی حکمت سے اپنے رسولوں کو منتخب کیا۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۴) ﴿كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي ۚ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ﴾ (مجادلہ: ۲۱)

فیصلہ لکھ دیا ہے اللہ نے اس بات کا کہ یقیناً میں غالب ہوں گا اور میرے رسول کامیاب وغالب ہوں گے، بے

شک اللہ بڑا قوت وعزت والا ہے، خدا کی طاقت کو نہ کوئی زیر کرسکتا ہے اور نہ کوئی باطل کی طاقت خدا کے ارادوں کو مغلوب کرسکتی ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

* کان استمرار کے ساتھ ایک آیت میں ہے:

(۱) ﴿وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا﴾ (احزاب: ۲۵)

اور اللہ تعالیٰ نے بادِ صبا اور فرشتوں کے ذریعہ اہل ایمان سے لڑائی کی کفایت فرمائی کہ بغیر لڑائی کے مسلمانوں کو فتح اور نصرت عطا کی اور بلا جنگ وجدال کے دشمنوں کو ان کے بلاد سے نکال باہر کیا اور اس آیت وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ میں اشارہ اس طرف ہے کہ اب مسلمانوں اور قریش کے درمیان لڑائی ختم ہوئی، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ احزاب کی واپسی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الآن نغزوھم ولا یغزوننا (بخاری) اب ہم مشرکین عرب پر چڑھ کر جائیں گے اور ان پر حملہ آور ہوں گے، اب آئندہ ان میں اتنی طاقت اور ہمت نہیں رہی کہ وہ ہم پر حملہ آور ہوں، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ ان پر چڑھ کر گئے اور مکہ فتح کیا، اور اس طرح کافروں کی جماعتوں کو ہٹا دینے اور بھگا دینے کو عجیب نہ سمجھو کیونکہ اللہ تعالیٰ زور آور اور زبردست ہے، اسے یہ کام کوئی دشوار نہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنی حول اور قوت سے ان کو اس طرح خائب وخاسر پھیر دیا۔ (معارف القرآن ادریسی)

* تاکید کے اسلوب اور کان استمراریہ سے خالی ایک آیت میں ہے:

(۱) ﴿اَللّٰهُ لَطِيْفٌ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ﴾ (شوریٰ: ۱۹)

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت ہی مہربان ہے کہ مجرموں کو بھی دنیا میں روزی اور راحت دیتا ہے، جس کو چاہے وہ رزق دیتا ہے؛ کیونکہ وہ تو رب ہے اور شانِ ربوبیت تقاضا کرتی ہے کہ ہر جاندار کو روزی عطا فرمائے، خواہ وہ مومن ہو یا کافر، انسان ہو یا حیوان، وہ بڑی ہی قوت اور عزت والا ہے، جس کے فیصلہ اور تقسیم کو کوئی رد نہیں کرسکتا، اسی طرح آخرت میں بھی اس کے فیصلے کو کوئی نہیں توڑ سکتا، مجرمین کو آخرت میں عذاب اور سزا سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا، اس لیے ان کفار و مجرمین کو دنیا کی نعمتوں سے مغرور نہ ہونا چاہئے، اور اس دھوکہ میں نہ پڑنا چاہئے کہ اس زندگی کے بعد دوسری زندگی میں بھی ان کا یہ مال و دولت ان کے کچھ کام آسکے گا یا یہ اسی طرح آرام و راحت میں رہیں گے، اللہ رب العزت اپنی شانِ لطیفی کے باعث نیک و بد سب ہی کو رزق عطا فرماتا ہے، رزق اور دنیوی راحتوں کی زیادتی اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ شخص اللہ کی نظروں میں بھی پسندیدہ ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

اَلْمُحِيطُ

قرآن شریف میں یہ صفت آٹھ جگہ پر اللہ تعالیٰ کے لئے آئی ہے۔

﴿أَلَا إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ﴾ (فصلت:۵۴)

ان تمام آیات کے سیاق و دلالت سے واضح ہوتا ہے کہ ''محیط'' کا لفظ ہمیشہ وعید کے لئے ہی مستعمل ہوا ہے، اور وہ بھی کفار، منافقین یا اہل کتاب کے لئے ہی آیا ہے، مؤمنین سے گفتگو کے دوران کبھی بھی مستعمل نہیں ہوا ہے۔

علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ اسم اکثر وعید اور ہر چیز کے احاطہ کے لئے ہی مستعمل ہوا ہے، (قرطبی:۱۵/۳۲۶)

ابوحیان فرماتے ہیں کہ احاطہ سے کنایہ ہے کسی چیز کا فوت نہ ہونا۔ اللہ پاک ہر اعتبار سے ان کا احاطہ کرنے والے ہیں۔

ان تمام آیات میں اشارہ ہے کہ تمہارے تمام اعمال پر اللہ تعالیٰ مطلع ہیں، اس کا مکمل قبضہ، اختیار، قدرت، قوت اور علم تمہارا احاطہ کئے ہوئے ہے، منافقین، کافرین اور اہل کتاب کے برے احوال اور اعمال سیئہ کو مضارع کے صیغے سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ انہوں نے اپنے اعمال خطاء اور کبر میں توسع اور بڑی بے فکری سے کام لیا ہے، تو اللہ پاک کی طرف سے ان کی پکڑ بھی بڑے وسیع پیمانے پر ہوگی۔ قرآن کریم میں ''حاط'' فعل کے تمام مشتقات اللہ پاک کی قدرت، وعید، سزا کے نزول وغیرہ امور پر دلالت کرتے ہیں۔

علیم اور محیط کی موافقت:

احاطہ کی صفت اپنے عموم کے اعتبار سے علم کا بھی احاطہ کرتی ہے۔

﴿حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوا قَالَ أَكَذَّبْتُم بِآيَاتِي وَلَمْ تُحِيطُوا بِهَا عِلْمًا أَمَّاذَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ (النمل:۸۴)

﴿اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۚ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ ۚ لَّهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ مَن ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِندَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۚ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۖ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ ۖ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ﴾ (البقرۃ:۲۵۵)

﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾ (الطلاق:۱۲)

محیط علیم کو شامل ہے؛ لیکن ساتھ میں وعید، ہلاکت اور سزا کی طرف بھی اشارہ ہے، اسی لئے مؤمنین اور انبیاء کرام سے خطاب میں علیم تو مذکور ہے؛ لیکن محیط مذکور نہیں ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا ۖ إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ﴾ (مؤمن:۵۱)

﴿فَإِن لَّمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّىٰ يُؤْذَنَ لَكُمْ ۖ وَإِن قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا ۖ هُوَ أَزْكَىٰ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ﴾ (نور:۲۸)

احاطت بالعلم کے معنی یہ ہیں کہ اس شے کے وجود وجنس اور کیفیت وغرض اور مقصود ایجاد اور نتیجہ واثر کی کامل واقفیت ہو۔ ظاہر ہے کہ مخلوقات کے متعلق علم کی یہ وسعت، یہ فراوانی، صرف رب العالمین کو حاصل ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی اگر ایسا دعویٰ کرتا ہے تو وہ جھوٹا کہلاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا. (یونس:۳۹)

اللہ تعالیٰ محیط ہے کیونکہ وہ اپنی تمام مخلوق کی خاطر حفاظت فرماتا ہے، وہ تمام مخلوق پر اقتدار کلی رکھتا ہے، اور وہ ہر شے کی پیدائش، غرض پیدائش، انجام پیدائش، فوائد پیدائش سے آگاہ ہے۔

احاطہ مکانی اور احاطہ زمانی سب اسی کے بنائے ہوئے ہیں اور اس کی قدرت کاملہ اُن اُمور کو سرانجام فرماتی ہے، جن پر انسان کو قدرت نہیں وَأُخْرَىٰ لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا (الفتح:۲۱) مسلمانوں کو ایسی ایسی فتوحات ملیں گی جن کے حصول کی اُن کو قدرت نہیں مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت واختیار میں سب کچھ ہے۔

لازم ہے کہ وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ (البقرہ:۸۱) کی بدترین حالت سے خود کو بچائیں، یہ کیفیت اس وقت طاری ہوتی ہے جب انسان ارتکاب گناہ میں دلیر ہو جاتا ہے، گناہ پر گناہ کئے جاتا ہے اور دل پر ظلمت بالائے ظلمت بڑھتی رہتی ہے، حتیٰ کہ خطیئات ہی اسے ہر چہار اطراف سے گھیر لیتی ہیں، اب اس کا جاگنا سونا، اٹھنا، بیٹھنا، سب کچھ گناہ کی فضا میں ہو جاتا ہے۔ معاذ اللہ منہا۔ (قاضی منصور پوری:۲۲۷-۲۲۸)

محیط ۸ آیات میں ۴ اسلوب کے ساتھ آیا ہے:

* تاکید کے ساتھ دو آیات میں:

(۱) ﴿إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ﴾ (آل عمران:۱۲۰)

اگر تم صبر اور تقویٰ پر قائم رہو یعنی ان کی ایذاؤں پر صبر کرو اور ان کی موالاۃ اور بطانہ بنانے سے پرہیز کرو تو تم کو ان کا فریب کچھ نقصان نہیں دے گا، اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا احاطہ کیے ہوئے ہیں، ان کے مکر کا ضرر اور اثر تم تک پہنچنے نہیں دیں گے اور اگر کسی جگہ کافروں سے تم کو کوئی ضرر پہنچے تو سمجھ لو کہ یہ صبر اور تقویٰ کی کمی کی وجہ سے پہنچا ہے۔

(معارف القرآن ادریسی)

باسلوب الجملة الموكدة تعليلاً لما سبق. من عدم ضرر كيدهم للمؤمنين وذلك لان الله محيط باعمالهم، ومن جملة اعمالهم كيدهم وضررهم، فلا يستطيعون أن يضركم لأن الله ناصركم عليهم وحافظكم

ومجازيهم على اعمالهم السيئة، فلا يبقى منه شيئ إلا ويعاقبهم عليها. (المظهری:۲/۱۳۷، ابو السعود:۲/۷۷)
ولكن يمهلهم لاتمام الحجة عليهم. وذلك لأنه خبير بدسايسهم وماهم يكيدون للاسلام والمسلمين فانه تعالى عالم من جميع جهاته مقتدر عليه. (الكشاف: ۱/۴۶)

(۲) ﴿إِنَّ رَبِّي بِمَا تَعْمَلُونَ مُحِيطٌ﴾ (ھود:۹۲)

کیا میری برادری اور میرا کنبہ تمہارے نزدیک اللہ تعالیٰ سے زیادہ عزت والا ہے کہ خاندان کا تو پاس کیا اور جس خدا نے مجھ کو رسول بنا کر بھیجا اور سچائی کے نشان مجھے دیئے اس کا پاس نہیں کیا اور اللہ کو یعنی اس کے حکم کو تم نے پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا، مگر یاد رکھو کہ عنقریب تم کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا؛ کیونکہ تحقیق میرا پروردگار تمہارے اعمال کو احاطہ کیے ہوئے ہے، تمہارا کوئی عمل اس سے پوشیدہ نہیں، تمہارے اعمال کے موافق تم کو جزا دے گا۔ (معارف القرآن ادریسی)

فذكر بعد ظِهْرِياً الجملة الاسمية المؤكدة الدالة على قدرته تعالى، وذكر في نهايتها كلمة المحيط، ولمزيد قوة إذعان شعيب عليه السلام ذكر الرب بالاضافة إلى ياء المتكلم. (روح المعانی:۱۲/۱۲۶)

* کان استمرار کے ساتھ دو آیات میں:

(۱) ﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا﴾ (نساء:۱۰۸)

یہ دغاباز لوگ اپنی خیانتوں کو لوگوں سے چھپانا چاہتے ہیں؛ لیکن اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتے اور اللہ سے کیسے چھپا سکتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ تو اس وقت بھی ان کے ساتھ ہے جب وہ رات کو ان باتوں کے مشورے کرتے ہیں جن کو اللہ پسند نہیں کرتا، یعنی جب طعمہ کی قوم کے لوگ یہ مشورہ کررہے تھے کہ ہم اپنی جھوٹی قسم اور شہادت سے طعمہ کی براءت اور یہودی کی چوری ثابت کردیں گے، اس وقت بھی اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ تھا اور ان کے حال کو دیکھ رہا تھا، اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کا احاطہ کرنے والا ہے، اس پر تمہاری کوئی بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی، تمہارا ظاہر و باطن سب اس کے احاطہ میں ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

فذكر العلة لما ذكر بقوله: ﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا﴾ للوعيد والتهديد لان هذا في بيان المنافقين بانهم من حيث انهم وان كانوا يخفون كيفية المكر الخداع عن الناس إلا انها كانت ظاهرة في علمه لأنه تعالى محيط بجميع المعلومات لا يخفى عليه سبحانه منها شيئ. (الكبير: ۱۱/۲۶)

(۲) ﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطًا﴾ (نساء:۱۲۶)

اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمان میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، یعنی جب وہ آسمان اور زمین کی سب

چیزوں کا مالک ہے تو ابراہیمؑ کا بھی وہی مالک اور خدا ہے اور ابراہیمؑ اس کے بندے ہیں، اس مالک مطلق نے اپنے اختیار سے ابراہیمؑ کو اپنا خلیل اور مقرب بنایا، مقام خلت سے ان کو شرف اور عزت حاصل ہوئی، مگر دائرۂ عبودیت اور مملوکیت سے باہر نہیں ہوئے، اور اللہ ہر چیز کا اپنی قدرت اور علم وحکمت سے احاطہ کرنے والا ہے، کوئی شیٔ اس کے احاطۂ قدرت اور قہر سے باہر نہیں، پس وہی ذات اس قابل ہے کہ خالص اس کی بندگی کی جائے اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کیا جائے اور یہود، نصاریٰ اور مشرکین عرب سب شرک میں مبتلا ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سب کے اعمال کو اپنے احاطہ میں لیے ہوئے ہے، پس قیامت کے دن ضرور ان کے اعمال کی ان کو سزا دے گا۔ (معارف القرآن ادریسی)

وذلك لان الالهية والوفاء بالوعد والوعيد انما يحصل ويكمل بمجموع القدرة والعلم لله هو العلم بكونه قادرا ثم بعد العلم بكونه قادرا العلم كونه عالما لما ان الفعل بحدوثه يدل على القدرة، ومما فيه من الاحكام والاتقان يدل على العلم. (الكبير: ۱۱/۶۰، المراغی: ۴/۱۶۷)

* بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطًا کے اسلوب سے تاکید کے ساتھ ایک آیت میں آیا ہے:

(۱) ﴿أَلَا إِنَّهُمْ فِي مِرْيَةٍ مِّن لِّقَاءِ رَبِّهِمْ ۗ أَلَا إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ﴾ (حم سجدہ: ۵۴)

تو کیا یہ بات آپ کے رب کو ثبوت اور شہادت کے درجے میں کافی نہیں ہے کہ وہ ہر چیز کا شاہد ہے، جیسے کہ ارشاد ہے: وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا عقلاً ایسے دلائل وشواہد کے بعد چاہیے تو یہ تھا کہ منکرین آنحضرت ﷺ کی رسالت پر ایمان لاتے اور جو کچھ آپ ﷺ قیامت کے متعلق کہتے ہیں اس کو مانتے؛ لیکن خبردار ہو جاؤ، یہ لوگ تو شک وتردد ہی میں پڑے ہوئے ہیں اپنے پروردگار سے قیامت کے روز ملاقات کرنے سے، یاد رکھو وہ پروردگار تو ہر چیز کا پورا پورا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

کائنات کی کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں ہے، ہر شخص کے اعمال واحوال بھی اس کے احاطۂ علم میں گھرے ہوئے ہیں، لہٰذا قیامت کے روز ہر ایک کے عمل کے مطابق اس کو بدلہ دیا جائے گا اور جب کہ ہر چیز اس کے علم میں ہے تو اصل قیامت کے آنے کا علم بھی اسی کو ہے، تو منکرین کا یہ سوال نہایت ہی لغو بات ہے کہ قیامت کب آئے گی، بس اس کا علم اور جواب اسی رب کی طرف لوٹایا جائے گا جس کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

وصف الله بالمحيط اذ هو مجاز عقلي، لأن المحيط بكل شيء هو علمه فاسندت الاحاطة الى اسم الله تعالى (المحيط) صفة من أوصافه وهو العلم. وهذا البيان ما يترتب على تلك المرتبة بناء على انه تعالى عالم بجميع الأشياء على كل وجه فلا يخفى عليه جل وعلى خافية منهم فيجازيهم الله على كفرهم وريبهم لا محالة.

(روح المعانی: ۲۵/۷۰، الکبیر: ۲۷/۱۴۰)

* تاکید کے اسلوب سے خالی تین آیتوں میں آیا ہے:

(۱)﴿اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۭ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ﴾(بقرہ:۱۹)

منافقین کی مثال گمراہی کو ہدایت کے بدلہ خرید کر خسارہ اٹھانے میں ایسی ہے جیسے آسمان سے زوردار پانی پڑ رہا ہو، من السماء کا لفظ بڑھانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ بارش آسمان کے تمام اطراف اور جوانب کو محیط ہے، جس طرح پورے آسمان کو سماء کہتے ہیں اسی طرح آسمان کی جانب کو بھی سماء کہتے ہیں، نیز من السماء کے لفظ میں ایک یہ بھی اشارہ ہے کہ اس بارش کو کوئی روک نہیں سکتا، کس کی مجال ہے کہ آسمان سے آنے والی چیز کو روک سکے۔ اس میں اندھیرے اور گرج اور بجلی ہے جو لوگ اس بارش میں چل رہے ہیں، خوف کی وجہ سے ان کی یہ حالت ہے کہ انگلیوں کے پورے نہیں بلکہ پوری انگلیاں اپنے کانوں کے انتہائی سوراخ تک پہنچا دینا چاہتے ہیں، ہولناک آواز کی وجہ سے موت کے ڈر سے اور اس خوف کی شدت میں یہ بھی نہیں سمجھتے کہ اللہ تو کافروں کا احاطہ کرنے والا ہے، کانوں میں انگلیاں دینا اس کے عذاب سے کسی طرح نہیں بچا سکتا۔

(۲)﴿وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ﴾(انفال:۴۷)

تم ان لوگوں کے مانند نہ بنو جو اپنے گھروں سے اتراتے اور اکڑتے ہوئے اور اپنی شجاعت پر فخر کرتے ہوئے نکلے، یعنی جس طرح کافر جنگ بدر میں غرور کرتے ہوئے آئے تھے اسی طرح تم لڑائی کے وقت غرور نہ کیا کرو، اور یہ کہ تم ان لوگوں کے مشابہ بھی نہ بنو جو اپنے گھروں سے لوگوں کو دکھلانے کے لیے نکلے؛ تاکہ لوگ ان کی شجاعت کی تعریف کریں، جب تم خدا کے دشمنوں سے لڑنے نکلے ہو تو ان کے تشبہ سے اپنے کو محفوظ رکھو اور یہ مغرور اور ریا کار لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، لوگوں کو دین الٰہی سے باز رکھنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں اور اللہ ان کے اعمال کا احاطہ کیے ہوئے ہے، کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں، قیامت کے دن ان کو ان کے اعمال کی سزا دے گا۔ (معارف القرآن ادریسی)

فلما ذكر قبل بما يعملون محيط يصدون عن سبيل الله فذكر في النهاية تذييلا وعلة لما قبله تهديدا وتخويفا بأسلوب الجملة الاسمية بانه محيط باعمالهم كما ان الرجل الذي احاط به العدو لا يستطيع النجاة منه لأنه محاط من قبل العدو فلذلك هم في غفلة عن اعمالهم ونتائجها فسيرون عقابها ولا يستطيعون ان ينجوا من عقاب الله. (المراغي:۱۲/۴، التحرير والتنوير:۱۵/۳۴)

(۳)﴿وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآىِٕهِمْ مُّحِيْطٌ﴾(بروج:۲۰)

تو کیا اے مخاطب! مجھے لشکروں کی خبر پہنچی ہے، فرعون اور قوم ثمود کی؟ ضرور پہنچی ہوگی؛ کیونکہ یہ واقعات عام طور پر عرب والوں کو بھی خوب معلوم تھے، اور ان کی خوب شہرت تھی، جو بڑے ہی طاقت ور لشکر تھے، مگر خداوند عالم نے اپنے قہر و غضب سے ان کو ہلاک کر ڈالا اور دنیا کی کوئی مادی طاقت خدا کا عذاب نہ ٹلا سکی، چاہئے تو یہ تھا کہ کفار مکہ اور مشرکین عرب ان باتوں کو سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے، اور کفر و نافرمانی سے تائب ہو جاتے؛ لیکن افسوس کہ ایسا نہ ہوا بلکہ یہ انکار کرنے والے کافر برابر اللہ کے پیغمبر کی باتیں جھٹلانے ہی میں لگے ہوئے ہیں اور حال یہ ہے کہ اللہ ان کا ہر طرف سے احاطہ کیے ہوئے ہیں، وہ اللہ کے احاطہ اور گرفت سے بچ کر کہیں بھی نہیں جا سکتے، نہ اس کے احاطۂ علم سے باہر ہو سکتے ہیں، نہ اس کے ملک سے نکل سکتے ہیں اور نہ اس کی قدرت اور گرفت سے چھوٹ سکتے ہیں، وہ ہر طرح علماً و ملکاً و قدرۃً ان کو محیط ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

ولكن ههنا صور المعقول بصورة المحسوس للاستقرار في الاذهان وبشاعة منظر الكفار وبشاعة غفلتهم عن الحق، ويمكن ان يكون جزاء إحاطة التكذيب بهم إحاطة العذاب لهم جزاء وفاقا. فقوله تعالى: ﴿وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ﴾ خبر مستعمل في الوعيد والتهديد ولذا اتى به في الفاصلة، لان غيره من الصفات لا يفيد هذا المعنى افادة كاملة. (مرزا:۱۸۸)

الحفیظ

حفیظ کے معنی نگہبانی اور یادداشت ہیں۔

اللہ تعالیٰ حفیظ ہے، موجودات کی حفاظت فرماتا، بلیات سے صیانت کرتا ہے، قوامِ عالم اسی کی نگہبانی سے قائم ہے اور نظامِ اعظم کا وہی ناظم ہے۔

بے ستون آسمان کو اسی نے ہوا پر معلق کیا اور پھر اپنی حفاظت میں لے رکھا ہے۔

بے بنیاد زمین کو اسی نے قائم اور اپنی نگہبانی میں رکھ چھوڑا ہے۔

﴿وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا﴾ (البقرۃ: ۲۵۵) اس نگہبانی و حفاظت سے سستی و ماندگی کا اس پر کوئی اثر نہیں، اس صیانت میں اسے کچھ دشواری نہیں۔

اللہ ہی حفیظ ہے جو ہمارے لئے حَفَظَہ (وہ فرشتے جو بندہ کے حفاظت کرتے ہیں) مقرر فرماتا ہے۔

اللہ ہی حفیظ ہے جو شیطان مارِد کی شرارتوں کو ناکام بناتا ہے۔

اللہ ہی حفیظ ہے کہ مومنہ عورتوں کی عصمت محفوظ ہے۔

اللہ ہی حفیظ ہے جو شیطان رجیم کی زد سے اہل ایمان کو بچاتا ہے۔

اللہ ہی حفیظ ہے جو کتاب حفیظ کا مالک ہے، وہ کتاب جس میں جملہ تبدلات وتغیرات کی صحیح کیفیت موجود رہتی ہے۔

اللہ ہی حفیظ ہے جو ہر ایک **اَوَّابٌ وحفیظ** کو یعنی حکموں کے نگاہ رکھنے سے بندوں کو اجر کریم عطا فرماتا ہے۔

اللہ ہی حفیظ ہے، اسی کی صفت اس آیت میں ہے:

﴿وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ﴾(سبا:۲۱)

''تیرا رب ہر ایک شے کی حفاظت فرمانے والا ہے۔''

اللہ ہی حفیظ ہے جس نے ہمارے سر پر سقفِ محفوظ (آسمان) کو بلند کیا ہے۔

ہاں وہی حافظ ہے اور **﴿وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ﴾**(الانبیاء:۸۲) کی شان اسی کو حاصل ہے۔

ہاں وہی حافظ ہے **﴿فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ﴾**(یوسف:۶۴) اس کی صفت ہے۔

(قاضی منصور پوری:۱۱۶-۱۱۷)

حفیظ: یہ صفت دو آیتوں (ہود:۵۷، سبا:۲۱) میں آئی ہے اور دونوں جگہ قدرت اور قہر کے مفہوم میں ہے، اور تکلیف وبری چیز سے حفاظت کے سیاق میں آئی ہے، حفظ اعمال مراد نہیں ہے۔ حاصل یہ کہ جہاں ہلکا سا بھی ضرر یا ارادۂ ضرر پایا گیا وہاں حفیظ سے آیت ختم ہوتی ہے، جیسے پہلی آیت (ہود:۵۷) میں **لا تضرونه شیئا** کے بعد **ان ربی علی کل شیئ حفیظ** بطور تعلیل کے مستعمل ہے۔

اسی طرح دوسری آیت (سبا:۲۱) میں مضمون یہ ہے کہ شیطان کے مقابلے میں اللہ پاک سے مدد چاہنے والوں کی مدد کی جائے گی، ان کی تمام اعتبارات سے حفاظت کی جائے گی، وہ ان کی نیات واعمال کو جانتا ہے، اپنے اولیاء کی گناہ میں مبتلا ہونے سے حفاظت کرتا ہے، آیت میں **انه علیکم حفیظ** نہیں کہا گیا بلکہ **علی کل شیئ حفیظ** فرمایا گیا، پہلا جملہ صرف تعلیل کے لئے آتا ہے، جبکہ دوسرا جملہ تعلیل کے ساتھ زیادہ تاکید پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ جب وہ تمام اشیاء کی حفاظت کرتا ہے تو بندوں کی بھی حفاظت کرے گا۔

پہلی آیت میں **اِنَّ وَلِی** اور دوسری آیت میں **اِنَّ رَبَّكَ** سے اس کی ربوبیت کی طرف واضح اشارہ ہے، یہ ربوبیت والے الفاظ بھی بندوں کی حفاظت وتکفل کی طرف مشیر ہے۔

حفیظ دو آیتوں میں دو اسلوب کے ساتھ آیا ہے:

* تاکید کے ساتھ

(۱) ﴿إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ﴾ (ھود:۵۷)

پس اگر اس واضح بیان کے بعد بھی تم صراط مستقیم سے اعراض کرو تو تمہارے اس اعراض سے مجھے اپنے حق میں کوئی ڈر نہیں؛ کیونکہ تحقیق میں نے تم کو یہ پیغام پہنچا دیا ہے جو دے کر تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں، میں بری الذمہ ہو گیا، اور تم پر حجت پوری ہو گئی، اب اگر تم حق کو نہیں مانو گے تو اللہ تم کو ہلاک کر دے گا اور تمہارا قصہ ختم کر دے گا اور میرا پروردگار دوسری قوم کو تمہاری جگہ آباد کرے گا، جو تمہارے دیار اور اموال کے مالک بنیں گے، اور تم اس کفر اور اعراض سے خدا کو کوئی ضرر نہ پہنچا سکو گے، اپنا ہی کچھ بگاڑو گے، بے شک میرا پروردگار ہر چیز پر نگہبان ہے، ہر چیز اس کے حفظ اور علم میں ہے جو جس کے لائق ہو وہی اس کو پہنچتا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

فذكر علة لذلك في النهاية بأسلوب الجملة الاسمية المؤكدة، إن ربي على كل شيء حفيظ بأن الله هو حفيظ على كل شيء ورقيب عليه وحفيظ لاعمال العباد، ويجازيهم عليه ويحفظني من شركم ومكركم، ويحفظ من شاء من الهلاك، ويهلك إذا شاء. فيهلككم يعاقبكم على أعمالكم السيئة، لأنه لا يخفى عليه شيء، وهذه الجملة تعليل لجملة ولا تضرونه شيئا. (الكبير:۱۸/۱۴، روح المعاني:۱۲/۱۰۰)

* عدم تاکید کے ساتھ

(۱) ﴿وَرَبُّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ﴾ (سباء:۲۱)

اللہ تعالیٰ کو پہلے ہی سے معلوم تھا کہ کون آخرت پر ایمان لائے گا اور کون اس کا انکار کرے گا؛ لیکن دنیا کو اس کا علم نہ تھا، اللہ نے شیطان کو وسوسہ ڈالنے کی قدرت دی؛ تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ کون مؤمن ہے اور کون کافر ہے، اور تیرا پروردگار ہر چیز کا نگہبان ہے، وہاں تک کسی کی رسائی نہیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

فالحكمة في جعل الحفيظ فاصلة هي إنه تعالى لما ذكر ابليس واتباعه: بانهم انما اتبعوا ابليس مع عدم سلطته وقوته عليهم ولكن هذا كان ابتلاء ولتمييز المؤمن بالأخرة من الشاك فيها، فذكر تذييلا وعلة لما سبق بأسلوب الجملة الاسمية المجردة عن أسلوب التوكيد، لان المخاطب هو النبي ﷺ وهو كامل الايمان واليقين والتفت من أسلوب الغيبة للخطاب تيقناً واطميناناً. وذكر الحفيظ في الفاصلة ليدل دلالة كاملة تامة على المراد بانه حفيظ على كل شيء. فيحفظ أعمالهم وأعمال المؤمنين فيثيب المؤمنين بما هم اهل له ويعاقب الكفار.

واقٍ

یہ وقایہ مصدر ہے، معنی وقایت میں ہے۔ کسی شئ کو اس کی ضرر رساں وایذادہ چیز سے بچانا۔

﴿فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ﴾ (الدہر:۱۱)

''اللہ تعالیٰ نے ان کو اس دن کے شر سے بچایا۔''

﴿وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ﴾ (رعد:۳۴)

''ان کا بچانے والا اللہ کے سوا کوئی نہیں۔''

اللہ واقی ہے اور وہی ہم کو شر وعذاب سے بچانے والا ہے۔ (قاضی منصور پوری:۲۷۹)

ويعلم من ظواهر الآيات أن موضوعها شيء واحد وهو التخويف الدنيوي والاخروي في الأولى بان الكفار لهم العذاب في الدنيا، وعذاب الآخرة افزع واشد منها، فنفى وسايل النجاة بانهم لا حافظ لهم من جانب الله بان يحفظهم وينجوهم من عذابه تعالى.

واما الثانية: فقد ذكر فيه تصديق الكتاب (القرآن) بانه حق منزل من جانب الله فذكر تهديداً للمتكاسلين مناديا باسماء النبي ﷺ عليهم بانك لو اتبعت الهوى وتركت اتباع الحق فما لك من محب وناصر وحافظ من جانب الله يحفظك من عذابه.

واما الآية الثالثة ففيه التخويف الدنيوي بهلاك الامم المكذبة: بان الامم السابقة قد هلكوا بتكذيبهم فلا عزو من أن يهلك الله اهل مكة، وذكر في مزيد التهديد بانهم لم يكن احد من الحافظين والناصرين لهم.

واق تین آیتوں میں آیا ہے:

(۱) ﴿وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ﴾ (رعد:۳۴)

ایسے لوگوں کے لیے دنیا میں بھی عذاب ہے، مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل اور قید یا طرح طرح کی ذلتیں اور مصیبتیں، اور البتہ آخرت کا عذاب تو بہت ہی سخت ہے؛ کیونکہ وہ شدید بھی ہے اور دائم و مدید بھی ہے، اور ان کو اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

فهي إنه تعالى لما ذكر في الآية الرابع والثلاثين من سورة الرعد من تخويفهم من العذاب واشتداد عذاب الآخرة من الدنيا فأشار الى استيصال وسايل النجاة فذكر كلمة الواق ليدل أتم الدلالة على المراد بأنه لا مخلص لهم من العذاب، وإنما ذكر كلمة واق لأن الوقاية هو الحفظ من كل جانب، فذكر بانه ليس لهم حافظ

يحفظه من قليل العذاب فضلا عن كثيرة و كبيرة. (مرزا:۱۹۲)

(۲) ﴿مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ﴾ (رعد:۳۷)

اگر بفرض محال آپ نے اس علم الٰہی کے آجانے کے بعد ان کی خواہشوں کا اتباع کیا تو اللہ کے مقابلہ میں آپ کا کوئی مددگار اور عذاب الٰہی سے بچانے والا نہیں، مطلب یہ کہ اللہ کے احکام کو صاف صاف بیان کرو، کسی بات میں ان کی پیروی اور رعایت نہ کرو اور ان سے نہ ڈرو، ظاہر میں یہ خطاب اگر چہ آنحضرت ﷺ کو ہے مگر اصل مقصود اہل کتاب مشرکین اور منکرین کو سنانا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

وأما الآية الثانية فانه تعالى ذكر قبل نفى الوقاية ﴿ ولئن اتبعت أهوائهم ﴾ فاشار إلى ان اتباع اهواء المنكرين وترك الحق سبب لقطع القرب مع اللّٰه وهو السبب للحرمان من ولاية اللّٰه ووقايته، فلذا ذكر واق فى الفاصلة. (مرزا:۱۹۲)

(۳) ﴿وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ﴾ (مومن:۲۱)

کیا یہ لوگ اے ہمارے پیغمبر جو آپ کی تکذیب و انکار کر رہے ہیں؛ نہیں چلے پھرے ہیں زمین میں، اور کیا انہوں نے ملک در ملک سفر نہیں کیا کہ یہ دیکھ لیتے کیسا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے، ان کے کفر اور خدا کے پیغمبر سے عناد رکھنے کی وجہ سے، جو ان سے زیادہ مضبوط تھے طاقت اور زور کے لحاظ سے، اور ایسی نشانیوں کے لحاظ سے جو زمین میں چھوڑ گئے ہیں، جیسے ان کی عمارات اور محفوظ ترین قلعے اور پہاڑوں سے تراشے ہوئے مکانات، تو اللہ نے ان کو پکڑا ان کے گناہوں کی وجہ سے اور جب عذاب ان پر مسلط ہوا تو ان کو خدا کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہ ہوا۔ (معارف القرآن ادریسی)

ولما ذكر قبل وما لهم من اللّٰه من واق، فاخذهم اللّٰه بذنوبهم فأشار إلى جواب السؤال إذا كان اللّٰه اخذهم بذنوبهم فهل نفعهم شركاءهم وشفعائهم، لانهم كانوا يعتقدون فيهم بأنهم سينجوهم، وان عبادتهم سبب لنجاتهم وان شركاءهم ينفعونهم ويضرونهم، فبين ووضح بانهم لم يكن لهم من عذاب اللّٰه واقيا وحافظا لان شركاءهم عاجزون، وذكر كلمة واق لان الوقاية تدل على أشد الحفظ من أول وهلة كما هم محتاجون إليها. (مرزا:۱۹۳)

❀❀❀❀❀

الکبیر المتعال

یہ اسم قرآن مجید میں سورۂ رعد میں آیا ہے۔ ﴿الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ﴾ (الرعد:۹)

یہ اسم عَلَا يَعْلُو سے ہے اور اسم عَلِيٌّ يَعْلِي عَلَاءً سے ہے۔

عَلَا يَعْلُو کا استعمال امکنۃ واجسام کے متعلق کیا جاتا ہے اور متعال میں علو کا مبالغہ شامل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا اسم متعالی اس لیے ہے کہ وہ ہر ایک عالی سے برتر ہے، ہر ایک مدعی علا کو پست کرنے والا ہے، علوّ نے اسی کی بلندی سے رفعت پائی ہے، اور علوذاتی اسی مالک کے لیے ہے۔

﴿فَتَعَالَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ﴾ (طٰہٰ:۱۱۴)

''اللہ جو سچا بادشاہ ہے نہایت برتر ہے۔''

اسی کے لیے ہے۔

﴿وَأَنَّهُ تَعَالَى جَدُّ رَبِّنَا﴾ (الجن:۳)

''ہمارے رب کی شان نہایت برتر ہے۔''

ان کی شان میں ہے۔

مشرکین کے اوصاف شرکیہ سے اس کی شان برتر ہے اور واصفین کے اوصاف ناقصہ سے اس کی درگاہ عالی تر ہے۔

﴿تَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ (النحل:۳)

''اللہ بلند و برتر ہے اُس سے جو شرک کرتے ہیں۔''

﴿سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يَصِفُونَ﴾ (الانعام:۱۰۱)

''اللہ پاک و برتر ہے اس سے جو لوگ توصیف کرتے ہیں۔''

﴿سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يَقُولُونَ﴾ (بنی اسرائیل:۴۳)

''اللہ پاک و برتر ہے اس سے جو لوگ کہتے ہیں۔'' (قاضی منصور پوری:۶/۱۷۶-۱۷۷)

متعال ایک آیت میں آیا ہے:

(۱) ﴿عَلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ﴾ (رعد:۹)

وہ جاننے والا ہے چھپے اور کھلے کا، کوئی چیز اس کے علم سے غائب نہیں، وہ سب سے بڑا اور بلند ہے، ہر شئ اس کے مقابلہ میں حقیر اور صغیر ہے، اس تک کسی کے خیال اور قیاس کی بھی رسائی نہیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

کبیر سے مخلوق کی طرف وہم ہوسکتا تھا، تو المتعالی نے اس وہم کو دور کر دیا کہ انسانی عقول نہ اس کے ظاہر و کمیت کو جان سکتی ہے؛ نہ اس کے باطن و کیفیت کا ادراک کر سکتی ہے۔ آیت میں کبیر صفت کا ذکر بہت مناسب ہے، کیونکہ اس سے آسمان و زمین، پہاڑ، رات دن وغیرہ بڑی تخلیقات کا ذکر کر کے اس کی کبریائی بیان کی گئی؛ لیکن انسانی طبائع اس کو نعوذ باللہ جسم والا نہ سمجھے، اس لئے متعال کی معنویت و باطنیت کو ذکر کر کے اس وہم کو دور کر دیا۔

واما الحكمة المعنوية فهي انه تعالى لما ذكر قبل ذلك في الآيات السابقة من اثبات العلم الكامل له تعالى، وخاصة علمه بما في الأرحام، وذكر بانه تعالى عنده كل شيء بقدر وبمقدار معلوم. فلذا ذكر في الآية التي نحن بصددها كونه تعالى عالما بالغيب والشهادة، فرمز في النهاية إلى كمال علوه تعالى عن صفات الخلق، وذلك لانه ذكر قبل المتعال الكبير، والكبير يدل على العظمة الظاهرة. فلدفع شبهة كونه تعالى مثل الاجسام في الكبير والعظمة وذلك لانه كبير فأشار إلى جوابها لانه كبير ولكنه ليس مثل الخلق إذهو تعالى متعال عن صفات الخلق لأنه عال كل العلو عنها. (مرزا:۱۹۴)

وال

وال عزوجل، الوالی عزوجل، الولی عزوجل: یہ تینوں اسماء اللہ ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں، یعنی مددگار، دوست، کارساز، کام بنانے والا۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی اچھی حالت کو بری حالت سے نہیں بدلتا جب تک وہ اپنی اچھی حالت کو نہیں بدلتی اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر مصیبت ڈالنا چاہتا ہے تو پھر اس کے ہٹنے کی کوئی صورت نہیں اور کوئی اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا مددگار نہیں رہتا۔

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ ۗ وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ سُوءًا فَلَا مَرَدَّ لَهُ ۚ وَمَا لَهُم مِّن دُونِهِ مِن وَالٍ﴾ (رعد:۱۱)

یہ اسم قرآن کریم میں صرف ایک بار مندرجہ بالا آیت میں وارد ہوا ہے اور طبرانی کی حدیث میں بھی شامل ہے۔

وال ایک آیت میں آیا ہے:

(۱) ﴿وَمَا لَهُم مِّن دُونِهِ مِن وَالٍ﴾ (رعد:۱۱)

جب اللہ تعالیٰ ارادہ کرے کسی قوم کے ساتھ برائی کا، یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی قوم سے بوجہ بدنیتی اور بداعمالی

اپنی نعمت چھین کران کی ذلت وخواری کا ارادہ فرمائیں، تو پھر وہ برائی اور بلا کسی کے ٹالے نہیں ٹلتی، اور ایسے وقت میں سوائے خدا کے کوئی مددگار نہیں ہوتا جو بلا کو دفع کرسکے؛ حتیٰ کہ وہ فرشتے جو ان کی حفاظت کے لیے مقرر ہیں وہ بھی تھوڑی دیر کے لیے علیحدہ ہوجاتے ہیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

وکذلك من الحكمة المعنوية فيها...... بانه تعالى لما ذكر قبل وال قوله: ﴿فلامرد له﴾ فذكر لامرد؛ يشير إلى أنه لا منصرف غيره فناسب أن يذكر كلمة تدل على نفي الولاية والتصرف والملكية عن غيره، ولم يكن الا كلمة وال فلذا ذكر، وفيه ثمرة لما قبله وعلة ودليل على الجمل السابقة بأنه انما لا يرد أمره ولا مخلص ولا منجأ للمبتلى بها منه لان لا والى غيره يولى أمره ويتصرف فيه وينجيه من عذابه تعالى. (التحرير والتنوير: ۱۰۲/۱۳)

❁❁❁❁❁

الوکیلُ

وَکُل سے ہے وَکَلَتِ الدَّابَّةُ جانور تھک کر چلنے سے رہ گیا۔

وَکِیل وہ انسان جو اپنا کام خود سرانجام دینے سے عاجز ہو۔

وَکَالَتْ اپنا کام دوسرے کے سپرد کرنا۔

وکِیل بروزن فَعِیل ہے، اس وزن کے الفاظ بمعنی مفعول بھی آتے ہیں اور بمعنی فاعل بھی۔

جب انسان کسی دوسرے پر اعتماد ووثوق کرتا ہے، تب اسے وکیل کہتے ہیں، یعنی مَوْکُولُ اللّٰہ۔

اللہ تعالیٰ کا نام بمعنی فاعل ہے، جس سے مراد حافظ ونگہبان ہے۔

﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ (آل عمران: ۱۷۳) میں یہی معنی ملحوظ ہیں۔

اللہ تعالیٰ وکیل ہے کہ جملہ امور میں درستی واصلاح اسی سے ملتی ہے، نظامِ عالم کا اعتماد اسی کی ذاتِ مقدس پر ہے، عاجز نوازی، بندہ پروری اسی کی شان ہے۔

موجودات کے جملہ امور کا سرانجام اسی کے قبضہ میں ہے، زمامِ اختیار اُسی کے ہاتھ میں ہے، رب العزت کے کلام کو سنو، اپنے نبی سے وکالت کی نفی فرماتا ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا﴾ (بنی اسرائیل: ۵۴)

''ہم نے تجھے ان پر داروغہ نہیں بھیجا۔''

ارشاد فرماتا ہے اور پھر اپنی ذات کے لیے اس وکالت کا اثبات فرماتا ہے۔

﴿وَ كَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيلًا﴾(بنی اسرائیل:۶۵)

''اور کافی ہے پروردگار تیرا کارساز۔''(قاضی منصور پوری:۱۴۳-۱۴۴)

صفت وکیل ۱۳ مقامات پر مختلف ترکیبات کے ساتھ آئی ہے، امام عسکری لکھتے ہیں: الوکیل: القائم بتدبیر خلقه، لانه مالك لهم، وقيل الوكيل فعيل بعنى مفعول، اى موكول اليه الامور.

(الفروق اللغوية:۲۳۳، البحر المحيط:۳/۴۳۸)

قاضی بیضاوی: وکفی بالله وکیلا (النساء:۸۱) کی تفسیر میں فرماتے ہیں: يكفيك مضرتهم وينتقم لك منهم. (تفسير بيضاوي: ۱/۲۲۴)

اللہ تعالیٰ کافی ہے یہ معنیٰ (اسراء:۶۵، الاحزاب:۴۷، الزمر:۶۲) میں مراد ہے، اسی طرح نعم الوكيل (آل عمران:۱۷۳) میں صحابہ کرام نے دشمنوں کی دھمکی پر اپنے آپ کو اللہ پاک کی کفالت میں سونپ دیا تھا، ای نعم الوكيل الذى يتكفل بامرنا. (جامع البیان:۳/۲۱۷)

وکیل ۱۳ آیتوں میں (۱۶) اسلوب سے مذکور ہے:

* تین آیتوں میں عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ کے اسلوب کے ساتھ

(۱)﴿وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ﴾(انعام:۱۰۲)

اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی ہر شئ کا پیدا کرنے والا ہے، پس اسی کی بندگی کرو اور وہی ہر چیز کا کارساز، محافظ اور نگہبان ہے، مطلب یہ ہے کہ خدا وہ ہے جو کہ بے نظیر اور بے مثال ہو، کوئی اس کا ہم جنس نہ ہو اور وہ ہر چیز کا خالق، محافظ، نگہبان اور کارساز ہو، اور اس کی تخلیق وتکوین اور اس کا علم تمام ممکنات کو محیط ہو، اور جس میں یہ صفت نہ ہو وہ لائق عبادت نہیں۔(معارف القرآن ادریسی)

فالحكمة فى جعل الوكيل فاصلة فى الآية الاولى هى انه تعالى لما ذكر قبل وهو على كل شيء وكيل فى الآية الاولى وذكر قبل الوكيل قوله: الله خالق كل شيء انما خلق كل شيء لانه حفيظ ووكيل على الأشياء باسرها فذكر بطريق الدليل على ماسبق. (مرزا:۱۹۶)

(۲)﴿وَاللهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ﴾(ہود:۱۲)

اور اللہ ہی ہر چیز پر نگہبان ہے، وہ بغیر خزانہ اور بغیر فرشتہ ہی کے آپ کے دین کو بلند کرے گا یا یہ معنی ہے کہ اللہ کارساز ہے، وہی ہر کام بنانے والا ہے، آپ اپنا کام اس کے سپرد کر دیجئے، جو شخص اپنا کام اللہ پر چھوڑ دیتا ہے، اللہ اس کا

کام بنا تا ہے اور جو اپنے آپ کو خدا کے سپرد کردے اس کی حفاظت کرتا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

فالحكمة في جعل الوكيل فاصلة هي: انه تعالى ذكر الدعوى من ترك العمل ببعض ما يوحى إليه وضيق صدره ﷺ بها وذلك قولهم واعتراضهم لم لم ينزل عليه الكنز و لم لم يجيء معه الملك من السماء ليعضده وليؤيده ويصدقه. فذكر في جواب الاعتراض المذكور بأنك نذير وليس عليك الأشياء المطلوبة التي يطلبونها، فذكر وقال قبل الوكيل قوله (إنما انت نذير) فحصر كونه ﷺ في الانذار والابلاغ فقط فبين هذا الانذار بقوله: ﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ﴾ تتميما وعلة وبيانا له. (مرز ا:۱۹۷)

(۳) ﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ﴾ (زمر:۶۲)

بے شک اللہ ہی خالق ہے ہر چیز کا اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہے، اسی کے قبضہ میں ہیں آسمان وزمین کی کنجیاں، اس لیے جس کے واسطے وہ چاہے دنیا میں ہدایت ورحمت کے اور آخرت میں نجات ومغفرت کے دروازے کھول دے اور جس کے واسطے چاہے بند کردے، اس کے کھولے ہوئے دَر کو کوئی بند نہیں کرسکتا اور جو دروازہ بند کردے اس کو کوئی کھول نہیں سکتا۔ (معارف القرآن ادریسی)

وذكر قبل الوكيل قوله ﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ فالخلق يدل على القدرة لأن القدرة هو العلة للخلق فكونه قادرا على خلق الأشياء كلها يقتضي التصرف في الأشياء بحيث يذكر كلمة تدل على كماله. (مرز ا:۱۹۷)

* وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا اور وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا پانچ آیات میں آیا ہے:

(۱) ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا﴾ (نساء:۸۱)

اور منافقین کی حالت یہ ہے کہ بظاہر نبی اکرم ﷺ کی اطاعت کا دم بھرتے ہیں اور آپ کے سامنے یہ کہتے ہیں: ہمارا شیوہ تو آپ کی فرمانبرداری ہے، زبان سے تو اظہار فرمابرداری کرتے ہیں، پھر جب آپ کی مجلس سے اٹھ کر باہر جاتے ہیں تو ان میں کے کچھ لوگ- یعنی ان کے سردار- رات کے وقت آپ کے فرمودہ اور حکم کے برخلاف مشورے کرتے ہیں، اور ان کو یہ معلوم نہیں کہ یہ جو کچھ مشورے کرتے ہیں؛ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے نامہائے اعمال میں لکھتا ہے اور پھر بذریعہ وحی اپنے نبی کو ان کے پوشیدہ مشوروں سے مطلع کرتا ہے، اور منافقین یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے پوشیدہ مشوروں کی کسی کو کیا خبر ہوسکتی ہے، پس اے نبی کریم ﷺ! ہم نے آپ پر ان کا نفاق ظاہر کردیا ہے؛ لہٰذا آپ ان سے تغافل برتیئے، نہ ان کو سزا دیں، نہ ان کی فکر میں پڑیں اور اللہ پر بھروسہ رکھئے اور خدا تعالیٰ پورا کارساز ہے، خدا تعالیٰ آپ کو ان کے شر سے محفوظ رکھے گا، یہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ (معارف القرآن ادریسی)

قد ذکر قبل ﴿وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا﴾ قوله ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾ الذی امر فیه بالتوکل علی اللّٰه. فبین بالجملة التالية علة لهذا الامر، وهذا انما تأتی إذا جعل الفاصلة بكمة وكيل. (مرزا:۱۹۸)

(۲) ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا﴾ (نساء:۱۷۱)

اور اللہ کافی کارساز ہے، اسے اپنی کارسازی میں اولاد کی امداد کی حاجت نہیں، پس وہ جب اپنی تدبیر اور کارسازی میں اکیلا کافی ہے، تو دوسرے اور تیسرے معبود (حضرت عیسیٰ یا فرشتوں کو) ماننے کی کیا ضرورت؟ اور بے ضرورت اور فالتو چیز کو معبود بنانا اور خدائی میں اس کو شریک ٹھہرانا بے عقلی نہیں تو اور کیا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

فله الوكالة والتفويض والقدرة على نفاذ امره فلذلك جعل صفة الوكيل فی الفاصلة، إذ فيه مزيد اظهار قدرته وقوته حيث ذكر الوكيل بصيغة الفعيل الدال على المبالغة بأنه وكيل وأهل لأن ينتظم الأمور وينفذ اوامره واحكامه فی السموات والأرض ومافيهما نظما وضبطا. (مرزا:۱۹۹)

(۳) ﴿اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا﴾ (اسراء:۶۵)

تحقیق میرے خالص بندوں پر جن کو مجھ سے خالص تعلق ہے کہ تیرا کوئی زور نہیں، وہ بندے انبیاء اور اولیاء ہیں، شیطان کو ان کے اغواء پر قدرت نہیں، ان پر شیطان کا قابو نہیں چلتا، اور اے نبی ﷺ تیرا پروردگار اپنے خاص بندوں کو کافی کارساز ہے، وہ اپنے خاص بندوں کو شیطان کے شر سے محفوظ رکھتا ہے، شیطان کا فتنہ بہت سخت ہے اور انسان ضعیف اور ناتواں ہے، بدون اللہ کی عصمت اور حفاظت کے معصیت سے نہیں بچ سکتا اور بدون اللہ کی اعانت اور قوت کے طاعت نہیں کرسکتا، ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم اور خاتمہ پر یہ فرمایا وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ جو بندہ خدا پر توکل اور بھروسہ کرے شیطان اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ (معارف القرآن ادریسی)

وذكر قبل الوكيل قوله ﴿اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ﴾ بأنه تعالى نفى عن ابليس التسلط والغلبة والتصرف عليهم. فالتسلط ضده عدم التسلط فناسب ان يذكر كلمة الوكيل فلذا ذكر هذه الصفة فی الفاصلة بأسلوب الجملة الفعلية الدالة على التجدد بان وكالته لهم كل وقت، وذكر قبل الوكيل ربك بان ربك كاف وكالته لهم. وهذه الجملة تكملة لتوبيخ الشيطان فيكون كاف الخطاب ضميرا راجعا للشيطان تسجيلا عليه بانه عبد اللّٰه. (التحرير والتنوير:۱۵/ ۱۵۷)

(۴) ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا﴾ (احزاب:۳)

اللہ پر بھروسہ رکھو اور اللہ ہی کافی کارساز ہے، اسی کے کہنے پر چلو اور اسی پر بھروسہ رکھو، وہ تمہارے سب کام بنا

دے گا، دشمنان دین سے ہراساں ہونے کی ضرورت نہیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

لما أمر النبي ﷺ بالتوكل على الله تعالى فرمزا الى علة ذلك قال﴿وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا﴾ وكيلا تميز نسبة أى كفى الله وكيلا أى وكالة. (التحرير والتنوير: ۲۵۲/۲۱)

(۵)﴿وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا﴾(احزاب:۴۸)

اور اے نبی! آپ مکہ کے کافروں اور مدینہ کے منافقوں کی بات نہ ماننا، یہ لوگ اندھے ہیں اور تاریکی میں غرق ہیں، اور ان کافروں اور منافقوں کی ایذاء کو چھوڑ دیجئے یعنی اس کی پروانہ کیجئے اور اللہ پر بھروسہ رکھئے اور اللہ کافی کارساز ہے، ان کافروں اور منافقوں کی طعن وتشنیع کی طرف التفات نہ کیجئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ کارساز ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

وأمر بالتوكل بقوله﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾ فأمر على تفويض الامر اليه تعالى، وذا يقتضي كلمة تدل على تصرفه تعالى واتصافه بالمتصرف والموكل اليه بكل الناس اليه أمورهم، فلم يكن الا كلمة الوكيل فلذا ذكره في النهاية ليدل دلالة كاملة على المراد، وكان قبله داعيا إلى الله كالتذييل للصفات ناسب ان يقابله ماهو تذييل للمطالب وهو قوله﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا﴾. (التحرير والتنوير: ۵۹/۲۲)

* جملہ انشائیہ کے اسلوب کے ساتھ ایک آیت میں:

(۱)﴿وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ (آل عمران: ۱۷۳)

اور یہی صحابہ کرام محسنین اور متقین ایسے مخلصین ہیں کہ جب ان سے قبیلہ عبدالقیس کے لوگوں نے آ کر یہ کہا کہ تحقیق مکہ کے لوگوں نے تمہارے مقابلہ کے لیے لڑائی کا بڑا سامان جمع کیا ہے، پس تم ان سے ڈرتے رہنا اور اندیشہ اور خطرہ کو پیش نظر رکھنا، بے دھڑک ان کے مقابلہ کے لیے نہ نکل کھڑے ہونا، پس یہ بات ان کے ایمان میں اور زیادتی کا سبب بن گئی، یعنی مشرکین کے خوف دلانے سے مسلمان سست نہ پڑے اور نہ ان کی بات کی طرف التفات کیا؛ بلکہ جوش ایمانی میں اور اضافہ ہو گیا اور سمجھے کہ خدا کی راہ میں جس قدر بھی جانبازی اور سرفروشی دکھلائیں گے اسی قدر مدارج قرب سے بہرہ ور ہوں گے، اور جوش میں آ کر یہ بولے کہ بس کافی ہے ہم کو اللہ، اور بہترین کارساز ہے، جو اپنے آپ کو خدا کے حوالے اور سپرد کر دے دشمن اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ (معارف القرآن ادریسی)

وانما ذكر هذه الكلمة لتكون تفصيلا ودليلا لما قبلها من الجملة، وتكون كالعلة لها، لان هذه الجملة تكميل لقوله فزادهم ايمانا، وكان من ثمرة زيادة الايمان قولهم هذا، وانما لم يبالوا بقولهم لأنهم اعتقدوا على كفاية الله ووكالته. (مرزا: ۲۰۲)

* عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ کے اسلوب پر دو آیتوں میں آیا ہے:

(۱) ﴿فَلَمَّآ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ﴾ (یوسف:۶۶)

یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: خیر مجھے ایسی حالت میں بھیجنے سے انکار تو نہیں مگر میں اس کو اس وقت تک تمہارے ساتھ ہرگز نہ بھیجوں گا جب تک تم مجھے خدا کی قسم کھا کر یہ عہد اور پیمان نہ دو کہ تم ضرور اس کو میرے پاس واپس لاؤ گے، ہاں اگر تم کہیں گھر جاؤ اور اس کی حفاظت سے مجبور ہو جاؤ تو اس وقت تم معذور ہوں گے، چنانچہ سب نے اس پر قسم کھائی، پھر انہوں نے یعقوب علیہ السلام کو اپنا عہد اور پیمان دے دیا، تو یعقوب علیہ السلام نے کہا: جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں اللہ اس پر نگہبان ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

ولما كان يعقوب عليه السلام خائفا منهم الغدر بالعهد، لأنه رأى منهم ما رأى، فناسب أن يتأتى بكلمة تدل على حفظ الذمام ولم يكن الا لفظ الوكيل لأنه الدال على تفويض الامر وحفظها، فلذا اتى به فى الفاصلة ،وهذا تذكير لهم بان الله رقيب على ما وقع بينهم وتوكيد للحليف. (التحرير والتنوير: ۲۰/۱۲)

(۲) ﴿وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ﴾ (قصص:۲۸)

جب بیٹی نے باپ سے موسیٰ علیہ السلام کی قوت اور امانت کی تعریف کی تو شعیب علیہ السلام نے یہ خیال فرمایا کہ یہ نوجوان میری لڑکی کی نظر میں پسندیدہ ہے، پس اگر میں اپنی بیٹی کا اس سے نکاح کر دوں تو یہ اس پر راضی ہوگی، اس لیے بیٹی کی بات کا تو جواب نہ دیا اور موسیٰؑ کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے کہ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ میں ان دو لڑکیوں میں سے ایک لڑکی تیرے نکاح میں دینا چاہتا ہوں بشرطیکہ آٹھ سال تو میری نوکری کرے، موسیٰ علیہ السلام نے اس معاملہ کو منظور کر لیا اور کہا کہ میرے اور تیرے درمیان یہ عہد قرار پا گیا اور بات پکی ہوگئی، ان دونوں مدتوں میں سے جس مدت کو بھی میں پورا کر دوں تو مجھ پر کوئی جبر اور زیادتی نہ ہوگی، اور جو ہم کہہ رہے ہیں اس پر اللہ گواہ ہے اور کارساز ہے، اللہ کو حاضر ناظر سمجھ کر عہد کو پورا کرنا اور اسی پر بھروسہ رکھنا چاہئے، وہی سب کا کارساز ہے، اللہ کی شہادت اور اس کے توکل پر معاملہ ختم کیا، احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ موسیٰؑ نے دس برس کی مدت پوری کی۔ (معارف القرآن ادریسی)

ولما كان كلمة عدم العدوان عليه يشعر ويوهم بأن موسى عليه السلام يكون مجبورا فى العشرة ولم يكن أحد من الناس غيرهم شاهدا على هذه المعاملة والموافقة فيما بينهما بالاجل فناسب ان يذكر كلمة تدل على توكيل الامر إلى عظيم ولم يكن الا الله فلذا اتى بالوكيل فى الفاصلة ليدل دلالة تامة على المراد وهو ايفاء العهد والرحمة فيما بينهم. (التحرير والتنوير: ۱۱۰/۲)

* صیغہ امر سے ایک آیت میں آیا ہے:

(۱)﴿رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا﴾ (مزمل:۹)

دنیا اور علائق دنیا سے منقطع ہوجانے سے انسان کو ذرہ برابر بھی یہ تصور نہ کرنا چاہئے کہ میں اس مادی دنیا میں پھر اپنی زندگی کیوں کر بسر کروں گا، وہ تو مشرق ومغرب اور کائنات کے ہر ہر گوشہ کا رب ہے، جس کے سوا کوئی معبود نہیں، بس اسی کو اپنا کارساز بنالیجئے جو ہر مخلوق کو عالم میں پالتا ہے، یقیناً وہ اپنے اس بندے کے سارے کام بھی سنوار دے گا، بالخصوص جو بندہ دنیا سے کٹ کر اپنے رب کی طرف رخ کر چکا ہے، دنیا اور اہل دنیا سے منہ موڑ کر اللہ رب العزت کی طرف رجوع کرنا نفس کے لیے بڑا ہی دشوار کام ہے اور اس میں بڑی رکاوٹیں اور تکلیفیں پیش آتی ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

إنه تعالى لما امر للنبي ﷺ بذكر اسم ربه وبالعجز له تعالى، وبين في الآية التي نحن بصددها مالكيته للمشرق والمغرب ونفى الالوهية عن غيره وحصره في نفسه، فكان كلمة لا اله الا هو في قوة النهي عن اتخاذ الوكيل غيره اذليس غيره باهل لاتخاذه وكيلا لان المخلوق عاجز عن وكالة انفسهم فكيف يكونون وكلاء لغيرهم. (التحرير والتنوير:۲۹/۲۶۷)

* نہی کا اسلوب ایک آیت میں:

(۱)﴿وَآتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِبَنِي إِسْرَائِيلَ أَلَّا تَتَّخِذُوا مِنْ دُونِي وَكِيلًا﴾(اسراء:۲)

اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب تورات عطا کی اور ہم نے اس کتاب کو بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنایا اور ان کو حکم دیا کہ میرے سوا کسی کو اپنا کارساز نہ بناؤ کہ اپنے امور کو اس کے حوالہ اور سپرد کردو؛ بلکہ اللہ کے سپرد کرد؛ کیونکہ غیر اللہ کو اپنا وکیل بنانا ایک قسم کا کفر اور کفران نعمت ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

وانما كان المقصود من ايتاء الكتاب لئلا يتخذوا من دونه وكيلا ، وكان هذا هو الغرض والغاية من اعطاء الكتاب، والمراد من الوكيل ههنا الرب، ولما كان كلمة الوكيل جامعة وشاملة لمعنى المالك (الرب) والحافظ والشاهد. فناسب ان يذكر ههنا ليتم المراد والمقصود وهو عدم اتخاذ الشريك معه تعالى.

(التحرير والتنوير:۱۵/۲۵)

الاکرم

کرم: وہ شرف اور بزرگی ہے جو کسی شے کو اپنی جنس میں حاصل ہو سکتی ہے۔

اَکْرَمُ کے معنی رب العالمین کی ذات میں وہ علو اور عظمت ہے جو اسی کی شان کے شایان ہے۔

اللہ تعالیٰ اکرم ہے اور تمام عالم اسی کے جود و کرم کا بزلہ خوار ہے، ہر ایک شے کو شرف و نجات اسی کی بارگاہ سے عطا ہوئی ہے، اسی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شرف جاہ و کرم نفس سے ممتاز فرمایا ہے، اسی کے جود و نوال سے انسان کو صورتِ زیبا سیرت رضیہ حاصل ہوئی ہے، اسی کا غنا و کرم سب کو ناز و نعم عطا فرماتا ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ ہی کا کرم تھا، جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام دنیا میں مکرم و معظم ہونے کا منصب عطا فرمایا۔

یہ اللہ تعالیٰ ہی کا کرم ہے جس نے ہم لوگوں کے لیے کتاب کریم نازل فرمائی ہے۔

(قاضی منصور پوری: ۲۰۸-۲۰۹)

اکرم ایک آیت میں ہے:

﴿اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ﴾ (علق: ۳)

پڑھیے اور اگر یہ تصور و خیال ہو کہ ایسی عظیم صفت اور خوبی کس طرح دے دی جائے گی، تو فرمایا گیا: اور آپ کا رب تو بڑا ہی کرم والا ہے، اس لیے یہ گرانقدر فضل و انعام اس رب کریم کی طرف سے حاصل ہونے میں کوئی تعجب اور تامل نہ ہونا چاہئے اور نہ ہی یہ سوچنے کی گنجائش ہے کہ اتنا عظیم اور بھاری کام کس طرح انجام دیا جائے گا، تو وہ رب کریم اپنی غیبی مدد سے اس کو آسان کر دے گا۔ (معارف القرآن ادریسی)

وذكر قبل الاكرم قوله اقرأ بان القراءة سبب لكرمه تعالى ونعمه وخاصة قراءة القرآن فذكر كلمة تدل على الكرم لتكون ازيد في الاهتمام والترغيب في قرائته خاصة.

وانما ذكر الاكرم دون غيره من الصفات، لان فيه رمز إلى انه العظيم الكريم الذي لا يساويه ولا يدانيه كريم، وذكر الخلق والعلق لرعاية الفواصل، وذكر الاكرم بعد القراءة اشارة إلى ان هذه القراءة من شئون الرب اختص بها عبده اتماما لنعمة الربوبية عليه، وليجري على وصف الرب ووصف الاكرم، ووصف الاكرم مصوغ للدلالة على قوة الاتصاف بالكرم، وليس مصوغا للمفاضلة اذ هو مسلوب المفاضلة. (روح المعاني: ۳۰/۲۰۸، التحرير والتنوير: ۳۰/۴۳۹-۴۴۰)

ذوالجلال والاکرام

جو ہر بھلائی اور شرف کمال کا مستحق ہے، ہر عزت اور سخاوت بھی اس سے ملنے والی ہے، اگر کوئی مخلوق کسی کو عزت دے یا اس کے ساتھ سخاوت کرے تو وہ بھی اس کے حکم سے ہے، اس کی سخاوت اپنی مخلوق پر بے انتہا ہے۔ (الغزالی) یہ اس کی شان ہے کہ اس کی بڑائی اور بادشاہی کے سامنے اس کی ہیبت سے (خوفزدہ ہوکر) رہا جائے اور اس کی شان کے مطابق اس کی تعظیم کی جائے، وہ اپنی مخلوق کے لئے ایسا رب ہے جس کی تعظیم وتکریم کرنا مخلوق پر واجب ہے اور یہ حق کسی اور کا نہیں ہے؛ کیونکہ وہ وحدہ لاشریک لہ ہے۔ (بیہقی)

ذُوالْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ دو آیتوں میں آیا ہے:

(۱)﴿وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ﴾ (رحمٰن:۲۷)

قیامت کے ہولناک احوال میں منکرین ومکذبین کا کیسا عبرتناک حال ہوگا، ارشاد فرمایا: جو بھی کوئی زمین پر ہے فنا ہونے والا ہے، جن وانس ہوں یا شجر وحجر ہوں، ہر چیز پر یقیناً فنا طاری ہوکر رہے گی، اور اے مخاطب! بس باقی رہے گی ذات تیرے پروردگار کی جو بزرگی اور عظمت والا ہے، ہر چیز کے فنا کے بعد۔ (معارف القرآن ادریسی)

وکما ان فی ھذین الصفتین اشارۃ إلی کل صفۃ من باب النفی کقولنا اللّٰہ لبس بجسم ولا جوھر ولا عرض، ولھذا ان اللّٰہ تعالی جل من ان یکون محتاجا وجل من ان یکون عاجزا، والتحقیق ان الجلال بمعنی العظمۃ غیر ان العظمۃ اصلھا فی القوۃ والجلال فی الفعل فھو عظیم لا یسعہ عقل ضعیف. (الکبیر: ۲۹/۱۰۷)

وانما قدم صفۃ ذی الجلال علی الاکرم، لان الجلال من صفات النفی، والاکرام من الاثبات، فالاول للتخلیۃ والثانی للتحلیۃ، والتخلیۃ والتنزیہ والتقدیس قبل التحلیۃ واثبات صفات الکمال. وفی ھذین الوصفین من الترغیب الی الآخرۃ بان لا ینسوا الاستعداد للحیاۃ الباقیۃ بفعل الصالحات، وان یتفکروا فی عظمۃ قدرتہ تعالی ویقبلوا علی توحیدہ وطلب مرضاتہ، وانما عقب ذلک بعد اعداء النعم للاشارۃ إلی ان نعم الدنیا مصیرا الی الفناء. (التحریر والتنویر: ۲۸/۲۵۳-۲۵۴)

(۲)﴿تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ﴾ (رحمٰن:۷۸)

اے مخاطب ان تمام تفصیلات کو سننے کے بعد بس سمجھ لے کہ بڑی ہی برکت والا ہے تیرے رب کا نام، جو بڑی ہی عظمت اور بزرگی والا ہے، یہ سب قدرت کی نشانیاں، جنت وجہنم، اور ان کے احوال، اہل جہنم پر عذاب وسزائیں اور اہل جنت پر انعام وکرم خداوند ذوالجلال کی عزت وکبریائی کی ایسی دلیل ہے کہ نہ اس میں کوئی شبہ کرسکتا ہے اور نہ کسی کو

انکار کی مجال ہوسکتی ہے، یہ اسی کا کرم ہے، وہ اپنے وفادار بندوں پر احسان وانعام فرماتا ہے اور اسی کی یہ شان کبریائی ہے کہ مجرمین سے انتقام لیتا ہے، اور یہ بھی واضح ہے کہ ہر خوبی اور نعمت کا سرچشمہ اللہ رب العزت کی ذات ہے اور یہ ساری نعمتیں اہل ایمان کو اس کا نام لینے اور اس کا کلمہ پڑھنے کی بدولت ہیں؛ اس لیے جیسے اس کی ذات بالا وبرتر اور بابرکت ہے؛ معلوم ہوا کہ اس کا نام بھی بہت بڑا ہے جس کے لینے سے یہ سب کچھ حاصل ہوتا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

وانما وصف هنا الوجه وههنا الرب، لتوهم ان الرب إذا بقي ربا فله في ذلك الرمان مربوب ولا مربوب فلذا ذكر هنا الوجه وههنا الرب. (الرازی الکبیر: ۱۳۸/۲۹)

وفي ختام السورة التي استعرضت آلاء الله في الكون وآلائه في الخلق وآلائه في الآخرة يجيء الايقاع الاخيرة تسبيحا باسم الجليل الكريم الذي يغني عن كل حي ويبقى وجهه الكريم ﴿تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ﴾ انسب ختام لسورة الرحمن لانه قد بدأ بالنعم فناسب أن ينتهي بالنعم وكونه مباركا في الأشياء كلها. (ظلال القرآن: ۳۴۵۸/۶)

عزیز ذوانتقام

یہ صفات چار آیات میں آئی ہے، عزیز انتقام کے ساتھ نہیں بلکہ ذوانتقام کے ساتھ مل کر آئی ہے۔ لفظ ذو سے اشارہ ہے کہ وہ صاحب انتقام ہے، وہ اپنے اختیار و ارادہ سے بندوں کی مصالح کے پیش نظر انتقام لینے پر قادر ہے، وہ ہماری طرح طبعی یا انفعالی طور پر انتقام نہیں لیتا ہے۔

ذوانتقام میں انتقام کے مقابلہ میں مبالغہ وزیادتی پائی جاتی ہے؛ کیونکہ انتقم باب انفعال سے ہے جو تأثر کو قبول کرتا ہے، اس میں مبالغہ کا صیغہ نہیں پایا جاتا ہے، جبکہ ذوانتقام میں مبالغہ پایا جاتا ہے، گویا وہ انتقام لینے پر مکمل قادر ہے۔

یہ دونوں صفات اکثر کفار یا ظالمین یا بڑے گناہ گاروں کے بیان کے موقع پر آئے ہیں، لہٰذا ان دونوں صفات پر آیت کا ختم ہونا انتہائی دقیق اور نظم قرآنی کے مضبوط ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ (آل عمران: ۴، مائدہ: ۹۵، ابراہیم: ۴۷، الزمر: ۳۷) پہلی آیت میں **الذین کفروا**، دوسری آیت میں **متعمدا** اور **ومن عاد فینتقم اللہ منہ** اور تیسری آیت میں **الظالمون** کی صراحت اس کی وضاحت کرتی ہے اور چوتھی آیت میں انشاء کا اسلوب بطور استفہام تقریر و تاکید کے طور پر آیا ہے۔

وكيف يخوفونك بالذين من دونه، والله ذو انتقام، قد انتقم من أعدائه، فأهلكهم. "والاستفهام تقريري

لأن العلم بعزة الله متقرر في النفوس لاعتراف الكل بألوهيته، والإلهية تقتضي العزة، ولأن العلم بأنه منتقم متقرر من مشاهد آثار أخذه لبعض الأمم مثل عاد وثمود". (التحریر التنویر: ۱۲/۳۴۷)

ذُو انْتِقَامٍ ۴ آیتوں میں آیا ہے:

(۱) ﴿وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ﴾ (آل عمران: ۴)

تحقیق جن لوگوں نے خدا تعالیٰ کی نشانیوں کا انکار کیا اور خوارق عادات کو دیکھ کر خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور انبیاء کرام کی نبوت کے قائل نہ ہوئے، یعنی ان کو خدا کا برگزیدہ اور پسندیدہ بندہ اور فرستادۂ خداوندی نہ مانا ان کے لیے نہایت سخت عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ عزت والا، زبردست اور صاحب انتقام ہے، جو شخص اس کے مقابلہ کے لیے سر اٹھاتا ہے، اس کو خوب سمجھ لینا چاہئے کہ وہ اس عزیز مقتدر کے پنجۂ قدرت سے نکل نہیں سکتا اور نہ اس عزیز منتقم کے انتقام سے بچ کر بھاگ سکتا ہے، اس جملہ میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ابطال الوہیت کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے، وہ یہ کہ نصاریٰ کے نزدیک حضرت مسیح صلیب پر لٹکائے گئے اور ایلی ایلی کہتے جان دے دی اور اپنے آپ کو دشمنوں کے پنجۂ ظلم سے نہ چھڑا سکے اور نہ ان سے کوئی انتقام لے سکے، پس ایک عاجز و مظلوم اور مغلوب کو۔جس پر اس کے دشمن غالب آگئے ہوں۔ خدا کہنا یا خداوند قادر مطلق کا بیٹا کہنا کیا کھلی ہوئی نادانی نہیں، عقلاء عالم کے نزدیک خدائی اور ذلت کا جمع ہونا ناممکن اور محال ہے، خدا کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ عزیز مقتدر ہو، البتہ نصاریٰ کے نزدیک خدا کا دشمنوں کے ہاتھ سے ذلیل ہونا ممکن ہے۔

(معارف القرآن ادریسی)

انه تعالى ذكر قبل ذوانتقام ﴿لهم عذاب شديد﴾ فعطف عليها قوله ﴿وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ﴾ فيكون تكملة له وعلة لكونهم معذبين بالعذاب الشديد، وذلك لأنهم لما كفروا كفرا لا يليق بهم، لأنهم عرفوا النبي ﷺ واعترفوا بصدقه، وان القرآن له اثر على القلوب فكان انكارهم لاجل المكابرة والعناد، ولهذا اقر لهم العذاب الشديد، ولا مفر من عذابه ولا مخلص منه، لأنه عزيز فلا يمنعه مانع من تعذيب المكابرين والمنكرين باشد العذاب، اذهو ذو النتقام (منتقم). والانتقام هو العقاب على الاعتداء بغضب، ولذلك قيل للكاره ناقم. وجئ في هذا الوصف بكلمة (ذو) للدلالة على الملك للاشارة إلى انه انتقام عن اختيار لإقامة مصالح العباد، وليس هو تعالى مندفعا للانتقام بدافع الطبع والحمق. (العياذ بالله) (التحرير والتنوير: ۳/۱۵۱)

(۲) ﴿وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ۚ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ﴾ (مائدہ: ۹۵)

اللہ نے وہ خطا معاف کی جو اس سے پہلے ہو چکی، یعنی نزول حکم سے پہلے یا اسلام لانے سے پہلے زمانہ جاہلیت میں کسی

نے یہ حرکت کی تھی، تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں اور جو شخص پھر ایسی حرکت کرے گا یعنی اس ممانعت کے بعد پھر حالت احرام میں شکار کرے گا، تو اللہ اس سے آخرت میں بدلہ لے گا، اور اللہ غالب ہے بدلہ لینے والا، لہٰذا تم کو چاہئے کہ عزیز منتقم کی ناراضگی سے بچو۔ (معارف القرآن ادریسی)

انه تعالى لما، نهى عن قتل الصيد وذكر عفو عما مضى وذكر للعائد بالانتقام بقوله فينتقم الله منه، فكان الجدير بان يذكر في النهاية كلمة تدل على الانتقام الكامل، ولم يكن الا كلمة ذوانتقام الدال على اللزوم، وقدم عليه العزيز لمزيد التهويل ولإثبات القوة له تعالى، وإنما جمع بينهما لان بينهما ربط، وهو انه إذا لم يكن شخصا غالبا فكيف ينتقم فالغلبة من مبادي الانتقام واذا كان كذلك فجمع بينهما مع تقديم العزيز على ذو انتقام.

(۳) ﴿فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ﴾ (ابراہیم: ۴۷)

اے گمان کرنے والے تو اللہ کی نسبت یہ گمان نہ کر کہ وہ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرے گا، خدا تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ مکذبین رسالت اور منکرین آخرت کو قیامت میں عذاب دے گا، وہ وعدہ حق ہے، ضرور پورا ہوگا، اس میں جو تاخیر ہو رہی ہے وہ عجز کی وجہ سے نہیں؛ اس لیے کہ بلاشبہ اللہ غالب ہے، سب کچھ اس کے قبضۂ قدرت میں ہے، صاحب انتقام ہے، اپنے دوستوں کا دشمنوں سے بدلہ لیتا ہے، اس کو بدلہ لینے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

(معارف القرآن ادریسی)

ففي هذه المناسبة يكون ان الله عزيز ذوانتقام تذييلا لما قبله ويكون تعليلا أيضا، بحيث ان الله تعالى نهى المخاطب عن حسبان اخلاف الوعد لرسله بقوله ﴿فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ﴾ فذكر العلة لذلك بأسلوب الجملة الاسمية المؤكدة بأن التحقيقية ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ﴾ والعزة هو القوة بانه تعالى ذكر ان موجب خلاف الوعد منتف عنه جل جلاله، لأن اخلاف الوعد اما يكون عن عجز وإما عن عدم اعتبار الموعود به وتهيئه فبالعزة نفى الأول لأنه عزيز غالب ذو قوة لا يحتاج إلى شيء أصلا. (التحرير والتنوير: ۱۳/۲۰۱)

(۴) ﴿وَمَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اَلَیْسَ اللّٰهُ بِعَزِیْزٍ ذِی انْتِقَامٍ﴾ (زمر: ۳۷)

اور جس کو اللہ گمراہ کر دے، اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں، خداوند عالم کی اس قدرت عظیم کے پیش نظر نہ خدا کے رسول کو اور نہ ہی اہل ایمان کو ان کی ایسی احمقانہ دھمکیوں سے مرعوب وخوف زدہ ہونا چاہئے؛ بلکہ یقین رکھنا چاہئے کہ خدا تعالیٰ ضرور ان سے ایسی بیہودہ باتوں اور مجرمانہ اعمال کا بدلہ لے گا، کیا خدا تعالیٰ زبردست انتقام والا نہیں ہے، وہ اپنے رسول کی مدد کرے گا، اور نافرمانوں سے انتقام لے گا، اور ان مجرموں کے معبود بے بس ولاچار ہیں تو ہمارے عذاب سے

ان مجرموں کو ان کے معبود بچا بھی نہیں سکیں گے، اور ہم قادر مطلق ہیں، اس لیے ہماری نصرت وحمایت کو کوئی روک نہیں سکتا۔ (معارف القرآن ادریسی)

انه تعالى لماذكر قبل "فماله من مضل" فنفى الضلال عن الشخص الذى هداه الله لأنه يهديه فبهدايته يجرى ويعمل وفقه، فذكر بأسلوب الاستفهام التقريرى: أليس كذلك بلى فذكر الدليل على هذا بأن العلم بعزة الله متقرر فى النفوس لاعتراف الكل بالهيئة والالهية تقتضى العزة.

وانما ذكر هذين الوصفين بترتيب تقديم العزيز على ذى انتقام ليدل دلالة كاملة على المراد، وهو كونه تعالى عزيزا فيعز ويقوى من يهتدى بهدايته؛ حتى لا يستطيع أحد ان يضل الشخص الذى عمل بهدايته لأنه قد هداه الله فلا يستطيع مضل أن يضله لأن الله عزيز فليس فى قدرة أحد أن يمنع ما اراد. (التحرير والتنوير: ۲۴/۲۵)

الرحیم

الرّحیم: رحم سے بنا ہے، یہ وہ نام ہے جو رحمٰن کے ساتھ بہت بڑا تعلق رکھتا ہے، رحم کا اطلاق عموماً درماندہ، بے کس، عاجز، ناتواں، مصیبت رسیدہ پر کیا جاتا ہے اور رحیم وہ ہے جو ایسے بندوں پر التفات کرنے والا، ان کی بگڑی ہوئی کو بنا دینے والا اور ٹوٹی ہوئی کو جوڑ دینے والا ہو۔

اسم پاک ''رحیم'' کے معنی کا تعقل کرنے کے لیے دیکھو؛ اسے کلام پاک میں کن کن اسماء کے ساتھ استعمال فرمایا گیا ہے۔

(۱) ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ﴾ (الفاتحہ: ۲) فرمایا گیا اور اس میں رحمت عامہ اور رحم خاصہ کا اظہار فرمایا گیا ہے۔

(۲) ﴿إِنَّ اللهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ﴾ (الحجرات: ۱۲) فرمایا اور اس سے واضح ہوتا ہے کہ پشیمان بندہ کی التجا قبول فرماتا ہے، اس کے گزشتہ اعمال سے درگزر کرنا از راہ رحم ہے۔

(۳) ﴿إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيمُ﴾ (الطور: ۲۸) فرمایا اور اس سے واضح ہوتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کا برّ واحسان بلا کسی غرض یا بندہ کے کسی حق واستحقاق کے بغیر ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا رحم بھی ہر ایک نفع ذاتی سے مبرا وبرتر ہے۔

(۴) ﴿إِنَّ اللهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ (البقرہ: ۱۴۳) یہاں بتایا گیا ہے کہ رحم کا باعث وہ رافت وشفقت ہے جو ذات پاک میں بندوں کے ساتھ پورے جوش پر ہے۔

(۵) ﴿إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ وَدُودٌ﴾ (ہود: ۹۰) میرا رب تو رحم کرنے والا، پیار کرنے والا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ آپ

کسی پر رحم کریں، مگر اس سے وداد (محبت) نہ کریں، مگر اللہ تعالی نے فرمایا کہ وہ اول رحم فرماتا ہے اور پھر بندہ کو اپنی وداد سے بھی مشرف کرتا ہے۔

(۶) ﴿وَهُوَ الرَّحِيمُ الْغَفُورُ﴾ (سبا:۲) یہ آیت بتلاتی ہے کہ غفران ورحم کا ظہور قوت ودوام کے ساتھ ہوتا ہے۔

(۷) ﴿سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبٍّ رَّحِيمٍ﴾ (یس:۵۸) اس آیت سے آشکارا ہے کہ وہ سلامتی جو آخرت میں مومنین کو ملنے والی ہے وہ اللہ تعالی کی صفت ربوبیت ورحم کے تحت ہی ہوگی۔

(۸) ﴿هُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ﴾ (الدخان:۴۲) اس سے واضح ہوتا ہے کہ صفت رحم کا اجتماع عزت وقوت، غلبہ وشوکت کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے، ایسی قدرت، ایسی سلطنت والا، جب رحم فرمائے تب واضح ہوتا ہے کہ رحم کسی بے چارگی ومجبوری اور مصلحت ملکی وغیرہ پر مبنی نہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ صفتِ رحیمی کا ظہور صرف آخرت میں ہوگا، یہ درست نہیں، سورۂ نساء میں ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا﴾ (النساء:۲۹) سورۂ اسرائیل میں ہے: ﴿إِنَّهُ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا﴾ (الاسراء:۶۶) سورۂ نساء: میں ہے: ﴿لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا﴾ (النساء:۶۴) سورۂ احزاب میں ہے: ﴿وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا﴾ (الاحزاب:۴۳)

یہ وہ اسنادہیں جو بتلاتی ہیں کہ اس عالم دنیا میں بھی ہمارے مولیٰ کا رحم ہی کارفرما ہے اور اس کے رحم کے بغیر کوئی انسان اس تباہی سے جو ہماری غفلت ونسیان اور خطاوعصیان کا نتیجہ ہے ہرگز ہرگز نہیں بچ سکتا۔

سورۂ اعراف ویوسف وانبیاء میں ﴿أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾ (یوسف: ۹۳) بھی آیا ہے اور سورہ مومنون میں ﴿خَيْرُ الرَّاحِمِينَ﴾ (المومنون:۱۱۸) بھی۔ (قاضی منصور پوری:۶۶ تا۶۹)

مذکور صفت اور مقام سے مناسبت:

۳ جگہ رحیم کی صفت آئی ہے۔ (النساء:۲۹، الاسراء:۶۶، الاحزاب: ۴۳) آیات کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ رحمت مشقت وپریشانی کے مقابلہ میں ہوتی ہے، لہذا جو بھی مشقت دور کرکے حیات مستعار میں آسانی پیدا کرے اس میں رحمت ہوگی، مذکورہ تینوں آیات اسی مفہوم کو ادا کرتی ہے:

(۱) پہلی آیت میں دوسروں کے مال کو ناجائز طریقہ پر کھانے اور قتل نفس میں جو زیادتی ومشقت اور ظلم وعدوان پایا جاتا ہے اس سے روکا گیا اور یہ رحمت کی تمامیت کی دلیل ہے۔

يقول الامام الفخر الرازي: " ثم بين تعالى أنه رحيم بعباده، ولأجل رحمته نهاهم عن كل ما يستوجبون به مشقة أو محنة، وقيل: إنه أمر بني إسرائيل بقتلهم أنفسهم ليكون توبة لهم، وتمحيصا لخطاياهم،

وكان بكم يا أمة محمد رحيما. حيث لم يكلفكم تلك التكاليف الصعبة.

وكذا يرى الإمام الألوسي: إن الله كان بكم رحيما، تعليل للنهي، والمعنى إنه تعالى لم يزل مبالغا في الرحمة، ومن رحمته بكم نهيكم عن أكل الحرام، وإهلاك الأنفس، وقيل: معناه أنه كان بكم يا أمة محمد رحيما، إذ لم يكلفكم قتل الأنفس في التوبة كما كلف بني إسرائيل بذلك. (البحر المحيط: ۲۴/۴)

(۲) دوسری آیت میں بھی کشتی کا وجود، سمندر کا سفر اور اپنی ضروریات زندگی کو اس کے ذریعہ حاصل کرنا رحمت خداوندی کا ذریعہ ہے، اور ان سے محرومی مشقت وحرج کا سبب بن سکتی ہے، قال الشوكاني: "كان بكم رحيما، تعليل لما تقدم فهداكم إلى مصالح دنياكم"، وكذا قال الإمام البيضاوي: "حيث هيألكم ما تحتاجون إليه، وسهل عليكم ما تعسر من أسبابه". (تفسير البيضاوي: ۴۵۶/۱)

(۳) تیسری آیت میں لوگوں کو کفر وشرک کی تاریکی سے نکالنا رحمتِ الٰہیہ کا مظہر ہے، اور کفر وشرک کی اندھیریوں میں رہنا دنیوی واخروی مشقت و پریشانی کا باعث ہے، اور مزید رحمت **هو الذی یصلی علیکم وملائکته** سے معلوم ہوتی ہے، ان تینوں آیات میں صفت رحمت کا ذکر عام شکل میں نہیں ہے؛ بلکہ بطور تعلیل کے آیا ہے کہ تم پر یہ سب آسانیاں اس وجہ سے ہے کہ وہ رحیم ہے۔

رحیم آٹھ وجوہ سے مذکور ہے:

تنہا منفرد ۳ آیات میں ہے:

(۱) ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا﴾ (نساء:۲۹)

اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق اور ناجائز طریقہ سے مت کھاؤ مگر سوداگری کے طریقہ سے کہ جو آپس کی رضامندی اور خوشی سے ہو، مقصود یہ ہے کہ ناجائز طریقے سے کسی کا مال لینا جیسے غصب، چوری، خیانت اور سود و بیاج وغیرہ، یہ تمہارے لیے حرام ہے؛ البتہ تجارت یعنی جائز طریقہ سے مال حاصل کرنا تمہارے لیے حلال ہے، اور آپس میں ایک دوسرے کا خون نہ کرو، دوسروں کے قتل کرنے کو اپنے قتل کرنے سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ جب سب کا دین ایک ہے اور سب مانند شخص واحد کے ہیں؛ لہٰذا کسی کو قتل کرنا اپنے ہی کو قتل کرنا ہے، اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اپنے قتل کرنے سے حقیقۃً اپنا ہی قتل کرنا مراد ہے، اور مطلب یہ ہے کہ خودکشی نہ کرو خودکشی حرام ہے، تم اپنی جان کے مالک نہیں کہ جو چاہے اس میں تصرف کرسکو، مالک اللہ تعالیٰ ہیں اور یہ جان اللہ تعالیٰ کی تمہارے پاس امانت ہے، تم پر اس کی حفاظت واجب ہے، بے شک اللہ تعالیٰ تم پر بڑا مہربان ہے کہ اس نے اپنی رحمت سے تم کو اچھی باتوں کا حکم دیا اور بری باتوں سے

منع کیا؛ تا کہ تم ہلاک نہ ہو جاؤ، اللہ کی نافرمانی اپنے کو قتل کرنے کے مرادف ہے۔

(معارف القرآن ادریسی)

فذكر العلة لذلك النهى بأسلوب الجملة الاسمية المؤكدة بطريق الدليل عليها، وذلك إنما ينها كم عما يضر كم، لانه رحيم بكم ورحمته يقتضى كثرة الاجر لكم لا نقصها. (مرزا:۲۶۰)

(۲) ﴿إِنَّهُ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا﴾ (بنی اسرائیل:۶۶)

تمہارا پروردگار وہ ہے جو تمہارے نفع کے لیے سمندر میں کشتیاں ہنکا تا ہے؛ تا کہ تم ان پر سوار ہو کر دوسرے شہر میں پہنچ کر روزی تلاش کرو، بے شک وہ تم پر بڑا مہربان ہے کہ جو حاجت تم کو اپنے شہر میں میسر نہ ہو سکے اس کے حاصل کرنے کے لیے دوسرے شہر میں جانے کا سامان مہیا کر دیا۔ (معارف القرآن ادریسی)

وهذه الجملة تعليل ورمز وتفصيل لما قبله من الجملة ﴿لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ﴾ بأن هذه الجريان للفلك وابتغاء فضله والمال الحلال بحيث لم يمنعكم منه، وأباح لكم التجارة والسفر فى الارض لاجل كونه رحيما بكم، وكذا ذكره بأسلوب الجملة الاسمية المؤكدة الدالة على الدوام والاستمرار.

ولم يذكر غيره من الصفات لان المقام يقتضى الرحيم دون الغفور والشكور والرحمٰن، لأن الغفور والشكور يقتضيان ان يعقبا بما لا يدل على الامتنان صراحة. (مرزا:۲۶۱)

(۳) ﴿وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا﴾ (احزاب:۴۳)

اللہ تعالیٰ اہل ایمان پر بڑا مہربان ہے، خود بھی ان پر رحمت کرتا ہے اور فرشتوں کو بھی ان کے لیے دعائے مغفرت ورحمت کا حکم دیتا ہے، آج تو اس کے کرم کی یہ حالت ہے اور کل جب مؤمنین اس کے حضور میں حاضر ہوں گے، مرنے کے وقت یا قبر سے اٹھنے کے وقت یا جنت میں داخل ہونے کے وقت اللہ کی طرف سے ان کا خیر مقدم یعنی تحیۂ کرامت سلام ہوگا، جب ملک الموت مؤمن کی روح قبض کرنے کے لیے آتا ہے تو پہلے اسے سلام کرتا ہے اور خدا کی طرف سے سلام پہنچاتا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

وجملة ﴿وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا﴾ تذييل وان الاخبار عن رحمته بالمؤمنين بمجيء فعل (كان) وخبرها لما تضمنه كان من ثبوت ذلك الخبر له تعالى وتحققه وأنه شأن من شئونه المعروف بها فى آيات كثيرة، ورحمته بالمؤمنين اعم من صلاته عليهم، لانها تشمل ابداء النفع لهم وايصال الخير لهم بالاقوال والافعال والالطاف. (مرزا:۲۶۱، التحرير والتنوير:۲۲/۵۸)

بر رحیم

اللہ تعالیٰ برّ ہے کیونکہ وہ اپنے بندوں پر گوناگوں احسان فرماتا ہے، آلائے دنیا عطا فرماتا ہے، نعمائے آخرت ایثار کرتا ہے۔

وہی ہے جس نے انواع بِر واحسان کو بیان فرمایا اور ورع وتقویٰ کی پابندی کا حکم دیا، لہٰذا نیکی کنندہ، نیکی دہندہ وہی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی ﴿إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيمُ﴾ (الطور:۲۸) ہے جس نے عاجز بندوں کو ابرار کا خطاب عطا کیا، ان کو نعیم کا عطیہ دیا، ان کو تخت رفعت پر بٹھلایا، اُن کو معرفت ربانی سے ممتاز فرمایا:

﴿إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ۝﴿۲۲﴾ عَلَى الْأَرَائِكِ يَنْظُرُونَ ۝﴿۲۳﴾ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ﴾ (المطففین: ۲۴)

''ابرار (نیکی کرنے والے لوگ) نعمتوں میں ہوں گے، تخت پر جلو میں کئے ہوئے سب کچھ دیکھ رہے ہوں گے، ان کے چہروں سے ناز ونعمت کی تازگی ٹپک رہی ہوگی۔''

اللہ تعالیٰ ہی ﴿إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيمُ﴾ (الطور:۲۸ ہے، جس نے سید الابرار صلی اللہ علیہ وسلم پر کلام پاک کو ﴿كِرَامٍ بَرَرَةٍ﴾ (عزت والے، نیکوکار فرشتے) سفیروں کے ساتھ نازل فرمایا۔

بے شک اسی کی ذات دائم الاحسان اور کثیر الرحم ہے، اس اسم کا استعمال صرف اسم رحیم کے ساتھ ہوا ہے۔

(قاضی منصور پوری: ۱۷۸)

* برّ کے ساتھ ایک آیت میں:

(۱) ﴿إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوهُ ۖ إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيمُ﴾ (طور: ۲۸)

بے شک ہم اس سے پہلے بھی اس کو پکارا کرتے تھے، اور دعا کرتے تھے کہ اے اللہ عذاب سے بچا اور مغفرت سے سرفراز فرما، اور اس نے ہماری دعائیں قبول کیں، واقعی وہ تو بڑا ہی محسن اور مہربان ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

یہ صفت سورۂ طور آیت: ۲۸ میں آئی ہے، جنتی جنت میں انعامات دیکھیں گے تب کہیں گے۔ پہلی آیت **انا کنا قبل فی اھلنا مشفقین** اور **انا کنا من قبل ندعوہ** یہ صفت البر کے مناسب ہیں، پھر وہم ہوتا تھا کہ یہ نعمتیں اپنی دعاؤں اور خوف کی وجہ سے پائی ہیں، تو اس کا جواب صفت رحیم سے دیا کہ ہماری رحمت عامہ محض اپنے عمل کو دخول جنت کا سبب نہ سمجھے، اور بے عمل امید جنت پر ترک عمل نہ کرے۔

ولما ذكر في الآية السابقة فضله تعالى واحسانه ومنه عليهم، وهو وقايتهم وحفظهم من عذاب النار،

فذكر ههنا علة لذلك، وهو الدعاء من الله خالصا، ودعوة الناس إلى توحيده (فذكر العلة لذلك والدليل على هذا) بأسلوب الجملة الاسمية الموكدة بان التحقيقية الحاملة لأسلوب القصر، وذكر قبل ذلك ﴿إِنَّا كُنَّا مِن قَبْلُ نَدْعُوهُ﴾ فذكر العلة بقوله ﴿إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيمُ﴾ بأنه هو البر والمحسن على الناس وعلينا، وذلك لانه رحيم فيرحم على عباده من جميع الوجوه، ولما كان البر سببا للرحمة فلهذا الوجه قدم البر على الرحيم، واقترن بينهما بهذه الوطيرة، وأخر الرحيم بحيث ذكره في الفاصلة بأنه رحيم فاقتضى رحمته زيادة الاحسان، وهوان يرضى عنا وان يدخلنا جنته فلا بر غيره ولا رحيم سواه؛ إذ لا يماثله أحد في احسانه ورحمته. وانما ذكر بهذا الأسلوب ليتم الدلالة على المراد بأدق وجه واكملها، فإن البر هو الدال على الاحسان، وان الرحمة التى تدل عليه كلمة الرحيم مزيد الانعام بعد البر والاحسان. (التحرير والتنوير: ۲۷/۵۸)

التواب الرحيم

التواب رحیم کے ساتھ نو مقامات پر اور الحکیم کے ساتھ ایک جگہ آیا ہے۔

التواب کے معنی تو کثرت سے توبہ قبول کرنے والا ہے، ساتھ میں رحیم نے مزید تقویت پہونچائی، اس میں اشارہ ہے کہ تو اپنی توبہ کرنے میں بھی اس کا محتاج ہے کہ اس نے توبہ کرنے کی توفیق عنایت فرمائی، ساتھ میں جب تک شان رحیمی نہ ہوتی تو توبہ کی توفیق نہ ہوتی اور صرف توبہ کرنے سے معافی مل جانا بھی ضروری نہیں؛ کیونکہ ناراضگی سخت ہو تو معاف نہ بھی کرے؛ لیکن رحیم ہونے کی وجہ سے توبہ کی توفیق بھی دی اور معاف بھی کر دیا۔

اکثر آیات میں ساتھ میں فعل تاب اور اس کے مشتقات بھی لفظی مناسبت کے طور پر آئے ہیں؛ لہٰذا اس کے مناسب صفت تواب ہی تھی، علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ صفت رحیم سے پہلے تواب کا آنا مجاورت کے لئے ہے، وہ آیات یہ ہیں: (البقرۃ: ۳۷، ۵۴، ۱۲۸، ۱۶۰، التوبۃ: ۱۰۴) جن میں تاب اور اس کے مشتقات پہلے آئے ہیں۔ اور سورۂ حجرات آیت: ۱۲ میں اگرچہ لفظی طور پر تاب کا لفظ نہیں آیا؛ لیکن یہ مقام توبہ کی طرف دعوت دیتا ہے، قال الامام الزركشي: ووجه هذا الختام التنبيه على التوبة من الاغتياب، وهو من الظلم. (البرهان: ۴/۱۴۳) اور سورۂ نساء کی آیت ۶۴ میں توابا رحیما، غفورا رحیما کے مفہوم میں ہے، جیسے کہ سورۂ نساء آیت: ۱۱۰ اور سورۂ نمل آیت: ۱۱ میں غفورا رحیما ہی آیا ہے؛ لیکن اس جگہ توابا کی صفت سے آپ ﷺ کی تکریم کی طرف اشارہ ہے، آپ کا ان کے لئے استغفار کرنا اللہ پاک کی طرف سے ان کی توبہ قبول کرنے کا ذریعہ بنے گا، اس جگہ غفور کے بجائے توابا اس لئے بھی آیا کہ عبارت میں تین مرتبہ غفر کا صیغہ آنے کی وجہ سے ثقل پیدا ہو جاتا۔

* **توّاب** کے ساتھ آٹھ آیات میں:

(۱) ﴿اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ﴾ (بقرہ:۳۷)

حضرت آدمؑ کو توبہ اور معذرت کے کلمات تلقین فرمائے گئے، ابلیس کی معصیت چونکہ تمرد اور سرکشی کی بناء پر تھی؛ اس لیے اس کو توبہ اور معذرت کی تلقین نہیں فرمائی، اور حضرت آدمؑ کی معصیت سہو ونسیان اور ذہول وغفلت کی بناء پر تھی؛ اس لیے ان کو بارگاہ خداوندی سے کلمات معذرت کا القاء اور الہام ہوا جو ان کی توبہ کی قبولیت کا سبب ہے، جیسا کہ آیت میں ارشاد ہے: **فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ** ○ پس حاصل کیے آدم نے اپنے رب کے الہام سے معذرت کے چند کلمے، پس توجہ فرمائی ان پر اللہ نے اپنی رحمت اور مغفرت سے، اور بے شک وہی توبہ قبول فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ **توّاب** کے بعد رحیم کی صفت ذکر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ توبہ کا قبول کرنا اس پر واجب نہیں، محض اپنی رحمت سے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور وہ کلمات یہ ہیں: **رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا ٚ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ** ○

ف: توبہ کے اصلی معنی رجوع کے ہیں اور اوب کے معنی بھی رجوع کے ہیں، تائب اور **توّاب** اس کو کہتے ہیں کہ جو معصیت سے طاعت کی طرف رجوع کرے، اور آئب اور اوّاب وہ ہے جو غفلت سے ذکر اور فکر کی طرف رجوع کرے۔ **کما قال تعالیٰ: نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ** اور جب "تاب" کی اسناد حق تعالیٰ کی طرف کی جائے مثلاً [تاب اللّٰہ علیہا.] کہا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے بندہ کے انتقام اور عقوبت سے عفو ورحمت اور لطف و عنایت کی طرف رجوع فرمایا۔ (معارف القرآن ادریسی)

وقوله ﴿اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ﴾ تذييل وتعليل للجملة السابقة وهي فتاب عليه لأنه يفيد مفادها مع زيادة التعميم والتذييل من الإطناب، والتواب صيغة مبالغة وهو الكثير لقبول التوبة لكثرة التائبين وانما عقبه بالرحيم لأن الرحيم جار مجرى العلة للتواب، إذ قبوله التوبة عن عباده ضرب من الرحمة بهم. (مرزا:۲۱۷)

(۲) ﴿اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ﴾ (بقرہ:۵۴)

جب تم نے اللہ کے حکم کی دل وجان سے تعمیل کی، تو اللہ نے تم پر توجہ فرمائی اور تمہاری توبہ قبول کی، اگرچہ تمہارا جرم فرعون سے بھی زیادہ سخت تھا، اس لیے کہ وہ ابتداء ہی سے کافر تھا اور تم نے ایمان کے بعد کفر کیا اور مرتد ہوئے، دین الٰہی کی بے حرمتی اور آبرو ریزی کی، بے شک وہ بڑا ہی توبہ قبول فرمانے والا ہے اور بڑا ہی مہربان ہے کہ ایک گھڑی کی تکلیف برداشت کر لینے پر ہمیشہ کی عزت اور کرامت عطاء فرماتا ہے، وہ حیات جس کی حقیقت لہو ولعب سے زائد

نہیں، ایسی حیات لے کر حیات سرمدی اور ابدی سے سرفراز فرمایا۔ (معارف القرآن ادریسی)

لما ذكر ظلم بني اسرائيل باتخاذهم العجل لها، وذكر توبتهم بقتل المجرمين، وذكر قبل الرحيم قوله تعالى: [فتاب عليه] والجرم يقتضي التوبة، والتوبة عفو، وهي تقتضي الرحمة فلهذه المناسبة جعل الرحيم في الفاصلة مع تقديم التواب عليه. (التحرير والتنوير: ۱/۵۱۵)

(۳) ﴿وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ (بقرہ:۱۶۰)

تحقیق کہ جو لوگ خوب جانتے ہیں کہ صفا اور مروہ کی سعی شعائر اللہ میں سے ہے اور حضرت ہاجرہؓ کے وقت سے برابر چلی آرہی ہے؛ مگر باوجود اس کے یہ لوگ ان مضامین کو چھپاتے ہیں جن کو ہم نے نازل کیا اور جو اپنی ذات سے واضح اور روشن ہیں اور شعائر اللہ کی ہدایت اور راہنمائی کرتے ہیں؛ بعد اس کے کہ ہم نے اس کو تمام لوگوں کے لیے- عام اور خاص سب کے لیے- شعائر اسلام اور کفر کے فرق کو خوب واضح کر دیا ہے، اور خبر واحد کی طرح نہیں بنایا، کسی کو پہنچے اور کسی کو نہ پہنچے، اس کتاب الٰہی میں داخل کر دیا ہے تاکہ متواتر ہو جائے اور اس کا اخفاء اور پوشیدہ رکھنا ناممکن ہو جائے؛ لیکن یہ لوگ کمال عداوت کی وجہ سے اس کے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں، ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ لعنت کرتا ہے، اس لیے کہ یہ لوگ اللہ کا مقابلہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہدایت اور رفع جہالت چاہتا ہے، اور یہ لوگ گمراہی اور جہالت کا بقاء چاہتے ہیں اور نیز لعنت کرتے ہیں ان پر سب لعنت کرنے والے، ملائکہ اور ارواح انبیاء وصلحاء تو اس لیے لعنت کرتے ہیں کہ ان کی کوشش تو یہ ہے کہ اللہ کے احکام کو بیان کیا جائے اور ان کی خوب نشر واشاعت کی جائے اور یہ لوگ ان حضرات کی کوشش کو ضائع کرنا چاہتے ہیں، اور عوام، فساق وفجار اور کفار ناہنجار اس لیے لعنت کرتے ہیں کہ ان لوگوں نے ان کو حق معلوم نہ ہونے دیا اور چونکہ کتمان حق کی وجہ سے طرح طرح کی بلائیں اور مصیبتیں آسمان سے نازل ہوتی ہیں؛ اس لیے تمام حیوانات اور جمادات ان پر لعنت بھیجتے ہیں کہ ان کی وجہ سے مصیبت اور بلا میں گرفتار ہوئے۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ جب قحط پڑتا ہے اور بارش بند ہو جاتی ہے تو جانور گناہ کرنے والوں پر لعنت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کم بختوں کی وجہ سے نحوست آئی، مگر جن لوگوں نے محض اللہ کی ناراضی کے ڈر سے حق پوشی سے توبہ کر لی، اور حق پوشی کی وجہ سے جو خرابی آئی تھی اس کی اصلاح کر لی یعنی جو عقائد واعمال اور حقوق واموال لوگوں کے حق پوشی کی وجہ سے خراب اور برباد ہوئے تھے، ان کی اصلاح کر دی اور گزشتہ غلطیوں کا تدارک کر دیا اور جس حق کو چھپایا تھا اس کو لوگوں کے سامنے بیان کر دیا تو ایسے لوگوں کو میں معاف کر دیتا ہوں اور بجائے لعنت کے ان پر رحمت نازل کرتا ہوں، اور میں تو بڑا ہی توبہ کا قبول کرنے والا اور بڑا ہی مہربان ہوں کہ توبہ کرنے سے لعنت کو رحمت سے اور سزا کو انعام سے بدل دیتا ہوں۔ (معارف القرآن ادریسی)

وهذان الوصفان ثناء على الله تعالى بانه تعالى انما يتوب عليهم كما ذكر في اتوب عليهم فأكمل ذلك في ﴿وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ﴾ بالحصر والإختصاص بانه لا تواب الا انا، ولذا قبل توبتهم واخرجهم من زمرة الملعونين، وانا رحيم بهم فابدل سيئاتهم حسنات، فجاء في الآية لعلم بديع تعذيره إلا الذين تابوا انقطعت عنهم اللعنة فاتوب عليهم، وتوسط اسم الاشارة اولئك للدلالة على التعليل وهو ايجاز بديع. (التحرير والتنوير: ۱/۵۱۵)

(۴) ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيمًا﴾ (نساء:۱۶)

اور جو دو شخص تم میں سے بے حیائی کا ارتکاب کریں، خواہ ایک مرد اور ایک عورت ہو، یعنی زنا کریں یا دونوں مرد ہوں یعنی لواطت کریں، تو ان کو مناسب سزا دو اور آزار پہنچاؤ، پس اگر آیندہ کے لیے یہ دونوں بدکار بدکاری سے توبہ کرلیں اور اپنی حالت کو درست کرلیں تو تم ان سے اعراض کرو، نہ ملامت کرو اور نہ درپے ایذاء ہو، بے شک اللہ تعالیٰ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے، توبہ کرنے والوں پر رحم فرماتا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

لما أمر بإيذاء العاملين للسوء، وذكر في الجملة الشرطية توبتهم واصلاح عملهم، وذكر في الجزاء الاعراض عن ضررهم بقوله: ﴿فاعرضوا عنهما﴾ فذكر العلة لذلك بأسلوب كان الاستمرارية مع التوكيد بقوله ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيمًا﴾ بانه انما يأمركم بالاعراض عنهم وعن السوء بهم وعن ضررهم لأنه يتوب عليهم حينما تابوا واصلحوا عملهم، وذلك لأنه تواب فيتوب على التائبين برحمته، وانما يتوب على المذنبين لأنه رحيم. (التحرير والتنوير: ۲/۷۸)

(۵) ﴿وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا﴾ (نساء:۶۴)

اگر یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم وستم یعنی گناہ کرنے کے بعد آپ کے پاس حاضر ہوجاتے، پھر اللہ سے معافی مانگتے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے لیے معافی چاہتے، تو ضرور پاتے اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان، یعنی قبول توبہ کے بعد اللہ کی مہربانی بھی ہوتی، معافی کے بعد انعام بھی ملتا، مطلب یہ ہے کہ اگر یہ منافق گناہ کرنے کے بعد بھی متنبہ ہوجاتے اور اس وقت آپ کے پاس چلے آتے جب کہ انہوں نے طاغوت کے پاس اپنا مقدمہ لے جاکر اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا اور اس طرح آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنی غیر حاضری کا تدارک اور کفارہ کرتے اور پھر اپنے نفاق سے توبہ اور استغفار کرتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے لیے دعاء مغفرت کرتے تو امید تھی کہ اللہ تعالیٰ ضرور ان کی توبہ قبول فرمالیتا اور ان پر مہربان ہوجاتا۔ (معارف القرآن ادریسی)

وذكر الترغيب لهم في الاستغفار، وذكر قبل رحيما قوله واستغفر لهم الرسول، والاستغفار اثره التوبة

وقبولها، وهذالا يكون الا من رحيم فلذا ذكر الرحيم في الفاصلة حيث ذكر ﴿لَوَجَدُوا اللهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا﴾.

وقوله ﴿لَوَجَدُوا اللهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا﴾ جوابا لها اشارة إلى انهم لما لم يفعلوا فقد حرموا الغفران، ولذا ذكر باللام الدال على التوكيد بان توبته عليهم ورحمته كان شاملا لهم لا محالة. (التحرير والتنوير: ۱۱۰/۵)

(۶) ﴿وَاَنَّ اللهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ﴾ (توبہ: ۱۰۴)

کیا لوگوں نے یہ نہیں جانا کہ اللہ جو ہے وہ توبہ قبول کرتا ہے اور جو لوگ صدق دل سے خدا کی راہ میں خیرات و صدقات لے کر آتے ہیں ان کو لے لیتا ہے، یعنی ان کے صدقات کو قبول کرتا ہے، لہٰذا اس قانون کو یاد رکھیں کہ اگر آئندہ کوئی خطا سرزد ہو جائے تو توبہ کریں اور حسب توفیق خدا کی راہ میں صدقہ اور خیرات کریں اور منافقین کو بھی چاہئے کہ ان مخلصین صادقین کی طرح صدق دل سے توبہ کریں اور راہ خدا میں صدقہ دیں، اور کیا ان کو معلوم نہیں کہ اللہ جو ہے وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے، توبہ قبول کرنے کے بعد مہربانی فرماتا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

إنه تعالى لما رغب الناس في التوبة إلى الله، وذكر قبول الصدقات في ضمن ذلك، وذكر قبل الرحيم قوله: ﴿وَيَأْخُذُ الصَّدَقٰتِ﴾ وذكر قبل يقبل التوبة وقبول التوبة، واخذه بمعنى قبوله، وقبوله الصدقات يقتضي كونه توابا ورحيما، فلذا ذكر تتميما لما سبق من الجمل باسلوب الجملة الاسمية المؤكدة الحاملة للحصر علة ودليلا على ماذكره بأنه إنما يقبل التوبة، ويقبل صدقات عباده، لأنه تواب، ولا تواب إلا هو، لأنه لا يعجل بتعذيبهم، وانه رحيم فلأجل كونه رحيما يرحم عليهم ويزيد أجورهم.

وقوله ﴿وَاَنَّ اللهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ﴾ عطف على قوله ان الله يقبل التوبة عن عباده تنبيها على انه كما يجب العلم بأنه يفعل ذلك، يجب العلم بأنه من صفاته العلى انه هو التواب الرحيم، أي الموصوف بالاكثار من قبول توبة التائبين الرحيم لعباده ولا شك ان قبول التوبة من الرحمة فتعقيب التواب بالرحيم مما يقتضيه المقام لأنه في غاية المناسبة. (التحرير والتنوير: ۲۴/۱۱)

(۷) ﴿ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ اِنَّ اللهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ﴾ (توبہ: ۱۱۸)

اللہ تعالیٰ نے ان تین شخصوں کے حال پر بھی توجہ فرمائی کہ موقوف اور ملتوی رکھے گئے تھے، یہاں تک کہ اس التواء کی وجہ سے ان کی بے چینی اور اضطراب کی یہ حالت ہوئی کہ ان تین شخصوں پر زمین باوجود کشادہ ہونے کے تنگ ہوگئی اور ان کی جانیں بھی ان پر دوبھر ہوگئیں، یعنی انتظار کی شدت اور غم کی وحشت سے ان کی جانیں بھی ان پر تنگ ہوگئیں، اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اللہ کے غصے سے کہیں پناہ نہیں مگر اسی کی رحمت اور مغفرت کی طرف، جب وہ پریشانی اور

پشیمانی کی اس منزل پر پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر توجہ فرمائی اور ان کی توبہ قبول کی، بعد ازاں دوبارہ ان پر اپنی مہربانی کی اور اپنی رحمت سے ان پر متوجہ ہوا تاکہ آئندہ بھی اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے رہا کریں، اور سمجھ لیں کہ فقط یہی توبہ قبول نہیں ہوئی بلکہ جب کبھی بھی خدائے تعالیٰ کی طرف اس طرح رجوع کریں گے تو خدا تعالیٰ بھی اپنی خاص رحمت سے ہماری طرف متوجہ ہوں گے، مطلب یہ ہے کہ خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہوں، آئندہ بھی ایسا ہی معاملہ ہوگا، بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے، جو شخص ان تائبین کے طریقہ پر چلے گا اللہ اس کی توبہ بھی قبول فرمائیں گے۔ (معارف القرآن ادریسی)

وجملة ﴿إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ﴾ تذييل مفيد للامتنان بانه انما قبل توبتهم لأنه تواب رجاع عليهم بالتوبة، واحسن اليهم بها لأنه رحيم بهم. (التحرير والتنوير: ۵۴/۱۱)

(۸) ﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ﴾ (حجرات: ۱۲)

اے ایمان والو! بہت سے گمان کرنے سے احتراز کیا کرو اور بہت سے گمانوں سے بچا کرو؛ کیونکہ بعضے گناہ ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے عیب کی ٹٹول نہ کیا کرو اور نہ ایک دوسرے کو پیٹھ پیچھے برا کہا کرو، کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے، سو تم کو اس سے گھن آئے اور تم اس سے متنفر ہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تعالیٰ بڑا معاف کرنے والا اور بڑی مہربانی کرنے والا ہے۔

اور یہ جو فرمایا: اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو یعنی غیبت کرنے سے بچو اور توبہ کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرماتا ہے اور وہ بڑی مہربانی کرنے والا ہے، غیبت حق العباد بھی ہے اور حق اللہ بھی، یعنی اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو اور جس کی غیبت کی ہے اس سے معاف کراؤ اور اگر وہ مر گیا ہو تو اس کے لیے استغفار کرے۔ (معارف القرآن ادریسی)

وجملة ﴿إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ﴾ تذييل للتذييل لأن التقوى تكون بالتوبة بعد التلبس بالاثم، فقيل ﴿إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ﴾ وتكون التقوى ابتداء فيرحم الله المتقى فالرحيم شامل للجميع. (التحرير والتنوير: ۲۵۷/۲۶)

رب رحیم

دراصل یہ مصدر ہے، اور فاعل کے معنی میں مستعمل ہے جو ربوبیت کے مفہوم میں داخل ہے، ایک شخص کو درجہ بدرجہ ترقی دیتے اور پرورش کرتے ہوئے اسے درجۂ تمام وکمال تک پہونچا دینا۔

یہ صفت اللہ تعالیٰ ہی کی ہے کہ وہ ہر ایک مخلوق کو پیدا کرتا اور اسے احکام طبیعت وفطرت کے مطابق بڑھاتا، پالتا اور شرف نوعی میں درجہ بدرجہ بلند کرتا اور انتہائے کمال تک پہنچا دیتا ہے۔

جمادات، نباتات، حیوانات، ناسوت، جبروت، لاہوت کے عوالم میں کروڑ و کروڑ ایسی ایسی مخلوق موجود ہے جس کی پرورش کی ضروریات ایک دوسرے سے بالکل الگ ہیں، بلکہ ایک ہی درخت کے اندر جڑ، تنا، چھلکا، گودا، پھول پھل، شاخ، پات کے اندر رنگ وروغن، چمک ودمک، تاثیر ومزہ، شکل وصورت کے لحاظ سے ہزاروں ایسی ضروریات ہیں، جن کا علم بھی اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو نہیں ہوسکتا، وہی ہے جو ان سب کی تربیت کرتا ہے سب کو قائم رکھتا ہے، بڑھاتا ہے۔

قرآن مجید پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسم (ربّ، ربّی، ربّه، ربّنا، ربّك، ربّکم) وغیرہ کی شکل میں ۸۰۶ دفعہ قرآن مجید میں آیا ہے، اضافت کے وقت کہیں مضاف کی عزت افزائی مقصود ہوتی ہے اور کہیں اس کی خصوصیات پر جلوہ افگنی فرمائی جاتی ہے۔

رَبَّ هٰذَا البیتِ. رَبَّ هٰذَا الْبَلَد. رَبِّ الْفَلَقِ. رَبُّ الشِّعْرٰی. رَبِّ النَّاسِ. رَبُّ الْعَرْشِ. رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ. رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِیْمِ. رَبُّ الْمَشْرِقَیْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَیْنِ. رَبُّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ. رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا. رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمْ کی ترکیبوں کو دیکھو، ہر ایک اضافت کن کن خصائص وحقائق کی رہنمائی کرتی ہے۔

اس سے آگے بڑھو گے تو تربیت کے مختلف اسالیب ان الفاظ میں ملیں گے:

صِرَاطِ رَبِّ، اٰیَاتِ رَبِّ، کَلِمَاتُ رَبِّ، رُسُلُ رَبِّ، سُبُلُ رَبِّ، عَطَاءِ رَبِّ، کِتَابِ رَبِّ، عَذَابَ رَبِّ، رَحْمَتِ رَبِّ، اَمْرِ رَبِّ، رِزْقُ رَبِّ، خِرَاجُ رَبِّ، ، حَمْدُ رَبِّ، نِعْمَتُ رَبِّ، اٰلَاءِ رَبِّ، بَرَكَاتُ رَبِّ، جُنُوْدُ رَبِّ، بَطْشَ رَبِّ.

یہ الفاظ کیا ہیں، ہر ایک کے تحت میں پرورش ونگہداشت کے بحور وفور جوش زن ہیں۔

دعوت وہدایت، رجوع ورغبت اور استقرار وانتہا کے وہ مدارج ہیں، جو جُودِ ربوبیت سے پل رہے، بڑھ رہے، پھل رہے ہیں۔

ربوبیت ہی ہے جو ایک وقت میں ایک ہی انسان کے معدہ وجگر اور قلب ودماغ، اعضا واحشا، اعصاب وعظام کو جداگانہ کیفیات سے پال رہی ہے، روح کو الوہیت سے، قلب کو ربوبیت سے غذا پہنچا رہی ہے، مادی اور غیر مادی قویٰ، روحی وجسمی طاقتیں مختلف تاثیرات سے مختلف احوال ومواجید کو آغوشِ تربیت میں لئے ہوئے ہیں، مربوب بے خبر مستلذ بھی ہے اور کام گیر بھی، چاشنی چش اور ذوق گیر بھی، مگر ایسا غافل کہ اس سلسلہ اور سلسلہ کے مالک سے بے خبر اور دور۔

﴿فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ﴾ (المؤمنون: ۱۴) (قاضی منصور پوری: ۱۹۶ تا ۱۹۹)

رحیم رب کے ساتھ ایک آیت میں آیا ہے:

(۱)﴿سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ﴾ (یس:۵۸)

تحقیق اہل جنت اس روز عیش وراحت کے شغل میں ہوں گے اور شاداں وفرحاں ہوں گے، خدا کی مہمانی ہوگی اورعیش وکامرانی کی کوئی انتہاء نہ ہوگی، اہل جنت اوران کی بیبیاں سایوں میں شاہانہ تختوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے، اور ان کے لیے جنت میں قسم قسم کے پھل ہوں گے جن کا دنیا میں تصور بھی نہیں اور اس کے علاوہ جس چیز کی وہ خواہش کریں گے وہ ان کے لیے حاضر کردی جائے گی، اوران سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ ان کے لیے رب رحیم کی طرف سے بلاواسطہ سلام ہوگا۔

جریر بن عبداللہ بجلیؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل جنت اپنی عیش وعشرت میں ہوں گے کہ یکا یک ان پر ایک نور ظاہر ہوگا، تو وہ لوگ سر اٹھا کر دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ یہ اللہ عز وجل کی تجلی ہے اور اللہ تعالیٰ ان سے یہ فرمائے گا السلام علیکم یا اھل الجنة (سلام ہو تم پر اے اہل جنت) پس تمام اہل جنت اس نور کے دیکھنے میں مشغول ہوجائیں گے اور کسی چیز کی طرف التفات نہیں کریں گے، یہاں تک کہ وہ نور ان سے مستور ہوجائے گا مگر اس نور کی برکتیں باقی رہ جائے گی۔ (معارف القرآن ادریسی)

مذکور صفت کی مقام سے مناسبت:

یہ صفت ایک آیت (یس:۵۸) میں جنت والوں کے ذکر میں آئی ہے، یہ مقام انعامات وتکریمات کا ہے اور رب کی تنوین تعظیم کے لئے ہے، اسی لئے ضمیر کی طرف اضافت کرنے کے بجائے صفت رب کو اکرام ورضامندی کے لئے لائی گئی اوران سے رضامندی اس لئے کہ انہوں نے دنیا میں اس کی عبادت کی اوراس کی ربوبیت کا اعتراف کیا اور پھر صفت رحیم مزید نعمت کو تام کرنے کے لئے لائی گئی اور جنت بھی اس کی شان رحیمی سے عطاء فرمائی۔

قال الإمام البقاعي في هذا المعنى: "رحيم أي عظيم الإكرام بما ترضاه الألوهية، كما كانوا في الدنيا يفعلون كل ما فيه الرضا، فيرحمهم في حال السلام وسماع الكلام، بلذة الرؤية مع التقوية عن الدهش، والصعق، لعظيم الأمر، وبالتأهيل لهذا المقام الأكرم مع قصورهم عنه". (نظم الدرر:۶/۲۷۲)

إنه تعالى لما ذكر لاهل الجنة السلام والسلامة من العذاب والتعب وغيرها من التكاليف، وأن هذه كلمة سلامة والسلام من الله.

فكان هذه اجمالا فذكر تفصيلا لذلك لتعظم شان المؤمنين بان هذه السلام ليس من شخص عام؛ بل

هذا من ذی عظمة وجلال وهو رب، فذكر الرب بأنه يربيهم فكما رباهم فی الدنيا بالتربية الجسمانية والروحية المهمة الخاصة التی صار سببا لدخولهم الجنة وبلوغهم هذه المرتبة والدرجة، فهو يسلم عليهم لأنه ربهم وراض عنهم، وذلك لأنه رحيم فيرحم عليهم ويزيد فی انعامهم واكرامهم ويكرمهم خاصة بلقائه. ولذا ذكر الرحيم فی الفاصلة مع تقديم الرب عليه ليتم المقصود ويفصل ما أجمل. (التحرير والتنوير: ۲۲/ ۴۴)

الرحمٰن الرحیم

یہ صفات چھ مقامات میں آئی ہیں، یہ صفات مسلمانوں میں بہت معروف ہیں، بسملہ اور سورۂ فاتحہ میں ان صفات کا ذکر ہونا اور دن میں پچاس مرتبہ نماز میں ان کا ورد ہونا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ایسا رحمٰن رحیم ہمیں دنیوی پریشانی اور آخرت کی ہولناکی میں اکیلے نہیں چھوڑ دے گا۔

قال الإمام ابن عاشور رحمه الله: "وإيثار الصفتين (الرحمن الرحيم) على غيرهما من الصفات العلية للإيماء إلى أن هذا التنزيل رحمة من الله بعباده، وفي ذلك استحماق الذين أعرضوا عن الاهتداء بهذا الكتاب بأنهم أعرضوا عن رحمة، وأن الذين اهتدوا به هم أهل المرحمة". (التحرير والتنوير: ۲۱۲/ ۴۹۸)

سورۂ حشر کے اخیر میں اسماء حسنیٰ کے ذکر میں پہلی آیت کے ختم پر عالم الغیب والشھادة کے بعد الرحمٰن الرحیم کا تذکرہ اس بات کی طرف دلالت کرتا ہے کہ اللہ پاک کے علم سے مخلوق کے ظاہری و باطنی احوال غائب نہیں ہے، لہٰذا وہ محتاجوں پر رحم فرماتا ہے اور معاندین و منکرین کو مہلت دے رہا ہے۔

قال الإمام ابن القيم: وأما الجمع بين الرحمن والرحيم ففيه معنى وهو أن الرحمن دال على الصفة القائمة به سبحانه وتعالى، والرحيم دال على تعلقها بالمرحوم، فكان الأول للوصف والثاني للفعل، فالأول دال على أن الرحمة صفته، والثاني دال على أنه يرحم خلقه برحمته. (بدائع الفوائد: ۱/ ۲۸)

قال الإمام الفخر الرازي: "واعلم أنه سبحانه إنما خص هذا الموضع بذكر هاتين الصفتين لأن ذكر الإلهية الفردانية يفيد القهر والعلو فعقبهما بذكر هذه المبالغة في الرحمة ترويحا للقلوب عن هيبة الإلهية وعزة الفردانية وإشعارا بأن رحمته سبقت غضبه وأنه ما خلق الخلق إلا للرحمة والإحسان".

(تفسیر الفخر الرازی: ۲/ ۱۹۷) (غزہ)

* الرحمٰن کے ساتھ ۵ آیات میں آیا ہے:

(۱) ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ (فاتحہ:۲)

بے حد مہربان نہایت رحم والا، عجب نہیں کہ بسم اللہ میں وہ شان رحمت مراد ہو کہ جو تکوین اور تربیت عالم کے لیے باعث ہوئی، اور الحمد میں الرحمٰن سے وہ رحمت مراد ہو جو خاص حالت تربیت میں مبذول ہوتی ہے، اگر یہ رحمت روک لی جائے تو تربیت اور پرورش ناممکن ہوجائے۔

اور الرحیم سے وہ رحمت مراد ہو کہ جو تربیت اور پرورش کے بعد جزاء اور سزا کی شکل میں ظاہر ہوگی، اس لیے کہ تربیت اور تکمیل کے بعد آثار اور ثمرات کا نہ مرتب ہونا اس تربیت کے ضائع ہونے کے مرادف ہے۔کھیتی پک جانے کے بعد اگر اس پر درانتی نہ چلائی، گندم اور بھوسہ الگ الگ نہ کیا جائے تو کھیتی کو ضائع کرنا ہے۔اسی طرح اگر اس عالم کی تربیت ختم ہوجانے کے بعد مومن وکافر اور سعید وشقی کو جدا جدا نہ کیا جائے تو عالم کی تربیت کا ضائع اور بیکار ہونا لازم آئے گا، اور آئندہ آیت یعنی مالك يوم الدين میں اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں: الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کا تکرار اس کی رحمت کے مکرر اور مضاعف ہونے کی طرف مشیر ہے؛ لیکن مبادا رحمت کی یہ فراوانی کہیں بندوں کو مغرور نہ بنادے؛ اس لیے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کا اضافہ فرمایا تا کہ رغبت کے ساتھ رہبت ضروری ہونا معلوم ہوجائے جیسے غافر الذنب وقابل التوب کے بعد شديد العقاب کی صفت کا ذکر فرمایا، اور عجب نہیں کہ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کا مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ سے پہلے ذکر کرنا سبقت رحمتی غضبی کی جانب مشیر ہو۔ (معارف القرآن ادریسی)

وانما ذكر الرحمٰن الرحيم دون غيرهما من الصفات لأنه لما كان في اتصافه برب العالمين مالك يوم الدين ترهيب قرن به الرحمٰن الرحيم لماتضمن من الترغيب ليجمع في صفاته ومن الرهبة منه والرغبة اليه فيكون اعون على طاعته وامنع من العصيان كما قال: ﴿نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۹﴾ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ﴿۵۰﴾﴾ (الجامع لاحکام القرآن للقرطبی: ۱/۱۳۶)

(۲) ﴿وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ﴾ (بقرہ:۱۶۳)

گذشتہ آیات میں اللہ کے احکام چھپانے والوں پر لعنت اور عذاب کا ذکر فرمایا، آئندہ آیت میں حق تعالیٰ کی وحدت اور رحمت کا ذکر فرماتے ہیں کہ وہی ایک معبود ہے، اس کے سوا کہیں پناہ نہیں جو اس کی لعنت سے تم کو چھڑا سکے، اور اس کے سوا کوئی رحمان اور رحیم نہیں جو خدا کی لعنت اور نقمت کو رحمت اور عنایت سے بدل دے، چنانچہ فرماتے ہیں: اور تمہارا معبود ایک ہی ہے، اور وہی رحمٰن اور رحیم ہے، رحمت عامہ اور خاصہ سب اسی کے ہاتھ میں ہے، اس لیے بدون اس کی رحمت

کے لعنت سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں، اگر خدا کے سوا کوئی دوسرا معبود ہوتا تو ممکن تھا کہ وہ تم کو اس کی لعنت سے نکال لیتا اور تم پر رحمت کرتا؛ لیکن اس کے سوا کوئی خدا نہیں جو رحمت عامہ اور خاصہ کا مالک ہو، اور عجب نہیں کہ اس خطاب میں اہل کتاب کو تہدید اور عتاب ہو کہ باوجودیکہ توریت اور انجیل میں اللہ کی توحید کی صریح آیتیں مذکور ہیں، اور پھر بھی تم حضرت عزیرؑ اور حضرت مسیحؑ کو خدا کا بیٹا بتلاتے ہو اور اس طرح شرک میں مبتلا ہو اور اس توحید کو جو تم کو معلوم ہے چھپاتے ہو، غرض یہ کہ تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو چھپانے کی وجہ سے بھی مستحق لعنت ہوئے اور توحید خداوندی کے اخفاء اور کتمان کی وجہ سے بھی مورد لعنت بنے۔ (معارف القرآن ادریسی)

فيهما تعريض به هنا لأن الكلام مسوق لابطال ألوهية غيره فكانه يذكر من الاوصاف المقتضية للالوهية هو في معنى قصرها عليه تعالى وذكر لفظ الرحمن مع الرحيم اغاظة للمشركين فإنهم ابوا وصف الله بالرحمن، وفي الوصفين من مزيد الرد على المشركين لأنهم قالوا وما الرحمن؟(التحرير والتنوير: ۷۶/۲)

(۳) ﴿إِنَّهُ مِن سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ﴾ (نمل: ۳۰)

اے اشراف قوم اور اے ارکان دولت! میری طرف ایک بزرگ خط یعنی گرامی نامہ ڈالا گیا ہے، جس کا حال عجیب ہے کہ اس کو ایک پرندلے کر آیا ہے اور وہ پرند نہایت مہذب اور مؤدب ہے کہ خط کو میرے سینہ پر رکھ کر ایک طرف کھڑا ہو گیا اور اس خط کا مضمون بھی عجیب ہے، تحقیق وہ خط سلیمان کی طرف سے ہے جس کے شروع میں بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ہے اور اس کے بعد یہ مضمون ہے کہ میرے مقابلہ میں تکبر اور سرکشی نہ کرو اور خدا کا فرمانبردار ہو کر گردن جھکائے ہوئے میرے سامنے حاضر ہو جاؤ، یہ خط کمال فصاحت اور بلاغت کے ساتھ غایت درجہ مختصر تھا اور باوجود کمال اختصار کے تمام مقاصد کو شامل تھا، بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ میں ذات الٰہی اور اس کی صفات کاملہ کو بیان کیا، بعد ازاں تکبر اور سرکشی کی ممانعت فرمائی جو تمام برائیوں کی جڑ ہے اور پھر اسلام کا حکم دیا جو تمام فضائل وشمائل اور خیرات وبرکات کو جامع ہے۔

امام قشیریؒ فرماتے ہیں کہ اس کتاب کو کتاب کریم اس لیے کہا کہ اس گرامی نامہ کا مضمون اللہ کے نام سے شروع ہوا ہے اور اس میں مالک الملک کی اطاعت اور فرمانبرداری کی دعوت دی گئی ہے اور اس میں اپنے لیے ملک اور سلطنت کی طمع کا کوئی شائبہ اور رائحہ بھی نہیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

ذكر اسم الله العظيم ووصفه بالوصفين المذكورين الرحمن تتميما لما قبله أنه انما يبدأ باسم الله تعالى لأنه رحمن، ومن رحمته العامة هو رازق للعباد بأسرها. وذكر الرحيم في الفاصلة علة لما قبلها بأنه رحيم برحمته الخاصة وهو رحمة للمؤمنين من اعطاء الاجر وتجزيل الثواب لهم بالعمل القليل وذكر الوصفين

لا کمال النعم الدنیویة والاخرویة له تعالی واتم الدعوة بأنه دعوة إلى توحیده تعالی، کما یظهر ذلك من الآیة التی بعدها. (مرزا: ۲۲۷)

وافتتاح الکتاب بجملة البسملة یدل علی ان مرادفها خاصا بکتب النبی سلیمان علیه السلام ان یتبع اسم الجلالة وصفی الرحمن الرحیم. (التحریر والتنویر: ۱۹/ ۲۶۰)

(۴)﴿تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ (سجدہ: ۲)

اس سورت میں قرآن کریم کی حقانیت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو ثابت کرنا مقصود ہے اور یہ کہ منکرین کا انجام کس طرح ہلاکت وتباہی کا ہوگا اور اہل ایمان کو کس اجر وثواب سے نوازا جائے گا، ارشاد فرمایا: حٰم خدا ہی اس کی مراد خوب جانتا ہے، یہ کلام نازل کیا جارہا ہے رحمٰن ورحیم کی طرف سے۔ (معارف القرآن ادریسی)

فبرحمته العامة یرسل لهدایة الناس الرسل، ومن رحمته الخاصة انه ینزل الیهم الکتاب، فلذا ذکر الرحیم فی الفاصلة لان انزال الکتاب رحمة خاصة له تعلق وربط بالرحیم، فتنکیر تنزیل للتعظیم. وایثار الوصفین الرحمن الرحیم علی غیرهما من الصفات العلیا للایحاء إلی ان هذا التنزیل رحمة من الله بعباده لیخرجهم من الظلمات إلی النور. والجمع بصفتی الرحمن والرحیم للایماء الی ان الرحمة صفة ذاتیة له تعالی وان متعلقهما منتشر فی المخلوقات. (التحریر والتنویر: ۲۴/ ۲۳۰)

(۵)﴿هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ﴾ (حشر: ۲۲)

جان لینا چاہئے کہ وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ہی پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے، جو چیز انسانی ادراک وشعور سے ماوراء ہو اس چیز کو نہ انسانی حواس ادراک کرسکتے ہیں اور نہ ہی وہاں تک عقل کی پرواز ہے، وہ صرف خدا ہی جانتا ہے اور ہر ظاہر چیز کو بھی خدا ہی جانتا ہے؛ جب کہ انسان بہت سی چیزوں کو دیکھنے اور محسوس کرنے کے باوجود اس کے جاننے سے عاجز رہتے ہیں، وہی بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے، جس کی عنایات ورحمتیں انسان کو آمادہ کرتی ہیں کہ وہ صرف اسی رحمٰن ورحیم کی عبادت وبندگی کرے، اس کے خزائن رحمت بے پایاں ہیں، دنیا میں وہ اپنی رحمتوں سے مؤمن وکافر، انسان وحیوان، شجر وحجر سب ہی کو نوازتا ہے، اس طرح کہ اس کی رحمت وعنایت رحمت ومہربانی کے لباس میں ظاہر ہوتی ہے اور کبھی پیکر تکلیف وشدت میں اس کی یہ رحمت اس کے بندوں کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور ان ظاہری وباطنی رحمتوں کو اس پروردگار نے اپنے مؤمن بندوں کے لیے آخرت میں مخصوص کردیا۔

''الغیب'' بڑا ہی وسیع المعنی لفظ ہے، انسان کی حس بصر سے لے کر حواس خمسہ تک ہر حس سے جو چیز غائب ہے اس

کوغیب کہا جائے گا، اضافہ کردہ الفاظ میں بھی اشارہ کر دیا گیا کہ غیب کا اطلاق حواس ظاہرہ سے غائب ہی چیز پر نہیں؛ بلکہ جو انسانی ادراک اور عقل وفکر کی پرواز سے بالا وبرتر ہے وہ بھی غیب ہے؛ چنانچہ آخرت اور احوال آخرت جیسی جملہ چیزیں غیب کا مصداق ہیں، انسان ہی کیا بلکہ ملائکہ اور جنوں کے ادراک وشعور سے بھی پوشیدہ چیزیں اس میں شامل ہیں۔

چنانچہ ملاء اعلیٰ اور ملکوت السمٰوٰت کی بہت سی چیزیں فرشتوں سے بھی پوشیدہ ہیں، الغرض ہر وہ چیز جو مخلوق کے ادراک وشعور سے بالا ہے یا بُعد مکانی سے حواس بصریہ وغیرہ سے مستور ہو اس کو غیب کہا جائے گا، جو ایک وسیع عالم ہے، اور اس کے بے شمار مراتب ودرجات ہیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

وحصر الوصفين له وذلك لا ن ضمير هو في [الرحمٰن الرحيم] ضمير فصل يفيد قصر الرحمة عليه تعالى لعدم الاعتداد برحمة غيره لقصورها. كما قال [ورحمتي وسعت كل شيء] ووجه تعقيب وصف العلم بصفة الرحمة ان عموم العلم يقتضي أن لا يغيب عن علمه شيء من أحوال خلقه وحاجاتهم إليه فهو يرحم المحتاجين إلى رحمته ويمهل المعاندين إلى عقاب الآخرة فهو رحمان بهم في الدنيا.

(التحرير والتنوير:۲۸/۲۲۹)

رؤوف رحيم

رأف. رَأفَةَ . رَءُوف. رَآفَةَ وَرَئِفٌ(رَأْفًا) سے ہے۔

رافت: وہ مہربانی جس کا مقصد ازالہ ضرر وتکلیف اور دفع مکروہات ہو۔

بعض نے رافت کو اشد رحمت کے معنی میں لیا ہے اور بعض نے رحمت کو عام اور رافت کو خاص بتلایا ہے، کیونکہ رحمت کے معنی میں دفع ضرر کے علاوہ وہ افضال وانعام بھی شامل ہیں۔ قرآن مجید میں اسم رءوف ۹ رمقامات میں آیا ہے۔ دو مقامات میں رءوف بالعباد، انفرادی حالت میں اور ۷ رمقامات میں (رءُوفٌ الرَّحِيم) (التوبۃ:۱۱۷) مرکب حال میں لہذا رؤُف الرّحیم بھی رَحْمٰنُ الرحیم کے معنی میں برابر ہوجاتا ہے۔

فرق اتنا ہے کہ رحمن الرحیم اللہ کے سوا کسی کو نہیں کہہ سکتے، مگران ہر دو اسماء کا اطلاق مومنین کے تعلق سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی فرمایا گیا ہے، بیشک اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان پاک کی بڑی عظمت آشکار ہے۔

اللہ تعالی رؤف رّحیم عفویت کے ساتھ ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم رؤف رحیم خصوصیت کے ساتھ ہیں۔

ہاں اللہ تعالی رؤوف ہے، اس کی شفقت، اس کا احسان تمام مخلوق پر بلا کسی سبب، بلا کسی استحقاق اور بلا کسی

درخواست کے عام ہے، ان حالات کے ساتھ احسان ونوازش انعام وپرورش فرمانا اللہ تعالی کا خاصہ ہے۔

(قاضی منصور پوری: ۱۸۴-۱۸۵)

رؤوف مبالغہ کا صیغہ ہے، اور یہ صفت تکلیف دور کرنے کا تقاضی کرتی ہے، اور صفت رحیم محتاج کو نفع پہونچانے کا تقاضی کرتی ہے۔

يقول الإمام أبو السعود: ”لأن الرأفة عبارة عن إيصال النعم الصافية عن الآلام، والرحمة إيصال النعمة مطلقا، وقد يكون مع الألم لقطع العضو المتألم“. (ارشاد العقل السليم: ۱/۱۷۴)

اور صفت رؤوف کو صفت رحیم پر مقدم کرنے کی وجہ بھی اس فرق سے معلوم ہوگئی کہ رفع ضرر جلب منفعت (جو رحمت کے آثار میں سے ہے اس) پر مقدم ہوتا ہے۔

قال الإمام الألوسي: ”وقدم الرؤوف على الرحيم لأن الرأفة مبالغة في رحمة خاصة، وهي رفع المكروه وإزالة الضرر، كما يشير إليه قوله تعالى: (ولا تأخذكم بهما رأفة في دين الله) أي لا ترأفوا بهما فترفعوا الجلد عنهما، ودفع الضرر أهم من جلب المنفعة، ولهذا قدمت في قوله: رأفة ورحمة ورهبانية ابتدعوها“.

(روح المعانی: ۲/۷، ۱۱/۵۲)

قرآن میں مذکور مقامات سے مناسبت:

یہ صفات آٹھ مقامات پر آئی ہیں اور تمام جگہ بندے حرج وتنگی اور ضرر میں مبتلا تھے، اللہ پاک نے اپنی طرف سے ضرر وتکلیف صرف دور ہی نہیں فرمائی؛ بلکہ اپنی رحمت کا بھی نزول فرمایا اور پھر بطور علت کے ذکر کیا کہ وہ رؤوف ورحیم ہے، لہٰذا یہ دفع ضرر وجلب منفعت فرمائی، وہ آیات یہ ہیں (التوبۃ: ۱۱۷، النحل: ۷، الحج: ۶۵، الحدید: ۹، النور: ۲۰) اور یہ اخیری آیت حضرت عائشہ صدیقہؓ پر تہمت کے مواقع میں نازل ہوئی، اس کی تقدیری عبارت اس طرح ہوگی: ولولا فضل الله عليكم ورحمته (يعاجلكم بالعقوبة) وان الله رؤوف رحيم.

رؤوف اور رحیم میں فرق:

رؤوف خاص ہے، اور رحیم عام ہے، ان الرأفة ابلغ من الرحمة. (الفروق اللغوية: ۲۲۱) امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ رأفت سے خاص رحمت مبالغہ ہے، جیسے آیت کریمہ ﴿ولا تأخذكم بهما رأفة في دين الله﴾ (مکروہ کو دور کرنا اور ضرر کو زائل کرنا) میں ہے، کہ تمہاری ان سے رأفت ونرمی ان کو سزا دینے سے تم کو باز نہ رکھے، اور رحمت اس کو بھی شامل ہے اور ساتھ میں فضل وانعام کو بھی شامل ہے، بارش کو بھی اسی عموم کی وجہ سے رحمت کہا گیا۔ (تفسیر رازی: ۲/۱۲۰)

رؤوف دو آیتوں میں ہے:

﴿وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ﴾ (بقرہ:۲۰۷)

﴿وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ﴾ (آل عمران:۳۰)

پہلی آیت میں تمام مسلمانوں کو اپنا دین بچانے کے لئے مال قربان کرنے کا حکم نہیں دیا؛ بلکہ ومن الناس یعنی بعض لوگوں سے ہی چاہا گیا۔ یہ دوسروں کے لئے رأفت کے طور پر ہے اور دوسری آیت میں بار بار خوف دلایا گیا جو دلوں کو جھنجوڑنے والا ہے، لہذا رحمت کی صفت لائے تاکہ بندے اللہ پاک کے احسان اور امید کی طرف بڑھے اور اس سے مایوس نہ ہوں اور یہ سمجھیں کہ اس کی رحمت و رأفت صرف مؤمنین کے لئے ہی نہیں ہے؛ بلکہ سب بندوں کے لئے عام ہے۔

* **رءوف** کے ساتھ ۷ آیات میں مذکور ہے:

(۱) ﴿اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ (بقرہ:۱۴۳)

بیت المقدس کو قبلہ مقرر کرنے میں مسلمانانِ قریش کا امتحان تھا اور پھر جب تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا تو اس میں مسلمانانِ یہود کا امتحان تھا اور چونکہ بیت المقدس محض چند روز کے لیے امتحاناً قبلہ بنایا گیا تھا اور ظاہر ہے کہ امتحان اسی چیز میں ہوتا ہے جو نفس پر شاق اور گراں ہو، اس لیے ارشاد فرماتے ہیں: اور بے شک بیت المقدس کا قبلہ ہونا قریش اور عرب پر بہت شاق اور گراں تھا، اولادِ اسماعیل ہونے کی وجہ سے قبلۂ ابراہیمی کو پسند کرتے تھے، مگر ان لوگوں پر شاق نہیں کہ جن کو اللہ نے ہدایت اور توفیق دی، اہل ہدایت کی نظر ہمیشہ اطاعت پر رہتی ہے کہ جس وقت جو حکم ہو اس کی تعمیل کی جائے، جس جانب چہرہ کرنے کا حکم ہوگا اسی جانب متوجہ ہو جائیں گے، نیز اخص الخواص اپنے ذوقِ سلیم سے یہ خیال کرتے تھے کہ اگرچہ خانہ کعبہ بیت المقدس سے افضل ہے مگر چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کے کمالات کے جامع ہیں اور آپ کی رسالت تمام عالم اور امم کے لیے ہے، اس لیے یہ لوگ اپنی نورِ فراست سے سمجھتے تھے کہ ضروری ہے کہ کسی وقت استقبال بیت المقدس کی نوبت آئے گی، اور بعد چندے اس قبلہ یعنی کعبہ کی طرف رجوع کا حکم ہوگا جو افضل الرسل کے مناسب ہے۔

اور بیت المقدس اگرچہ اصلی قبلہ نہ تھا مگر تم نے اس مدت میں جو نمازیں بیت المقدس کی طرف پڑھی ہیں ان کو ضائع نہ سمجھنا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ جو تمہارے ایمان اور اطاعت کو ضائع کر دے، اس لیے کہ تم نے جو نمازیں بیت المقدس کی طرف منھ کر کے پڑھی ہیں وہ اللہ ہی کے حکم سے پڑھی ہیں اور تحقیق اللہ تعالیٰ تو تمام آدمیوں پر، نیک ہوں یا بد، مؤمن ہوں یا کافر، سب ہی پر بہت ہی شفیق اور مہربان ہیں، وہ اپنے حکم کے اتباع کرنے والوں کی نماز اور بندگی کب ضائع کر سکتے ہیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

فاجاب عنه بان هذه الاعمال لن يضيعه اللّٰه تعالى ؛ فذكر العلة لذلك فى قوله ﴿إِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ باسلوب الجملة الاسمية المؤكدة بان واللام بأنه انما لا يضيع عملكم وأعمال الناس لأنه رؤف يرأف على الناس عامة فلذلك لا يشق عليهم وذلك لأنه رحيم فيزيد إحسانه وانعامه يزيد فى اجورهم ولا يضيعها.

(مرزا: ۲۲۹-۲۳۰)

(۲) ﴿إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ (توبہ: ۱۱۷)

پھر دوبارہ اللہ تعالیٰ ان مہاجرین وانصار پر اپنی رحمت اور عنایت سے متوجہ ہوا، یعنی رحمت پر رحمت اور مہربانی پر مہربانی فرمائی، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر مہربان ہوا، اور پھر مہربان ہوا، مہربانی پر مہربانی کی کہ آئندہ کے لیے دلوں کو اس قسم کے خطرات سے محفوظ کر دیا، بے شک وہ ان پر نہایت شفیق اور مہربان ہے کہ گرتے ہوؤں کو سنبھال لیا۔

(معارف القرآن ادریسی)

وذكر قبل الرحيم قوله: ﴿مِنۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِّنْهُمْ﴾ بأن العسرة كانت اشد، ولما ذكر تاب وذكر الشدة فتبديل الشدة والعسرة باليسر ورجوع الرحمة تقتضى كلمة تدل على الرقة والرأفة فلذا ذكر باسلوب الجملة الاسمية الدالة على الدوام والاستمرار علة لما ذكر بأنه انما تاب عليهم لأنه رحيم رؤوف بهم فرافته يقتضى خروجهم من العسر الى اليسر ولتسهيل السبيل لهم وتمهيدها. وذلك لأنه رحيم بهم فبرحمته جعلهم فائزين، وسيزيد لهم فى أجورهم الدنيوى والاخروى، ولذا عقب الرحيم بالرؤوف. وجملة انه بهم رؤوف رحيم تعليل لماقبلها. (التحرير والتنوير: ۱۱/۵۱)

(۳) ﴿أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَىٰ تَخَوُّفٍ ۖ فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ (نحل: ۴۷)

کیا یہ لوگ جو دین حق کے باطل کرنے کے لیے بڑی بڑی تدبیریں سوچتے رہتے ہیں، اس بات سے بے خوف اور نڈر ہو گئے کہ اللہ ان کو زمین میں دھنسائے جیسے قارون کو دھنسایا، یا ایسی جگہ سے ان پر عذاب آجائے جہاں ان کو وہم و گمان بھی نہ ہو، جیسے قوم لوط اور قوم عاد پر ناگہانی عذاب آیا، یا چلتے پھرتے ان کو ناگہانی عذاب میں پکڑ لے، مثلاً کھیل تماشہ میں یا عیش وعشرت کی حالت میں ناگہانی طور پر مصیبت آجائے، پس وہ کسی حالت میں اللہ کے ہاتھ سے چھوٹ کر نکل نہیں سکتے، یا وہ نڈر ہیں اس بات سے کہ اللہ تعالیٰ ان کو خوف میں مبتلا کر کے عذاب میں پکڑ لے، یعنی اچانک نہ پکڑے؛ بلکہ علامات عذاب کے ظاہر کرنے کے بعد ایسی حالت میں پکڑ لے کہ جب لوگ آثار عذاب کو دیکھ کر خوف زدہ ہو رہے ہوں؛ مگر ندامت اور توبہ کے ساتھ خدا کی طرف متوجہ نہ ہوں، ایسی حالت میں ان پر عذاب نازل کرے، الغرض اللہ ہر طرح قادر

ہے کہ ان کی مکاریوں اور بداعمالیوں کی سزا میں جس عذاب میں جس طرح چاہے مبتلا کرے سب ممکن ہے؛ لیکن وہ حلیم وغفور ہے، سزا میں جلدی نہیں کرتا، چنانچہ فرماتے ہیں: بے شک تیرا پروردگار بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے کہ مہلت دیتا ہے اور باوجود استحقاق عقوبت کے فوراً نہیں پکڑتا، اس نے تمہیں سمجھا دیا، اب آگے خود جانو۔(معارف القرآن ادریسی)

فلذا ذكر الرحيم مع اقتران الرؤوف فى الفاصلة وفرع ﴿فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾على الجمل الماضية تفريع العلة على العمل وحرف إن هذا يفيد التعليل ومغن عن فاء التفريع عند عبد القاهر الجرجانى فهى مؤكدة لما افادته الفاء والتعليل هنا لمافهم من مجموع المذكورات فى الآية من انه تعالى قادر على تعجيل هلاكهم وانه امهلهم حتى نسوا بأس الله فصاروا كالآمنين منه بحيث يستفهم عنهم أهم آمنون من ذلك ام لا؟

(التحریر والتنویر:۱۴/۱۸۷-۱۸۸)

(۴)﴿إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾(حج:۶۵)

اے منکر توحید! کیا تو نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ ہی نے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے جو کچھ زمین میں ہے کہ جس طرح چاہو اس میں تصرف کرو اور اس سے منافع حاصل کرو، ایک ضعیف البنیان انسان کو اتنی بڑی زمین اور اس کی چیزوں میں تصرف کرنے کی قدرت آخر کس نے دی، پس جس ذات نے اس کرۂ ارضی کو تمہارے بس میں کر دیا وہی تمہارا خدا ہے۔ اور اس خدا نے کشتی کو تمہارے لیے مسخر کر دیا کہ جو اسی کے حکم سے دریا میں چلتی ہے، یہ بھی اس کی نعمت ہے اور اس کی قدرت کا کرشمہ ہے، اور منجملہ دلائل قدرت کے یہ ہے کہ وہ آسمان جیسے عظیم کو تھامے ہوئے ہے اور زمین پر گرنے سے اس کو روکے ہوئے ہے اور اسی کی مشیت سے وہ اپنے مقام پر قائم ہے، زمین پر گرتا نہیں، مگر یہ کہ اس کا حکم ہو جائے تو فوراً گر پڑے، اور بندے ہلاک ہو جائیں، دیکھو یہ اللہ کی کیسی رحمت ہے، بے شک اللہ اپنے بندوں پر بڑا شفیق اور مہربان ہے، قیامت کے دن یہ زمین وآسمان سب لپیٹ دیئے جائیں گے۔(معارف القرآن ادریسی)

وموقع جملة﴿إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾موقع التعليل للتسخير والامساك باعتبار الإستثناء لأن فى جميع ذلك رأفة بالناس بتيسير منافعهم الذى فى ضمنه دفع الضر عنهم، فالرؤوف من الرأفة صيغة مبالغة او صفة مشبهة وهى صغة تقتضى صرف القصر. والرحيم وصف من الرحمة وهى صفة تقتضى النفع لمحتاجيه، والجمع بينهما تفيد ما تختص به كل صفة منها، ويوكد ما تجتمعان عليه.(التحرير والتنوير:۱۷/۳۱۵)

(۵)﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾(نور:۲۰)

اور جو لوگ تم میں سے صاحبان فضل اور مقدرت ہیں، ان کو اپنے رشتہ داروں اور مسکینوں اور راہ خدا میں ہجرت

کرنے والوں کو نہ دینے کی قسم نہ کھانی چاہئے یا بمقتضائے بشریت کسی ناراضگی کی بنا پر ان کی امداد اور اعانت میں کمی نہ کرنی چاہئے، یہ شان فضل و وسعت کے خلاف ہے، اشارہ مسطحؓ کی طرف ہے کہ وہ ابوبکر صدیقؓ کا رشتہ دار ہے، ان کا خالہ زاد بھائی ہے، مسکین ہے اور مہاجر ہے، نادانی سے اس قصہ میں مبتلا ہو گیا اور اہل فضل و وسعت کو چاہئے کہ قصور معاف کریں اور درگزر کریں، اور کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہارے قصور کو معاف کرے اور اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے، یعنی جب تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تمہارے قصور معاف کرے تو تم بھی دوسروں کے قصور معاف کرو، تخلق باخلاق الٰہیہ کا یہی مقتضا ہے کہ عفو اور مسامحت اختیار کرو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس آیت کو ابوبکرؓ پر پڑھا تو ابوبکرؓ نے کہا: بے شک میں یہ چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت کردے اور مسطح کا وظیفہ جاری کر دیا؛ بلکہ پہلے سے دُگنا کر دیا اور قسم کھائی کہ بخدا اب کبھی بند نہ کروں گا اور اپنی گزشتہ قسم کا کفارہ ادا کیا۔ (معارف القرآن ادریسی)

وذكر وصف الرأفة والرحمة هنا لأنه قد تقدمه انقاذه إياهم من سوءمحبة ان يشيع الفاحشة في الذين آمنوا تلك المحبة التي انطوت عليها ضماير المنافقين كان إنقاذ المؤمنين من التخلق بها رأفة بهم من العذاب ورحمة لهم بثواب المتاب. (التحرير والتنوير: ۱۸/۱۸۶)

(۶) ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ (حدید:۹)

وہی ہے پروردگار جو اتارتا ہے اپنے بندے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کھلی کھلی نشانیاں اور واضح احکام؛ تاکہ تم کو گمراہیوں کے اندھیروں سے نکال کر نور ہدایت کی طرف لے آئے اور بے شک رب العزت تم پر بہت ہی نرمی کرنے والا مہربان ہے کہ تم کو تمہارے انکار و کفر اور نافرمانی پر سزا دے کر ہلاک نہیں کرتا؛ بلکہ تم کو مہلت دے رہا ہے اور اپنی مہربانی سے تمہارے واسطے آیات بینات نازل کیں، جن کے ذریعہ تم گمراہیوں سے نجات پاکر فلاح و سعادت کی زندگی اختیار کر لو۔ (معارف القرآن ادریسی)

وذكر قبل الرحيم قوله ﴿لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ والاخراج منها نعمة عظيمة ويقتضى علة فذكر العلة لذلك بأسلوب الجملة الاسمية المؤكدة بإن، وذكر في نهايتها الرحيم، كأن قال: إنما يخرجكم من الظلمات إلى النور لأنه رؤوف، ورأفته يقتضى قربكم اليه فيرحم عليكم بمزيد النعم في الآخرة أيضا.

(مرزا: ۲۳۳)

(۷) ﴿وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ (حشر:۱۰)

اور یہ مال فیٔ ان لوگوں کے لیے بھی ہے جو ان کے بعد آئے، یہ کہتے ہوئے کہ اے ہمارے پروردگار مغفرت

فرما ہماری اور ہمارے ان بھائیوں کی جو ہم سے پہلے ایمان کے ساتھ گزر چکے ہیں، اور نہ رکھ ہمارے دلوں میں کوئی کھوٹ اور کینہ ایمان والوں کے لیے، اے پروردگار، اے ہمارے رب! بے شک تو بہت ہی نرمی کرنے والا مہربان ہے۔

(معارف القرآن ادریسی)

وذکر قبل الرحیم قوله﴿وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ونفي الغل والحسد من کبار النعم والاحسانات فذکر لتتمیم ماذکر قبله علة ودلیلا علیها بقوله﴿رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾حینما انهاها بالرحیم. وذلك انما التجینا الیك بهذه الدعوات لانك ربنا تربینا بانواع التربیة، وذلك لأنك رؤوف بنا، فرأفتك یقتضی قبول دعائنا، وانك رحیم فرحمتك نتطلب مزید النعم لنا وتکثیرها. (مرزا: ۲۳۳)

العزیز الرحیم

یہ اسم عزت سے بنایا گیا ہے، عزت کے معنیٰ ارجمندی، قوت وشوکت اور غلبہ کے ہے، اور عزیز وہ ہے جس میں صفات بالا بدرجہ اتم پائی جائیں۔

قرآن مجید پر غور کرو کہ اس اسم عزیز کو کون اسماء کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے، ۲۴/مقامات پر **عزیز حکیم** فرمایا ہے، اور ۵ مقامات پر **عزیز رحیم** اور ۲/مقامات پر **عزیز غفور**، ۳/مقامات پر **عزیز غفّار**، ایک جگہ پر **عزیز مُّقْتَدِر**، ۲/مقامات پر **قَوِيٌّ عَزِيْزٌ**، ایک جگہ **عزیز وھّاب** ۴/دفعہ **عزیزُ الحلیم**، ۲/دفعہ **عزیزِ الحمید** فرمایا ہے۔

ان جملہ آیات پر غور کرنے سے واضح ہوجاتا ہے کہ وہ ملک جسے ساری مخلوق پر غلبہ تام اور اقتدار کامل حاصل ہے وہ اپنی اقتدار وقدرت کا استعمال حکمت اور رحم، غفران اور علم، حمد اور رحم کے ساتھ فرماتا ہے، یہ سبق ہے ان لوگوں کے لیے جن کو دنیائے فانی میں چندروز محدود غلبہ کسی مقام یا اشخاص پر حاصل ہوگیا ہو کہ وہ بھی اپنے اختیارات کا استعمال علم صحیح کے بعد اول عفو ورحم اور پھر دانائی وحکمت کے ساتھ کیا کریں۔ (قاضی منصور پوری: ۸۰ تا ۸۲)

صفت عزیز کے ساتھ صفت رحیم لانے میں حکمت:

صفت العزیز رحیم کے ساتھ ۱۳ مقامات پر آئی ہے، جن میں ۸ جگہ سورۂ شعراء میں ہے، العزیز کے بعد الرحیم کا لانا ایسا ہی ہے جیسے العزیز کے بعد الحکیم کا آنا مخلوق میں کسی کو عزت وغلبہ ہو؛ لیکن وہ صفت رحمت والا نہ ہو، یا رحمت ہو ؛لیکن غلبہ نہ ہو تو دونوں صفات کو ساتھ میں لانے سے اس قسم کا وہم دور ہوگیا، صفت عزیز کے ساتھ حکمت کی بنیاد پر حکیم کی صفت آتی ہے، اس حکمت کا ظہور کبھی رحمت کے سبب سے ہوتا ہے، اس میں فعل کو واقع کرنا ہو یا اس کے وقوع کی نفی مقصود ہو، اس فعل سے حکمت رحمت ہی کے سبب سے ہوتی ہے، وہ آیات جو عزیز الرحیم پر ختم ہوتی ہیں وہ اس مفہوم کو واضح طور پر

ثابت کرتی ہے۔ تمام آیات میں صفت عزیز کا تعلق کفار پر قدرت وانتقام کی طرف اور رحیم کا تعلق اہل ایمان کی حفاظت و دشمنوں سے نجات کی طرف دلالت کرتا ہے۔

كما يقول ابن القيم : " فصدور هذا الإهلاك عن عزنه، وذلك الإنجاء عن رحمته۔" وقال الإمام السيوطي: "ولما كان مفهومه أن الأقل من قومه آمنوا أتى بوصف العزيز الرحيم، للإشارة إلى أن العزة على من لم يؤمن منهم، والرحمة لمن آمن. "(الاتقان في علوم القرآن :۲/۱۸۱) وبمثله قال الإمام الزركشي : " وأما مناسبة قوله العزيز الرحيم، فإنه نفى الإيمان عن الأكثر ،فدل بالمفهوم على إيمان الأقل، فكانت العزة على من لم يؤمن ، والرحمة لمن آمن ، وهما مرتبتان كترتيب الفريقين ".(البرهان في علوم القرآن:۳/۲۰)

اور صفت عزیز کو رحیم پر مقدم کیا؛ کیونکہ اولاً دشمنوں کو مغلوب وہلاک کر کے ان سے انتقام لینا ہے، پھر مؤمنین پر رحم کرنا ہے، اگر چہ دشمنوں کی مغلوبیت بھی دوستوں پر رحم ہی ہے؛ لیکن مستقلاً رحم کرنا دوسری نعمت ہے۔

قال ابن عاشور في معرض تفسير قوله تعالى : ﴿ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ﴾ (السجدة:٦): "ومناسبة وصفه تعالى بالعزيز الرحيم عقب ما تقدم أنه خلق الخلق بمحض قدرته بدون معين، فالعزة – وهي الاستغناء عن الغير – ظاهرة، وأنه خلقهم على أحوال فيها الطف بهم ،فهو رحيم بهم فيما خلقهم إذ جعل أمور حياتهم ملائمة لهم، فيها نعيم لهم، وجنبهم الآلام فيهم، فهذا سبب الجمع بين صفتي العزيز والرحيم هنا على خلاف الغالب من ذكر الحكيم مع العزيز ".(التحرير والتنوير: ۱۱/۱۶۳)

عزیز کے ساتھ ۱۳ آیات میں (۳) اسلوب کے ساتھ آیا ہے:

* تاکید کے ساتھ ۸ آیات میں:

﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ﴾ (شعراء:۹، ۶۸، ۱۰۴، ۱۲۲، ۱۴۰، ۱۵۹، ۱۷۵، ۱۹۱)

(۱) [آیت :۹] اور بے شک تیرا پروردگار بڑا غالب اور قاہر ہے، وہ اس بات پر قادر ہے کہ کافروں پر کوئی بلا نازل کرے اور اپنے پیغمبروں کے دشمنوں سے انتقام لے، اور وہ اپنے دوستوں پر بڑا مہربان ہے کہ باوجود بے سروسامانی کے ان کو عزت اور غلبہ دے، لہٰذا جب حقیقت حال یہ ہے تو آپ اللہ پر بھروسہ رکھیں اور کافروں کے کفر کو اللہ کی حکمت اور اس کی مشیت کے حوالہ کریں اور ان پر کچھ غم اور حسرت نہ کریں۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۲) [آیت :٦٨] بے شک تیرا پروردگار جو ہے وہی غالب ہے اور بڑا مہربان ہے، اسی انفلاق بحر کے واقعہ سے اس کی شان عزت وغلبہ اور شان رحمت ظاہر ہوگئی کہ اہل ایمان کو نجات دی اور اہل کفر وتکبر کو غرق کیا۔

(۳)[آیت:۱۰۴] بے شک تیرا پروردگار ہی غالب ہے اور مہربان ہے، یعنی وہ قادر ہے کہ اپنے دشمنوں سے فوری انتقام لے لے؛ لیکن وہ رحیم اور حلیم ہے کہ دشمنوں کو مہلت دیتا ہے۔

(۴)[آیت:۱۲۲] بے شک تیرا پروردگار وہی ہے زبردست مہربان کہ اس نے کافروں سے اپنے پیغمبر کا انتقام لے لیا اور مسلمانوں کو اپنی رحمت سے بچا لیا اور تمام کافر قہرالٰہی کے طوفان اور سیلاب میں بہا کر ہلاک کر دیئے گئے۔

(۵)[آیت:۱۴۰] اور بے شک تیرا رب وہی بڑا زبردست عزت والا اور رحمت والا ہے کہ دشمنوں کو مہلت دیتا ہے۔

(۶)[آیت:۱۵۹] اور بے شک تیرا رب عزیز اور رحیم ہے، یعنی وہ غالب ہے، کبھی مغلوب نہیں ہوتا، اور مہربان ہے جب تک جرم کا پیمانہ لبریز نہ ہو جائے اس وقت تک عذاب نازل نہیں کرتا۔

(۷)[آیت:۱۷۵] اور تیرا پروردگار زبردست ہے اور رحم والا ہے کہ دشمنوں کو ہلاک کیا اور لوط علیہ السلام کو اور ان کے ساتھیوں کو نجات دی۔

(۸)[آیت:۱۹۱] اور بے شک پروردگار وہی غالب اور مہربان ہے کہ اہل ایمان کا کافروں سے اس طرح انتقام لیتا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

واما الحكمة المعنوية: فهي إنه تعالى لما ذكر هلاك الامم المكذبة من قوم موسى فرعون واتباعه وقوم ابراهيم وقوم نوح وقوم هود (عاد) وقوم صالح وثمود وقوم لوط وقوم شعيب اصحاب مدين هذه كانت مذكورة خاصة، وفي الثامن ذكر التخويف الدنيوي عاما. فذكر قبله ذكر الوقائع بأسلوب الجملة الاسمية المؤكدة بإن وإضافة الرب إلى ضمير الخطاب لتشريف النبي ﷺ فقدم العزيز للمخالفين فلهذا لا يمنعه مانع عن انفاذ أمره واهلاك الامم المكذبة لأنه عزيز، والعزيز هو الذي لا يستطيع أحد منع تصرفاته، ولما كان اهلاك قوم لا بدله من القوة فاقتضى كلمة تدل على القوة والسلطان فلذا ذكر العزيز قبل الرحيم، وذكر في النهاية الرحيم بأنه مع ذلك رحيم، ولو لم يكن رحمه لأهلك الجميع لان الناس باجمعهم وخاصة المكذبين لكثرة ذنوبهم لا يستحقون الامهال. وإنما اقترن العزيز والرحيم دون الغفور الرحيم.

لأن المقام مقام العزة والغلبة والرحمة لأنه لما كان هنا الاهلاك ولكن كان هناك نجاة المؤمنين وتاخير العذاب فذكر الاول للاول والثاني للثاني. (مرزا:۲۳۵)

* تاکید اور حصر کے ساتھ ایک آیت میں آیا ہے:

(۱) ﴿إِلَّا مَن رَّحِمَ اللَّهُ ۚ إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ﴾ (دخان:۴۲)

بے شک فیصلہ کا دن یعنی روز قیامت، اور سب کا ایک مقرر کردہ وقت ہے کہ سب کا حساب وکتاب بیک وقت ہی ہوجائے گا، یہ دن وہ ہوگا کہ جس میں کوئی دوست کسی دوست کو کچھ کام نہ آئے گا اور نہ ہی وہ مدد کیے جائیں گے، مگر وہ شخص جس پر اللہ رحم کرے، بس وہی اس دن کے عذاب اور پریشانی سے بچ سکے گا، ورنہ کسی کو کسی ذریعہ سے نہ کوئی مدد مل سکے گی، اور نہ کوئی کسی کے کچھ کام آئے گا، یقیناً وہی بڑی قوت والا مہربان ہے، اس کی مہربانی اس قدر غالب ہے کہ ہر چیز پر محیط ہے اور وہ اپنی شان رحیمی کے ساتھ اتنا زبردست اور طاقت والا ہے کہ اس کی رحمت کو کوئی روک نہیں سکتا۔

(معارف القرآن ادریسی)

وجملة ﴿إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ﴾ استيناف بياني، هو جواب مجمل عن سؤال سائل عن تعيين من رحم الله، أي إن الله عزيز لا يكرهه أحد على العدول عن مراده، فهو يرحم من يرحمه بمحض مشيته، وهو رحيم واسع الرحمة لمن يشاء من عباده على وفق ما جرى به علمه وحكمته ووعده. (التحرير والتنوير: ۲۵/ ۳۱۳)

* تاکید وحصر سے خالی ۴ آیات میں مذکور ہے:

(۱) ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ﴾ (شعراء: ۲۱۷)

اگر آپ کی قوم والے آپ کی نافرمانی کریں اور آپ کی دعوت کو قبول نہ کریں اور آپ پر ایمان نہ لائیں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں بری اور بیزار ہوں اس کام سے جو تم کر رہے ہو، اور ان کی طرف سے ایذاء اور ضرر کا خطرہ دل میں نہ لائیے بلکہ اللہ پر بھروسہ رکھئے جو غالب اور مہربان ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

وعلق التوكل بالاسمين ﴿الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ﴾ وما يتبعها من الوصف بالموصول وما ذيل به من الايماء إلى انه يلاحظ قوله ويعلم نيته اشارة إلى أن التوكل على الله ياتي بما أومأت اليه هذه الصفات، واستتباعها بوصف العزيز الرحيم للاشارة الى انه بعزته قادر على تغلبه على عدوه الذي هو اقوى منه، وانه برحمته يعصمه منهم، ولهذا الاعتبار فذكر هذين الاسمين غير مرة. (التحرير والتنوير: ۱۹/ ۲۰۴)

(۲) ﴿بِنَصْرِ اللَّهِ ۚ يَنصُرُ مَن يَشَاءُ ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ﴾ (روم: ۵)

جس روز بدر میں مسلمانوں کی خوشی دوچند ہوگئی، ایک خوشی تو جنگ بدر میں اپنے مظفر ومنصور ہونے کی تھی، اور دوسری خوشی اس کے ساتھ یہ مل گئی کہ اہل کتاب (رومی) مجوس یعنی اہل فارس پر غالب آگئے اور قرآن کریم نے جو پیشین گوئی کی تھی اس کا صدق ظاہر ہوگیا، حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مدد کرتا ہے جس کی چاہتا ہے، اور وہی زبردست ہے اور رحم والا ہے، جس کو چاہے عزت اور غلبہ دے اور جس پر چاہے مہربانی کرے، حکومت اس کے ہاتھ میں ہے، جس کو چاہے فتح

دے اور جس کو چاہے شکست دے۔

زجاجؒ کہتے ہیں کہ یہ آیت منجملہ ان آیتوں کے ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہے؛ کیونکہ اس نے ایسی بات کی خبر دی کہ جو آئندہ واقع ہوگی، جس کا علم سوائے اللہ پاک کے کسی کو نہیں ہو سکتا۔ (معارف القرآن ادریسی)

ولذلك عقبه بقوله﴿وَهُوَ الْعَزِيزُ﴾ فإن العزيز المطلق هو الذى يغلب كل مغالب، وعقبه بالرحيم للإشارة إلى ان عزته تعالى لا تخلو من رحمته بعباده، ولولا رحمته لما أدال للمغلوب دالة على غالبه مع أنه تعالى هو الذى اراد غلبة الغالب الأول، فكان الأمر الأول بعزته، والأمر الثانى برحمته للمغلوب المنكوب، وترتيب الصفتين العلتين منظور فيه لمقابلة كل صفة منهما بالذى يناسب ذكره من الغلبين فالمراد رحمته فى الدنيا.

(التحرير والتنوير: ۴۸/۲۱)

(۳)﴿ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ﴾ (سجدہ:۶)

یہی ذات والا صفات جس کا حکم اور جس کی تدبیر عرش سے لے کر فرش تک جاری ہے، وہی پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے اور غالب ہے اور مہربان۔ (معارف القرآن ادریسی)

ومناسبة وصفه تعالى بالعزيز الرحيم عقب ما تقدم انه خلق الخلق بمحض قدرته بدون معين ومناصرة، وهى الاستغناء عن الغير ظاهرة، وانه خلقهم على احوال فيها لطف بهم فهو رحيم بهم فيما خلقهم، اذ جعل امور حياتهم ملائمة لهم فيها نعيم لهم وجنبهم الآلام. فهذا هو سبب الجمع بين صفتى العزيز والرحيم هنا على خلاف الغالب من ذكر العزيز مع الحكيم. (التحرير والتنوير: ۲۱۵/۲۱)

(۴)﴿تَنْزِيلَ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ﴾ (یٰس:۵)

اور یہ قرآن حکیم ایسے رب العزت کی طرف سے تجھ پر نازل کیا گیا ہے جو بڑا ہی مہربان ہے اور یہ قرآن تیری نبوت کا سب سے بڑا نشان ہے اور لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت کا فرمان ہے۔

(معارف القرآن ادریسی)

ففى الوصفين ترهيب وترغيب، وذلك لأنه ترهيب عن العصيان وترغيب الى الطاعة، فناسب ان يذكر الوصفين بعد التنزيل بأن من انزل القرآن هو عزيز، فلا يستطيع احد ان يخلط فى وحيه وان يقول من نفسه شيئا. والله رحيم فمن رحمته انزل القرآن وارسل الرسول النبى الامى لكى تنجوا من العذاب. (مرزا: ۲۳/۷)

الغفور الرحیم

یہ دونوں صفات ۲۷ مقام پر آئی ہیں، غفور وہ ذات ہے جو گناہ چھپاتی ہے اور اس پر سزا نہیں دیتی ہے اور رحیم انعام وفضل کرنے والی ذات ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں: اذ المغفرة ستر الذنوب و محوها، والرحمة ایصال الخیرات. (عمدۃ: ۲۹۲/۲۲)

صفت مغفرت کے بعد رحمت کا ذکر کیوں کیا گیا؟ اس میں کیا حکمت پنہا ہے؟ اس کے نکات پانچ محور میں ذکر کئے جارہے ہیں:

محور اول: یہ دونوں صفات سب سے پہلے یہ بتاتی ہیں کہ نعمتوں کا مستحق ہونا محض ہمارے اپنے ایمان اور اعمال صالحہ کی بنیاد پر نہیں ہے؛ بلکہ ہم اپنے ایمان اور اعمال صالحہ کی حفاظت میں بھی اس کے ہی محتاج ہیں، یہ محض اس کا فضل ہے کہ اس نے مغفرت ورحمت دونوں سے ہمیں سرفراز فرمایا۔ سورۂ ہود: ۴۱، النحل: ۱۸، فصلت: ۳۲ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا اپنا کمال نہیں ہے؛ بلکہ اس کا فضل واحسان ہے اور ہم مغفرت ورحمت دونوں میں سے ہر ایک کے محتاج ہیں، دنیا میں رحمت اور آخرت میں مغفرت دونوں کی ضرورت ہے، اسی طرح حشر کے میدان میں بھی رحمت کے محتاج ہیں، اگر صرف رحمت دنیا میں ہی نازل ہوتی اور آخرت میں نہ ہوتی تو دخول جنت کیسے ہوتا؟ اسی طرح دنیا میں ہر طرح کی رحمتیں عنایت ہوتیں اور آخرت میں ان کا حساب لیا جاتا تو یہ رحمت ہمیں کیا نفع دیتی، معلوم ہوا کہ رحمت کے ساتھ مغفرت بھی ضروری ہے، وہ غفور ہے لہٰذا ہماری طرف سے کسی سبب کے بغیر بھی وہ رحمت نازل کرے گا؛ کیونکہ رحمت اس کی ذاتی صفت ہے۔

قال الإمام الالوسي رحمه الله: "إن ربي لغفور رحيم، الجملة مستأنفة لبيان الموجب، أي لولا مغفرته لفرطاتكم، ورحمته إياكم لما نجاكم من هذه الطامة إيمانكم، وفيه دلالة على أن نجاتهم لم تكن عن استحقاق بسبب أنهم كانوا مؤمنين بل بمحض رحمة الله تعالى وغفرانه". (روح المعانی: ۵۷/۱۲) وبمثله قال الإمام الزمخشري: "إن ربي لغفور رحيم، لولا مغفرته لذنوبكم، ورحمته إياكم لما نجاكم".

(الکشاف: ۵۴۵/۱)

دوسرا محور: لفظی مناسبت کا ہونا، اور یہ عمومی طور پر ان آیات میں ہوتا ہے جہاں استغفار کا حکم یا ترغیب کا ذکر ہو۔ نساء: ۱۰۶، الممتحنہ: ۱۲، النور: ۶۲ ان تینوں آیات میں استغفار کے ساتھ تاکیدی طور پر معافی کا ذکر ہے، گویا گناہوں کے بڑے ہونے کے ساتھ ان کی معافی نہ ہونے کا خطرہ معلوم ہوتا ہے، تو تاکیدی طور پر ان کی بھی معافی کا ذکر دونوں صفات کے ساتھ کیا گیا۔

تیسرا محور: گناہوں کے بعد توبہ کی ترغیب دینا، یہ بھی (التوبہ: ۱۰۲، المائدہ: ۳۴، ۳۹، النمل: ۱۱، المائدہ: الحجرات: ۵ اورالاعراف: ۱۵۳) سے معلوم ہوتا ہے۔

يقول الإمام الطبري: "الغفور الرحيم، إن ربي هو الساتر على ذنوب التائبين إليه من ذنوبهم، الرحيم بهم أن يعذبهم بعد توبتهم منها". (جامع البيان: ۷/۲۹۹)

محور رابع: ترغیب وترہیب کے ساتھ صفات کو ذکر کرنا (المائدة: ۹۸، الانعام: ۱۶۵، الاعراف: ۱۶۷) قرآن کریم کی اور بھی بہت سی آیات میں ترغیب وترہیب کا عنوان بطور تقابل اختیار کیا گیا ہے۔

يقول ابن كثير: "وفيها ترهيب وترغيب ،أن حسابه وعقابه سريع فيمن عصاه، وخالف رسله، وإنه لغفور رحيم لمن والاه واتبع رسله، وكثيرا ما يقرن الله تعالى في القرآن بين هاتين الصفتين." (تفسیر ابن کثیر: ۴/۱۹۷) وبمثله يقول ابن عاشور: "أطنبت آيات الوعيد بأفنانها إطنابا يبلغ من نفوس سامعيها أي مبلغ من الرعب والخوف على رغم تظاهرهم بقلة الاهتمام بها، وقد يبلغ بهم وقعها مبلغ اليأس من سعي ينجيهم من وعيدها، فأعقبها الله ببعث الرجاء في نفوسهم للخروج إلى ساحل النجاة،إذا أرادوها على عادة هذا الكتاب المجيد من مداواة النفوس بمزيج الترغيب والترهيب". (التحرير والتنوير: ۲۱/۳۹۵)

یہ ترغیب وترہیب والی صفات آیات میں توازن کی طرف اشارہ کرتی ہیں؛ تاکہ کوئی صرف ترغیب سے سرکشی نہ کرے اور ترہیب سے ناامید نہ ہوجائے ،خوف ورجاء کے درمیان توازن باقی رہے۔

پانچواں محور: ایک حکم پہلے ممنوع ہو، پھر اللہ پاک کی طرف سے دفع حرج یا اضطرار یا اور کسی وجہ سے دوسرا حکم ثابت ہو تو ایسے مواقع پر بھی ان دونوں صفات کا استعمال ہوا ہے۔ (البقرہ: ۱۷۳، المجادلۃ: ۱۲، المائدہ: ۳، الانعام: ۱۴۵، التوبۃ: ۹۱، الاحزاب: ۵۰) ان تمام آیات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے احکام میں رخصت نازل ہوئی ہے، رخصت سے پہلے ارتکاب معصیت کو معاف کرنے والا ہے، اور اب حکم میں رخصت وتخفیف کرکے رحم کرنے والا ہے۔

قال الامام النسفی: فان الله غفور رحيم ،لا يؤاخذ بذلك، رحيم فی اباحة المحظور للمعذور.

(تفسیر النسفی: ۱/۲۶۹)

غفور کے ساتھ چار اسلوب سے آیا ہے:

* تاکید کے ساتھ ۳۴ آیتوں میں آیا ہے:

(۱) ﴿إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (بقرہ: ۱۷۳)

حق تعالیٰ شانہ نے ان چیزوں کو حرام فرمایا کہ یہ چیزیں گندی اور ناپاک ہیں، ان چیزوں کے استعمال سے انسان کا قلب اور اس کی روح گندی اور ناپاک ہوجاتی ہے، حلال چیزوں کے کھانے سے قلب میں اللہ کی محبت پیدا ہوتی ہے اور حرام چیزوں کے استعمال سے دل سے اللہ کی محبت رخصت ہوجاتی ہے، اور قلب میں بجائے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے معصیت کی رغبت پیدا ہوجاتی ہے، گندگی اور نجاست کا کیڑا گندگی ہی سے زندہ رہتا ہے، عطر سونگھ کر زندہ نہیں رہ سکتا؛ لیکن حق تعالیٰ نے شدید مجبوری کی حالت میں ان چیزوں کی حرمت میں کچھ سہولت اور رخصت عطا فرمائی، چنانچہ فرماتے ہیں: پس جو شخص بھوک سے بہت ہی مجبور اور لاچار ہو اور دل اس کا ان چیزوں کے کھانے سے متنفر اور بیزار ہو، پس اگر ایسا شخص ان میں سے کسی چیز کو کھائے؛ بشرطیکہ وہ طالب لذت نہ ہو اور مقدار حاجت سے تجاوز نہ کرنے والا ہو، یعنی سدِ رمق سے زیادہ نہ کھائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، اس لیے کہ خبیث اور گندی چیز کا بقدر ضرورت استعمال بحالت مجبوری، کراہت قلب اور دلی نفرت کے ساتھ روح اور قلب کو گندہ نہیں کرتا؛ لیکن آخر گندی چیز تو گندی ہی ہے، اس کا کچھ نہ کچھ اثر اور رنگ ضرور آئے گا، مگر چونکہ یہ فعل بحالت مجبوری صادر ہوا ہے؛ اس لیے حق تعالیٰ اس سے مؤاخذہ نہ فرمائیں گے، اس لیے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے ہیں کہ اس ناچاری کی حالت میں جو گندی چیز استعمال کی ہے اس پر مواخذہ نہیں فرمائیں گے، اور بڑے مہربان ہیں کہ اس پر بڑا رحم فرمایا کہ اس بے چارگی کی حالت میں کھانے کی اجازت عطاء فرمائی۔ (معارف القرآن ادریسی)

وجملة ﴿إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ تذييل قصد به الإمتنان ان الله موصوف بهذين الوصفين فلا جرم ان يغفر اكل الميتة لأنه رحيم بالناس فالمغفرة هنا بمعنى التجاوز عما تمكن المؤاخذة عليه.

(التحرير والتنوير: ۲/۱۲۱)

(۲) ﴿فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (بقرہ: ۱۸۲)

وصیت میں تغیر و تبدل جائز ہے، وہ یہ کہ وصیت کرنے والے سے کسی غلطی کا یا دیدہ دانستہ صریح گناہ کا اندیشہ ہو کہ غیر مستحق کو دے اور مستحق کو محروم کرے یا کسی کو کم اور کسی کو زیادہ دے، پس یہ شخص اگر اس وصیت کو درست کردے یعنی اس وصیت کو شریعت کے مطابق کردے تو ایسے تغیر و تبدل میں اس پر کوئی گناہ نہیں، بے شک اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے اور بڑی رحمت فرمانے والے ہیں، نیت فاسدہ سے گناہ کرنے والوں کو بھی بخش دیتے ہیں اور جو شخص نیک نیتی سے کوئی تغیر اور تبدل کرے اس پر کیوں نہ رحمت ہوگی؟ (معارف القرآن ادریسی)

فنفى عنه الإثم لأجل الاصلاح فذكر علة لذلك بقوله ﴿إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ وإنما لم يأثم هو لأن الله

غفر عنه اذ هو غفر ذلك لأنه رحيم به، وفيه تنويه بالمخالفة على تنفيذ وصايا الموصين حتما جعل تغيير جورهم محتاج للإذن من اللّٰه والتنصيص على انه مغفور. (التحرير والتنوير: ۱۴۴/۲)

(۳) ﴿وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (بقرہ:۱۹۹)

اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اہل عرفات کی مغفرت کا فرشتوں میں اعلان فرما دیا مگر تم کو چاہیے کہ توبہ اور استغفار سے غافل نہ ہو، جیسے نبی اکرم ﷺ نماز کا سلام پھیر کر تین مرتبہ استغفار فرماتے اسی طرح تم کو چاہیے کہ عرفات سے واپسی پر توبہ اور استغفار کرو، سابق مغفرت پر مغرور نہ ہو جاؤ، عبادت کتنی ہی کامل کیوں نہ ہو مگر ہر حال میں لائق توبہ اور استغفار ہے، بے شک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے مہربان ہیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

وكلمة استغفروا تقتضي كلمة تدل على الغفران والرحمة فلذا ذكر الرحيم في النهاية بأسلوب الجملة الاسمية المؤكدة علة لما قبلها بقوله ﴿إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ بان يستغفروا، وذلك لانه تعالى غفور فيغفر لهم ما صدر منهم من التقصير في اداء الواجبات ورعاية الحقوق، وانما يغفر لهم لأنه رحيم، ولما كان المقام مقام المغفرة والرحمة فناسب هذين الوصفين دون غيرهما. (مرزا: ۲۴۵)

(۴) ﴿فَإِنْ فَآءُوْ فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (بقرہ:۲۲۶)

جو لوگ اپنی بیویوں کے پاس جانے سے قسم کھا بیٹھتے ہیں، یعنی یہ قسم کھا لیتے ہیں کہ ہم ان سے صحبت نہ کریں گے، ایسے لوگوں کے لیے چار مہینے کا انتظار لازم ہے، بس اگر ان چار مہینے کے اندر اپنی قسم کو توڑ کر یہ لوگ اپنی عورتوں کی طرف رجوع کریں یعنی ان سے صحبت اور مجامعت کریں اور اس طرح اپنی قسم کو توڑ کر کفارہ دے دیں تو ان کا نکاح باقی رہے گا، اور اللہ تعالیٰ قسم کے توڑنے اور عورت کو تکلیف پہنچانے کے قصور کو معاف کر دیں گے اور آئندہ کے لیے حقوق زوجیت ادا کرنے کی نیت کر لینے کی وجہ سے اس پر رحمت اور مہربانی فرمائیں گے۔ (معارف القرآن ادریسی)

وجملة إن اللّٰه غفور رحيم دليل الجواب فحنثهم في يمين الايلاء مستغفر لهم لأن اللّٰه غفور رحيم، وفيه ايذان بأن الإيلاء حرام لأن شان ايلائهم الوارد فيه القرآن قصد الاضرار بالمرأة. (التحرير والتنوير: ۳۸۶/۱)

(۵) ﴿فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (مائدہ:۳)

جو شخص بھوک کی شدت میں مجبور اور لاچار ہو جائے وہ اگر ان حرام چیزوں میں سے بقدر سدِّ رمق کچھ کھا لے تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں، بشرطیکہ وہ گناہ کی طرف جھکنے والا نہ ہو یعنی پیٹ بھر کر نہ کھائے اور مقدار حاجت سے تجاوز نہ کر لے، تو یقیناً اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے، اس نے اپنی رحمت سے مجبوری کی حالت کو حرمت سے مستثنیٰ فرما دیا۔

(معارف القرآن ادریسی)

وذكر قبل الرحيم قوله ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ﴾ فاجتناف الاثم واقترافها تدل على كلمة يعلم منه المغفرة والرحمة فلذا ذكر الرحيم في الفاصلة بأسلوب الجملة الاسمية المؤكدة نتيجة لما سبق بأن الله غفور لاثمه وذلك لأنه رحيم عليه فبمغفرته غفر له ماصدر عنه وبرحمته زاد له من الأجر.

(۶) ﴿فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (مائدہ:۳۴)

جولوگ تمہارے پکڑنے اور گرفتار کرنے سے پہلے ہی اپنے گناہوں سے توبہ کرلیں تو خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ اپنے حقوق کو معاف کرنے والا ہے اور مہربان ہے، باقی حقوق عباد بغیر بندوں کے معاف کرنے کے ساقط نہیں ہوتے، مطلب یہ ہے کہ اگر گرفتاری سے پہلے توبہ کرلیں تو حد جو کہ اللہ کا حق ہے وہ تو معاف ہوجائے گا، اور حد ان سے ساقط ہو جائے گی، البتہ حق العبد باقی رہے گا، پس اگر مال لیا ہے تو اس کا ضمان دینا پڑے گا اور اگر کسی کی جان لی ہے تو قصاص لازم ہوگا۔ (معارف القرآن ادریسی)

إنه تعالى ذكر حال السارقين وجزاءهم قطع ايديهم أو جعلهم مصلبين.

فاستثنى منهم في هذه الآية الذين تابوا قبل قدرة المسلمين، وذكر قبل الرحيم قوله ﴿فَاعْلَمُوْٓا﴾ فذكر الجملة الإسمية المؤكدة الجزاء لما سبق: بأنه لا تثريب عليهم، وذلك لانه قد غفر لهم لانه غفور، وانما غفر لهم لانه رحيم بهم فرحمهم وزاد اجرهم في الآخرة، لأن التوبة بعد الحوبة سبب للغفران والرحمة وقدم الغفور على الرحيم لأن الغفران سبب الرحمة. (مرزا:۲۴۶)

(۷) ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (مائدہ:۳۹)

جس نے اپنے اس ظلم وستم کے بعد توبہ کرلی اور اپنی حالت درست کرلی تو بے شک اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتے ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے، بغیر توبہ کے آخرت کا گناہ معاف نہیں ہوتا اور سرقہ کی حد توبہ کرنے سے بھی معاف نہیں ہوتی؛ ورنہ چور چوری کرنے کے بعد توبہ کرلیا کریں گے اور سرقہ کی سزا سے رہا ہوجایا کریں گے، توبہ سے اللہ کا حق معاف ہوجاتا ہے، توبہ سے بندوں کے حق معاف نہیں ہوتے، محض توبہ کرنے سے چور سزا سے نہیں بچ سکتا۔ (معارف القرآن ادریسی)

فذكر علة لما قبلها بأسلوب الجملة الاسمية المؤكدة بقوله ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ بأنه تعالى انما يتوب عليه لانه تعالى غفور ومغفرته يقتضي قبول توبته، وانما يقبل توبته لأنه رحيم به، ورحمته يقتضي مزيد الأجر له. (مرزا:۲۴۷)

(۸) ﴿اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (مائدہ:۹۸)

خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو سخت سزا دینے والا ہے اور تحقیق اللہ تعالیٰ اہل اطاعت کو بخشنے والا مہربان ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

أنه تعالى لما ذكر التنبيه بكونه شديد العقاب بقوله ﴿اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ وكان هذا تهديدا ، والتهديد يقتضي الترغيب، فلذا ذكر في النهاية الرحيم بأسلوب الجملة الاسمية المؤكدة ترغيبا للتوبة بقوله وان اللّٰه غفور رحيم ليتوبوا الى اللّٰه ويطيعوه. (مرزا:۲۴۷)

(۹) ﴿فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (انعام:۵۴)

جب یہ مخلص لوگ آپ کے پاس حاضر ہوں جو صدق دل سے ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں، تو آپ ان سے یہ کہئے کہ سلامتی ہو تم پر، گھبراؤ نہیں، اللہ کی طرف سے تم پر سلامتی اور امن ہے، تمہارے پروردگار نے اپنی ذات پر تمہارے لیے رحمت اور مہربانی کو لکھ لیا ہے، یعنی لازم کر لیا ہے اور وہ رحمت اور مہربانی یہ ہے: تحقیق تم میں سے جو شخص نادانی سے کوئی برا کام کر بیٹھے اور پھر اس کے بعد توبہ کر لے اور اپنی حالت کو درست کرے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(معارف القرآن ادریسی)

ذكر هذين الوصفين للبشارة والتسلية للمؤمنين، وانما لم يذكر غير هذين الوصفين لأن المقام مقام التوبة والمغفرة، ولان السياق يقتضي ذلك فلذا لم يذكر غيرهما. (مرزا:۲۴۷)

(۱۰) ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (انعام:۱۴۵)

آپ ان سے کہہ دیجئے ان چیزوں کی حرمت کے بارہ میں جن کی حرمت کو تم خدا کی طرف منسوب کرتے ہو؛ میں اس وحی میں- جو مجھ پر کی گئی ہے- ان میں سے کسی چیز کو بھی کھانے والے پر جو اسے کھاوے حرام نہیں پاتا، خواہ مرد ہو یا عورت، مگر یہ کہ مردار ہو یا بہتا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو تو وہ بالکل ہی ناپاک ہے، اس کے اجزاء نجس اور حرام ہیں، اسی وجہ سے وہ نجس العین کہلاتا ہے، یا وہ گناہ کی چیز ہو جس کو غیر اللہ کے نامزد کیا گیا ہو، سو یہ سب حرام ہیں۔

پھر بھی شریعت نے ان میں اتنی آسانی رکھی ہے کہ جو شخص فاقہ اور بھوک کی وجہ سے ان حرام چیزوں کے کھانے کی طرف مجبور اور مضطر ہو جائے بشرطیکہ وہ طالب لذت نہ ہو اور مقدار ضرورت و حاجت سے تجاوز کرنے والا نہ ہو تو ایسی اضطراری حالت میں ان حرام چیزوں میں سے بقدر سد رمق کھا لینے میں گناہ نہیں، تو بے شک تیرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے کہ ایسی حالت میں ان چیزوں میں سے کھانا حرام نہیں رکھا، مطلب یہ ہے کہ جو شخص مجبوری کی حالت میں بقدرِ ضرورت

ان حرام چیزوں میں سے کھالے تو اس سے مؤاخذہ نہ ہوگا۔ (معارف القرآن ادریسی)

فذكر بأسلوب الجملة الاسمية المؤكدة بإن جزاء وعلة لما ذكر بقوله: ﴿فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ بأنه حال الاضطرار معفو عنه، وذلك لأن ربك غفور فيغفر ما صدر منه من الزيادة والنقصان، وذلك لانه رحيم فرحمته يقتضي ان لا يأخذهم. (مرزا:۲۴۸)

(۱۱) ﴿إِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (انعام:۱۶۵)

جس طرح وہ دنیا میں فرق مراتب پر قادر ہے، اسی طرح وہ آخرت میں جزاء وسزا میں فرق مراتب پر قدرت رکھتا ہے، خوب سمجھ لو کہ تحقیق تیرا پروردگار دین میں مختلف راہیں نکالنے والوں کو جلدی سزا دینے والا ہے، اور تحقیق وہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے، اگر یہ نافرمان اب بھی ایمان لے آئیں تو وہ سب گناہوں کو معاف کردے۔ (معارف القرآن ادریسی)

وانما ذكر الغفور والرحيم في النهاية لان الجملة السابقة يقتضي ذلك، لانه لما ذكر قبله سريع العقاب فهذا للعاصين والكفار فناسب أن يذكر الغفور والرحيم للتائبين، وأن المقام يأبى غير هذين الوصفين، فلذا ذكرهما في النهاية. (مرزا:۲۴۸)

(۱۲) ﴿إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (اعراف:۱۵۳)

اور جن لوگوں نے برے کام کیے اور پھر بعد میں توبہ کی، اگرچہ وہ کتنے ہی زمانہ بعد کی ہو اور صحیح طریقہ پر ایمان لے آئے، تو اے توبہ کرنے والے! بیشک تیرا پروردگار اس توبہ کے بعد البتہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے کہ توبہ سے گزشتہ گناہ کو معاف کرتا ہے اور آئندہ کے لیے رحمتوں کا دروازہ کھولتا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

التوبة يطلب كلمة تدل على المغفرة فلذا ذكر الرحيم في الفاصلة مع تقديم الغفور عليه بأسلوب الجملة الاسمية المؤكدة الحاملة للالتفات من الغيبة إلى الخطاب بقوله ﴿إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ علة لما قبلها، وفي هذا الأسلوب وما قبلها من الآيات فيه فرق واضح قد يكون بزيادة كلمة وقد يكون بحذفها، ولذا نذكر حكمتها عليحدة، ولذلك ذكر الله تعالى هذه الآيات، وكونها مشتملة على الرحيم مزدوجا مع الغفور ومتكررا، ولكن ليس هذا تكرارا لان في كل منها تميزا يميزها عن الاخر. (مرزا:۲۴۸)

(۱۳) ﴿إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (اعراف:۱۶۷)

اے نبی کریم ﷺ وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے کہ تیرے پروردگار نے انبیاء بنی اسرائیل کی معرفت اس بات سے آگاہ کردیا کہ ان یہودیوں پر ان کی نافرمانیوں اور سرکشیوں کی سزا میں قیامت تک ایسے لوگوں کو مسلط رکھے گا جو

ان کو بری طرح کا عذاب پہنچاتے رہیں، بے شک تیرا پروردگار جب چاہے جلد سزا دینے والا ہے کہ جب گستاخی اور سرکشی میں حد سے گزر گئے تو دم کے دم میں بندر اور لنگور بنا دیا، اور بے شک وہ توبہ کرنے والوں کے لیے بخشنے والا مہربان ہے کہ مغفرت کے بعد مہربانی بھی فرماتا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

وذكر بعد ذلك الجملة الاسمية المؤكدة الدالة على ما قبلها علة لها بقوله ﴿ إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ﴾فذكر سببا ورمزا لما ذكر قبل بأنهم أنما يعذبون إلى يوم القيامة لانه سريع عقابه فلا يؤخر عذابهم تهديدا وتخويفا لهم.

وذكر بعد ذلك ترغيبا للناس فى التوبة بأسلوب الجملة الاسمية المؤكدة كى لا يقنطوا من رحمته المعطوفة على ما قبلها وانه لغفور رحيم، فلا يقنط الناس من رحمته لانه غفور فيغفر لهم ما صدر منهم وذلك لانه رحيم فيرحم عليهم إن تابوا. (مرزا:۲۴۹)

(۱۴) ﴿إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (انفال:۶۹)

پس جو مال غنیمت تم نے حاصل کیا ہے، جس میں یہ فدیہ بھی شامل ہے، اس کو پاک اور حلال سمجھ کر کھاؤ، وہ حلال ہے اور بلاشبہ پاک ہے، ہمارے عتاب سے اس میں جو کراہت آئی تھی؛ وہ اب ہماری معافی اور اباحت سے زائل ہوگئی۔ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے کہ اس نے تمہاری اس خطا کو معاف کیا اور فدیہ کو تمہارے لیے حلال کر دیا، یہ اس کی رحمت ہے، بعد ازاں بعض قیدی مسلمان ہو گئے۔ (معارف القرآن ادریسی)

انه تعالى لما ذكر الامر بالاكل من الغنيمة متصفا بالحلال والطيب وامر بالتقوى بقوله: (واتقوا اللّٰه) فذكر العلة لهذا الامر بقوله ﴿ إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ وذكر ذلك بأسلوب الجملة الاسمية المؤكدة، وذكر الرحيم فى الفاصلة، كأنه قال: اتقوا اللّٰه واتقوا مخالفته وارجعوا وتوبوا اليه، وذلك لانه تعالى غفور فيغفر لكم ما فعلتم. (مرزا:۲۴۹)

(۱۵) ﴿إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (توبہ:۵)

پس اگر وہ اپنے شرک سے توبہ کرلیں، جس نے ان مشرکوں کو مسلمانوں کی عداوت پر برانگیختہ کر رکھا ہے اور کفر وشرک سے تائب ہو کر اسلام میں داخل ہو جائیں، اور نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ دیں یعنی شعائرِ اسلام بجا لائیں، تو ان کی راہ چھوڑ دو کہ جہاں چاہے چلیں پھریں، بے شک اللہ تعالیٰ تائبین کی مغفرت کرنے والا اور ان پر رحمت کرنے والا ہے کہ توبہ سے کفر اور شرک کا جرم بھی معاف کر دیتا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

ذکر قبل الرحیم قوله (فخلوا سبیلهم) فذکر فی النهایة بأسلوب الجملة الاسمیة المؤکدة علة لذلك، وذکر الرحیم بقوله ﴿إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ بان علیکم ترکهم وعدم اخذهم لانهم تابوا، لأن اللّٰه غفور لمن تاب ورجع عن الکفر، وذلك لانه رحیم فیرحم علی من تاب وزیادة الاجر له لأن رحمته تعالی یقتضی ذلك.

(مرزا:۹ ۲۴۹-۲۵۰)

(۱۶) ﴿وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (ھود:۴۱)

اور فرمایا کہ سوار ہو جاؤ اس کشتی میں اور غرق کا اندیشہ مت کرو؛ کیونکہ اس کا چلنا اور ٹھہرنا سب اللہ ہی کے نام کی برکت سے ہے، بے شک میرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے، کشتی کا چلنا اور ٹھہرنا سب اس کی رحمت اور اس کے نام کی برکت سے ہے، نجات کا دارومدار اس کی رحمت پر ہے، یہ کشتی اس کا ظاہری سبب ہے اور بھروسہ اللہ پر رکھو نہ کہ کشتی پر۔

(معارف القرآن ادریسی)

فذکر علة لذلك النعمة بأسلوب الجملة المؤکدة الدالة علی الاستمرار بقوله: ﴿اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ بانه تعالی انما هلك من هلك ونجاهم لأنه غفور فبغفرانه مجانا وانه رحیم فبرحمته یرحم علینا وینعم النعم المنهمرة فی الآخرة وهذا یتضمن بانه سریع العقاب فکذا اهلك الکفار. (مرزا:۲۵۰)

(۱۷) ﴿اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (یوسف:۵۳)

اور جب یوسف علیہ السلام نے خیانت سے اپنی براءت ظاہر فرمائی تو ممکن تھا کہ کسی کو یہ خیال ہو کہ یہ تو فخر اور ناز اور خودستائی اور اپنے نفس کی پاکی اور صفائی ہے جو خدا کے نزدیک پسندیدہ نہیں تو اس خیال کے ازالہ کے لیے فرمایا کہ میں اپنے نفس کی پاکی اور صفائی بیان نہیں کرتا، یعنی اس گذشتہ قول سے میری یہ غرض نہیں کہ میں اپنے نفس کی پاکیزگی ظاہر کروں کہ میرا نفس پاکیزہ ہے، البتہ تحقیق میں خوب جانتا ہوں کہ نفس بالذات برائی کا حکم دینے والا ہے، نفس کی طبیعت اور جبلت میں برائی کا میلان رکھا ہوا ہے، ایک لمحہ کے لیے بھی نفس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، مگر جس وقت خدا مہربانی کرے تو اس وقت انسان نفس غدار کے شر اور فتنہ سے بچ سکتا ہے، صرف اللہ کی رحمت اور عنایت ہی نفس اور شیطان سے حفاظت کر سکتی ہے، بے شک میرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے، آدمی اپنی ذاتی جبلت سے ہر وقت اللہ کی رحمت اور اس کی مغفرت کا محتاج ہے، جس درجہ رحمت اور عنایت شامل حال ہوگی اس درجہ کی عصمت اور حفاظت اس کی دستگیر ہوگی، اس کہنے میں میری نظر اپنی ذات پر نہیں؛ بلکہ اس کی رحمت اور عنایت پر ہے کہ اگر وہ اپنی رحمت سے میری حفاظت نہ فرماتا تو اندیشہ تھا کہ میں ان کی طرف مائل ہو جاتا۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۱۸)﴿قَالَ سَوۡفَ اَسۡتَغۡفِرُ لَكُمۡ رَبِّیۡ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ﴾ (یوسف:۹۸)

یعقوب علیہ السلام کا یہ جواب سن کر سارے بیٹے والد بزرگوار کے قدموں پر گرے اور بولے: اے ہمارے باپ! آپ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لیے دعائے مغفرت کیجیے، بے شک ہم خطاوار ہیں، ہم نے یوسفؑ کے معاملہ میں آپ کو جو تکلیف پہنچائی اس پر نادم اور شرمسار ہیں، یعقوبؑ نے فرمایا: میں عنقریب تمہارے لیے دعائے مغفرت کروں گا، بے شک وہی بخشنے والا مہربان ہے، عنقریب سے مراد یہ ہے کہ سحر میں دعا کروں گا، وہ وقت دعا کی قبولیت کا ہے، بیٹوں کا مطلب یہ تھا کہ آپ خود ہی ہمارا قصور معاف فرمادیں اور خدائے تعالیٰ سے بھی دعائے مغفرت کریں؛ حتی کہ آپ کا دل صاف ہو جائے اور قلب مبارک میں ہماری طرف سے کوئی کدورت باقی نہ رہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

ولما كان يقتضي كلمة تدل على الغفران والرحمة فلذا ذكر علة لذلك بأسلوب الجملة الاسمية المؤكدة بقوله﴿اِنَّهٗ هُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ﴾(مرزا:۲۵۰)

(۱۹)﴿وَمَنۡ عَصَانِیۡ فَاِنَّكَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ﴾(ابراہیم:۳۶)

ابراہیمؑ نے اپنے لیے اور اپنے بیٹوں کے لیے یہ دعا مانگی کہ اے اللہ مجھ کو اور میرے بیٹوں کو بتوں سے دور رکھ، اس لیے کہ مجھ کو ڈر ہے کہ میری اولاد شیطانی کرشموں کو دیکھ کر کہیں گمراہ نہ ہو جائے، اے میرے پروردگار! تحقیق ان بتوں نے بہت سے آدمیوں کو گمراہ کر دیا ہے یعنی ان کی گمراہی کا سبب بنے ہیں، بغیر آپ کی عصمت اور حفاظت کے ان کے فتنہ سے بچنا بہت مشکل ہے، اس لیے آپ سے یہ دعا مانگ رہا ہوں، پس جس نے میری پیروی کی اور میرے پیچھے چلا یعنی مسلمان اور موحد ہوا تو وہ مجھ سے ہے، یعنی میرے ساتھ وابستہ اور نجات اور رفع درجات میں میرے ساتھ ہے، اور جس نے میری نافرمانی کی یعنی میرے دین کا تابع نہ ہوا اور میری ملت میں داخل نہ ہوا تو اے رب بلا شبہ تو بخشنے والا مہربان ہے، یعنی تو مغفرت اور رحمت پر قادر ہے کہ ان نافرمانوں کو توبہ کی توفیق دے دے اور کفر سے نکال کر اسلام میں داخل کر دے، اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق کا اختیار ہے، وہ اگر چاہے تو کافروں کو بھی بخش دے؛ لیکن اس نے خبر دے دی ہے کہ مشرک، کافر اور منافق کو نہیں بخشے گا، مگر اس کی قدرت اور اختیار ویسا ہی ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

ولما كان العصيان يطلب الغفرة، فلذا ذكر الرحيم مع تقديم الغفور عليه بأسلوب الجملة الاسمية علة لذلك ودليلا عليه، ترغيبا للتوبة والإنابة، مع أن السياق يقتضي ان يذكر العزيز الحكيم، وذلك لأن من عصى الرسول فقد عصى الله، والعصيان سبب للاخذ والعقاب، وانما غير الأسلوب للترغيب إلى الطاعة، وذكر بانك غفور لمن استغفر منك، ورحيم على العصاة بامهالهم وعدم تعجيل العذاب عليهم. (مرزا:۲۵۰-۲۵۱)

(۲۰) ﴿نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ (حجر:۴۹)

اے نبیؐ میرے بندوں کو خبر دیجئے کہ تحقیق میں بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہوں، کسی گناہگار کو میری رحمت اور مغفرت سے ناامید نہ ہونا چاہئے۔ (معارف القرآن ادریسی)

إنه تعالى لما ذكر اخبار عباده وهذا كان إجمالا، فذكر في التفصيل كونه رحيما مع تقديم الغفور عليه بأسلوب الحصر والاختصاص بقوله ﴿اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ بانه لا غفور الا انا ولا رحيم إلا أنا. (مرزا:۲۵۱)

(۲۱) ﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (نحل:۱۸)

اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنے لگو تو شمار بھی نہیں کر سکتے، ہر لمحہ اور ہر لحظہ اس کی نعمتیں مبذول ہوتی رہتی ہیں، صرف ایک اپنے ہی وجود پر نظر ڈال لو کہ اس نے تمہیں صحت دی، عقل دی، سننے کے لیے کان دیئے اور بولنے کے لیے زبان دی اور پکڑنے کے لیے ہاتھ دیئے اور چلنے کے لیے پیر دیئے، اس قسم کی بے شمار نعمتیں تم کو دیں جن کو تم گن نہیں سکتے۔ بے شک اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے کہ اس نے باوجود تمہاری تقصیرات کے اپنی نعمتیں بند نہیں کیں، عقل کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے منعم کی پرستش کرو کہ جس کی نعمتوں کو تم شمار نہیں کر سکتے اور وہ ایسا مہربان ہے کہ باوجود تمہاری تقصیرات کے اپنی نعمتیں تم پر بند نہیں کرتا۔ (معارف القرآن ادریسی)

وذكر قبل الرحيم لا تحصوها، فنفي الاحصاء تدل على الكثرة، وكثرة النعم تقتضي كثرة الشكر عليها، ولما كان الانسان عاجزا عن اداء شكره تعالى كما ينبغي فلذا ذكر كلمة تدل على الرحمة والمغفرة علة لما ذكر من عدم قطع النعم على الناس ومع عدم الشكر لا يقطع عليكم بقوله: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ بأسلوب الجملة الاسمية المؤكدة بأن واللام. (مرزا:۲۵۱)

(۲۲) ﴿اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (نحل:۱۱۰)

بے شک تیرا پروردگار ایسے لوگوں کے لیے جنہوں نے کافروں کی ایذاء رسانی اور ستم رانی کے بعد ہجرت کی اور پھر کافروں سے جہاد بھی کیا، یعنی فقط ترک وطن پر اکتفاء نہیں کیا؛ بلکہ خدا کی راہ میں اپنی قوم کے کافروں سے جہاد بھی کیا تاکہ اللہ کا کلمہ بلند ہو اور کفر ذلیل وخوار ہو، اور اس راہ میں جو بھی مصائب پیش آئے ان پر صبر کیا اور ان مصائب میں اسلام پر ثابت قدم رہے، پائے استقامت میں کوئی تزلزل نہیں آیا تو بے شک آپ کا پروردگار ایسے اعمال فاضلہ، ہجرت، جہاد اور صبر کے بعد ان کے گناہوں کی مغفرت کرنے والا بڑا مہربان ہے، ایسے لوگوں کی مغفرت اور رحمت میں کوئی شبہ نہیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

إنه تعالى لما ذكر حال المؤمنين الذين وقعوا فى الفتنة، وذكر بعد ذلك وصفهم بالجهاد والصب والفتنة هى الوقوع فى بعض ما لا يرضى، فناسب ان يذكر بعدها كلمة تدل على العفو والمغفرة والرحمة، فلذا ذكر بأسلوب الجملة الاسمية المؤكدة تسلية للمؤمنين وترغيبا لهم بقوله: ﴿ إِنَّ رَبَّكَ مِنۢ بَعۡدِهَا لَغَفُورٞ رَّحِيمٞ﴾(مرزا:۲۵۱)

(۲۳)﴿فَمَنِ اضۡطُرَّ غَيۡرَ بَاغٖ وَّلَا عَادٖ فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٞ رَّحِيمٞ﴾(نحل:۱۱۵)

پس جو شخص بھوک اور فاقہ سے لاچار اور بیقرار ہو جائے، بشرطیکہ وہ طالب لذت نہ ہو اور نہ مقدار ضرورت اور حد حاجت سے آگے بڑھنے والا ہو اور وہ ان حرام چیزوں سے بقدر حاجت۔جس سے اس کی جان بچ جائے۔ کچھ کھالے تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے، بحالت اضطرار بقدر ضرورت کچھ کھانے سے اس کی حرمت اور خباثت تمہارے لیے مضر نہ ہوگی، اور اگر کچھ ہوگی تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں، درگزر فرمائیں گے۔(معارف القرآن ادریسی)

وذكر الرحيم فى الفاصلة بأسلوب الجملة الاسمية المؤكدة الدالة على الاستمرار علة لذلك بقوله: بأن الله غفور لهم حيث اباح لهم هذه الاشياء فى حالة الاضطرار ،وذلك لانه رحيم فبرحمته غفر لهم ماصدر عنهم من كثرة الاكل حالة الاضطرار. (مرزا:۲۵۲)

(۲۴)﴿إِنَّ رَبَّكَ مِنۢ بَعۡدِهَا لَغَفُورٞ رَّحِيمٞ﴾ (نحل:۱۱۹)

پھر ان ظلم اور تعدی کے بعد بھی گنہگار کو مایوس نہ ہونا چاہئے، توبہ کا دروازہ کھلا ہے، بے شک تیرا پروردگار ان لوگوں کے حق میں جنہوں نے نادانی سے برے کام کیے، پھر اس کے بعد توبہ کی اور سنور گئے، یعنی اپنے اعمال درست کر لیے اور اپنے حال کی اصلاح کر لی، بے شک تیرا پروردگار اس توبہ اور اصلاح کے بعد ان کا قصور معاف کرنے والا اور رحمت کرنے والا ہے، مقصود اس آیت سے خدا تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کی مغفرت اور رحمت کا اظہار ہے۔(معارف القرآن ادریسی)

أنه تعالىٰ رحيم لما ذكر حال الذين عملوا الاعمال السيئة لأجل جهلهم وعدم علمهم، وذكر قبل الرحيم قوله﴿ثُمَّ تَابُوا مِنۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ وَأَصۡلَحُوٓا﴾ والتوبة والصلاح يقتضى الغفران والرحمة، فلذا ذكر الرحيم فى النهاية بأسلوب الجملة المؤكدة علة لذلك بقوله:﴿إِنَّ رَبَّكَ مِنۢ بَعۡدِهَا لَغَفُورٞ رَّحِيمٞ﴾ (مرزا:۲۵۲)

(۲۵)﴿وَمَن يُكۡرِههُّنَّ فَإِنَّ اللّٰهَ مِنۢ بَعۡدِ إِكۡرَاهِهِنَّ غَفُورٞ رَّحِيمٞ﴾ (نور:۳۳)

اور اپنی باندیوں کو زنا اور بدکاری پر مجبور نہ کرو، خاص کر جب کہ وہ پاک دامن رہنا چاہیں، بدکاری پر کسی کو مجبور کرنا تو ہر حال میں برا ہے، اور خاص کر اس حال میں کہ جب وہ لونڈی پاکدامنی کی طلب گار ہو تو اور بھی برا ہے، اور یہ امر نہایت

ہی قبیح اور شرمناک ہے کہ تم اپنی باندیوں کو اس لیے بدکاری پر مجبور کرو تاکہ اس کے ذریعہ تم اپنی زندگی کا کچھ فائدہ حاصل کرسکو اور ان کی حرام کمائی سے کچھ روپیہ تم کو مل جائے، اس لالچ پر کسی کو زنا اور بدکاری پر مجبور کرنا بہت ہی شرمناک کام ہے اور جو شخص ان کو زناکاری پر مجبور کرے باوجودیکہ وہ اس سے بچنا چاہیں تو بے شک اللہ تعالیٰ اس اکراہ اور اجبار کے بعد بخشنے والا اور مہربان ہے، مجبوری اور بے کسی کی حالت میں اگر گناہ کیا جائے تو اس کے واسطے اللہ سے مغفرت کی امید ہے۔

(معارف القرآن ادریسی)

﴿فَإِنَّ اللهَ مِنۢ بَعْدِ إِكْرَاهِهِنَّ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ بأنه تعالى سيغفر لهن وذلك لأنه غفور وأنه سيرحم عليهن بتبديل سيئاتهن بالحسنات وبمزيد الاجر، وذلك لانه رحيم. (مرزا:۲۵۲)

(۲۶) ﴿إِنَّ اللهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (نور:۶۲)

پس جب یہ اہل ایمان اپنے کسی ضروری کام کے لیے آپ سے جانے کی اجازت طلب کریں تو آپ ان میں سے جس کو چاہیں اجازت دے دیں، یعنی جس کو اجازت دینا مناسب سمجھیں، اسے اجازت دے دیں اور جیسے چاہیں نہ دیں آپ کو اختیار ہے، اور اجازت دینے کے بعد ان کے لیے دعائے مغفرت کیجیے، اس لیے کہ اگرچہ ان کا عذر صحیح ہو؛ لیکن آپ کی مجلس مبارک سے مفارقت میں یہ ایہام ضرور ہے کہ انہوں نے آپ کی مجلس پر کسی دوسری مجلس کو ترجیح دی، گویا کہ دنیا کو آخرت پر ترجیح دی، پس اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان مخلصین کے حق میں دعائے مغفرت فرمایئے؛ تاکہ آپ کے استغفار سے ان کی اس تقصیر اور کوتاہی کی تلافی ہو جائے۔ بے شک اللہ تعالیٰ مخلصین کی فروگذاشت کو معاف کرنے والا اور ان پر مہربان ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۲۷) ﴿إِلَّا مَن ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوٓءٍ فَإِنِّي غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (نمل:۱۱)

پھر اگر اسی شخص نے برائی اور ظلم و زیادتی کے بعد اپنی برائی کو نیکی سے بدل لیا ہو، یعنی توبہ کرلی ہو تو اس پر بھی کوئی خوف و خطر نہیں، بلاشبہ میں بڑا بخشنے والا اور مہربان ہوں، توبہ سے اس کا گناہ معاف کر دیتا ہوں۔ (معارف القرآن ادریسی)

فالاستثناء دل على العفو فلذا ذكر الرحيم في النهاية مع تقديم الغفور عليه تفصيا وتوضيحا لما ذكر بقوله فإني غفور رحيم جزاء للاستثناء المذكور باني غفور بهم فاغفر لهم ماصدر عنهم، وذلك لاني رحيم بهم فأرحم عليهم. (مرزا:۲۵۲-۲۵۳)

(۲۸) ﴿إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾ (قصص:۱۶)

موسیٰ علیہ السلام نے اس معمولی غفلت اور غیر اختیاری فعل پر بھی استغفار کی اور کہا: اے پروردگار! بے شک میں نے

اپنی جان پر ظلم کیا کہ بغیر تیرے حکم نازل ہوئے میں نے ایک قبطی کو مار ڈالا، پس تو مجھے بخش دے، مجھے اس بات کا وہم وگمان بھی نہ تھا کہ ایک مکا مارنے سے وہ مر جائے گا۔ پس اللہ نے ان کی بھول چوک کو بخش دیا، بے شک وہی ہے بڑا بخشنے والا مہربان۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۲۹) ﴿إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾ (زمر: ۵۳)

کہہ دیجئے آپ میرے ان بندوں سے جنہوں نے کفر و شرک اور قتل و زنا جیسے کام کر کے اپنے اوپر زیادتی کی ہے کہ تم اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہوؤ، اور اس خیال سے کہ یہ گناہ کیسے معاف ہوں گے، ایمان لانے میں ہرگز تامل و تردد نہ کرو، بے شک اللہ رب العزت اسلام لانے کی وجہ سے تمام گناہوں کی مغفرت فرمادے گا، اگرچہ وہ سابق زندگی کا گناہ کفر اور شرک ہی کیوں نہ ہو؛ کیونکہ اسلام لانے سے تو کفر ایمان و طاعت کی صورت میں تبدیل ہوگیا، اور اس نے شرک کی گندگی سے پاکی حاصل کر کے توحید کو اختیار کرلیا ہے، واقعی وہ بڑا ہی مغفرت کرنے والا مہربان پروردگار ہے، اس کی رحمت و مغفرت میں کمی نہیں، پس صرف شرط اتنی ہے کہ بندہ اس کی طرف رجوع کرلے۔ (معارف القرآن ادریسی)

انه تعالى لما نهى المسرفين عن القنوط من رحمته وذكر قبل الرحيم قوله﴿إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا﴾فذكر علة عدم القنوط غفران الذنوب، فذكر تذييلا لما ذكر بقوله﴿إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾بأسلوب الجملة الاسمية المؤكدة الحاملة لأسلوب الحصر بانه لا غفور، ولذا يغفر الذنوب جميعا، وذلك لانه رحيم فيرحم على البؤساء والقانطين. (مرزا: ۲۵۳)

(۳۰) ﴿أَلَا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾ (شوریٰ: ۵)

اس کی عظمت شان کی حقیقت تو یہ ہے کہ قریب ہے کہ آسمان اپنے اوپر سے پھٹ پڑیں، اس کی ہیبت وعظمت کو برداشت نہ کرسکنے کی وجہ سے، اور وہ فرشتے جو آسمانوں میں ہیں پاکی بیان کرتے ہیں اپنے رب کی حمد وثناء کے ساتھ، اور استغفار کرتے رہتے ہیں زمین والوں کے لیے؛ کیونکہ اللہ کا حق عظمت ادا کرنے سے ہر شخص قاصر ہے؛ خواہ وہ کتنا ہی عابد وزاہد اور مطیع وفرمانبردار ہو، اور اس لحاظ سے بندہ اپنے رب کا حق نہ ادا کرسکے؛ لامحالہ مستحق عقوبت ہے، تو اس وجہ سے روئے زمین پر بسنے والوں کے لیے فرشتے معافی مانگتے رہتے ہیں کہ اے پروردگار تیرے حق میں بندوں سے جو کچھ تقصیر و کوتاہی رہ گئی تو اس سے درگذر فرما، آگاہ ہوجاؤ اے لوگو! اللہ بڑا ہی مغفرت والا نہایت ہی مہربان ہے، وہ اہل ایمان کی تقصیرات اور گناہوں سے درگذر فرماتے ہوئے اپنے انعامات اور رحمتوں سے نوازتا ہے، اور کافروں کو بھی اس نے اپنی اسی شان غفوری ورحیمی سے یہ موقع دے دیا کہ جب بھی وہ کفر سے تائب ہوکر خدا کی بندگی کا رخ کریں اور ایمان لائیں تو ان کو

دھتکارا نہیں جاتا۔ (معارف القرآن ادریسی)

لما ذكر قوته وقدرته وبشاعة قول المشركين وشناعته، ولاجل هذا يمكن انفطار السموات فوقهم، وذكر من جملة ذلك حمد الملائكة لربهم، وذكر قبل الرحيم قوله ﴿وَيَسْتَغْفِرُونَ لِمَنْ فِي الْأَرْضِ﴾ والاستغفار يطلب كلمة وصفة يدل على الغفران والرحمة، فلذلك نبه على ذلك وذكر حرف التحضيض (ألا) وبعد ذلك ذكر الجملة الاسمية المؤكدة الدالة على الدوام فذكر في نهايتها الرحيم مع تقديم الغفور تعليلا لاستغفار الملائكة بقوله ﴿ أَلَآ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾ بأنه انما يستغفرون له لأنه غفور فيغفر لهم ما صدر عنهم. (مرزا: ۲۵۳)

(۳۱) ﴿وَإِن تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُم مِّنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (حجرات: ۱۴)

اور اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی صحیح اطاعت کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کے اجر و ثواب میں ذرا بھی کمی نہیں کرے گا، بے شک اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا نہایت مہربانی کرنے والا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

فذكر الجملة الشرطية قبل الرحيم بقوله بأنكم بشرط اطاعتكم لله ورسوله لا ينقص من أعمالكم شيئا وذكر قبل الوحي قوله ﴿لَا يَلِتْكُم مِّنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا﴾ ولما كان عدم النقص سببه الرحمة فذكر الغفور والرحيم بأسلوب الجملة الاسمية تذييلا وتفصيلا لما ذكر قبله بقوله ﴿إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ بأنه انما لا ينقص من اعمالكم لانه غفور فيغفر لكم ماصدر منكم، وذلك لانه رحيم فيرحم عليكم بمزيد الاجر وعدم تعجيل العقاب والعذاب. (مرزا: ۲۵۳-۲۵۴)

(۳۲) ﴿فَإِن لَّمْ تَجِدُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (مجادلہ: ۱۲)

اے ایمان والو! جب تم کوئی سرگوشی اور مشورہ کرو رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تو اپنی سرگوشی سے پہلے کوئی صدقہ بھیج دیا کرو، یہ بہتر ہے تمہارے واسطے اور زیادہ پاکیزگی کا باعث ہے؛ کیونکہ صدقات سے انسان کی باطنی کدورتوں اور کثافتوں کا ازالہ ہوتا ہے اور تقویٰ وطہارت کے آثار رونما ہوتے ہیں، پھر اگر تم نہ پاؤ کوئی چیز صدقہ کی پہلے بھیج دینے کے لیے تو بس اللہ بڑا ہی بخش دینے والا مہربان ہے، اس طرح غیر مستطیع لوگوں کے حق میں پہلے ہی سہولت فرمادی گئی۔ (معارف القرآن ادریسی)

فذكر الجزاء للشرطية بأسلوب الجملة الاسمية المؤكدة تعليلا لها بقوله ﴿ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ وذكر في نهايتها الرحيم بأنه تعالى حين عدم الصدقة لا يؤاخذكم بل يغفر لكم ويعفو عنكم، وذلك لانه غفور، وانما يغفر لكم لأنه رحيم فبرحمته يترك مؤاخذتكم. (مرزا: ۲۵۴)

(۳۳)﴿وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۖ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾(مزمل:۲۰)

اور یہ بات خوب جان لو، جو بھی کچھ تم نیکی کا کام اپنے سے پہلے بھیجو گے یقیناً تم اس کو اللہ کے یہاں پاؤ گے؛ کیونکہ وہ تو بہت ہی بہتر اور عظیم اجر وثواب عطا کرنے والے ہیں، اور انسان اپنی طبعی کمزوریوں سے بہت کچھ کوتاہیاں اور غلطیاں کر لیتا ہے تو اللہ سے معافی مانگتے رہو، بے شک اللہ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے، اس کی بارگاہ میں اہل ایمان کے استغفار وتوبہ کی بڑی قدر ومنزلت ہے۔(معارف القرآن ادریسی)

فرغبهم في الانفاق بانهم سيجدون اجرها عندالله وذكر قبل الرحيم كذلك قوله ﴿وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ﴾ فامر بالاستغفار والاستغفار يقتضي كلمة تدل على الغفران والرحمة فذكر علة لذلك بأسلوب الجملة الاسمية المؤكدة بقوله﴿إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾.(مرزا:۲۵۴)

* تاکید کے اسلوب سے خالی ۱۵ آیتوں میں مذکور ہے:

(۱)﴿أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾(بقرہ:۲۱۸)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے خدا کی راہ میں ہجرت کی اور جہاد کیا؛ ایسے لوگ اللہ کی رحمت اور عنایت کے امیدوار ہو سکتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے اور مہربان ہیں، غلطی سے درگذر فرماتے ہیں اور ایسے مخلصین کو اپنی رحمت سے محروم نہیں رکھتے۔(معارف القرآن ادریسی)

فذكر قبل الرحيم قوله﴿أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللّٰهِ﴾ورجاء الرحمة يتطلب كلمة تدل على الرحمة فلذا ذكر الاسمية المنتهية على الرحيم تتميما لما سبق.(مرزا:۲۵۴)

(۲)﴿وَأَنْ تَصْبِرُوا خَيْرٌ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾(نساء:۲۵)

اور یہ لونڈیوں سے نکاح کی اجازت اس شخص کے لیے ہے کہ جو تم میں سے گناہ اور بدکاری کی تکلیف میں پڑنے سے ڈرتا ہو، یعنی اس کو یہ ڈر ہے کہ اگر نکاح نہیں کروں گا تو زنا میں مبتلا ہو جاؤں گا تو ایسے شخص کو باندی سے نکاح کرنے کی اجازت ہے، اور تمہارا صبر کرنا اور باندیوں کے نکاح سے بچا رہنا تمہارے لیے بہت بہتر ہے؛ کیونکہ لونڈی سے اگر نکاح کرو گے تو تمہاری اولاد آزاد نہ ہوگی؛ بلکہ دوسرے کی غلام اور مملوکہ ہوگی، جس میں تمہاری بے عزتی ہے اور بیوی کنیز ہونے کی وجہ سے مستقلاً تمہاری خدمت نہیں کر سکتی اور نہ مستقلاً تمہارے پاس رہ سکتی ہے، جس میں سراسر تمہارا نقصان ہے، لہٰذا بہتر یہی ہے کہ باندیوں کے ساتھ نکاح نہ کیا جائے؛ لیکن اگر بدرجۂ مجبوری تم نے باندی سے نکاح کر لیا تو مضائقہ نہیں اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے کہ بدرجۂ مجبوری تم کو باندیوں سے نکاح کی اجازت دی اور تمہاری کوتاہی سے درگذر

فرمایا۔(معارف القرآن ادریسی)

(۳)﴿اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾

(انفال:۷۰)

اے نبی آپ ان قیدیوں سے- جو آپ کے ہاتھ میں ہیں اور مسلمان ہو گئے ہیں، جن سے آپ نے فدیہ لے لیا ہے-: یہ کہہ دیجئے کہ تم اس پر افسوس نہ کرو، اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں ایمان اور خلوص نیت کی کوئی بھلائی جانے گا یا دیکھے گا تو تم کو دنیا ہی میں اس مال سے بہتر دیے دے گا جو فدیہ میں تم سے لیا گیا ہے، اور آخرت میں تمہارے تمام گناہ بخش دے گا، جو تم نے زمانۂ کفر وشرک میں کیے ہیں اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے، وہ اپنی رحمت اور مہربانی سے اس فدیہ کا نعم البدل تم کو عطا فرمادیں گے۔(معارف القرآن ادریسی)

وذكر قبل الرحيم قوله ويغفرلكم فذكر في النهاية دليلا وعلة لما ذكر بقوله ﴿ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾(مرزا:۲۵۵)

(۴)﴿ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (توبہ:۲۷)

پھر اس سزا کے بعد اللہ جس پر چاہے گا توجہ عنایت فرمائے گا، یعنی اس کو اسلام کی توفیق بخشے گا؛ چنانچہ ہوازن اور ثقیف کے بہت سے کافر تائب ہو کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشرف باسلام ہوئے، آنحضرت ﷺ نے ان کے کل قیدی احسان رکھ کر چھوڑ دیئے اور اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو بخشنے والا ہے اور بڑا مہربان ہے کہ توبہ کے بعد مواخذہ نہیں کرتا۔(معارف القرآن ادریسی)

لما ذكر توبته ورجوعه بالرحمة عن من يريده الله بقوله ﴿ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ﴾ فذكر الدليل على ذلك بقوله ﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾(مرزا:۲۵۵)

(۵)﴿مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾(توبہ:۹۱)

ناتوانوں پر کوئی گناہ نہیں اور نہ بیماروں پر اور نہ ان پر جن کے پاس خرچ نہیں کہ جس سے سامان جہاد مہیا کر سکیں، ایسے لوگ اگر جہاد میں نہ جائیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں، بشرطیکہ یہ لوگ دل وجان سے اللہ اور اس کے رسول کے خیر خواہ اور مخلص ہوں، معذوری کی وجہ سے اگر جہاد میں شرکت نہ کر سکیں تو مجاہدین کے اہل وعیال کی حفاظت کریں، ایسے نیکوں پر الزام کی کوئی راہ نہیں۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے، یعنی اگر نیکوں سے نادانستہ کوئی لغزش ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دے گا۔(معارف القرآن ادریسی)

(۶) ﴿سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِي رَحْمَتِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (توبہ:۹۹)

آگاہ ہو جاؤ کہ بے شک وہ خیرات ان کے لیے خدا کی قربت کا ذریعہ ہے؛ البتہ خدا تعالیٰ ان کو اپنی خاص رحمت میں داخل کرے گا، جو ہر طرف سے ان کے ظاہر و باطن کو محیط ہوگی، بے شک اللہ تعالیٰ خیرات کرنے والوں کو بخشنے والا اور ان پر مہربان ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

لما ذکر صفات بعض اهل البدو وهو الایمان بالله والیوم الآخر واتخاذ نفقاته وسیلة التقرب عند الله والرسول فذکر بحرف التحضیض بقوله ﴿اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ۭ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ﴾ وذکر بان هذا حقیقة سبب التقرب لهم وانه یدخلهم الله فی رحمته فذکر العلة لذلك بقوله ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾. (مرزا:۲۵۵)

(۷) ﴿عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (توبہ:۱۰۲)

اور کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے اپنے گناہ کا اقرار کیا، انہوں نے ملا جلا کام کیا؛ ایک نیک عمل اور دوسرا برا عمل، برے عمل سے مراد ان کا غزوۂ تبوک سے باوجود نفیر عام کے پیچھے رہنا ہے اور نیک عمل سے مراد ان کے دیگر اعمال صالحہ ہیں، امید ہے کہ عنقریب اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرے، بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

(۸) ﴿يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ (یونس:۱۰۷)

اس کے سوا کوئی اس تکلیف کو دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تجھ کو کوئی بھلائی پہنچانا چاہے تو کوئی اس کے فضل کو روکنے والا نہیں، پہنچاتا ہے اپنا فضل جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے، اور وہی کوتاہیوں کو بخشنے والا مہربان ہے، بندوں کی کوتاہیوں کی وجہ سے فضل کو روکتا نہیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۹) ﴿اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (نور:۲۲)

اور جو لوگ تم میں سے صاحبانِ فضل اور مقدرت ہیں، ان کو اپنے رشتہ داروں، مسکینوں اور راہ خدا میں ہجرت کرنے والوں کو نہ دینے کی قسم نہ کھانی چاہئے یا بمقتضائے بشریت کسی ناراضگی کی بنا پر ان کی امداد اور اعانت میں کمی نہ کرنی چاہئے، یہ شان فضل و وسعت کے خلاف ہے، اشارہ مسطح رضی اللہ عنہ کی طرف ہے کہ وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا رشتہ دار ہے، ان کا خالہ زاد بھائی ہے اور مسکین ہے اور مہاجر ہے، نادانی سے اس قصہ میں مبتلا ہو گیا اور اہل فضل و وسعت کو چاہئے کہ قصور معاف کریں اور درگزر کریں، اور کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہارے قصور کو معاف کرے اور اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے، یعنی جب تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تمہارے قصور معاف کرے تو تم بھی دوسروں کے قصور معاف کرو، تخلق باخلاق الٰہیہ کا یہی مقتضا ہے کہ عفو اور مسامحت اختیار کرو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس آیت کو ابوبکر رضی اللہ عنہ پر پڑھا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: بے شک

میں یہ چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت کر دے اور مسطحؓ کا وظیفہ جاری کر دیا؛ بلکہ پہلے سے دگنا کر دیا اور قسم کھائی کہ بخدا اب کبھی بند نہ کروں گا، اور اپنی گزشتہ قسم کا کفارہ ادا کیا۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۱۰) ﴿كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًاۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ (احقاف: ۸)

اور میں یہ کیسے جسارت کر سکتا ہوں کہ انسانوں پر تو کبھی جھوٹ نہ لگاؤں اور خداوند عالم پر جھوٹ بہتان لگاؤں، یقیناً ایسا اگر کیا تو خدا کا غضب نازل ہوگا، تو پھر تم میرے واسطے کسی بات کی بھی قدرت نہ رکھ سکو گے اللہ کے سامنے، وہ خوب جانتا ہے ان باتوں کو جن میں تم لگے ہوئے ہو، لہٰذا اس قسم کی بے ہودہ باتوں اور مہمل خیالات کے انجام سے غافل نہ ہو، وہی پروردگار کافی ہے میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہونے کے لحاظ سے، یقیناً وہ میرے اور تمہارے درمیان ایسا فیصلہ کر دے گا کہ تم خود اس کلام ربانی کی حقانیت اور میری نبوت و رسالت کا یقین کر لو گے اور وہی مغفرت کرنے والا مہربان ہے، اگر تم اب بھی باز آجاؤ تو اس کی مغفرت و مہربانیاں تمہیں نوازنے کے لیے کافی ہیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۱۱) ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (حجرات: ۵)

جو لوگ آپ کو اے ہمارے پیغمبر پکارتے ہیں حجروں کے پیچھے سے، وہ اکثر عقل نہیں رکھتے، ان کو چاہئے تھا کہ اس طرح بے تمیزی کا مظاہرہ نہ کرتے کہ حجروں کے پیچھے سے یا محمد، یا محمد یا، یا رسول اللہ یا رسول اللہ کہہ کر پکارنے لگیں، ان کو متانت اور ادب کا طریقہ اختیار کرنا چاہئے تھا اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ ان کی طرف نکل کر باہر آجاتے اور اس وقت آپ سے تخاطب شروع کرتے تو بہتر تھا ان کے حق میں، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے، اس وجہ سے جو بات بے عقلی یا نادانستگی سے سرزد ہوئی، اللہ تعالیٰ اس سے درگزر اور اس کو معاف فرمائے گا۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۱۲) ﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (حدید: ۲۸)

اے وہ لوگو! جو پہلے انبیاء پر ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول آخر الانبیاء پر ایمان لاؤ، تو وہ تم کو اپنی رحمت میں سے دو حصے دے گا، اور تم کو وہ نور دے گا جس کو تم لیے پھرو گے کہ دنیا میں بھی وہ نور تمہارے ساتھ ہوگا اور نور ہدایت سے تمہاری زندگی منور اور مزین ہوگی، اور آخرت میں یہ نور تمہارے ساتھ رہے گا اور تمہاری مغفرت بھی کرے گا اور اللہ تو بڑا ہی معاف کرنے والا مہربان ہے۔

یہ سب کچھ اللہ نے بیان کر دیا؛ تاکہ جان لیں اہل کتاب اس بات کو کہ وہ اللہ کے فضل میں سے کسی چیز پر قادر نہیں ہیں اور اس امر سے ان کو لاعلمی اور غفلت نہ ہو کہ وہ اللہ کے فضل پر قادر نہیں؛ بلکہ اللہ کا فضل۔ بے شک اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ جس کو چاہے وہ عطا کرے، اس لیے اگر اللہ نے بنی اسرائیل سے نبوت کو ختم کر کے اولادِ اسماعیلؑ

میں نبوت رکھ دی تو اہل کتاب کو اس پر کسی درجہ میں بھی تذبذب نہ کرنا چاہئے، نبوت و رسالت کا فضل اور ہر قسم کی بزرگی اللہ کے قبضہ میں ہے؛ جہاں چاہے وہ بزرگی رکھ دے اور جس کو چاہے عطا کردے، اور اسی طرح اہل کتاب میں سے آنحضرت ﷺ کی نبوت پر ایمان لانے والوں کو دوگنا اجر وثواب دینا بھی اللہ کا فضل وانعام ہے، وہ جس کو چاہے اپنے انعام سے نوازے، کسی کی مجال نہیں کہ اس کے انعام کو روک لے اور اللہ تعالیٰ بہت ہی بڑے فضل وانعام والا ہے۔

(معارف القرآن ادریسی)

(۱۳) ﴿وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (ممتحنہ:۷)

امید ہے کہ اللہ تعالیٰ دوستی قائم کردے تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان جن کے ساتھ تمہاری دشمنی ہے اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے، دوستانہ اور برادرانہ تعلقات قائم ہوجائیں، اور اس طرح سے تمہارے اور ان کے درمیان رشتۂ محبت ومودت قائم ہوجائے کہ وہ اسلام لے آئیں، چنانچہ فتح مکہ کے وقت ایسا ہی ہوا کہ ساری عمر دشمنی کرنے والے اور ایک دوسرے کے مقابلہ میں تلوار اٹھانے والے ایک دوسرے کے بھائی بن گئے اور وہ ابوسفیان جو بدر واُحد میں کافروں کی فوجوں کی کمان کررہے تھے، اب وہ مجاہدین اسلام کے سپہ سالار ہوگئے اور کل گزشتہ ایک دوسرے کے خون کے دشمن اب ایک دوسرے پر جان قربان کرنے کو تیار ہوگئے، تو ان الفاظ میں ذہنی وطبعی طور سے تسلی دی گئی کہ قوم سے علٰحدگی اور بیزاری کا ہمیشہ کے لیے تصور کرکے نہ گھبرانا چاہئے، بیزاری اور باہمی بغض کی یہ فضا بہت جلد ختم ہوکر باہمی مودت اور اخوت کی فضا قائم ہوجائے گی اور اللہ تعالیٰ بڑی ہی مغفرت ومہربانی فرمانے والا ہے، اور ایک عرصہ کفر کے بعد جو لوگ اسلام لے آئیں، خدا کی رحمت ومغفرت سے ان کو بھی نواز دیا جاتا ہے، بارگاہ خداوندی میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ ماضی میں اس نے کیا کیا۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۱۴) ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (ممتحنہ:۱۲)

اے ہمارے نبی! جب آئیں آپ کے پاس ایمان والی عورتیں ہجرت کرتی ہوئیں، تو وہ بیعت کرے آپ سے اس بات پر کہ نہ تو وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں اور نہ چوری کریں اور نہ زنا کریں اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں اور نہ کسی پر وہ ایسا بہتان لگائیں جس کا افتراء والزام وہ اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان باندھتی ہوں اور نہ وہ کسی بھی بھلے کام میں آپ کی نافرمانی کریں، تو آپ ان کو بیعت کرلیجئے اور طلب مغفرت کیجئے ان کے لیے اللہ سے ان کی ہر قسم کی اس کوتاہی اور غلطی پر جو ان سے سرزد ہوچکی؛ یا بیعت کے بعد کوئی خطا وغلطی نادانستہ طور پر ہوجائے، بے شک اللہ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے، اللہ رب العزت آپ کے استغفار ودعا کی برکت سے ان کی مغفرت فرمائے گا اور اپنی عنایات ورحمتوں

سے سرفراز فرمائے گا۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۱۵) ﴿تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ ۚ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (تحریم:۱)

اے ہمارے پیغمبر! کیوں حرام کرتے ہو وہ چیز جو اللہ نے آپ کے واسطے حلال کی ہے؛ اگرچہ مصلحتاً کسی حلال چیز سے عملاً پرہیز کرنا کوئی ممنوع فعل نہیں، جب کہ عقیدۃً انسان حلال چیز کو حلال ہی سمجھتا رہے مگر پھر بھی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رفیع کے مناسب نہ تھی، تو فرمایا: آپ کے لئے اپنی بعض ازواج کی خوشنودی، خوش خلقی اور ازواج کی خوشنودی بے شک اچھی چیز ہے؛ لیکن جس حد تک اس کی ضرورت نہ ہو یا کسی کی خوشنودی دوسرے کے لیے دل شکنی اور رنج کا ذریعہ بنے؛ یہ آپ کے مقام عالی کے مناسب نہیں، تو اس پر در گذر ہے اور اللہ غفور رحیم ہے، وہ اس قسم کی غیر مناسب یا خلاف اولیٰ باتوں کو در گذر فرماتا ہے، اور اپنی رحمت و مہربانی سے نوازتا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

فذكر السبب لذلك بقوله ﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ بأن لا تحزن لأن لست بمؤاخذك، وذلك لان الله غفور رحيم فقد سترتك في رحمتي وذلك لاني رحيم فبرحمتي الخاصة قد رحمت عليك. (مرزا:۲۵۷)

* کان استمرار کے ساتھ ۴ آیات میں آیا ہے:

(۱) ﴿وَأَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۗ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ (نساء:۲۳)

اور جو پہلے سے دو بہنیں تمہارے نکاح میں موجود ہوں تو ان میں سے دوسری کو جدا کردو، بے شک اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے کہ ممانعت سے پہلے جو کر چکے ہو اس پر مواخذہ نہیں کرتا؛ کیونکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ کسی قوم کو گمراہ نہیں قرار دیتے جب تک ان کو کھول کر نہ بتلا دیں کہ فلاں چیز سے بچنا ضروری ہے، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾ اور جب تک ہم رسول نہ بھیج لیں اس وقت تک ہم عذاب نہیں دیتے۔ (معارف القرآن ادریسی)

انه تعالى ذكر ثلاثة عشر صنفا من الحرمات، واستثنى منها ما مضى قبل اتيان الحكم بقوله ﴿إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ﴾ ويعلم منه بانها معفو. فذكر العلة لذلك بقوله ﴿إِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ بأسلوب الجملة المؤكدة.

(مرزا:۲۵۷)

(۲) ﴿وَاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ۖ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ (نساء:۱۰۶)

اور اے ہمارے نبی! آپ خیانت کرنے والوں کے حمایتی نہ بننا اور لاعلمی اور بے خبری کی حالت میں اصل واقعہ نہ معلوم ہونے کی وجہ سے محض ظاہر حال کی بنا پر جو کلمہ آپ کی زبان سے نکل گیا ہے اس کی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگئے،

طعمہ جیسے خائن کی براءت کا تصور بھی گناہ ہے اور قابل استغفار، بظاہر حکم استغفار کا حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر دراصل خائنین کو سنانا مقصود ہے، بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور مہربان ہے، یا یہ مطلب ہے کہ جن لوگوں نے حسن ظن کی بناء پر طعمہ اور بنی ابیرق کو سچا اور بری سمجھ لیا تھا ان کے لیے استغفار کیجئے، اس میں ان مومنین مخلصین کے لیے تنبیہ ہوگئی جو بوجہ حسن ظن یا اسلامی تعلق کی بناء پر طعمہ کی براءت اور یہودی کے چور بنانے میں ساعی ہوئے۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۳) ﴿وَإِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ (نساء:۱۲۹)

اور اگر تم اصلاح کرلو یعنی گزشتہ میں جو بے انصافی کر چکے ہو اس کی تلافی کرلو اور آئندہ کے لیے عورت کے حق میں ناانصافی سے بچتے رہو تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے، تمہاری گذشتہ کوتاہیوں اور خطاؤں کو معاف کر دے گا اور اگر صلح اور موافقت کی کوئی صورت نہ ہو سکے اور میاں بیوی طلاق یا خلع کے ذریعہ ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں تو اللہ ہر ایک کو کفایت کرے گا اپنی وسعت سے یعنی خدا ہر ایک کا کارساز ہے، مرد کو دوسری عورت مل جائے گی اور عورت کو دوسرا شوہر مل جائے گا اور روزی میں ایک دوسرے کا محتاج نہ رہے گا، اور ہے اللہ وسعت والا اور حکمت والا، اس کی توانگری اور رحمت بہت وسیع ہے اور اس کے تمام احکام حکمت پر مبنی ہیں، اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، سب اس کی ملک ہے جس کو جتنا چاہے دے، یہ اس کے واسع ہونے کی دلیل ہے، اس سے بڑھ کر اور کیا وسعت ہو سکتی ہے کہ وہ آسمان اور زمین کی کل چیزوں کا مالک ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

وذكر الجملة الشرطية قبل الرحيم بقوله ﴿وَإِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا﴾ والاصلاح والتقوى سبب للقرب والمغفرة فلذا ذكر الجزاء بقوله ﴿فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ بأن الله غفور للمصلح ولاهل التقوى، وذلك لأنه رحيم، وذكر هذا اتتميما لما سبق ونتيجة لها ترغيبا للتوبة والانابة اليه تعالى. (مرز ا:۲۵۷)

(۴) ﴿إِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ (احزاب:۲۴)

اب آئندہ آیت میں اس غزوہ کی حکمت بیان کرتے ہیں کہ یہ غزوہ منجانب اللہ ابتلاء اور امتحان تھا، جس سے مقصود یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ محبین صادقین کو ان کے صدق اور اخلاص کی جزاء دے، اور منافقوں اور جھوٹوں کو عذاب دے اگر چاہے کہ وہ نفاق پر مریں، یا ان کو توبہ کی توفیق دے اگر چاہے کہ ان کی مغفرت کرے، یہ سب لوگ اللہ کی زیر مشیت ہیں، بے شک اللہ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے کہ جس کو چاہتا ہے توبہ کی توفیق عطا کر کے اس کی مغفرت کر دیتا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

ذكر قبل الرحيم قوله ﴿أَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ﴾ والتوبة سبب للمغفرة فذكر العلة لذلك بقوله ﴿إِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ بأنه إنما يتوب عليهم وعلى من يشاء لأنه غفور. (مرز ا:۲۵۷)

* کان استمرار تاکید سے خالی ۷ آیات میں:

(۱) ﴿دَرَجٰتٍ مِّنۡهُ وَمَغۡفِرَةً وَّرَحۡمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا﴾ (نساء:۹۶)

اللہ نے ان لوگوں کو جو اپنے مال اور جان سے جہاد کرتے ہیں ایسے بیٹھنے والوں پر جن کی نیت تو جہاد کی تھی مگر معذوری کی وجہ سے جہاد میں شرکت نہ کر سکے، ایک درجہ فضیلت دی ہے، اور وعدہ بھلائی کا اللہ نے ہر ایک سے کیا ہے، یعنی وعدہ نیکی کا مجاہدین اور قاعدین دونوں سے ہے؛ کیونکہ جہاد کی نیت سب کی تھی مگر مجاہدین کو قاعدین پر ایک درجہ فضیلت ہے، اس لیے کہ یہاں نیت جہاد کے ساتھ عمل جہاد بھی مقرون ہے، اور اللہ نے مجاہدین کو ان بیٹھنے والوں پر-جو تندرست تھے اور معذور نہ تھے- اجر عظیم کے لحاظ سے فضیلت دی ہے، یعنی اپنے پاس سے ان کو بڑے مرتبے عطا کرے گا اور مغفرت اور رحمت سے ان کو نوازے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے، جس پر جہاد فرض نہ ہو وہ اگر گھر بیٹھے بھی عبادت و ریاضت کرتا رہے تو اللہ اس کی بھی مغفرت فرمائے گا۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۲) ﴿وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا﴾ (نساء:۱۰۰)

اور جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف نکلے اور پھر مقام ہجرت تک پہنچنے سے پہلے ہی راستہ میں اس کو موت آجائے تو تحقیق اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ثابت ہو گیا، یعنی گو اس کی ہجرت پوری نہیں ہوئی؛ لیکن چونکہ اس کی نیت ہجرت کرنے کی تھی اس لیے اس کو ہجرت کا پورا ثواب ملے گا، اور یہی حال ہے تمام اعمال کا جس عمل کو انسان خدا کے لیے شروع کرے اور اختتام سے پہلے مر جائے تو اس کو پورے عمل کا ثواب ملے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے ،یعنی اس ہجرت سے پہلے جو کافروں اور مشرکوں میں ٹھہرا رہا، اللہ تعالیٰ اس کی گزشتہ خطا کو معاف کردے گا کیونکہ وہ غفور رحیم ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

كأنه قال إنما وقع اجره على الله لانه غفور فيغفر لمن تاب اليه واناب واستغفر منه وتقرب اليه وذلك لانه رحيم فيرحم على من يطلب الرحمة فيزيدله من الأجر. (مرز ا:۲۵۸)

(۳) ﴿أُولٰٓئِكَ سَوۡفَ يُؤۡتِيۡهِمۡ أُجُوۡرَهُمۡ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا﴾ (نساء:۱۵۲)

جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور اس کے سب پیغمبروں پر اور انہوں نے رسولوں کے درمیان ایمان لانے میں کوئی تفرقہ نہیں کیا، ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا اجر ضرور دیں گے، اور ہے اللہ بڑا بخشنے والا مہربان، یعنی ایمان کی برکت سے ان کے اعمال کا اجر دے گا اور گناہوں کو معاف کرے گا۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۴) ﴿وَلٰكِنۡ مَّا تَعَمَّدَتۡ قُلُوۡبُكُمۡ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا﴾ (احزاب:۵)

گناہ اس چیز میں ہے کہ جس کا تمہارے دل قصد کریں، یعنی اگر قصداً باپ کے سوا دوسرے کی جانب نسبت کروگے تو تم پر گناہ ہوگا اور اگر بھولے سے ایسا ہو جائے تو معاف ہے اور اللہ تعالیٰ خطا کار کو بخشنے والا ہے اور مہربان ہے، قصداً کہنے کے بعد جو توبہ اور استغفار کر لے اسے بھی معاف کر دیتا ہے، ابتداء اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہؓ کو اپنا متبنی بنا لیا تھا، اس لیے لوگ اپنے دستور کے مطابق زید بن محمد پکارنے لگے، جب یہ آیت نازل ہوئی تو سب زید بن حارثہ کہنے لگے۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۵) ﴿لِكَيْلَا يَكُونَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾ (احزاب: ۵۰)

اور نکاح کے بارہ میں جو قیود اور شرائط ہم نے عام مؤمنین پر لگائے ہیں وہ ہم نے آپ پر نہیں لگائے؛ تاکہ آپ پر تنگی نہ ہو، یعنی اللہ تعالیٰ نے جو حقوق اور فرائض اور شرائط عقد عورتوں کے بارہ میں لازم کیے ہیں، آپ پر فرض اور لازم نہیں کیے تاکہ آپ پر وسعت اور سہولت ہو اور لوگوں پر آپ کی شان امتیازی ظاہر ہو، اور ہے اللہ بڑا بخشنے والا اور بڑا مہربان، جس چیز سے بچنا مشکل ہوتا ہے اسے معاف کر دیتا ہے، اور اپنی رحمت اور مہربانی سے جس پر چاہے وسعت کر دیتا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

وذکر قبل الرحیم قولہ ﴿كَيْلَا يَكُونَ عَلَيْكَ حَرَجٌ﴾ علة لما ذكر من الاباحة له فذكر العلة لما ذكر قبل بقوله ﴿وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾ بأنه تعالى إنما اباح ما اباح لانه غفور فبغفرانه سهل الاحكام وذلك لانه رحيم فبرحمته لم يضيق عليكم. (مرزا:۲۵۹)

(۶) ﴿ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾ (احزاب: ۵۹)

بہت قریب ہے اس بات کے کہ پہچان لی جاویں کہ یہ پردہ والی اور پاکباز عورتیں ہیں، اور اس پردہ سے لوگوں کو ان کی عفت اور پاکدامنی عیاں ہو جائے اور کوئی ان سے تعرض نہ کرے، پس اس حالت اور ہیئت میں دیکھ کر ان کو ایذا نہ دی جائے اور بدکار ان سے تعرض نہ کریں، ان کے پردہ کی اس وضع اور ہیئت کو دیکھ کر کسی کی ہمت نہ ہو کہ وہ ان کو چھیڑ سکے۔

اور اگر سر اور چہرہ چھپانے میں بلا قصد اور بلا ارادہ کوئی کوتاہی یا بے احتیاطی ہو جائے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے، ایسے گناہ اور کوتاہی کو بخش دیتا ہے جو بر بنائے غفلت صادر ہو جائے، اور قصد اور ارادہ کو اس میں دخل نہ ہو۔ (معارف القرآن ادریسی)

وذکر علة لذلك بقوله ﴿ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ﴾ بانهن اذا كن كذلك فيعرفن فلا يلحق بهن الضرر، ولما كان قبل ذلك الكشف فكان يختلج فى صدورهم بان ما كان قبل ذلك من عدم الحجاب فما ذا يكون مآله، فبين ذلك بقوله ﴿وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾ بان ما كان قبل الحجاب فهو معفو. (مرزا:۲۵۹)

(۷) ﴿وَيَتُوبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾ (احزاب: ۷۳)

اور تاکہ اللہ تعالیٰ ایماندار مردوں اور ایماندار عورتوں پر توجہ اور رحمت فرمائے اور اپنی عنایت سے ان کو نوازے جنہوں نے حتی المقدور اللہ کی امانت کی حفاظت کی اور اپنے عہد پر قائم رہے اور اپنی ذمہ داری کو حتی المقدور پورا کیا، مگر بمقتضائے بشریت حقوق امانت میں کچھ تقصیر ہوجائے تو اس سے درگذر کرتا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

وذكر قبل الرحيم قوله: ﴿وَيَتُوبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾ فقبول توبة المؤمنين من الرجال والمؤمنات من النساء يقتضى كلمة تدل على المغفرة والرحمة فلذا ذكر الرحيم فى النهاية علة لما سبق بقوله ﴿وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾. (مرزا: ۲۵۹)

العزیز الحکیم

ابن اثیرؒ نے اسم حکیم کو حکم اور حکمت سے مشتق بنایا ہے، بیشک اللہ تعالیٰ حاکم علی الاطلاق ہے، معناً اس پر کوئی اعتراض نہیں مگر ائمہ لغت میں سے کسی نے "حکیم" بمعنی حاکم تحریر نہیں کیا۔

رہا حکیم کا مشتق از حکمت ہونا یہ سب کے نزدیک مسلمہ ہے۔

حکمت اعمال میں افضلیت اور افعال میں احسنیت کے علم کو حکمت کہتے ہیں۔

حکمت: اُن غایات حمیدہ کا نام ہے جو سلسلہ تکوین میں ملحوظ ہیں۔

حکمت: اُن مصالح کلیہ کا نام ہے جو نظام عالم وقوام ہے۔

اخلاق اور احسن اعمال کا حکمت ہونا ضروری ہے۔

بہترین فوائد اور بہترین مقاصد کا حکمت ہونا لابدی ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ آیات قرآنیہ کو اسماء حسنیٰ کے ساتھ جن پر آیات کا اختتام ہوتا ہے بلحاظ معنی تناسب تام ہوتا ہے، لہٰذا غور کرو کہ اسم حکیم کا استعمال قرآن پاک میں کس طرح ہوا ہے:

اسم عزیز کے ساتھ: ﴿إِنَّهُ أَنَا اللّٰهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ (النمل: ۹)

"بے شک میں اللہ غالب حکمت والا ہوں۔"

۴۳ مقامات اور ہیں جہاں عزیز حکیم فرمایا ہے۔

اسم حمید کے ساتھ: ﴿تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ﴾ (فصلت: ۴۲)

''یہ کلام حکمت والے خبر والے کا اتارا ہوا ہے۔''

اسم خبیر کے ساتھ: ﴿فُصِّلَتْ مِن لَّدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ﴾ (ہود:۱)

''حکمت والے خبر والے کی طرف سے تفصیل کر دی گئی ہے۔''

﴿وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ﴾ (الانعام:۱۸)

''اور وہ حکمت والا خبر دار ہے۔''

اسم واسع کے ساتھ: ﴿وَكَانَ اللَّهُ وَاسِعًا حَكِيمًا﴾ (النساء:۱۳۰)

''اللہ تعالیٰ تو وسعت دینے والا حکمت والا ہے۔''

اسم علیّ کے ساتھ: ﴿لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيمٌ﴾ (الزخرف:۴)

''بیشک وہ برتر حکمت والا ہے۔''

اسم علیم کے ساتھ: ﴿إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ﴾ (الانعام:۸۳)

''بے شک تیرا رب حکمت والا ہے۔''

دس مقامات دیگر ہیں۔

ان آیات پر تدبر کرنے سے یہ نتیجہ مستنبط ہوتا ہے کہ خبرت ووسعت اور علم وحمد اور علو ورفعت کے مفہوم سے حکیم کا مفہوم زیادہ تر واضح ولائح ہو جاتا ہے، یہ وہ طریق ہے جو مقصود ربانی کو صحیح طریق پر بخوبی ذہن نشین کر دیتا ہے۔

اگر شرائع الٰہیہ اور احکام ربانیہ کی تحقیق کی جائے، اگر دفتر تکوین کا مطالعہ کیا جائے اور صحیفۂ فطرت کا ملاحظہ کیا جائے، تو ذرہ ذرہ اور پتہ پتہ سے رب العالمین کی حکمت نمایاں ہو جاتی ہے۔

بیشک اللہ تعالیٰ حکیم ہے اور اس نے ایجاد مخلوقات میں جملہ لوازمات ومناسباتِ صحیحہ کو پیدا کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ حکیم ہے اور ماہیات اشیاء پر اس کی حکمت محیط ہے۔

اتفاق صناعت اور احکام متشکلات میں اس کی حکمت جلوہ گر ہے۔ (قاضی منصور پوری: ۷ ۱۲ تا ۱۳۰)

صفت عزیز وحکیم کی ایک ساتھ آنے کی حکمتیں:

یہ دونوں عظیم الشان صفات میں سے ہے، ہر آیت کا ایک مقام ومنزلت جلیلہ ہے، جب یہ دونوں ایک ساتھ جمع ہو جاتے ہیں تو ان کی قدر ومنزلت دوبالا ہو جاتی ہے، یہ قرآن کریم میں ۴۵ مقام پر ختم آیات کے موقع پر مستعمل ہوئی ہیں، یہی چیز ان کی قدر ومنزلت کا پتہ دیتی ہے۔

صفت عزیز خود کئی معانی کو متضمن ہے، یہ عزت، قدرت وعظمت اور مخلوق پر قہر وغلبہ کا مفہوم ادا کرتی ہے، اسی طرح صفت حکیم بھی حکمت، علم اور احکام کے معانی کو شامل ہے، لہٰذا عزیز ذات قادر، قوی، قاہر اور عظیم بھی ہے اور حکیم ذات علیم وخبیر اور بصیر بھی ضرور ہوگی۔ عزیز کی قوت وطاقت اور تصرف وغلبہ کے پیش نظر یہ وہم ہوسکتا ہے کہ کبھی غلو و انحراف بھی ہو جائے تو صفت حکیم نے اس وہم کو دور کر دیا، صفت حکیم کو ساتھ میں لانا ہماری فکر کو کام میں لانے کی دعوت ہے کہ ہر چیز اور ہر کام کے پیچھے غور وفکر کرنا ہے، اور اشیاء کی علتوں میں غواصی کرنا ہے، کیونکہ بعض انسان جب علتوں کے ادراک سے عاجز آ جاتے ہیں اور ان کی طبیعتیں حکمت خداوندی کو نہیں سمجھ پاتی ہے، تو وہ حق سبحانہ وتعالیٰ سے بدظن ہو جاتے ہیں، صفت حکیم اس فکری انحراف وکجی کو دور کرنے کے لئے بھی ایسے مواقع پر مستعمل ہوتا ہے، صفت عزیز اس کو مزید تقویت پہونچاتی ہے اور تسلیم ورضا میں مؤید ہوتی ہے۔

وحول هذا المعنى يقول الإمام الزركشي: "فهو العزيز؛ لأن العزيز في صفات الله هو الغالب من قولهم عزه يعزه، عزا إذا غلبه، ووجب أن يوصف بالحكيم أيضا؛ لأن الحكيم من يضع الشيء في محله، فالله سبحانه وتعالى كذلك، إلا أنه قد يخفى وجه الحكم في بعض أفعاله فيتوهم الضعفاء أنه خارج عن الحكم، فكان الوصف بالحكيم احتراس حكم". (البرهان فی علوم القرآن: ۱/۸۹)

دونوں صفات کی بہت قریبی مناسبت کی وجہ سے حضرات انبیاء کرام کی زبانی حق تعالیٰ کی تعریف وثناء میں ان کا کثرت سے استعمال ہوا ہے۔

يقول ابن الوزير: "فهو العزيز الحكيم كما جمعهما الله سبحانه وتعالى كثيرا في التمدح بهما معا في غير موضع، وذلك إشارة إلى أنهما أخوان لا يفترقان". (ایثار الحق علی الخلق: ۱/۲۱۴)

قرآنی آیات کے مختلف سیاقات میں ان صفات کا تذکرہ ہمیں غور وفکر کی دعوت دیتا ہے، جیسے کہ بہت سے مفسرین نے مختلف آیات میں غور وفکر کے وقت خود بھی سوالات قائم کئے اور پھر آیات سے ہی ان کے جوابات بھی تلاش کئے۔

أورد الإمام أبو السعود — رحمه الله — في معرض تفسير قوله تعالى: وكذلك كدنا ليوسف ما كان ليأخذ أخاه في دين الملك ... ما كان ليأخذ أخاه في دين الملك استئناف وتعليل لذلك الكيد وصنعه، لا تفسير وبيان له كما قيل، كأنه قيل: لماذا فعل ذلك؟ فقيل: لأنه لم يكن ليأخذ أخاه بما فعله في دين الملك في أمر السارق. (ارشاد العقل السليم: ۴/۲۹۶)

یہ دونوں صفات ہمیشہ ساتھ ساتھ ہی آئی ہے، کبھی انفرادی طور پر نہیں آئی ہے۔

العزيز الحكيم پر ختم ہونے والی آیات اشارہ کرتی ہیں کہ ان تمام میں ایک معین ترتیب ہے؛ چاہے وہ آیت سے ہی متعلق ہو یا سیاق سے تعلق رکھتی ہو، یہ مناسبت کبھی آگے پیچھے کی ایک یا دو آیت سے مربوط ہوتی ہے، صفت عزیز قدرت، غلبہ، قوت اور غالب ہونے پر دلالت کرتی ہے، لہٰذا آیات میں مذکور یہ امور صفت عزیز پر ہی ختم ہوں گے اور صفت حکیم عالم، خبیر اور بصیر کے مفہوم کو ادا کرتی ہے؛ کیونکہ حکیم فعل کی حکمت کی وجہ، اس کے ختم ہونے کو، اس کے عواقب و انجام کو اور اس کی تعلیل کو جانتا ہے، لہٰذا وہ کسی بھی فعل کو انتہائی سلیقہ و حسن ترتیب سے انجام دیتا ہے۔

كما يقال أن الحكيم: هو العادل في التقدير، المحسن في التدبير، ذو الحكمة البالغة الذي يضع كل شيء موضعه بحسب المصلحة.

حکمت کے مختلف محور:

(۱) جیسے یہ تین آیات (آل عمران:۱۲۶، الانفال:۱۰، التوبۃ:۴۰) نصرت و مدد کے محور پر گھومتی ہے کہ کیسے اللہ پاک نے اپنے رسول اور مؤمنین کی مدد فرمائی، دشمنوں کو کیسے شکست دی اور ایسے لشکروں (فرشتوں) سے مؤمنین کی مدد کی، جن کو مؤمنین نے نہیں دیکھا تھا، لہٰذا اس قدرت عظیمہ اور قوت باہرہ کے بیان کرنے کے لئے صفت عزیز سے بہتر کوئی صفت نہ تھی، پھر مدد کے طریقے، ان اسباب کو پیدا کرنا؛ پھر ملائکہ کے ذریعہ مدد کی وجہ؟ ان کے علاوہ سے کیوں مدد نہیں کی گئی؟ یہ وہ امور ہیں جن کا تعلق حکیم کی تدبیر و حکمت تامہ سے تھا۔ جب ہم ان سوالات کا جواب نہیں پا سکتے ہیں تو ہمارا ذہن اس بات کو قبول کرے گا کہ اس کے پیچھے حکیم کی حکمت ہی کارفرما ہے، جس سے ہم ناواقف ہیں۔

قال الإمام ابن عاشور — رحمه الله — في معرض تفسير الآية السابقة الأولى: وإجراء وصفي العزيز الحكيم هنا لأنهما أولى بالذكر في هذا المقام، لأن العزيز ينصر من يريد نصره، والحكيم يعلم من يستحق نصره، وكيف يعطاه. (التحرير والتنوير: ۲۰۷/۳) ولنلاحظ في قول ابن عاشور (وكيف يعطاه)، إن الكيفية التي يتم بها أمر الله، مسألة مهمة في معرفة فهم (الحكيم) في ختم الآية.

وجملة (إن الله عزيز حكيم) تعليل لما قبلها، وفيها إشعار بأن النصر الواقع على الوجه المذكور من مقتضيات الحكمة البالغة. (روح المعاني: ۱۴۷/۹)

(۲) محور ثانی نزول قرآن کریم کے موقعہ پر بھی صفت عزیز و حکیم ساتھ میں آئی ہے، (الزمر:۱، الجاثیۃ:۲، الاحقاف:۲) نزول قرآن؛ یہ صفت قدرت کے ساتھ دشمنوں کے مکر و تدبیر کو ناکام بنانا اور ان پر فصاحت و بلاغت و اعجاز کے ذریعہ غلبہ پانا وغیرہ کو شامل ہے، نیز قرآن کریم حکمت کی تمام اقسام کو شامل ہے اور حکیم اس کتاب عزیز کے نازل

کرنے کی علت کی طرف اشارہ فرماتے ہیں، گویا سائل سوال کرتا ہے کہ یہ کتاب کیوں نازل کی گئی، تو اس کا جواب دیا گیا کہ حکیم نے اپنی حکمت کی وجہ سے اس کو نازل کیا۔

يقول ابن عاشور في هذا السياق: إيثار وصفي العزيز الحكيم بالذكر دون غيرهما من الأسماء الحسنى لإشعار وصف العزيز بأن ما نزل مناسب لعزته، فهو كتاب عزيز، أي هو غالب لمعانديه، وذلك لأنه أعجزهم عن معارضته، ولإشعار وصف الحكيم بأن ما نزل من عنده مناسب لحكمته، فهو مشتمل على دلائل اليقين والحقيقة، وفي ذلك إيماء إلى أن إعجازه من جانب بلاغته إذ غلبت بلاغته بلغائهم، ومن جانب معانيه إذ أعجزت حكمته حكمة الحكماء. (التحرير والتنوير: ۳۰۱/۱۳)

وكذلك قول الإمام الألوسي: والتعرض لوصفي العزة والحكمة للإيذان بظهور أثريهما في الكتاب بجريان أحكامه، ونفاذ أوامره ونواهيه من غير مدافع ولا ممانع وبابتناء جميع ما فيه على أساس الحكم الباهرة.

(روح المعاني: ۳۴۴/۱۳)

(۳) عزیز وحکیم کے ختم ہونے کا تیسرا محور تسبیح کا ہے، یعنی کائنات کی تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہیں۔ الحدید: ۱، الصّف: ۱، الحشر: ۱، ۲۴ یہ تمام آیات اللہ تعالیٰ کی تسبیح پر مشتمل ہے، اس میں اللہ پاک کی ربوبیت والوہیت کی طرف اشارہ ہے، مخلوقات کی تسبیح یہ صفت عزیز کی طرف دلالت ہے کہ ساری مخلوق کو تابع کر کے تسبیح پر لگانا؛ یہ اسی کی شان ہے، اگر اس کائنات کا اس کے علاوہ کوئی رب والٰہ ہوتا تو وہ ضرور مخلوقات کو اس تسبیح سے روک دیتا۔ اور حکیم بھی ہے کہ اس نے صرف تسبیح کا ہی مطالبہ کیا، اس کے علاوہ پر ان کی فطرت کو نہیں لگایا، وہ حکیم ہے؛ لہٰذا اس نے ان مخلوقات کی فطرت میں تسبیح کا جذبہ پیدا کیا اور ان کے لئے اس کو آسان بھی کردیا۔

يقول الإمام ابن عاشور: ”والعزيز وصف ينفي وجود الشريك في الإلهية، والحكيم الموصوف بالحكمة وهي وضع الأفعال حيث يليق بها، وهي أيضا العلم الذي لا يخطئ، وهذا الوصف يثبت أن أفعاله جارية على تهيئة المخلوقات لما به إصابة ما خلقت لأجله، فلذلك عززها الله بإرشاده بواسطة الشرائع.“

(التحرير والتنوير: ۳۷۶/۱۴)

وهو ما أكده الإمام الفخر الرازي — رحمه الله — حين تعرض للآية بقوله: سبح الله ما في السماوات وما في الأرض، أي شهد له بالربوبية والوحدانية وغيرهما من الصفات الحميدة جميع ما في السماوات والأرض، والحكيم من حكم على الشيء إذا قضى عليه، وهو الذي يحكم على غيره، ولا يمكن أن يحكم عليه

غیره، وفي بعض السور: سبح لله، وفي البعض: يسبح، وفي البعض: سبح بصيغة الأمر، ليعلم أن تسبيح حضرة الله دائم غير منقطع. (تفسير الفخر الرازي:۱۵/۳۱۱)

ان آیات میں انسان کو بھی اشارہ ہے کہ وہ ان غیر شعوری مخلوقات سے عبرت حاصل کرتے ہوئے اپنے مولائے حقیقی کی تسبیح وتحمید میں مشغول رہے۔

عزت وغلبہ سب اسی کو حاصل ہے اور اس کی حکمت کبھی ظاہر ہوتی ہے اور کبھی چھپی ہوئی ہوتی ہے اور اس کی مختلف کیفیات ہوتی ہے جس کے ذریعہ وہ بہترین تدبیر سے اس کو انجام دیتا ہے۔ (آل عمران:۶) ماں کی رحم دانی میں بچے کی تصویر بنانا یہ صفت عزیز کی طرف مشیر ہے اور جن کیفیات سے ان کو مکمل کرتا ہے وہ صفت حکیم کی طرف مشیر ہے، لہٰذا یصور کم فعل مضارع صفت عزیز سے متعلق ہوگا اور کیف یشاء کا تعلق صفت حکیم سے ہوگا، اور دوسرا کوئی الہ ومعبود نہیں ہے جو تصویر ارحام میں مخالفت کرکے یہ کہے کہ مجھے یہ صورت پسند نہیں ہے؛ لہٰذا میں دوسری صورت بنانا چاہتا ہوں، شان عزیزیت سے مخالفت کی نفی ہوتی ہے، اسی طرح کوئی یہ کہے کہ مخلوقات کی کچھ صورتیں عجیب وغریب ونادر اور غیر طبعی ہے، تو اس کا جواب دیا کہ وہ حکیم ہے، اس کی حکمت نے جو تقاضہ کیا اس کے مطابق تصویر کو کیفیت دی، اس کی وضاحت درج ذیل دو آیات (البقرہ:۲۶۰، النساء:۱۵۸) سے بخوبی ہوجاتی ہے۔

(۱) البقرہ:۲۶۰ میں مذکور احیاء موتی کی صفت عزیز ذات کی ہی صفت ہوسکتی ہے، صفت قدرت سے زیادہ بڑھکر یہ صفت عزیز سے تعلق رکھتی ہے، پرندوں کو دوبارہ زندہ کرنا اور حضرت ابراہیمؑ کے پاس اڑنے کے بجائے ''سعیاً'' چلتے ہوئے آنا، پرندوں کی تواضع ومسکنت اور اطاعت آپ کے قلب کو قدرت الٰہیہ سے مطمئن کرنے کی طرف مشیر ہے، حضرت ابراہیم کا ان کو پکارنا اور ان کا زندہ ہوکر آنا؛ یہ بھی صفت قدرت کا استحضار کروانا ہے؛ ورنہ حضرت ابراہیم کے پکارے بغیر بھی اللہ پاک ان کو زندہ کرسکتے ہیں، جیسے حضرت عزیرؑ کے واقعہ میں ہوا۔

قال الآلوسی- حكيم ذو حكمة بالغة فليس بناء أفعاله على الأسباب العادية لعجزه عن خرق العادات بل لكونه متضمنا للحكم والمصالح. وهو مذهب جميل يؤكد ما ذهبنا إليه فيما سبق. (روح المعانی:۳/۴۹)

(۲) اسی طرح دوسری آیت ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ إِلَيْهِ﴾ (نساء:۱۵۸) بھی حضرت عیسیٰؑ کے خلاف یہود کی سازش کو ناکام کرکے زندہ آسمان پر اٹھا لینے کی طاقت وقدرت کا استحضار ہے، جو شان عزیزی کی بہترین مثال ہے اور آسمان پر اٹھانے کی حکمت وہی جانتا ہے جو حکیم مطلق وکامل ہے، وہ دنیا میں رکھ کر بھی بچا سکتا ہے، جیسے کئی واقعات میں ہوا۔

يقول الإمام أبو حيان: المراد من العزة كمال القدرة، ومن الحكمة كمال العلم، فنبه بهذا على أن رفع

عيسى عليه السلام من الدنيا إلى السماوات وإن كان كالمتعذر على البشر، لكن لا تعذر فيه بالنسبة إلى قدرتي وحكمتي، وقيل عزيزا لا يغالب، لأن اليهود حاولت بعيسى أمرا وأراد الله خلافه، وحكيما واضع الأشياء في مواضعها، فمن حكمته تخليصه من اليهود ورفعه إلى السماء لما يريد وتقتضيه حكمته تعالى.

(البحر المحيط:۱۲۹/۴)

چند آیات اور دعوتِ غور وفکر:

مشکلات الفواصل:

وہ آیات جن کے اخیر میں صفت عزیز حکیم آئی ہے، اور وہ مشکلاتِ فواصل میں شمار ہوتی ہیں، ان کی وضاحت ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) ﴿إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۖ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ (المائدہ:۱۱۸)

اعجاز القرآن میں شک کرنے والوں نے اس آیت میں اشکال کیا ہے کہ **وان تغفر لهم** کے ساتھ صفت غفور رحیم آنی چاہئے نہ کہ صفت عزیز وحکیم۔

علمائے مفسرین نے اس کا جواب دیا ہے کہ اس آیت کا تعلق دار دنیا سے نہیں ہے؛ بلکہ میدان محشر سے ہے لہٰذا **﴿ان تعذبهم﴾** کا تعلق صفت عزیز سے ہے اور **﴿وان تغفر لهم﴾** کا تعلق صفت حکیم سے ہے، عذاب دینے پر قدرت شان عزیزی کی وجہ سے ہے؛ جس کو کوئی روک سکتا نہیں ہے، اور شرک کی وجہ سے عذاب کا مستحق ہونے کے باوجود گناہ معاف کرنا شان حکیمی ہے، حضرت عیسیٰؑ عفو ومغفرت طلب نہیں کررہے ہیں؛ بلکہ معاملہ اللہ پاک کے حوالے کررہے ہیں اور اس کی عزت وحکمت کا اقرار کررہے ہیں؛ کیونکہ یہ مقام اپنے بارے میں صفائی پیش کرکے شرک کی دعوت سے براءت کا اظہار کرنا ہے، لہٰذا عفو ومغفرت کے بجائے عدل کی صفت لائے؛ کیونکہ حکیم وہ ذات ہے جو ہر چیز کو اس کے مقام کے مطابق حیثیت وجگہ عطاء فرماتا ہے۔

قال الإمام الألوسي: إن تعذبهم فإنهم عبادك على معنى أنه لم يلحقك بتعذيبهم اعتراض، لأنك المالك المطلق لهم، ولا اعتراض على المالك المطلق، أي لم يستطع أحد منهم على دفع ذلك عن نفسه.

ليس في قوله وإن تغفر لهم تعريض بسؤال المغفرة، وإنما هو لإظهار قدرته سبحانه وحكمته، ولذا قال سبحانه العزيز الحكيم دون الغفور الرحيم. (روح المعانی:۷۰/۷)

وكذا قال ابن عاشور: وقوله فإنك أنت العزيز الحكيم، ذكر العزيز كناية عن مقدرة، وذكر الحكيم

لمناسبته التفويض. (التحرير والتنوير: ۳۵۱/۴)

(۲) ﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾

(التوبۃ: ۷۱)

علامہ سیوطی نے اس آیت کو بھی سابقہ آیت کی طرح مشکلات فواصل میں سے شمار کیا ہے کہ **اولئك سیرحمهم الله** کے بعد صفت رؤوف غفور یا رحیم جیسی صفات آنی چاہئے، اس کا جواب علمائے تفسیر نے یہ دیا کہ ﴿**سیرحمهم الله**﴾ کی سین تاکید کے لئے ہے، جیسے کہ علامہ زمخشری نے لکھا ہے: والسين مفيده وجوب الرحمة لا محالة فهي تؤكد الوعد كما تؤكد الوعيد. (کشاف: ۲۸۰/۱)

لہٰذا جب ان کو تاکیدی طور پر رحم کا وعدہ کر دیا گیا تو اب مزید تاکید غفور رحیم یا رؤوف رحیم سے کرنے کی ضرورت نہیں رہی؛ بلکہ اب ان کو اس اطمینان کی ضرورت ہے کہ یہ رحمت ارادۂ الٰہی کے مطابق ان پر جاری و باقی رہے، کوئی رکاوٹ ان کے لئے نہ آئے، تو صفت عزیز سے ان کو یقین دلایا کہ وہ عزیز ہے، اس کے ارادہ وقضاء کو کوئی بھی ٹال نہیں سکتا ہے۔ اور حکیم بھی ہے، لہٰذا ان کی اچھی صفات امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور نماز و زکوۃ کی ادائیگی، نیز اطاعت خداوندی و رسول کے تقاضہ کے مطابق اپنی شان حکیمی (وضع الشيئ حيث ينبغي ان توضع) سے ان پر خصوصی و دائمی رحمت نازل کرے۔

قال الإمام الفخر الرازي: إن الله عزيز حكيم، وذلك يوجب المبالغة في الترغيب والترهيب؛ لأن العزيز هو من لا يمنع من مراده في عباده من رحمة أو عقوبة، والحكيم هو المدبر أمر عباده على مايقتضيه العدل والصواب. (تفسیر الفخر الرازی: ۱۳۵/۸)

(۳) ﴿رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ (الممتحنۃ: ۵)

اس آیت میں بھی **واغفر لنا ربنا** کے بعد صفت عزیز و حکیم آئی ہے۔ حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے اس کو بھی مشکلات الفواصل میں سے شمار کیا ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ آیت کو غفور رحیم پر ختم کرتے تو فساد معنیٰ لازم آتا؛ کیونکہ آیت کا جوہری معنی یہ ہے کہ مؤمنین کو کافرین کی طرف سے فتنہ نہ پہونچے، یعنی ان کو غلبہ نہ حاصل ہو کہ جس کی بنیاد پر وہ یہ سمجھنے لگے کہ نعوذ باللہ ہم حق پر ہیں، یا ان کے ہاتھوں ہمیں تکلیف نہ پہونچے اور نہ خود اپنی طرف سے ہمیں عذاب دے کہ کفار کہنے لگے کہ اگر یہ لوگ حق پر ہوتے تو ان کو یہ عذاب نہ پہونچتا، جب آیت میں یہ درخواست ہے تو اس کے مناسب صفت

عزیزوحکیم ہی تھی؛ کیونکہ اس وقت عزیزوغالب کی طرف نسبت ہی مناسب ہے جو اپنے اولیاء کی اپنی شان کے مطابق مدد کرے، اگر وہ دعاء قبول کرتا ہے تو بھی اس کی شان ہے اور اگر دعاء قبول نہیں ہوتی ہے اور ان کے لئے ذخیرہ ہوتی ہے تو یہ بھی حکمت خداوندی ہے۔

كأنهم قالوا: إنك يا ربنا عزيز، قادر على أن تحمينا منهم، وتجنبنا الفتنة، وتغفر لنا، فإن أردت يا ربنا غير ذلك، فلحكمة تقتضيها، ونحن بما تقضي راضون واثقون.

قال الإمام ابن عاشور: " إنك أنت العزيز الحكيم، تعليل للدعوات كلها، فإن التوكل والإنابة والمصير تناسب صفة العزيز، إذ مثله يعامل بمثل ذلك، وطلب أن لا يجعلهم فتنة باختلاف معانيه يناسب صفة الحكيم".

(التحرير والتحرير: ۱/۳۸۷)

امام اصمعی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھ سے آیت ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ کے بجائے ﴿والله غفور رحيم﴾ پڑھی گئی، میرے ساتھ ایک اعرابی بیٹھا ہوا تھا، اس نے پوچھا کہ یہ کس کا کلام ہے؟ میں نے کہا کہ یہ کلام الٰہی ہے، تو اس نے کہا کہ یہ ہرگز کلام الٰہی نہیں ہوسکتا، مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا اور میں نے عزیز حکیم پڑھا، تو اس نے کہا کہ اب یہ کلام الٰہی ہے، میں نے اس سے کہا کہ کیا تو قرآن پڑھتا رہتا ہے۔ (یعنی یہ آیت تجھے یاد ہے؟) تو اس نے کہا کہ نہیں، میں نے کہا کہ پھر تو نے کیسے جانا؟ تو اس نے کہا کہ اللہ پاک عزیز وحکیم ہے، لہٰذا اس کی قدرت وحکمت سے ہاتھ کاٹا، اگر صفت مغفرت ورحمت کا ذکر ہوتا تو ہاتھ نہ کاٹا جاتا، دوسری روایت اس قصے میں یہ ہے کہ کسی نے یہ آیت غلط طریقہ سے اعرابی کے سامنے پڑھی تو اس نے کہا کہ یہ کلام الٰہی ہوتا تو وہ مغفرت کا ذکر گناہ کے موقع پر نہ کرتا؛ کیونکہ یہ تو گناہ پر آمادہ کرنا ہوا۔

قال الإمام الطبري: " والله عزيز في انتقامه من هذا السارق والسارقة وغيرهما من أهل معاصيه، حكيم في حكمه فيهم، وقضائه عليهم". (جامع البيان: ۴/۵۶۹)

وبمثله قال الإمام الشعراوي: " والله عزيز أي لا يغلبه أحد، ولا يحتال عليه أحد، وهو حكيم فيما يصنع من عقوبات للجرائم لأنه يزن المجتمع نفسه بميزان العدالة". (تفسير الشعراوى: ۵/۳۱۲۸)

حکیم پانچ اسلوب کے ساتھ آیا ہے:

[۱] حکیم تنہا عزیز کے ساتھ چار وجوہ سے مذکور ہے:

* حصر اور تاکید کے ساتھ ۵ آیات میں آیا ہے:

(۱)﴿اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾(بقرہ:۱۲۹)

بے شک تو ہی نہایت عزت والا اور نہایت حکمت والا ہے،تو بلا شبہ اس پر قادر ہے کہ تو ہماری اولاد میں ایسا عظیم الشان رسول بھیج کر لوگوں پر احسان فرمائے اور اس کو ایسی جامع کتاب، جامع شریعت اور کامل دین عطاء فرمائے کہ اس کے بعد تا قیامت کسی نبی اور رسول کی ضرورت باقی نہ رہے،فقط گاہ بگاہ اسی کی تجدید کافی ہو جایا کرے۔(معارف القرآن ادریسی)

وذكر قبل الحكيم قوله ويزكيهم فذكر علة لدعائه وسببا لها بقوله﴿اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ إنما دعوناك وسألنا منك ما سألنا، لانك عزيز فبعزتك تقدر على كل شيء، وأنت عزيز قوي فلا يصعب عليك شيء، و ذلك لانك حكيم، ومن الحكمة بعثه ﷺ لان كل شيء تريده متقن.

ولما كان هذه من الأمور التي تتعلق بالعزة والحكمة فلذا ذكر العزيز مقدما على الحكيم بهذا الاسلوب.

وقوله﴿اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ تذييل لتقريب الإجابة اى لأنك لا يغلبك أمر عظيم ولا يعزب عن علمك ورحمتك شيء. (التحریر والتنویر:۱/۷۲۴)

(۲)﴿وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾(آل عمران:۶۲)

تحقیق یہ جو کچھ عیسیٰ علیہ السلام کی بابت بیان کیا گیا،یہی بیان تحقیق اور سچا بیان ہے اور سوائے اللہ کے کوئی بھی معبود نہیں،تثلیث اور ابنیت کا عقیدہ بالکل غلط ہے اور تحقیق اللہ ہی عزت والا اور حکمت والا ہے،سچوں کو عزت دیتا ہے اور اپنے دست قدرت اور اپنی حکمت سے جھوٹے اور سچے کے ساتھ اس کے مناسب حال معاملہ کرتا ہے۔(معارف القرآن ادریسی)

وقدم العزيز على الحكيم لأن العزة يجدر ويليق بالتصرف والحكمة بالعلم على الاشياء بكنهها.

والمقصود ابطال إلهية المسيح حسب اعتقاد المخاطبين من النصارى فإنهم زعموا انه قتله اليهود، وذلك ذلة وعجز لا يجدر بالالهية، لانه كان محتاجا لانقاذه من أيدي الظالمين والله عزيز وانه لم يعلم بما يفعل به، والله حكيم فهو عالم بما كان ومايكون. (التحریر والتنویر:۳/۲۸۷)

(۳)﴿وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾(مائدہ:۱۱۸)

مجھے معلوم نہیں کہ انہوں نے کس طرح مجھ کو اور میری ماں کو خدا بنا لیا، یہ جو کچھ کیا سب میری تعلیم اور تلقین کے خلاف کیا، اب آئندہ ان کی جزاء اور سزا کے متعلق عرض کرتے ہیں کہ اے پروردگار! اگر تو ان کو عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں، تجھ پر کوئی اعتراض نہیں، تو مالک مطلق ہے اور وہ مملوک مطلق ہیں، اور مالک مطلق کو اپنی ملک میں ہر قسم کے

تصرف کا اختیار ہے، نافرمان بندے کو سزا دینا نہ خلاف انصاف ہے اور نہ قابل اعتراض، مالک اپنی کسی مملوک چیز کو بلا وجہ بھی تنور میں ڈال دے تو کوئی اعتراض نہیں، مطلب یہ ہے کہ اے پروردگار یہ تو مجرم بھی ہیں جنہوں نے مجھ کو اور میری ماں کو تیرے شریک گردانا، ان کا سزا دینا تو کیا خلاف انصاف ہوتا، بالفرض والتقدیر اگر یہ لوگ شرک بھی نہ کرتے؛ بلکہ عابد وزاہد ہوتے تب بھی تجھ کو عذاب دینے کا حق ہے؛ اس لیے کہ یہ سب تیرے بندے اور مملوک ہیں اور تو مالک مطلق ہے، تو اپنی ملک میں جو چاہے تصرف کرے، تجھ پر کوئی اعتراض نہیں، اور اے پروردگار عالم اگر تو ان کو معاف کردے گو وہ معافی اور بخشش کے مستحق نہیں تو تو بے شک زبردست اور حکمت والا ہے، یعنی بڑے سے بڑے مجرم کو معاف کرسکتا ہے، یعنی آپ کو قدرت ہے کہ اگر اپنے قہر وغلبہ اور کمال قدرت سے ان کو بخش دیں اور جنت میں داخل کردیں تو کرسکتے ہیں اور آپ کا یہ فعل بھی حکمت سے خالی نہ ہوگا، مطلب یہ ہے کہ آپ مختار مطلق اور مالک مطلق ہیں، جو چاہیں کریں، اگر سزا دیں تو عین عدل ہے اور اگر معاف فرمادیں تو محض فضل ہے، تجھے نہ کوئی عدل سے روک سکتا ہے اور نہ فضل سے روک سکتا ہے، تو عزیز ہے یعنی زبردست اور غالب ہے، کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں، تو تو اگر کسی مجرم کو معاف کرے گا تو وہ معافی بھی بے موقع اور خلاف حکمت نہ ہوگی۔ (معارف القرآن ادریسی)

ولما ذكر قبله وأن تعذبهم فناسب ان يذكر العزيز وناسب الغفران الحكيم، لأنه عارف بمصالح العباد من المغفرة وغيرها، وقوله ﴿فَإِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ ذكر العزيز كناية عن كونه يغفر عن مقدرته، وذكر الحكيم لمناسبة التفويض اى الحكيم للامور العالم بما يليق بهم. (التحرير والتنوير: ۲۲۷/۷)

(۴) ﴿إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ (مؤمن: ۸)

اے ہمارے پروردگار! محض یہی نہیں کہ تو ان کو جہنم کے عذاب سے بچائے؛ بلکہ ان کو داخل کردے بہشت کے ان باغات میں جو ہمیشہ رہنے کے ہیں، جن کا تو نے وعدہ کیا ہے ان ایمان والوں سے، اور ان کو بھی داخل کرلیجئے جو ان کے ماں باپ اور بیویوں اور اولاد میں سے صالح ہیں، نیک وبرگزیدہ اور جنت کی نعمتوں کے لائق ہیں، اگرچہ وہ ان اہل ایمان وتقویٰ کے برابر درجہ کے نہ ہوں، بے شک آپ تو بڑے ہی عزت وحکمت والے ہیں، اس لیے جس کسی کو بھی اپنے انعامات سے نوازنا چاہیں گے کوئی اس کو روک نہیں سکتا، اور جو بھی انعام واکرام فرمائیں گے وہ عین حکمت کے مطابق ہوگا۔ (معارف القرآن ادریسی)

ولما كان هذا مقام الالتجاء و التضرع فناسب ان يذكر الغفور الرحيم، ولكن ذكر بأسلوب العزيز الحكيم لإظهار سطوته وقوته تعالى وحكمته فى كل ما يريد، ولذا اتى بقوله ﴿إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾

بأسلوب القصر بطريق الاغراض بين الدعوات استقصاء للرغبة في الاجابة بداعي محبة الملائكة لاهل الصلاح لما بين نفوسهم ونفوس الملائكة من التناسب. (التحرير والتنوير: ۹۳/۲۴)

(۵) ﴿وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ (ممتحنہ:۵)

اے پروردگار تو ہم کو کافروں کی آزمائش کا محل اور تختۂ مشق نہ بنانا، اور ہم کو معاف کر دینا اگر کسی وقت صبر و استقامت کو ہاتھ سے چھوڑ دیں، اے ہمارے رب! بے شک تو بڑی ہی عزت و حکمت والا ہے کہ تیری ہی عزت و قوت سے ہم کافروں کے مقابلہ میں زور آور ہو سکتے ہیں، اور ہمارا ایمان ہے کہ اگر کسی وقت کافروں کے ہم تختۂ مشق بنیں اور وہ اپنی ظاہری اور عارضی کامیابی پر ہمارا مذاق اڑائیں تو یہ بھی تیری حکمت سے ہماری اصلاح و تنبیہ کے لیے ہوگا۔ (معارف القرآن ادریسی)

فذكر قبل الحكيم قوله: ﴿وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا﴾ فذكر بأسلوب الجملة الاسمية المؤكدة الدالة على الدوام والاستمرار علة لما ذكر بقوله ﴿إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾

وتعليل الدعوات كلها بقوله ﴿إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ لان التوكل والانابة والصبر تناسب صفة العزيز أن مثله يعامل بمثل ذلك وطلب أن لا يجعلهم فتنة باختلاف معانيه يناسب صفة الحكيم وكذلك طلب المغفرة لأنهم لما اتجهوا اليه بأن لا يجعلهم فتنة للكفار وان يغفر لهم رأوا ان حكمته تناسب إجابة دعائهم لما فيه من صلاحهم فذا ذكر العزيز والحكيم مقترنين بهذا الأسوب دون غيرهما.

(التحریر والتنویر: ۱۴۹/۲۸، مرزا: ۲۶۴-۲۶۵)

* تاکید کے اسلوب کے ساتھ ۸ آیات میں مذکور ہے:

(۱) ﴿فَإِن زَلَلْتُم مِّن بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمُ الْبَيِّنَاتُ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ (بقرہ:۲۰۹)

ان مومنین اہل کتاب کے دل میں شیطان نے یہ وسوسہ ڈالا کہ شریعت موسویہ میں ہفتہ کی تعظیم واجب ہے، اور شریعت محمدیہ میں اس کی بے تعظیمی واجب نہیں، اور اسی طرح شریعت موسویہ میں اونٹ کا گوشت اور دودھ حرام ہے اور شریعت محمدیہ میں اس کا کھانا فرض نہیں، اس لیے اگر ہم بدستور عملاً ہفتہ کی تعظیم کرتے رہیں اور اعتقاداً اس کو واجب نہ سمجھیں اور اونٹ کے گوشت اور دودھ کو عملاً ترک کر دیں اور اعتقاداً اس کو حلال سمجھتے رہیں تو اس میں شریعت محمدیہ کے بھی خلاف نہ ہوگا اور شریعت موسویہ کی بھی رعایت ہو جائے گی، اور وہ عمل زیادہ موجب ثواب ہوگا، حق تعالیٰ نے اس آیت میں اس خیال کی اصلاح فرمائی کہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد صرف اسلام ہی کی رعایت سے عمل کرنا فرض اور لازم ہے اور جو امر اسلام میں قابل رعایت نہیں، دین سمجھ کر اس کی رعایت کرنا بدعت ہے جو شیطان کا وسوسہ ہے، اور ایک دین

میں داخل ہونے کے بعد گزشتہ دین کی طرف نظر رکھنا اخلاص کے منافی ہے، پس اگر تم واضح اور روشن احکام آنے کے بعد بھی پھسلے اور شیطان کے قدموں پر چلے اور شریعت محمدیہ کے احکام کے اتباع اور تعمیل میں اعتقادی اور باطنی طور پر یہودیت اور نصرانیت کی رعایت کی تو خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ غالب اور زبردست ہے، ایسے لوگوں کو سخت سزا دے گا جو ظاہر تو یہ کریں کہ ہم شریعت محمدیہ پر عامل ہیں اور باطن میں یہودیت یا نصرانیت ملحوظ رہے، اور بڑی حکمت والا ہے کہ ایسے لوگوں سے انتقام میں جلدی نہیں فرماتا، کسی حکمت سے مہلت دے رکھی ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

ولما كان المراد بالخطاب عامة الناس، وفيهم من المترددين في كون الله عزيزا و حكيما. فلذا ذكر أسلوب التوكيد، وإنما لم يذكر الصفات الاخرى لان المقام مقام العزة والحكمة. (مرزا:۲۶۶)

(۲) ﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ (بقرہ:۲۲۰)

اور آپ سے یتیموں کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ یتیموں کا خرچ علیحدہ رکھیں یا اپنے ساتھ رکھیں، اگر یتیم کا کھانا علیحدہ پکائیں تو بسا اوقات یتیم کا کھانا بچ جاتا ہے اور اس طرح یتیم کا نقصان ہوتا ہے، اور اگر ساتھ ملا کر پکاتے ہیں تو اندیشہ ہے کہ ہم زائد کھائیں اور یتیم کم، اور یتیم کا مال کھانا آگ کا کھانا ہے؛ اس لیے آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ یتیموں کے مال کا کس طرح انتظام کریں، تو آپ ان کے جواب میں یہ کہہ دیجئے کہ یتیموں کی مصلحت اور خیر خواہی کو ملحوظ رکھنا بہتر ہے، جس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ ان کے مال کو بالکل علیحدہ رکھو اور نہایت احتیاط سے اس کا انتظام کرو، اور اگر خرچ میں ان کو شریک کرو اور شریک رکھنے ہی میں ان کی بہتری اور خیر خواہی سمجھو تو کوئی حرج نہیں، وہ تمہارے دینی اور نسبتی بھائی ہیں اور ایک بھائی دوسرے بھائی کی خیر خواہی اور امداد سے دریغ نہیں کرتا، اور ایک بھائی دوسرے بھائی کے مال سے کچھ نفع اٹھالے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں اور اکثر و بیشتر بھائی بھائی ملے جلے رہتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ تباہ کار کو صلاح کار سے خوب جانتے ہیں کہ کس نے خیانت اور یتیم کا مال خراب کرنے کی نیت سے شرکت کی ہے اور کس نے یتیم کی مصلحت اور خیر خواہی کا قصد کیا ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم کو مشقت میں ڈال دیتا اور خرچ کو ملا جلا رکھنے کی اجازت نہ دیتا اور اگر بلا علم اور بلا قصد تم سے کوئی کمی بیشی ہو جاتی تو اس پر مواخذہ کرتا؛ لیکن اس نے تم پر آسانی کی کہ شرکت اور مخالطت کی اجازت دے دی، اور اللہ غالب ہے جو چاہے حکم دے، خواہ وہ حکم بندوں پر آسان ہو یا گراں، اور بڑی حکمت والا ہے کہ اس کا کوئی حکم حکمت اور مصلحت سے خالی نہیں، اور کوئی حکم بندوں کو ایسا نہیں دیا جو ان کے لیے مشقت اور دشواری کا باعث ہو۔ (معارف القرآن ادریسی)

وذكر قبل الحكيم قوله: ﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ﴾ ومن المعلوم أن العنت هو المشقة والتكليف و

صیرورة الشخص فی ضیق ومشقة. فذکر بأنه لو اراد اعناتکم لاعنتکم فی الاختلاط والشرکة معهم فالعنت والاعنات یتطلب کلمة تدل علی العزة والحکمة. فلذا ذکر بأسلوب الجملة الاسمیة المؤکدة سببا وعلة لما ذکر بقوله ﴿اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ﴾

إنما دفع عنکم العنت والمشقة والحرج لانه حکیم فیفعل ما یفعل وفقا لمصالح الناس، ولأنه خبیر بأحوالکم بانکم ضعفاء فلا تستطیعون حمل العباء والمشقة فیمکن ان یصدر منکم امر یغیظه وینقم الله علیکم فبحکمته ترك اعناتکم وسهل لکم الحکیم ورخص لکم فی الشرکة.

﴿اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ﴾ تذییل لما اقتضاه شرط (لو) من الإمکان والامتناع الوقوع أی إن الله عزیز غالب قادر فلو شاء لکلفکم لکنه حکیم یضع الاشیاء مواضعها فلذا لم یکلفکم.

(التحریر والتنویر: ۲/۳۵۷، مرزا: ۲۶۶-۲۶۷)

(۳) ﴿وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ﴾ (بقرہ: ۲۶۰)

حضرت ابراہیمؑ کا قصہ ذکر کیجئے جس وقت کہ ابراہیم نے کہا کہ اے پروردگار! آپ مجھ کو یہ دکھلا دیجئے کہ آپ کس طرح مردوں کو زندہ کرتے ہیں؛ تا کہ مجھ کو معلوم ہو جائے کہ آپ قیامت کے دن کس طرح اور کس کیفیت کے ساتھ مردوں کو زندہ فرمائیں گے، آپ کی قدرت کی کوئی نہایت نہیں، آپ جس کیفیت کے ساتھ چاہیں مردوں کو زندہ کر سکتے ہیں، آپ کے زندہ کرنے کی عقلاً بے شمار کیفیتیں ممکن ہیں، معلوم نہیں کہ قیامت کے دن مردوں کے زندہ کر دینے کی کیا کیفیت ہوگی؛ اس لیے اس کی تعیین چاہتا ہوں کہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں کہ کس کیفیت کے ساتھ مردے زندہ ہوں گے؛ کیونکہ کیف کے ذریعہ سے جو سوال کیا جاتا ہے اگرچہ اکثر وبیشتر وہ کیفیت دریافت کرنے کے لیے ہوتا ہے، اصل شئ تو یقینی ہوتی ہے، فقط کیفیت کی تعیین مطلوب ہوتی ہے؛ لیکن بعض مرتبہ کیف کا استعمال انکار اور تعجب کے موقعہ پر بھی ہوتا ہے، مثلاً کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں یہ بوجھ اور وزن اٹھا سکتا ہوں اور تمہارا گمان یہ ہو کہ یہ شخص اس وزن کے اٹھانے سے قاصر ہے تو ایسے موقعہ پر اس سے یہ کہتے ہو، **ارنی کیف تحمل هذا** [مجھ کو دکھلاؤ کہ تم اس بوجھ کو کس طرح اٹھاؤ گے] اور مقصود یہ ہوتا ہے کہ تم نہیں اٹھا سکو گے اور اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کا قلب سلیم اس احتمال کے شائبہ سے بھی پاک اور منزہ ہے، اس لیے سوال فرمایا: **اَوَلَمْ تُؤْمِنْ** اے ابراہیم کیا تم اس پر یقین نہیں رکھتے؛ تا کہ ابراہیمؑ جب اس سوال کا جواب دیں تو ان کی مراد اور ان کا مقام ومرتبہ معلوم ہو جائے اور کسی کم عقل کو خلیل اللہ کی مراد کے سمجھنے میں کوئی غلطی نہ پیش آئے؛ چنانچہ ابراہیمؑ نے جواب میں عرض کیا: اے پروردگار! کیوں نہیں، مجھے آپ کے کمال قدرت کا

یقین کامل ہے، آخر مجھ کو بھی تو آپ نے اپنی قدرت سے زندہ کیا ہے؛ لیکن یہ درخواست یقین حاصل کرنے کے لیے نہیں کی؛ بلکہ اس لیے کی ہے تا کہ میرے قلب کو سکون اور اطمینان ہو جائے، اس لیے کہ جب یہ مشاہدہ گزشتہ اذعان اور ایقان کے ساتھ مل جائے گا تو مزید اطمینان کا موجب ہوگا اور مشاہدہ سے احیاء کی کیفیت بھی متعین ہو جائے گی۔

حدیث میں ہے کہ خبر مشاہدہ اور معاینہ کے برابر نہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو کوہ طور پر خبر دی کہ آپ کی قوم گوسالہ پرستی میں مبتلا ہو گئی تو اس اطلاع پانے پر الواح تورات یعنی توریت کی تختیوں کو ہاتھ سے نہیں پھینکا، اور جب شہر میں واپس آکر ان کی گوسالہ پرستی کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا تو غصہ میں آکر تختیاں ہاتھ سے پھینک دیں۔ کما رواہ الطبرانی بسند صحیح.

وقال تعالی: وَأَلْقَى الْأَلْوَاحَ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ سوال شک اور تردد کی بنا پر نہ تھا؛ بلکہ مشاہدہ اور معاینہ کے ساتھ خاص اطمینان اور سکون کا حاصل کرنا مقصود تھا؛ کیونکہ جو سکون اور اطمینان مشاہدہ سے حاصل ہوتا ہے وہ خبر اور استدلال سے نہیں حاصل ہو سکتا، شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں: یعنی ''عین الیقین می خواہم واللہ اعلم یعنی برأی العین، مجھ کو احیاء موتی کی کیفیت دکھلا دے، اور کسی نے کیا خوب کہا ہے:۔

ولکن للعیان لطیف معنیً * له سأل المشاهدة الخلیل

یاد رہے کہ بارگاہ خداوندی میں اس قسم کا سوال وہی کر سکتا ہے کہ جس کو اس بارگاہ میں خاص تقرب حاصل ہو، جوش محبت، مقام انس اور مقام ناز اس کو اس عرض و نیاز پر آمادہ کرے، باقی جس شخص کو خدا کی قدرت ہی میں شک اور شبہ ہو اس کا اس بارگاہ عالی میں گزر ہی ممکن نہیں ''سوال را چہ مجال''۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اچھا پس چار پرندے لے لو اور پھر ان کو اپنے نزدیک کر لو یعنی ان کی صورت پہچان کر اپنے پاس کر لو اور اپنے سے ہلا لو؛ تا کہ ان کی خوب شناخت ہو جائے اور وہ بھی زندہ ہونے کے بعد تم کو پہچان لیں اور تمہاری آواز پر تمہارے پاس دوڑے چلے آئیں، بعد ازاں ان کو ذبح کر کے اور ان کے گوشت اور پوست کو خلط ملط کر کے ہر پہاڑ پر ایک ایک ٹکڑا رکھ دو، پھر ان کو بلاؤ، سب زندہ ہو کر دوڑتے ہوئے تیرے پاس چلے آئیں گے، اس طرح سے تم اپنا اطمینان کر لو اور یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ بڑا غالب اور زبردست ہے، کوئی اس کی مشیت اور ارادہ کو روک نہیں سکتا، یعنی جس طرح خدا تعالیٰ ان جانوروں کے متفرق اجزاء کو دوبارہ جوڑ کر اور گوشت اور پوست چڑھا کر زندہ کر سکتا ہے، اسی طرح قیامت کے دن مردوں کے جسموں کے متفرق ریزوں کو جمع کر کے ان میں روح ڈال سکتا ہے، اور بڑی حکمت والا ہے، کوئی اس کے افعال کی کنہ کو نہیں پہنچ سکتا، اس کی حکمت کہ اس نے چار پرندوں کے ذبح کر کے پہاڑوں پر رکھنے کا کیوں حکم

دیا، اسی کو معلوم ہے کہ اس میں کیا حکمت ہے؟

ف: یہ قصہ اور گزشتہ قریب قریب ہیں، مگر اللہ تعالیٰ نے اس قصہ میں حضرت ابراہیمؑ کے نام کی تصریح فرمائی اور پہلے قصہ میں گذرنے والے کا نام نہیں ذکر فرمایا، بظاہر وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے سوال میں ادب کو خاص طور پر ملحوظ رکھا، اور گزشتہ سوال ﴿اَنّٰى يُحْيِ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ میں ایہام اور شبہ انکار اور تعجب کا ہوتا تھا، اس لیے ان کا نام نہیں ذکر کیا گیا، نیز جواب میں امتحان اور تجربہ خود ان پر ہوا، اور سو سال مردہ رکھنے کے بعد سوال کا جواب دیا گیا، اور حضرت ابراہیمؑ کو فوری جواب دیا گیا۔

حکایت: بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قصہ کو ﴿اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ پر ختم فرمایا، اشارہ اس طرف تھا کہ اے ابراہیم تم نے ہم سے ﴿رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى﴾ کی درخواست کی، ہم نے اس کو منظور کیا، ایک وقت آنے والا ہے کہ ہم تم سے یہ کہیں گے کہ [عبد ارنی کیف تمیت الاحیاء] اے میرے بندے تو مجھ کو یہ دکھلا کہ تو میرے لیے زندہ کو کس طرح موت دیتا ہے، یعنی زندہ بیٹے کو کس طرح میرے لیے قربان کرتا ہے۔

(روح المعانی: ۳/۲۷)(معارف القرآن ادریسی)

فذكر قبل الحكيم قوله: ﴿ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِيْنَكَ سَعْيًا﴾ بأن اذا دعوتهن فياتينك هذه الطيور مسرعين، وذكر بعد هذه الجملة بالتبنيه بأسلوب الجملة الاسمية المؤكدة بقوله: ﴿وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ ازالة الشبهة بان لا يشك شاك في قدرته على إحياء الموتى، وذلك لأنه عزيز غالب وقوى بعزته يحى الموتى ويتصرف في الامور كمايشاء، وذلك لانه حكيم فكل صنعه فيه من الإتقان مالا يخفى. (مرزا: ۲۶۷)

(۴) ﴿اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ (توبہ: ۷۱)

ایسے لوگوں پر - جن میں یہ صفات جمع ہوں - اللہ ضرور اپنی خاص رحمت فرمائے گا، جس سے ان کی نفسانیت مغلوب اور روحانیت اور نورانیت غالب رہے گی، تحقیق اللہ غالب ہے، جو چاہے کرے، حکمت والا ہے، ہر چیز کو اس کے محل پر رکھتا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

وذكر قبل الحكيم قوله: ﴿اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ﴾ فذكر العلة لذلك تذييلا على ماسبق بأسلوب الجملة الاسمية المؤكدة بقوله: ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ فذكر بانه إنما يرحمهم لانه عزيز فبعزته يرحمهم، لانهم أهل لذلك، وبحكمته يمهل الكفار عن العقاب والعذاب. (مرزا: ۲۶۷)

(۵) ﴿يٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ (نمل: ۹)

موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ ندا سنی تو کہا کہ یہ ندا کرنے والا کون ہے؟ تو پھر یہ ندا آئی کہ اے موسیٰ تحقیق یہ ندا کرنے والا اور تجھ سے خطاب اور کلام کرنے والا میں ہی ہوں اللہ؛ جو تیرا پروردگار ہوں، زبردست حکمتوں والا، جس نے یہ ندا کر کے تجھ کو اپنی تکلیم سے عزت بخشی اور تجھ کو اپنا نبی اور رسول بنایا، اور میرا ارادہ یہ ہے کہ تجھ کو کچھ معجزات بھی عطاء کروں جو تمہاری نبوت اور رسالت کی دلیل و برہان بنیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

وخاطبه بقوله ﴿يٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ﴾ ولما ذكر كونه الله فيدل على الخالقية والالوهية بأسلوب الحصر كأنه قال بانه لا خالق ولا اله الا أنا فاقتضى الالوهية صفة تدل على العزة والحكمة. (مرزا:۲٦۸)

(٦) ﴿وَقَالَ اِنِّىْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّىْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ (عنکبوت:۲٦)

صرف لوطؑ ایمان لائے اور بعد ازاں ابراہیمؑ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم اب میں تمہارے ساتھ نہ رہوں گا؛ بلکہ اب میں تم سے ہجرت کر کے اپنے رب کی طرف جاتا ہوں، جہاں جانے کا میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے، بے شک میرا پروردگار عزت والا اور حکمت کے بعد مجھ کو عزت دے گا اور دشمنوں سے میری حفاظت کرے گا، اور اس نے جو مجھے ہجرت کا حکم دیا ہے وہ عین حکمت ہے، اس نے جو مجھے ہجرت کا حکم دیا ہے اس سے مقصود یہ ہے کہ دین خداوندی کو تمکین، عزت اور غلبہ حاصل ہو۔ (معارف القرآن ادریسی)

وذكر ذلك بقوله ﴿فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّىْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّىْ﴾ فذكر ايمان لوط عليه السلام وهجرته قبل الحكيم. فذكر علة ذلك وسببه بأسلوب الجملة الاسمية المؤكدة بقوله ﴿اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾.

(مرزا:۲٦۸)

(۷) ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ (لقمان:۲۷)

بے شک غالب ہے اور حکمت والا ہے، ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال علم اور کمال قدرت کو بیان کیا کہ نہ اس کے علم کی کوئی حد اور نہایت ہے اور نہ اس کی قدرت کی کوئی حد اور غایت ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

وذكر قبل الحكيم قوله: ﴿وَالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ﴾ وذكر قبل الحكيم بأن كلمات الله لا تنفد، وذلك لان صفاته تعالى لا انتهاء لها فلا يختم. فذكر العلة لذلك بقوله ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾. (مرزا:۲٦۸)

(۸) ﴿وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ (انفال:۴۹)

یاد کرو اس وقت کو کہ جب مدینہ کے منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں شک اور کفر کا روگ تھا، جیسے اہل مکہ یہ کہنے لگے کہ ان مسلمانوں کو ان کے دین نے غرہ اور دھوکہ میں رکھا ہے، یعنی یہ مسلمان اپنے دین کی حقانیت پر اس قدر

مغرور ہیں کہ تھوڑے سے آدمی اپنے سے سہ چند سے لڑنے پر تیار ہیں، یہ ان کے دین نے دھوکہ اور فریب دیا ہے کہ جو خدا کی راہ میں لڑے گا اس کو جنت میں ایسا اور ایسا ملے گا، خیر آخرت میں تو انہیں جیسا ملے گا ویسا ملے گا، مگر دنیا میں تو یہ اپنی جان سے جائیں گے، اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ یہ غرہ اور غرور نہیں بلکہ توکل ہے، اور جو شخص اللہ پر بھروسہ کرے گا تو اللہ وہم وگمان سے بڑھ کر اس کی مدد کرے گا؛ کیونکہ بے شک اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے، وہ اپنے پر بھروسہ کرنے والوں کو غلبہ دینے پر قادر ہے، اور اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے بے سروسامان دوستوں کو دشمنوں کے لشکر جرار پر فتح دے۔ ﴿وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾. (معارف القرآن ادریسی)

وذكر قبل الحكيم قوله﴿وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾بأسلوب الجملة الشرطية، ومعناه بان المتوكل الذي وكل امره الى الله واعتمد عليه لا يخذله شيء.. لان الله ناصره ومعينه لانه عزيز غالب على كل أحد فلا يمعنه مانع من نصرتهم، وذلك لانه حكيم وخبير فيعلم الاهل، من غير الاهل وإنما يؤخر العذاب من العاصين لانه حكيم، ومن حكمته هو تاخير العذاب عنهم. (مرزا:۲۶۹)

* کان استمرار کے ساتھ، اس میں دو طریق ہے:

اول: تاکید کے ساتھ، وہ ایک آیت میں ہے:

(۱)﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾(نساء:۵۶)

تحقیق جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو نہیں مانا، ہم ضرور ان کو آگ میں ڈالیں گے، جب کبھی (آگ) سے ان کی کھالیں جل جایا کریں گی تو ہم فوراً پہلی کھالوں کے سوا دوسری نئی کھالیں بدل دیا کریں گے، تاکہ اچھی طرح عذاب کا مزہ چکھتے رہیں اور ہر لحظہ اور ہر ساعت عذاب کا الم محسوس کرتے رہیں، تازہ کھال کو جس قدر الم محسوس ہوتا ہے جلی ہوئی کھال کو اتنا محسوس نہیں ہوتا، بے شک اللہ زبردست حکمت والا ہے، وہ سب پر غالب ہے، کوئی اس کو عذاب دینے سے روک نہیں سکتا، اور حکمت والا ہے، اس کا عذاب عین حکمت اور مصلحت ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

وذكر قبل الحكيم قوله﴿لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ﴾فذكر بأسلوب الجملة الاسمية المؤدية تعليلا لما ذكر ودليلا عليه بقوله ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾.(مرزا:۲۷۰)

دوم: بغیر تاکید کے چار آیات میں مذکور ہے:

(۱)﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾ (نساء:۱۵۸)

اور ان کے آسمان پر اٹھائے جانے کو مستبعد نہ سمجھو، اس لیے کہ اللہ غالب اور حکمت والا ہے، اس کی قدرت کے

اعتبار سے آسمان اور زمین سب برابر ہیں، اور اس کا کوئی فعل حکمت اور مصلحت سے خالی نہیں، اس نے اپنی کسی حکمت کی بناء پر کسی شخص کو حضرت عیسیٰؑ کے ہم شکل بنا کر ان کی جگہ قتل کرا دیا اور حضرت عیسیٰؑ کو زندہ آسمان پر اٹھالیا اور آسمان میں ان کو دشمنوں سے محفوظ کر دیا، رہا یہ امر کہ کیا خدا زمین پر حفاظت نہیں کر سکتا، حفاظت کے لیے رفع الی السماء کا طریقہ کیوں اختیار کیا؟ اس میں کیا حکمت ہے؟ سو اس کا علم سوائے خداوند علیم وحکیم کے کسی کو نہیں، یہ سوال تو ہر طریقہ حفاظت میں جاری ہوسکتا ہے، کیا کوئی یہ بتلا سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے مدینہ اور ابراہیم علیہ السلام کو عراق سے شام لے جانے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا اللہ اس پر قادر نہ تھا کہ ان کو اپنے وطن عزیز ہی میں رہنے دیتا اور وہیں ان کی حفاظت فرماتا، اس طرح کے ہزاروں سوال ہو سکتے ہیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

اما على اليهود فإنه تعالى نفى عنه المصلوبية على مايريدون من كونه مقتولا مصلوبا، واما على النصارى فلانه ذكر فيه احتياج عيسى عليه السلام إلى النجاة، وذكر رفعه الى السماء في ضمنه، ولذا ذكر إلى في الغاية بقوله ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللهُ إِلَيْهِ﴾ رداعلى عقيدة اليهود والنصارى كليهما، فذكر الدليل على هذه الدعوى تذييلا لماسبق بقوله ﴿وَكَانَ اللهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾ (مرز ۱:۲۷۰)

وذلك لانه حكيم فبحكمته قد انقض صنع هذا الرفع فجعله فتنة للكافرين ونصرة للمؤمنين وعقوبة لليهود الخائنين. (التحرير والتنوير: ۲۴/۶)

(۲) ﴿وَكَانَ اللهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾ (نساء: ۱۶۵)

ہم نے بشارت دینے والے اور ڈرانے والے رسول اس لیے بھیجے ہیں؛ تا کہ رسولوں کے آنے کے بعد لوگوں کو اللہ پر الزام رکھنے کی کوئی جگہ نہ رہے، یعنی رسولوں کے بھیجنے سے ہماری محض یہ غرض ہے کہ لوگوں کو احکام خداوندی سے آگاہ کریں اور فرمانبرداروں کو انعام خداوندی کی خوشخبری سنائیں اور نافرمانوں کو عذاب سے ڈرائیں؛ تا کہ قیامت کے دن لوگ خدا کے سامنے یہ عذر نہ کرسکیں کہ ہمیں آپ کے احکام اور مرضی نامرضی کا علم نہ تھا، اگر ہمارے پاس آپ کے پیغمبر آتے تو ہم ضرور ان کا حکم مانتے، کما قال تعالیٰ: ﴿لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ آيَاتِكَ وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ اور ہے اللہ غالب اور حکمت والا، اسے یکدم کتاب کا نازل کرنا دشوار نہیں؛ لیکن اس کی حکمت اس امر کو مقتضی ہوئی کہ یہود کی اس معاندانہ اور مہمل درخواست کو پورا نہ کیا جائے اور نہایت حکیمانہ طریق سے اس شبہ کا قلع قمع کر دیا جائے۔ (معارف القرآن ادریسی)

ومناسبة الوصفين (العزيز الحكيم) بما قبله هي انه تعالى بوصف العزيز اشار إلى انه غالب من كل

عزیز، فهو غالب من طریق المعبودية يسأل عما يفعل، وغالب من طريق المفعولية اذا شاء ان لا يؤاخذ إلا بعد الادلة والبراهين والايات، وأما وصف الحكيم لأن اجراء عزته على التمام هو ايضا من ضروب الحكمة الباهرة. فبعزته يرسل الرسل ويبين الايات، وبحكمته يصنع مايشاء متقنا لا يكون فيه فتورا، ولما كان المقام يقتضي العزة والحبرة التامة فلذا اجمع بين هذين الوصفين ولم يذكر غيرهما. (التحرير التنوير: ۴۴/۶، مرزا: ۱/۲۷)

(۳) ﴿وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾ (فتح: ۷)

اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ اللہ کے واسطے ہیں تمام لشکر آسمانوں اور زمین کے اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔ ان آیات میں دو جگہ ﴿وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ آیا ہے، پہلی جگہ ان الفاظ سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ اللہ رب العزت ہی مخلوقات کے تمام کاموں کی تدبیر کرنے والا ہے اور وہ اپنی حکمت کے تقاضے سے جس طرح چاہتا ہے ہر امر طے فرماتا ہے، اس بناء پر وہاں اللہ رب العزت نے اپنی صفت عَلِيْمًا حَكِيْمًا فرمائی؛ لیکن یہاں مقصود مجرمین و نافرمانوں کو تہدید و دھمکی ہے، اس وجہ سے اس موقعہ پر وصف عَزِيْزًا حَكِيْمًا ارشاد فرمایا۔ (روح المعانی) (معارف القرآن ادریسی)

وذكر لاظهار عزته كون جنود السموات والارض له. وهذه تدل على كونه عزيز اقادرا، والقدرة تدل على الحكمة والعلم، فلذا ذكر في النهاية نتيجة ودليلا على ما ذكر بقوله ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾ ولما كان هذا وعيداء للكفار فاثبت لنفسه جنود السموات والارض بأن الكل في قبضته، وانه عزيز فلا يغلبه غالب لأنه عزيز وقادر على كل شئ فيعاقبكم على صنيعكم وأعمالكم، وإنما يمهلكم لانه حكيم. (التحرير والتنوير: ۲۶/۱۵۴)

(۴) ﴿وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾ (فتح: ۱۹)

بے شک اللہ خوش ہوا ان ایمان والوں سے جبکہ وہ بیعت کر رہے تھے آپ سے اے ہمارے پیغمبر اس درخت کے نیچے جو ایک کیکر کا درخت تھا مقام حدیبیہ میں، جہاں کھڑے ہو کر آپ نے بیعت کا اعلان فرمایا تھا، اور صحابہؓ نے اس درخت کے نیچے بیعت کا سلسلہ شروع کیا، پھر جان لیا اللہ نے اس چیز کو جو ان کے دلوں میں تھی، اخلاص و ایمان اور ایثار و جہاد کے جذبات سے، تو اتارا ان پر سکون و اطمینان، اور انعام دیا ان کو ایک نزدیک فتح کا اور بہت سی غنیمتوں کا، جن کو وہ حاصل کریں گے، اور اللہ تعالیٰ بڑی ہی عزت و حکمت والا ہے کہ اس کے ارادہ اور عطاء کو کوئی طاقت روکنے والی نہیں اور وہ اپنی حکمت سے جب چاہتا ہے عطا فرماتا ہے، اس لیے اگر اس نے مقام حدیبیہ میں فتح اور غنائم کے بجائے معاہدہ اور صلح کو مقدر فرما دیا تو یہ اس کی شان حکیمی ہے کہ فتح و غنائم کو قریب وقت کے لیے مؤخر کر دیا جو فتح خیبر کی صورت میں فوراً ہی ظاہر ہوئی۔ (معارف القرآن ادریسی)

وأخذ الغنيمة تدل على العزة والفتح، وذكر ذلك بقوله ﴿وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا﴾ فذكر الدليل على ذلك بالجملة المعترضة في النهاية بقوله ﴿وَكَانَ اللهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾ وهذه الجملة تفيد التذييل والدليل لما قبلها بأنه تعالى إنما اعطاكم المغانم الكثيرة، لأنه عزيز كل وقت وكل حين، لانه قادر وغالب على كل شيء، فمن عزته وغلبته جعل لكم الكفار مغلوبين وسلطكم عليهم واعطاكم كل ما في قبضتهم ونصركم، وذلك لانه عزيز فيجعل العزيز ذليلا والذليل عزيزا، وذلك لانه حكيم في ترتيب المسببات على أسبابها، ولذلك رتب الاسباب اسباب النصرة لكم عليهم فظهر النتيجة التي ترونها وبحكمته اتقن كل شيء وأظهر الاسلام وقواه.

(التحرير والتنوير: ۲۶/۱۷۶)

* تاکید اور حصر سے خالی ۲۰ آیات میں آیا ہے:

(۱) ﴿وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۗ وَاللهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ (بقرہ:۲۲۸)

عورتوں کا بھی مردوں پر حق ہے جیسا کہ ان پر مردوں کا حق ہے، دستور کے مطابق؛ لیکن حقوق میں مردوں کا درجہ عورتوں سے بڑھا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے؛ اس لیے رجعت کا حق اور اختیار مردوں کو عطا کیا، عورتوں کو نہیں دیا، اور اللہ غالب ہے، مظلوم کا ظالم سے بدلہ لینے پر قادر ہے، پس اگر کوئی عورت پر ظلم کرے گا تو اس سے بدلہ لے گا، اور بڑی حکمتوں والا ہے، اس کا کوئی حکم حکمت اور مصلحت سے خالی نہیں، حکمت اور مصلحت اسی میں ہے کہ طلاق اور رجعت کا اختیار مردوں ہی کے ہاتھ میں رہے، عورتیں کچھ تو کم عقل ہیں اور کچھ جلد باز اور بے صبری ہیں، ان کے ہاتھ میں اگر طلاق اور رجعت کا اختیار دے دیا جاتا تو ہر شہر میں روزانہ ہزار طلاقیں پڑا کرتیں، اور پھر جب طلاق دینے کے بعد کچھ ہوش آتا اور اپنا اور اپنے بچوں کا انجام نظروں کے سامنے آتا تو سر پیٹتیں اور روتیں، عورتوں کو اللہ تعالیٰ کا لاکھ شکر کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ اختیار نہیں دیا؛ کیونکہ یہ اختیار ان کی تباہی کا باعث ہوتا، بچوں اور عورتوں کی خیر خواہی اسی میں ہے کہ ان کو اختیار نہ دیا جائے۔ (معارف القرآن ادریسی)

وذكر قبل الحكيم قوله ﴿وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾ فذكر بعد ذلك تذييلا وعلة لما ذكر بقوله ﴿وَاللهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ بانه تعالى هو القوي الغالب ليس غيره غالب عليه فلا يمنعه مانع من انفاذ أمره ولذا جرى هذه الاحكام لاصلاح التعاشر فيما بينكم، وانه عزيز فسيجازي من يخالف اوامره. وانه حكيم فبحكمته اتقن كل شيء. (مرزا: ۴/۲۷)

(۲) ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ (آل عمران:۶)

وہی خدا رحموں میں تمہاری صورتیں اور نقشے جس طرح چاہتا ہے بناتا ہے، کسی کو مرد اور کسی کو عورت، کسی کو خوبصورت اور کسی کو بدصورت، پس کیا جس کی صورت اور نقشہ رحم مادر میں بنا ہو اور بطن مادر کی تاریکیوں سے نکل کر وہ اس دار فانی میں آیا ہو اور عام بچوں کی طرح کھاتا، پیتا اور پاخانہ، پیشاب کرتا ہو، معاذ اللہ وہ کس طرح خدائے قدوس اور خدا کا بیٹا ہوسکتا ہے؟ خدا وہ ہے کہ جو اپنے ارادہ اور مشیت سے رحم مادر میں صورتیں اور نقشے بنائے اور جو نقشہ اور صورت رحم مادر میں بنا ہے وہ خدا نہیں ہوسکتا؛ کیونکہ جو صورت بنتی ہے وہ مخلوق ہے اور خالق کی محتاج ہے اور خدا محتاج نہیں ہوتا، اس لیے کہ ان صفات میں کوئی اس کا شریک اور سہیم نہیں؛ لہٰذا وہی سزاوار ربوبیت اور شایان عبودیت ہے۔

خداوند قدوس ایک ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی سب پر غالب ہے اور بڑی حکمت والا ہے، جس کی قدرت اور حکمت کی کوئی انتہاء نہیں، اس نے کسی حکمت اور مصلحت سے حضرت مسیح کو بدون باپ کے اور حضرت حواء کو بدون ماں کے اور حضرت آدمؑ کو بدون باپ اور ماں کے پیدا کیا، جس مخلوق کو جس طرح چاہا پیدا فرمایا، اس کی حکمتوں کا کون احاطہ کرسکتا ہے؟ (معارف القرآن ادریسی)

وذکر قبل الحکیم قوله ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ فنفی الوهیة عن غیره تعالی وحصره فی ذاته فوضح ذلك وبین بقوله ﴿هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ﴾ کأنه بیان لما قبله وعلة وسبب لها ومزید تفصیل بأنه تعالی له الالوهیة فقط ولا الوهیة لغیره.

ذکر هذین الوصفین لان المقام یناسبه ویلائمه بهذا الترتیب دون غیرهما ﴿هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ﴾ تذییل بتقریر الاحکام المتقدمة، وفی افتتاح السورة بهذه الایات براعة استهلال لنزولها فی مجادلة النصاری، ولذلك تکرر فی هذه المطالع. (التحریر والتنویر: ۱۵۳/۳)

(۳) ﴿ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴾ (آل عمران: ۱۸)

اور فرشتوں نے بھی اس کی گواہی دی، فرشتوں کی کوئی تسبیح اور تحمید اللہ کی توحید کے ذکر سے خالی نہیں اور علم والوں نے بھی ہر زمانہ میں توحید کی گواہی دی، علماء ہمیشہ دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے توحید کو ثابت کرتے رہے اور شرک کو باطل کرتے رہے، یہاں تک کہ توحید کا مسئلہ اس درجہ واضح ہوگیا کہ مشرکین بھی اپنے کو مشرک کہنے سے عار کرنے لگے، اور وہ معبود بھی اس شان کا ہے کہ ہر تدبیر کو انصاف اور اعتدال کے ساتھ قائم رکھنے والا ہے، اس کی کوئی تدبیر عدل وانصاف سے باہر نہیں ہوسکتی؛ کیونکہ وہ مالک مطلق ہے، اپنی ملک میں جو چاہے تصرف کرے، ظلم وہ ہے جو دوسرے کی ملک میں تصرف ہو، اللہ

تعالیٰ کی تدبیر کا عین عدل اور عین حکمت ہونا یہ بھی اس کی توحید کی ایک مستقل دلیل ہے؛ چنانچہ فرماتے ہیں: اللہ کے سوا کوئی لائق بندگی نہیں، اس لیے کہ الٰہ یعنی معبود کے لیے عزت اور حکمت کا ہونا ضروری ہے اور وہی عزت والا ہے اور وہی حکمت والا ہے، اس کی عزت اور غلبہ کا یہ عالم ہے کہ کوئی اس کے عدل اور تدبیر کو توڑ نہیں سکتا اور حکمت کا یہ عالم ہے کہ اس کی کوئی شئ مقتضائے حکمت کے خلاف نہیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

وذکره قبل الحکیم بقوله ﴿لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ﴾ فذکر العزیز الحکیم بیانا لما ذکر قبل و تعزیة لهذا البیان اتی بالوصفین کی یدلا علی مزید قوته تعالی باثبات هذین الوصفین له من توحیده وألوهیته علی ان هذین الوصفین یفید تاکید الجملة السابقة ویمهد بوصفه تعالی بالعزیز الحکیم. (مرزا:۲۷۵)

(۴) ﴿وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ﴾ (آل عمران:۱۲۶)

اور نہیں بنایا اللہ نے اس امداد کو (فرشتوں کے ذریعہ) مگر تمہاری خوشخبری کے لیے اور اس لیے کہ تمہارے دلوں کو تسکین ہو کہ دشمن کی قوت اور کثرت کو دیکھ کر گھبرا نہ جائیں، ورنہ اس کی حاجت نہ تھی، اس لیے کہ فتح ونصرت حقیقت میں صرف اللہ کی جانب سے ہے جو غالب اور حکمت والا ہے، وہ اگر چاہیں تو بلا اسباب اور بلا فرشتوں کے بھی فتح ونصرت عطا فرما سکتے ہیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

لان ارسال الملائکة للمقاتلة ایضا من الاسباب مع ان الجدیر ان یکون نصر اللّٰه وفتح اللّٰه للمؤمنین یکون بدون الاسباب الظاهریة بطریقة معنویة خفیة فکانه تعالی اجاب عن هذا الشبهة بان نصر اللّٰه تعالی کذلك لان النصر فی الحقیقة من جانب اللّٰه، وإنما جعل فی اظهار الملائکة بشارة للمؤمنین واطمینانا لقلوبهم واما فی الحقیقة فلیس النصر الا من عنده تعالی، وذکر ذلك بقوله ﴿وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ وبعد ذلك ذکر الحکیم فی النهایة لبیان ذلك بانه ینصر المؤمنین، ولیس النصر الا من عند اللّٰه لا من عند غیره تعالی. (مرزا:۲۷۵)

(۵) ﴿وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ (مائدہ:۳۸)

اور اللہ بڑی عزت والا اور حکمت والا ہے کہ چوری کرنے والا کتنا ہی معزز کیوں نہ ہو؛ وہ اس عزیز حکیم کی مقرر کردہ سزا (قطع ید) سے نہیں نکل سکتا، اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ امن عالم اور باشندگان ملک کے اموال واملاک کی حفاظت کی خاطر وہ ہاتھ ہی کاٹ دیا جائے کہ جو اس جرم عظیم کا مرتکب ہوا، الغرض یہ تو چور کی سزا ہے جو کسی طرح نہیں ٹل سکتی۔ (معارف القرآن ادریسی)

لما ذکر حکم السارق والسارقة رجلا وامرأة بقطع ایدیهما وذکر العلة لذلك بقوله ﴿جَزَآءً بِمَا كَسَبَا

﴿نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ﴾ وذكر ذلك قبل الحكيم بأنه تعالى إنما قدر لهم القطع جزاء لأعمالهما القبيحة، وهذا عذاب من اللّٰه في الدنيا كي يعتبر منها المعتبرون ويتعظ منها الواعظون، وذكر في النهاية بأسلوب الجملة الاسمية المجردة عن التوكيد بقوله ﴿وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ تذييلا وعلة لما ذكر.

وإنما لم يذكر غير هذين الوصفين من الغفور الرحيم لان المقام القهر والغلبة، وليس مقام العفو فلا يجدر به الا العزيز الحكيم. (مرزا:۲۷۵-۲۷۶)

(۶) ﴿وَاللّٰهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ (انفال:۶۷)

اور اللہ غالب ہے حکمت والا، وہ تم کو کافروں پر غلبہ دینا چاہتا ہے، غلبہ کے بعد فتوحات سے تم کو اتنا مال مل جائے گا کہ جو اس زرفدیہ سے ہزاروں گنا زیادہ ہوگا اور عنقریب قیصر و کسریٰ کے خزائن تم کو ملیں گے، اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو ابھی مل جاتے؛ لیکن حکمت کی وجہ سے اس میں دیر ہو رہی ہے، بہرحال تمہارا یہ فعل (کثرت فدیہ) خدا تعالیٰ کو پسند نہیں آیا۔

(معارف القرآن ادریسی)

ولما ذكر فيه بان النبي لا يناسبه كثرة الاسرى لئلا يكون ارادته كثرة الحيس في الارض وجمع المال، وذكر بانه بهذا يظهر من ارادتكم بان الغاية لكم هي الدنيا، ولكن اللّٰه يريد لكم الاخرة، وذكر قبل الحكيم قوله ﴿وَاللّٰهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ﴾ فذكر علة لذلك بقوله ﴿وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ بان ارادة تعالى هو غلبة الدين ونصره، وليس مراده الدنيا فلا تكونوا طامعين في الدنيا. (مرزا:۲۷۶)

فوصف العزيز يدل على الاستغناء عن الاحتياج وعلى الرفعة والقدرة، ولذلك لا يليق به الامحبة الامور النفسية، وهذا يؤمي إلى ان اولياءه ينبغي لهم ان يكونوا اعزاء كقوله في الاية الاخرى ﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾. (التحریر والتنویر:۱۰/۷۷)

(۷) ﴿وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ (توبہ:۴۰)

اس طرح حق تعالیٰ نے کافروں کی بات کو نیچا کر دیا یعنی وہ اپنے ارادہ میں ناکام رہے، اللہ نے ان کی ساری تدبیر کو خاک میں ملا دیا اور آپ کو بخیر و عافیت مدینہ منورہ پہنچا دیا اور اللہ کی بات وہی اونچی ہے یعنی کلمۂ اسلام بلند اور بالا ہے اور قیامت تک بالا ہی رہے گا، اور اللہ غالب اور عزت والا ہے، جس کو چاہے اور جس طرح چاہے عزت اور غلبہ عطا فرمائے، اور حکمت والا ہے، کبھی اسباب کے پردہ میں مدد کرتا ہے اور کبھی بلا اسباب کے مدد فرماتا ہے۔

(معارف القرآن ادریسی)

لما ذكر نصرة الله تعالى له حينما خرج النبي ﷺ ومعه ابو بكر رضي الله عنه، وذكر بان الله انزل سكينته عليه وجعل كلمة الكفار السفلى، وذكر قبل الحكيم قوله وكلمة الله هي العليا فذكر في النهاية علة لذلك بقوله والله عزيز حكيم.

وهذا تذييل للجملتين لأن العزيز لا يغلبه شيء، والحكيم لا يفوته مقصد، فلا جرم تكون كلمته العليا وكلمة ضده السفلى. (التحرير والتنوير: ۲۰۶/۱۰)

(۸) ﴿فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ (ابراہیم: ۴)

اور ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اسی قوم کی بولی اور زبان میں؛ تاکہ احکام الٰہیہ کو بخوبی ان کی زبان میں بیان کر سکے اور قوم اس کی بات کو بآسانی سمجھ سکے اور وہ نبی ان کو خدا کا راستہ بتائے اور ظلمت سے ان کو نور کی طرف نکالے، پھر اس انداز اور بیان کے بعد جب ان پر حجت الٰہیہ قائم ہو جاتی ہے تو اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے کہ ہدایت کا نور اس کے دل تک نہیں پہنچتا اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے کہ اس کے دل میں نور پیدا کرتا ہے اور وہ ایسا غالب اور زبردست ہے کہ کوئی اس کی مشیت کو روک نہیں سکتا، بڑا حکمت والا ہے، کسی کو ہدایت دینا اور کسی کو گمراہ کرنا یہ اس کی حکمت ہے؛ جہاں عقل کی رسائی نہیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

لما ذكر بانه تعالى يرسل الرسل بالسنة اقوامهم وذلك لافهامهم واعلامهم لما اراد الله وذكر فيه قبل الحكيم قوله ﴿فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ بأنه تعالى يهدى لمن يشاء واراد، وفيه الانابة إلى الحق ويضل من لا ينيب الى الحق، فذكر العلة لذلك بقوله ﴿وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ وذلك لانه عزيز فلا يغلبه احد ولا يمنع مانع عما اراد وذلك لانه حكيم وعليم فيعلمه بالاهل يفعل به ما يناسبه. (مرزا: ۲۷۷)

(۹) ﴿وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ (نحل: ۶۰)

اور جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے ان کی صفت بری ہے کہ لڑکوں کو چاہتے ہیں اور لڑکیوں سے ناخوش ہوتے ہیں اور ایسے بے رحم اور سنگ دل ہیں کہ ان کو زندہ در گور کر دیتے ہیں، حالانکہ جو خدا دے، سب اچھا ہے، نہ لڑکا برا ہے اور نہ لڑکی، اور اللہ ہی کے لیے ہے صفت اعلیٰ، وہ بے نیاز ہے، بیوی اور اولاد کا محتاج نہیں، وہ تمام اوصاف حمیدہ کے ساتھ موصوف ہے، کسی کے عیب لگانے سے اس کو عیب نہیں لگتا، اور وہی زبردست ہے حکمت والا، کمال عزت اور کمال حکمت کے ساتھ موصوف ہے، کوئی اس کا شریک اور سہیم نہیں ہو سکتا، اور یہ گروہ مشرکین عجیب نادان گروہ ہے کہ اس کے نزدیک شجر اور حجر کا خدا کا شریک ہو جانا اور فرشتوں کا خدا کی دختر ہو جانا تو جائز ہے، مگر کسی بشر کا پیغمبر ہونا ان کے نزدیک ناممکن

اور محال ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

لما ذکر سوء حال الکفار والذین لا یؤمنون بالأخرة وذکر ارفع الصفات لله تعالی، وذلك لانه إله. فبین اقبح حال الکفار العذاب، وذلك لانهم یثبتون الشریك له تعالی، وذکر قبل الحکیم قوله ﴿ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى﴾فذکر فی النهایة قوله ﴿وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾بیانا لما اجمل فی قوله ولله المثل الاعلی وبیانه تعالی له الصفات العلی من التوحید و التنزیه عن شوایب النقص، وذلك لانه عزیز فبعزته یعذب الکفار فی الدنیا لاجل کفرهم وقلة مبالاتهم لتوحیده لأنه عزیز، فلا یمنعه مانع عن ما اراد لانه قوی غالب قادر فبقدرته یفعل ما اراد لا یمنعه أحد، وله الصفات العلی لأنه حکیم متقن یضع الامور مواضعها. و کل شیء له من المحامد ما لا ینتهی، فهو حکیم فبحکمته یؤخر عنهم العذاب کی یتوبوا ویروا دلائل قدرته فیؤمنوا بتوحیده، ویرجعوا عن الاصرار فی الکفر. (مرزا:۲۷۷-۲۷۸)

(۱۰)﴿اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ (عنکبوت:۴۲)

کاش یہ کافر جانتے کہ ان کا دین مکڑی کے جالے کے مشابہ ناپائدار اور ذلیل وخوار ہے اور بے حقیقت اور بے مقدار ہے، اگر مشرکین کو کچھ بھی سمجھ بوجھ ہوتی اور یہ جان لیتے کہ ہمارا دین مکڑی کے گھر کی طرح بے بنیاد ہے، تو کبھی اس دین کو اختیار نہ کرتے، غرض یہ کہ کچھ نہیں جانتے، بے شک اللہ ہی خوب جانتا ہے ان چیزوں کی حقیقت کو جن کو یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں، اور اللہ ہی غالب اور حکمت والا ہے، اور کمال عزت اور کمال حکمت کے ساتھ موصوف ہے، عزیز اور حکیم کو چھوڑ کر ضعیف اور ناتواں کو سہارا بنانا کمال ابلہی ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

لما ذکر علمه بالاشیاء التی یدعون من دونه تعالی، وذکر قبل الحکیم قوله ﴿يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ﴾ فنبههم بانه تعالی عالم بکل شیء حتی انه یعلم معبودیهم وعدم قدرتهم علی شیء فذکر العلة لذلك بقوله ﴿وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾تذییلا لجملة إن الله یعلم. (التحریر التنویر:۲/۲۵۵، مرزا:۲۷۸)

(۱۱)﴿وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ (روم:۲۷)

اور وہی اللہ عزوجل ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے، پھر مار ڈالتا ہے، پھر اس کو وہ دوبارہ زندہ کرے گا اور وہ دوبارہ زندہ کرنا اس پر بہت آسان ہے، تو پھر تم دوبارہ پیدا کرنے کے کیوں منکر ہو؟ اور اسی کے لیے شان اور صفت سب سے اعلیٰ اور برتر ہے آسمانوں اور زمین میں، اور وہی غالب ہے، عاجز اور مغلوب نہیں، اور وہی حکیم ہے، اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں، جن کے دل زنگ آلودہ نہیں وہ سمجھتے ہیں کہ کوئی چیز اس کے قبضۂ قدرت سے باہر نہیں، اور اس کا

کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

لما ذکر خلق الاشیاء أولا وبعد ذلك الإعادة بالاحیاء بعد الموت. وذکر بان هذا اهون علیه من الاول، وذکر قبل الحکیم قوله ﴿وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ فذكر بیانا لما ذکر بقوله ﴿ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ بانه تعالی إنما کان هذه الاشیاء سهلا علیه لانه صاحب الصفات العلی.

وإنما ذكر العزيز الحكيم لأن المقام مقام القوة والعزة، وقدم العزيز على الحكيم، لان العزيز ينفى العزةعن غيره وينفى عنه تعالى العجز، فصار كالتخلية، والحكيم تحليته بالإحكام والإتقان، والتخلية قبل التحلية. لهذا ذکر العزیز قبل الحکیم. (مرزا:۲۷۸)

(۱۲) ﴿خَالِدِينَ فِيهَا ۖ وَعْدَ اللَّهِ حَقًّا ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ (لقمان:۹)

بالیقین جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ان کے لیے نعمتوں کے باغ ہیں، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ عز وجل نے ان سے پکا وعدہ کیا ہے جو پورا ہو کر رہے گا، اور وہ خدا تعالیٰ عزت والا اور حکمت والا ہے اور اگر تم اس کی شان عزت وحکمت کو پہچاننا چاہتے ہو تو اس کے عجائب قدرت میں غور کرو۔ (معارف القرآن ادریسی)

لما ذکر قبل ذلك اشارة للمؤمنين بالجنة فذكر ههنا مزيدا من البشارة بخلودهم فی الجنة، وذکر قبل الحکیم قوله وعد الله حقا فذکر تفصیلا لما ذکر بقوله ﴿وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ (مرزا:۲۷۹)

(۱۳) ﴿قُلْ أَرُونِيَ الَّذِينَ أَلْحَقْتُم بِهِ شُرَكَاءَ ۖ كَلَّا ۚ بَلْ هُوَ اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ (سبا:۲۷)

ذرا مجھے یہ بھی تو دکھاؤ کہ وہ کہاں ہیں اور کیسے ہیں، ہرگز کوئی خدا کا شریک نہیں؛ بلکہ وہ معبود برحق صرف ایک اللہ ہی ہے جو غالب ہے اور حکمت والا ہے، جس کے سامنے کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں اور اس کے احکام کی حکمت کی کوئی حد نہیں اور عزیز وحکیم کا شریک بنانا تمہاری صریح غلطی اور سینہ زوری ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

لما ذكر التهديد بطلب البراءة من المشركين بآلهتهم، وذكر بأسلوب الردع ردا عنيفا عليهم بقوله كلا، وذكر قبل الحكيم قوله ﴿كَلَّا ۚ بَلْ هُوَ اللَّهُ﴾ بأنه ليس الامر كما زعمتم بان آلهتكم حق بل عكس ذلك، وذكر بقوله ﴿هُوَ اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ وحصر الالوهية فی ذاته بانه لا إله إلا الله، وذلك لانه عزيز قوى قادر وغالب على كل شيء وعلى اصدار ما يريد بخلاف آلهتكم لانهم عاجزون. (التحرير والتنوير:۱۹۷/۲۲)

(۱۴) ﴿فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِن بَعْدِهِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ (فاطر:۲)

اور وہ ایسا قادر مطلق ہے کہ کوئی اس کی قدرت میں مزاحم نہیں؛ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے جس جسمانی یا

روحانی رحمت اور نعمت کا دروازہ کھول دے، جیسے بارش اور روزی اور نعمت وصحت اور امن وعافیت اور علم وحکمت اور ایمان اور ہدایت، اسے کوئی بند کرنے والا نہیں، اور جس چیز کو وہ روک لے تو کوئی اس کو چھوڑنے والا نہیں اور وہی زبردست اور حکمت والا ہے، اس کا کھولنا اور بند کرنا سب حکمتوں پر مبنی ہے، جس بندہ کو اللہ تعالیٰ نے کوئی فضیلت اور نعمت عطا کی اسے کوئی روک نہیں سکتا، اور جس سے خدا نے کوئی نعمت اور فضیلت روک لی اسے کوئی دے نہیں سکتا، تمام خزائن رحمت اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

وذكر قبل الحكيم قوله﴿وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِنْ بَعْدِهِ﴾فذكر العلة والسبب لما ذكر بقوله﴿وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾وهذه الجملة تذييل رجح فيه جانب الاخبار فعطف، وكان مقتضى الظاهر أن يكون مفصولا لافادة انه يفتح ويمسك لحكمة يعلمها، وأنه لا يستطيع أحد نقض ما أبرمه فى فتح الرحمة وغيره من التصرفات، لان الله عزيز لا يمكن لغيره ان يغلبه.

(۱۵)﴿كَذَٰلِكَ يُوحِي إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ (شوریٰ:۳)

اسی طرح اے ہمارے پیغمبر ہم آپ پر وحی اتارتے ہیں اور ان پیغمبروں پر بھی جو آپ سے پہلے گذرے، یہ وحی اس خدا کی طرف سے ہے جو بڑی عزت والا زبردست حکمت والا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

لما ذكر الوحى وكونه موحى من جانب الله تعالى فلعظمة شان هذا الوحى ذكر قبل الحكيم قوله كذلك يوحى اليك والى الذين من قبلك، فذكر الفاعل لذلك ردا على مازعم المشركون الله. وصف الله بالوصفين العزيز وذكر فى النهاية الحكيم تعظيما لشان الوحى بان هذا الوحى عظيم الشان لانه من جانب العزيز الذى لا يغلبه غالب، وهو قادر على التصرف فى الاشياء، وذلك لانه حكيم فبحكمته يعطى النبوة والرسالة لمن هو اهل لها. (التحریر والتنویر:۲۵/۲۹)

(۱۶)﴿تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ﴾ (جاثیۃ:۲)

اتارنا ہے اس کتاب کا اللہ کی طرف سے جو زبردست ہے حکمتوں والا، جس کی عزت وکبریائی اور حکمتیں اس کتاب الٰہی میں رونما ہیں اور تمام کائنات اللہ رب العزت کی الوہیت ووحدانیت کی گواہ ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

لما ذكر انزال الكتاب من الله لرد المشركين بان هذا الكتاب ليس من جانب غيره تعالى وليس بمختلق ولإعظام الكتاب ذكر الوصفين منتهيا بالحكيم ههنا: ﴿اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ﴾ وإنما آثر الوصفين من العزيز والحكيم ههنا دون غيرهما من الاسماء الحسنى لاشعار بوصف العزيز بان ما انزل منه مناسب لعزته فهو كتاب

عزیز کوصفہ تعالی بقولہ: ﴿وإنه لكتاب عزيز﴾ (التحریر والتنویر:۲۵/۳۲۵-۳۲۶، مرزا: ۲۸۰)

(۱۷) ﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ (صف:۱)

پاکی بیان کرتی ہے اللہ کی ہر وہ چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے، کائنات، آسمان وزمین کی ہر چیز کا اس کی پاکی اور تسبیح میں مشغول ہونا اس کی عظمت وکبریائی کی واضح دلیل ہے، بے شک وہی زبردست عزت وحکمت والا ہے، ایسی ذات سراپا عزت وعظمت کے حامی یقیناً نہ دنیا کی طاقت سے مغلوب ومرعوب ہوسکتے ہیں اور نہ ناکام۔ (معارف القرآن ادریسی)

لما ذكر واخبر تسبيح السموات والارض وما فيها له بقوله ﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ﴾ فذكر علة لذلك بقوله ﴿وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ بحيث حصر العزة فى ذاته، وكذلك الحكمة، وفى اجراء وصف العزيز علة تعالى هنا ايماء الى انه الغالب بعدوه فما كان لكم ان ترهبوا اعدائه فتفروا منهم عند اللقاء.

(التحریر والتنویر: ۲۸/۴۷)

(۱۸، ۱۹) ﴿يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ○ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ (جمعہ:۱، ۳)

پاکی بیان کرتی ہے اللہ کی ہر وہ چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے کہ وہی ہے بادشاہ پاک ذات زبردست حکمتوں والا جس کی پاکی وعظمت اور بادشاہت پر کائنات کی ہر چیز گواہ ہے، وہی پروردگار ہے جس نے بھیجا ہے اَن پڑھوں میں ایک رسول انہی میں کا، جو سناتا ہے ان کو اپنے پروردگار کی آیتیں، اور ان کو پاک کرتا ہے ہر عیب وگندگی سے، اور سکھاتا ہے ان کو کتاب وحکمت، اگرچہ یہ اہل عرب اس سے پہلے کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

لما ذكر تسبيحه تعالى من اهل السموات والارض، والتسبيح هو التنزيه عن النقائص، ولا يكون الا لمن له قدرة كاملة على التصرف فى الامور فلبيان ذلك ذكر فى النهاية قوله: ﴿وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾. (مرزا: ۲۸۱)

(۱۹) وہ قوم جس میں نہ کوئی علم وہنر تھا اور نہ ان میں کوئی آسمانی کتاب تھی، معمولی لکھنا پڑھنا بھی بہت ہی کم لوگ جانتے تھے، جن کی وحشت وجہالت تاریخ میں ضرب المثل تھی، بت پرستی عام تھی، مخلوق کا اپنے خالق سے کوئی رشتہ اور رابطہ باقی نہ رہا تھا، ایسی حالت میں اللہ رب العزت کا ایسی قوم میں اپنا ایک رسول مبعوث فرما دینا جو ان کو اللہ کی آیات سنائے، کتاب وحکمت کی تعلیم دے، ایسی دانائی کی باتیں بتائے جن پر دنیا کے حکماء حیران ہوں، وہ علوم ومعارف سکھائے کہ دنیا، ارباب حکمت اور اصحاب معرفت کی اس کے سامنے کوئی حقیقت باقی نہ رہے، بلاشبہ پروردگار عالم کا بڑا ہی عظیم انعام ہے، اور اس پروردگار نے اس رسول کو بھیجا ہے کچھ اور دوسرے لوگوں کے واسطے بھی انہی میں سے جو ابھی تک ان کے ساتھ ملے

نہیں کہ وہ بھی اہل عرب کی طرح امی (ان پڑھ) ہیں، اس لحاظ سے کہ وہ بھی ان کی طرح مبداء ومعاد سے بے خبر ہیں، نہ ان کو آسمانی شریعت کا کوئی علم ہے، یہ فارس وروم، چین وہندوستان کی قومیں جو بعد میں امیین کے دین اور اسلامی برادری میں شامل ہوکر انہیں میں سے ہوگئے۔ (معارف القرآن ادریسی)

لما ذکر بعث النبی ﷺ وذکر بعد ذلک بانه النبی ﷺ بعث للآخرین من العجم وإلی الآن لم یلحقوا بهم، وذکر قبل الحکیم قوله ﴿لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ﴾ فذکر فی النهایة علة لذلک بقوله ﴿وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ بانه تعالی إنما یبعث النبی للعرب وللآخرین الذین هم عجم، وذلک لأنه عزیز وحکیم، وهذا تذییل للتعجیب من هذا التقدم الالهی لانتشار هذا الدین فی جمیع الامم، فإن العزیز لا یغلب قدرته شیء، والحکیم تاتی افعاله محکمة عن قدر محکم.

وإنما لم یذکر الاوصاف الاخری لان المقام لرد زعم النصاری والاخرین من انه کیف یغلب هذا الدین وینتشر فی الارجاء فکأنه اجاب إن الله عزیز فیفعل ما یفعل محکما. (التحریر والتنویر: ۲۸/۴۷)

(۲۰) ﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ (تغابن: ۱۸)

وہی پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے، زبردست حکمت والا، ظاہری اعمال اور باطنی احوال کی اس کو خبر ہے، اس کے مطابق ثمرات اعمال اور جزائیں بندوں کو عطا کی جاتی ہیں، اور ہر ایک کو جو کچھ دنیوی اور اخروی جزا دی جاتی ہے وہ اس کی حکمت کے عین مطابق ہوتی ہے؛ لہٰذا اس تصور کی گنجائش نہیں کہ کسی کو کیا بدلہ ملا اور کسی کو کیا نہیں ملا، جس کو جو کچھ عطا ہوتا ہے وہ اس کی حکمت کا عین مقتضیٰ ہوتا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

لما ذکر قبل ذلک بانه تعالی شکور یجازی المحسن باحسانه وانه حلیم فلا یعجل بالعقاب. فذکر فی الآیة التی نحن بصددها البیان المناسب لهذا بالاوصاف الاخری بانه عالم بالغیب والشهادة فذکر فی النهایة قوله العزیز الحکیم. (مرزا: ۲۸۲)

[۴] علیم کے ساتھ تین طرق سے آیا ہے:

* حصر اور تاکید کے ساتھ چار آیات میں آیا ہے:

(۱) ﴿إِنَّ رَبَّكَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ (یوسف: ٦)

البتہ تیرا پروردگار خوب دانا اور حکمت والا ہے، یعنی جو جس لائق ہے وہی اس کو دیتا ہے، مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ آباء واجداد کی طرح تجھ کو (حضرت یوسف) اپنی نعمتوں سے نوازے اور جسے خدا نوازنا چاہتا ہے اس کا کوئی کچھ نہیں

کرسکتا۔(معارف القرآن ادریسی)

إنه تعالى لما ذكر قبل الحكيم قوله كما اتمها على ابويك من قبل ابراهيم واسحاق بانه ذكر اتمام النعمة واحسانه على سلسلته من الآباء والاجداد، فذكر العلة لذلك بأسلوب الجملة الاسمية المؤكدة بقوله ﴿إِنَّ رَبَّكَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ تعليلا لاتمام نعمته بأنه إنما يتم نعمته عليك كما أتمها على ابويك من قبل، وذلك لأنه عليم فيعلم الشاكر من غير الشاكر والاهل من غيره، وذلك لأنه حكيم فبحكمته يفعل ما يفعل كي لا يقع الأمور في غير محلها.

وهذه الجملة تذييل لما قبلها ونتيجة لها بأنها نعم كائنة على وفق علمه وحكمته فعلمه هو علمه بالنفوس الصالحة لهذه الفضائل لأنه خلقها بقبول ذلك فعلمه بها سابق وحكمته وضع النعم في مواضعها المناسبة.(التحرير والتنوير:۱۲/۲۱۷)

(۲)﴿إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ﴾(یوسف:۸۳)

یعقوبؑ نے نورِ نبوت اورنورِ معرفت سے جانا کہ یوسفؑ ابھی زندہ ہیں اورنہایت ادب سے حق تعالیٰ سے یہ امید ظاہر کی کہ عنقریب اللہ تعالیٰ ان سب کو مجھ سے ملا دے گا، بے شک اللہ تعالیٰ ہی علیم اورحکیم ہے، جو کچھ اس نے میرے ساتھ اور یوسفؑ کے ساتھ کیا وہ سب علم اور حکمت کے ساتھ ہے، اور یہ جواب دے کر شدت رنج وغم سے ان کی طرف سے منہ موڑلیا اور دوسری طرف منہ کرلیا۔(معارف القرآن ادریسی)

لما ذكر عن يعقوب عليه السلام الرجاء في اتيانهم اليه جميعا واللقاء معهم وكان هذا من المجاهيل التي لا يعلمها إلا الله، وحصول المجهول لا بد له من علم كامل وحكمة بالغة، فذكر باسلوب الجملة الاسمية المؤكدة بان علة لما ذكر بقوله ﴿إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ﴾ بأنه تعالى إنما يأتيني بهم جميعا ويتلقى، وذلك لانه عليم فبعلمه يعلم الأشياء كلها حاضرها وغائبها، فلا يغيب عن علمه شيء، لأن الحاضر والغائب عنده سواء في كونها معلوما له تعالى . وقوله ﴿إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ﴾ تعليل لرجائه من الله بأن الله عليم فلا يخفى عليه مواقعهم المتصرفة، وذلك لأنه حكيم قادر على ايجاد اسباب جمعهم بعد التفرق.(التحرير والتنوير:۱۳/۴۱)

(۳)﴿إِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ لِّمَا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ﴾ (یوسف:۱۰۰)

سبحان اللہ کیا حسن خلق ہے کہ بے قصور ہیں اور شرمندہ ہو رہے ہیں، نہ گزشتہ مصائب کا کوئی ذکر کیا اور نہ کوئی حرف شکایت زبان پر ہے، بھائیوں کو معذور قرار دے رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احسانات کے بیان میں مشغول ہیں،

بے شک میرا پروردگار جو چاہتا ہے اس کی عمدہ تدبیر کرتا ہے، کام کتنا ہی مشکل کیوں نہ ہو اس کی لطیف تدبیر سے سب آسان ہو جاتا ہے، بے شک وہی علم والا اور حکمت والا ہے، وہ ہر چیز کی مصلحت اور تدبیر کو جانتا ہے اور اس کا ہر فعل حکمت پر مبنی ہے، چاہ کنعان سے لے کر اس وقت تک چالیس سال گزرے اور قسم قسم کے ابتلاء پیش آئے، اللہ ہی کو ان کی حکمتیں اور مصلحتیں معلوم ہیں، امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ اہل تاریخ کا بیان ہے کہ یعقوب علیہ السلام مصر میں یوسفؑ کے پاس ۲۴ برس تک نہایت خوش حالی، فارغ البالی اور کمال عیش وعشرت کے ساتھ رہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

لما ذكر قبل الحكيم قوله ﴿إِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ لِّمَا يَشَاءُ﴾ وذكر قبل ذلك إحسانه تعالى وانعامه بانه اخرجه من السجن، وإنه تعالى جاء بهم من البدو وبعد وقوع ما وقع من جانب الشيطان بينه وبين اخوته. فذكر العلة لذلك بقوله: ﴿إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ﴾ بأسلوب الجملة الاسمية المؤكدة لأنه ذكر قبل ذلك ﴿إِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ لِّمَا يَشَاءُ﴾ بأنه تعالى لطيف، ويرى الأشياء الدقيقة ويعلم، ولما كان اللطف يتعلق بالعلم بالأشياء الدقيقة التي لا يعلمها الا الله. فذكر العلة لذلك لأنه عليم يعلم الأشياء، وذلك لأنه حكيم فبحكمته يلطف لما يشاء وإنما قدم العليم على الحكيم لأن العليم هو عام يتعلق بالمعلومات المختلفة يتعلق بالمصنوعات.

(التحرير والتنوير: ۵۸/۱۳)

(۴) ﴿إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ (توبہ: ۲۸)

اور اے اہل مکہ اگر تم کو کافروں کے داخلۂ حرم کی ممانعت سے محتاجی اور تنگدستی کا اندیشہ ہو تو تم کو اس اندیشہ کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ اگر چاہے گا تو تم کو اپنے فضل سے غنی اور دولت مند کر دے گا، بے شک اللہ علم والا اور حکمت والا ہے۔

اہل مکہ کی گذران معاش تجارت پر تھی، دوسرے ملکوں سے مشرکین مکہ میں غلہ لاتے تھے، جب مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا کہ مشرکین کو حدود حرم میں داخل نہ ہونے دیا جائے تو مسلمانوں کو یہ خوف ہوا کہ تجارت کے بند ہو جانے سے ہم تنگدست ہو جائیں گے، تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی تسلی فرمادی کہ تم تنگدستی سے نہ ڈرو، اللہ تم کو دولت مند بنا دے گا، چنانچہ اہل جدہ، اہل صنعاء اور اہل جرش سب مسلمان ہو گئے اور غلہ اور قسم قسم کا مال تجارت لانے لگے، اور اس کے علاوہ کافروں سے جو جزیہ، خراج اور فئی کا مال ملا وہ بھی غنا کا سبب بنا۔ (معارف القرآن ادریسی)

لما ذكر قبل الحكيم قوله: ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ إِن شَاءَ﴾ لما ذكر بأنه تعالى سوف يغنيكم من الناس ومن الجوع إن شاء فذكر العلة لما ذكر بقوله: ﴿إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ﴾ باسلوب الجملة الاسمية المؤكدة بانه إنما يغنيكم الله لأنه عليم فيعلم أحوال الناس وذلك لأنه حكيم

فبمقتضى حكمته يصنع مايشاء ويفعل ما يريد فلذا ذكر العليم قبل الحكيم. وقوله: ﴿إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ تعليل لقوله ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً﴾ أي إن الله يغنيكم لأنه يعلم مالكم من المنافع من وقادة القبائل فلما منعكم من تمكينهم من الحج لم يكن تاركا منفعتكم فقدر غناء كم عنهم بوسائل غيرها علمها وأحكم تدبيرها.

(التحرير والتنوير: ۱۰/۱۶۲)

دوم: کان استمرار کے ساتھ دو طریق میں مذکور ہے:

الف: تاکید کے ساتھ ۳ آیات میں:

(۱) ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ (نساء:۱۱)

تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے تم نہیں جانتے کہ باعتبار نفع رسانی کے ان میں سے کون سا تم سے زیادہ قریب ہے، یعنی تم نہیں جانتے کہ تمہارے اصول وفروع میں سے دنیا وآخرت میں تمہارے لیے کون زیادہ نفع رساں اور فائدہ مند ہے، اور جب تمہیں یہ خبر نہیں تو تقسیم میراث میں تم اپنی عقل اور رائے کو دخل نہ دو، خدا کے حکم کے مطابق چلو، اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حصہ مقرر اور معین کر دیا گیا اس کی پیروی کرو، بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری مصلحتوں کو جاننے والا ہے اور بڑی حکمت والا ہے، اس نے میراث کے حصے مقرر فرما دیئے، وہی عین حکمت اور سراسر مصلحت ہیں، اس لیے تم پر لازم ہے کہ حق تعالیٰ کے مقرر کردہ حصوں کی پابندی کرو اور اپنی رائے سے اس میں دخل نہ دو، اللہ تعالیٰ علیم وحکیم ہے، اس نے اپنی حکمت سے جو حصے مقرر کر دیئے اسی میں حکمت اور مصلحت ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

لما ذكر قبل الحكيم قوله ﴿فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ﴾ وذكر قبل هذا بيان الحصص فذكر بعد ذلك بقوله ﴿فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ﴾ تصريحا بكون هذه الحصص من الفرائض والمقدرة من الله فذكر تذييلا لما سبق باسلوب الجملة الإسمية المؤكدة بقوله ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ بأنه تعالى إنما قرر الحصص لأنه تعالى عليم فبعلمه هو يبين من الأحكام المناسبة لكل وقت، وذلك لأنه حكيم فبحكمته يضع الأشياء مواضعها.

(التحرير والتنوير: ۴/۲۶۲)

(۲) ﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَاضَيْتُم بِهِ مِن بَعْدِ الْفَرِيضَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ (نساء:۲۴)

اور تم پر اس بارہ میں کوئی گناہ نہیں کہ مہر مقرر کرنے کے بعد باہمی رضامندی سے مہر کی مقدار میں کچھ کمی اور زیادتی کر دو، مثلاً عورت اپنی خوشی سے مہر کچھ کم کر دے یا مرد اپنی خوشی سے کچھ زیادہ دے دے، تو اس میں کوئی حرج نہیں، بے شک اللہ تعالیٰ بڑا دانا اور حکمت والا ہے کہ جس نے ان سراپا حکمت ومصلحت احکام کو مشروع فرمایا اس کی متابعت

میں تمہارے لیے خیر و برکت ہے اور اس کی مخالفت میں سراسر خسران اور حرمان ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

وفی قوله ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ من التهديد والتخويف مالا يخفى بانكم ان لم تعطوا المهر فانه عليم يعلم باحوالكم سيجازيكم لها حق الجزاء وذلك لانه حكيم يضع الأمور فی مواضعها جمع تسهيله الحكم لكم ان لم تعملوا بأوامره فإنه يمهلكم لاجل حكمته فلا تخالفوا اوامره. (مرزا:۲۸۸)

(۳) ﴿وَمَا تَشَآءُونَ إِلَّآ أَن يَشَآءَ ٱللَّهُ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ (دھر:۳۰)

اور اصل راز یہ ہے کہ ہدایت و گمراہی قدرت کی طرف سے انسانوں کے لیے طے کر دی گئی ہے، اس لیے تم نہیں چاہو گے کوئی چیز مگر وہی جو اللہ چاہے، اللہ بے شک سب کچھ جاننے والا بڑی ہی حکمتوں والا ہے، اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کو اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے، وہ اپنی استعداد و صلاحیت سے بتوفیق خداوندی ہدایت کا راستہ اختیار کر لیتے ہیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

إنه تعالى إنما ذكر قبل ذلك انه قال بان العلم تابع لارادہ تعالى فلا تريدون الا ما يريد الله انجازه فذكر العلة لذلك بقوله ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ بأسلوب الجملة الاسمية المؤكدة بأن التحقيقية لازالة الشكوك والشبهات.

وإنما قدم العليم على الحكيم لأن العليم عام، ولان المشية يتعلق بالعلم أولا، لأن الإرادة والمشية لا يحصل إلا ممن له علم كامل، والحكمة لإجرائها في مجراها فيأتي ثانيا تاليا بالعلم. (مرزا:۲۸۸)

ب: تاکید سے خالی ۵ آیات میں:

(۱) ﴿تَوْبَةً مِّنَ ٱللَّهِ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ (نساء:۹۲)

یہ حکم اللہ کی طرف سے خطاء کرنے والے کی توبہ کے لیے مشروع اور مقرر ہوا ہے اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے کہ وہ خطاء اور غلطی کی مقدار، کمیت اور اس کی حقیقت و کیفیت کو خوب جانتا ہے اور اس نے جو دیّت اور کفارہ کا حکم دیا ہے اس میں بڑی حکمت ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

لما ذكر كفارة القتل بالدية وتحرير الرقبة وحين ما كان عديم المال فصيام شهرين متتابعين، وذكر قبل الحكيم قوله ﴿فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ﴾ وقد علم من ذلك بانه تعالى قد شرع لكم هذه الاحكام تسهيلا لكم ولدفع الحرج عنكم فذكر بطريق التذييل علة لذلك بقوله: ﴿وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ باسلوب كان الإستمرارية بانه إنما يسهل لكم الأحكام ويدفع عنكم الجرح، لأنه عليم باحوالكم ويعلم ضعفكم، فوفقا لاحوالكم اباح

لكم الصيام بدل التحرير والدية. (مرزا:۲۸۸)

(۲) ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾ (نساء:۱۰۴)

جب ابوسفیان اور اس کے ہمراہی احد سے واپس ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے تعاقب میں کچھ آدمی بھیجے، ان آدمیوں نے زخموں کے درد کی شکایت کی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، اگر تم زخموں کی تکلیف سے دردمند ہو تو بے شک وہ بھی دردمند اور بے آرام ہیں جیسے تم دردمند اور بے آرام ہو، پھر تم ان کے تعاقب میں سستی اور اپنے زخموں کی شکایت کیوں کرتے ہو، جب وہ اپنے زخموں کی پروا نہیں کرتے اور برابر تم پر حملہ کیے جا رہے ہیں، تو تم کو کیا ہوا تم اللہ سے وہ امیدیں رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھتے، اس لیے تمہاری تکلیف ان کی تکلیف سے کم ہے، تم جزاء اعمال کے قائل ہو، تم کو خدا تعالیٰ سے دنیا میں فتح ونصرت کی اور آخرت میں جنت کے درجات عالیہ کی وہ امیدیں ہیں جو ان کو نہیں، پھر تم ان کے مقابلہ میں کیوں سست ہو؟ اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے، تم کو جو حکم دیتا ہے اس کی نسبت وہ جانتا ہے کہ اس میں حکمت اور مصلحت ہے، لہٰذا تم کو چاہئے کہ اس کے حکم کو مانو اور اپنی رائے کو اس میں دخل نہ دو۔ (معارف القرآن ادریسی)

فذكر العلة والتذييل لما سبق بقوله ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾ بأنه إنما يأمركم بالقتال معهم لإلقاء الرعب فى قلوبهم لأنه عليم فعلم حالهم وحالكم، وإنما شرع الجهاد لأنه حكيم فمن حكمة الله هو الامتحان على الناس بأن يصلوا ماأمر الله به ويعملوا وفق ما امرهم، ومن حكمته كذلك اظهار قوة المؤمنين و ايمانهم بالجهاد مع الكفار، وذلك لان الله عليم فيعلم كل شيء، وحكيم وقادر على كل شيء، فهو قادر على الغلبة على الكفار بدون قتالكم، ولكن فيه إظهار المتكاسل من غيره واظهار القوى من الضعيف والقوى الكامل الإيمان من المنافق المتكاسل لا يبال بالدين بل مداره الغنيمة فقط وجمع المال وتعديده. (مرزا: ۲۸۹)

(۳) ﴿وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾ (نساء:۱۱۱)

اور جو شخص گناہ کرتا ہے وہ اپنے ہی برے کے لیے کرتا ہے؛ کیونکہ اس کا وبال اسی پر پڑے گا اور اللہ بڑا دانا اور حکمت والا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

لما ذكر قبل الحكيم قوله ﴿فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ﴾ بأن الإثم فعله على نفسه وذكر بيان ذلك وتوضيحه بقوله: ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾ اذا كان الأمر كذلك فإنما لا يعذبه معجلا لأنه عليم فيعلم الأشخاص وأحوالهم وذلك لأنه حكيم فبحكمته لا يعجل فى تعذيبهم بل يمهلهم كى يسهل عليهم الأمر ويطمئن قلوبهم من الآثام الى الصالحات من الأعمال. (مرزا:۲۸۹)

(۴) ﴿فَإِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾ (نساء:۱۷۰)

اور اگر تم رسول کی نبوت ورسالت کو نہیں مانو گے تو اللہ کو تمہارے ایمان کی کوئی حاجت نہیں، تحقیق اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، ایمان لانے میں تمہارا ہی نفع ہے، اس کا کوئی فائدہ نہیں، اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے، اسے تمہارے ایمان اور کفر کی سب خبر ہے اور اس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

لما ذكر قبل الحكيم قوله ﴿فَإِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ﴾ بأنه تعالى ذكر ملكية السموات والأرض، وما فيهما له فبين و وضح ذلك بقوله: ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾ بأنه تعالى إنما له ما فى السموات والأرض لا لغيره من المخلوق لأنه عليم فيعلم كل شيء فبالعلم هو اهل لأن يتصرف فى الأشياء كلها وذلك لأنه حكيم فبحكمته يضع الأشياء ويتقنها ويضعها فى مواضعها.

وفيه تعريض بالمخاطبين أى ان كفرتم لا يفلتكم من عقابه لأنكم عبيد له لأن له مافي السموات ومافى الأرض، وذلك لأنه كامل العلم والحكمة لا يساويه أحد. (مرزا:۲۹۰)

(۵) ﴿وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾ (فتح:۴)

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے سامنے سر جھکا دیا، ان کو اس ایمان وانقیاد کے ساتھ اس پر یقین بھی حاصل ہو گیا کہ اللہ ہی کے لیے ہیں لشکر آسمانوں اور زمین کے، اور اللہ بڑا ہی خبردار حکمت والا ہے، اس کے علم سے دشمنان اسلام کی کوئی سازش اور مخالفت پوشیدہ نہیں، اور وہ اپنی حکمت سے جب چاہے گا اپنے لشکروں کو جہاد کے واسطے حکم دے دے گا، اور جب اس کے لشکر میدان جہاد میں آئیں گے جیسے کہ بدر وحنین میں تو پھر کسی کو مقابلہ کی تاب نہ ہوگی۔ (معارف القرآن ادریسی)

لماذكر قبل الحكيم قوله ﴿وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ﴾ فذكر قدرته وتصرفه وعلته وملكيته كاملا لكل شيء، ومنها جنود السموات والأرض له تعالى، فذكر الدليل على ذلك بقوله ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾ فلذا ذكر العليم قبل الحكيم وازدوج العليم مع الحكيم ليدل دلالة كاملة على المراد من اثبات القدرة له تعالى كاملا لأن العلم سبب للقدرة وانقاذها كما يليق. (التحرير والتنوير:۲۶/۱۵۱)

سوم: تاکید اور حصر سے خالی ۱۰ آیات میں مذکور ہے:

(۱) ﴿فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ (توبہ:۶۰)

یہ حکم اللہ کی طرف سے مقرر ہے، لہٰذا اللہ کے نبی نے اللہ کے حکم کے مطابق جس طرح صدقات کو تقسیم کر دیا اس

میں کسی کے لیے اعتراض کی گنجائش نہیں اور اللہ بندوں کی حاجتوں اور مصلحتوں کو جاننے والا اور حکمت والا ہے، اس کو مناسب اور نامناسب کا علم ہے، صدقات کے متعلق اس نے جو حکم دیا وہ عین حکمت اور عین مصلحت ہے؛ چونکہ منافقین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم پر اعتراض کیا تو اللہ تعالیٰ نے خود صدقات کی تقسیم کا طریقہ مقرر کر دیا، اور اس کے مصارف متعین فرما کر ان کی فہرست نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دے دی کہ آپ اس کے مطابق تقسیم کریں؛ تاکہ کوئی حریص اور خودغرض آپ کی تقسیم پر اعتراض نہ کر سکے، اللہ تعالیٰ نے صدقات کی تقسیم کو کسی کی مرضی پر نہیں چھوڑا؛ بلکہ بذاتِ خود اس کے مصارف متعین کر دیئے، جو آٹھ ہیں، ان کے سوا کسی اور مصرف میں ان کا صرف کرنا جائز نہیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

لما ذكر قبل الحكيم قوله﴿ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ﴾بأن هذه الصدقات المقررة لما ذكر من الاصناف حكم مفروض من الله، فذكر العلة لذلك بقوله﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾باسلوب الجملة الاسمية المجردة عن التوكيد بأنه عليم فبعلمه يبين لكم الأحكام ومن الاحكام مصارف الصدقات وذلك لأنه حكيم فيعرف المستحقين، وإنما جمع الأحكام من متعلقات الحكمة والعلم، وإنما ذكر بدون التوكيد لأن المخاطبين هم المؤمنين فالكلام الغير المؤكد عندهم كالمؤكدة لعدم شكهم. (التحرير والتنوير: ۱۰/۳۰۰)

(۲)﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾(توبہ:۹۷)

ان منافقین میں جو دیہاتی ہیں وہ کفر اور نفاق میں بہت سخت ہیں، یہ سخت دل وحشی اسی لائق ہیں کہ شریعت کی حدود کو نہ جانیں کہ جو خدا نے اپنے رسول پر نازل کی ہے، اسی لیے یہ لوگ جھوٹی قسم کی قباحت کو بھی نہیں جانتے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے، اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں، ان جھوٹوں کو مہلت دینا حکمت پر مبنی ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

لما ذكر قبل الحكيم قوله﴿ أَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ﴾ فذكر علة كفرهم عدم علم الأحكام المنزلة من الله على رسوله. فاثبت العلم الكامل لنفسه بقوله﴿ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ بأنه عليم فيعلم الأشياء كلها وذلك لأن علمه كامل وقدرته كاملة. (التحرير والتنوير: ۱۱/۱۳)

(۳)﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾(توبہ:۱۰۶)

اور کچھ اور لوگ ہیں جن کا معاملہ اللہ کے حکم پر موقوف رکھا گیا ہے، یعنی جن کا معاملہ اللہ کے حکم کے انتظار میں التواء میں رکھا گیا ہے، یا تو اللہ ان کو سزا دے یا ان پر مہربانی فرمائے کہ ان کی خطا کو معاف کرے اور ان کی توبہ کو قبول کرے، یعنی ان کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے، چاہے ان کو جہاد سے پیچھے رہ جانے کی وجہ سے سزا دے یا ان کو اپنی رحمت سے معاف کرے، اللہ جاننے والا ہے نیتوں کو، حکمت والا ہے، ہر ایک کے ساتھ اس کی نیت کے مطابق معاملہ کرتا

ہے۔(معارف القرآن ادریسی)

إنما ذكر قبل الحكيم قوله: ﴿إِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَإِمَّا يَتُوبُ عَلَيْهِمْ﴾ بأنه بين فيهم الأمرين إما العذاب أو التوبة عليهم بقبولها والمغفرة لهم، فذكر تذييلا لما سبق من الجمل بقوله﴿وَاللهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ بأنه إنما يتوب عليهم لأنه عليم بحالهم فبعلمه يتوب عليهم ويقبل توبتهم وحليم اذ هو حكيم فبحكمته يضع الأمور مواضعها ومنها قبول توبتهم. وإنما ذكر العليم الحكيم ههنا بهذا الترتيب مع أن السياق يقتضى الغفور الرحيم لأن التاخير يناسب العليم وتاخير العذاب كذلك جدير بالحكمة لأن فيه حكمته تعالى فلمصلحتهم وفائدتهم اخرهم عن العذاب وقبل توبتهم.

وجملة ﴿وَاللهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾تذييل مناسب لإبهام امرهم على الناس أي والله عليم بما يليق بهم من الامرين محكم تقديره حين تعلق به ارادته. (التحرير والتنوير: ۲۸/۱۱)

(۴)﴿وَاللهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾(توبہ:۱۱۰)

اور اللہ جاننے والا ہے کہ انہوں نے کس نیت سے عمارت بنائی تھی، حکمت والا ہے، مسجد ضرار کے انہدام کا جو حکم دیا وہ عین حکمت اور عین مصلحت ہے، اس سے منافقین کے نفاق کا پردہ چاک ہوا۔ (معارف القرآن ادریسی)

لما ذكر بان بنيانهم الذى بنوه يكون كل وقت ريبة فى قلوبهم فذكر قبل الحكيم قوله :﴿إِلَّا أَنْ تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ﴾لمزيد الثبات وذكر العلة لذلك بقوله﴿ وَاللهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾بانه إنما يكون ريبة لهم حتى يجعل قلوبهم قطعا، وذلك لأنه عالم حال الناس ولذلك فعل ما فعل ليظهر حال نفاقهم، وذلك لأنه حكيم فبحكمته يفعل مايحتاج إليه الناس ويضع الأمور مواضعها.

ولما كان حال المنافقين وعلمها من متعلقات العلم فلذا ذكر العليم قبل الحكيم، وذكر الحكيم فى النهاية ليوضح بأتم توضيح ما يريده الله تعالى بأنه تعالى يعلم حالهم فيجازيهم وفق علمه وحكمته.

(مرزا: ۲۹۲-۲۹۳)

وجملة﴿وَاللهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ تذييل مناسب لهذا يجعل التعجيب والإحكام الرشيق، وهو أن يكون ذلك البناء سبب الحسرة عليهم فى الدنيا والآخرة لأنه عليم، وفى جميع مصنوعاته حكمة.

(التحرير والتنوير: ۳۶/۱۱)

(۵)﴿وَيُبَيِّنُ اللهُ لَكُمُ الْأٰيٰتِ ۭ وَاللهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾(نور:۱۸)

منافقین جو بک رہے ہیں وہ ایسا صریح اور واضح بہتان ہے کہ جس میں غور وفکر کی بھی گنجائش نہیں ، لہٰذا اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ آئندہ ایسی بات نہ کرو، اگر تم ایماندار ہو تو خبردار اور ہوشیار ہو جاؤ، اور اللہ تمہارے لیے احکام اور آداب کو بیان کرتا ہے اور اللہ خوب جاننے والا حکمت والا ہے، اس کو حضرت عائشہ صدیقہؓ کا اور حضرت صفوانؓ کا حال خوب معلوم ہے۔(معارف القرآن ادریسی)

لما ذكر قبل الحكيم قوله ويبين الله لكم الآيات، والبيان مما يقتضى العلم ويناسب أن يذكر الحكيم فى النهاية فلذا ذكر العليم الحكيم مزدوجاههناليدل اتم دلالة على المراد. (التحرير والتنوير:۱۸/۱۸۳)

(۶، ۷) ﴿كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾(نور:۵۸، ۵۹)

اور بعد ان تین وقتوں کے بغیر اجازت لیے تمہارے پاس آنے میں نہ تم پر کوئی گناہ ہے اور نہ ان پر؛ کیونکہ وہ تم پر گھومتے رہتے ہیں، یعنی بکثرت اور بار بار تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں ایک دوسرے کے پاس، اس لیے ہر دفعہ میں اجازت لینے میں دشواری ہے، یوں اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنے احکام بیان کرتا ہے، اور اللہ بندوں کی مصلحتوں کو جاننے والا ہے، اس کا ہر حکم حکمت اور مصلحت پر مبنی ہے۔ اور جب تم میں کے لڑکے حد بلوغ کو پہنچیں یعنی بالغ ہو جائیں یا قریب بلوغ ہو جائیں تو تمہارے پاس آنے کے لیے تم سے جملہ اوقات میں اجازت لیا کریں، جیسا کہ اجازت مانگتے ہیں وہ لوگ جو ان سے پہلے بالغ ہو چکے ہیں، مطلب یہ ہے کہ لڑکا جب تک نابالغ ہے تو تین وقتوں کے سوا باقی اوقات میں بغیر اجازت لیے اندر آ سکتا ہے، اور جب حد بلوغ کو پہنچ گیا تو پھر اس کا حکم انہی مردوں جیسا ہے جو اس سے پہلے بالغ ہو چکے ہیں، اور ان کا حکم پیشتر آیت لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓي اَهْلِهَا میں گزر چکا ہے، یوں اللہ تعالیٰ تمہارے لیے احکام بیان کرتا ہے اور اللہ اپنے بندوں کی مصلحتوں کو جاننے والا ہے، اس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں۔(معارف القرآن ادریسی)

(۶) لما ذكر قبل الحكيم قوله ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ۭ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰي بَعْضٍ﴾فبين نفى الجناح بعد العورات الثلاث بطواف بعضهم على بعض. فذكر تذييلا لما سبق بقوله﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾بأنه إنما أمركم ما أمر، ونهاكم عما نهى، لأنه عليم فيعلم مافيه مصلحتكم، وذلك لأنه حكيم فيعلم احوالكم وبمقتضى حكمته يضع الأمور فى ماىناسب. وجملة﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾معترضة جاءت بيانا كاملا إذهو عليم وحكيم فبيانه بالغ غاية الكمال لامحالة. (التحرير والتنوير:۱۸/۲۹۴)

(۷) لما ذكر الحكم للاطفال بالاستيذان حين البلوغ وشبههم بالسابقين فى الاستيذان فذكر

العلة لذلك بقوله ﴿كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ﴾ فاضاف الآيات إلى الضمير الراجع إلى الله تشريعا للآيات وتعظيما لها، وإنما اضيفت الآيات هنا إلى ضمير الجلالة تفننا ولتقوية تاكيد معنى كمال التبين الحاصل من قوله كذلك، وإنما أتى بالوصفين ههنا مع اختتامهما بالحكيم ليدل على تاكيد معنى التبين بأنه تعالى إنما يبين الآيات، لأنه عليم فبعلمه يبين لكم الآيات والاحكام الضرورية المناسبة لحالكم، وذلك لأنه حكيم، فبحكمته لا يترك مافيه مصلح الامة.

(۸) ﴿فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ۚ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ (حجرات:۸)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دی ہے اور اس کو تمہارے قلوب میں رچا دیا ہے، اور نفرت ڈال دی تمہارے دلوں میں کفر کی اور گناہ و نافرمانی کی، تو اس کی بدولت اے اہل ایمان تم اپنی خواہشات اللہ اور اس کے رسول کے سامنے قربان کردیتے، وہ جو ایمان کا رنگ اور ایمان کا تقاضا ہے اور تم اسی ایمانی جذبہ اور معرفت کے باعث اس حقیقت کو سمجھ گئے ہو، وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَن فِيهِنَّ کہ اگر حق اور وحی الٰہی ان لوگوں کی خواہشات کی موافقت کرنے لگے تو آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب تباہ و برباد ہو جائیں گے، تو اس حقیقت کو سمجھ لینے والے ہی وہ لوگ ہیں جو فلاح و رشد کے سیدھے راستے پر چلنے والے ہیں، اور ایسے سعادت مند لوگوں کا راہ راست پر چلنا اللہ کی طرف سے فضیلت و کرامت ہے، اور اسی کا انعام ہے، اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا حکیم ہے، تو اپنے علم و حکمت سے جس کے واسطے چاہتا ہے رشد و ہدایت مقدر فرماتا ہے، اور جس کسی کو چاہتا ہے اپنے فضل و انعام سے نوازتا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

لما ذكر قبل الحكيم قوله ﴿فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً﴾ بأن هذا الرشد والهداية من احسانه تعالى وفضله عليكم فذكر الدليل على ما سبق من الجمل بقوله ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ بأنه إنما اعطاكم النعم الكثيرة واحسن إليكم لأنه عليم بأحوالكم فبعلمه اعطاكم من النعم ما شاء، وذلك لأنه حكيم فبحكمته خصكم بنعمه الكاملة واسبغه عليكم. وجملة ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ تذييل لجملة ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ﴾ إلى آخرها إشارة إلى ان ما ذكر فيهما من آثار علم الله وحكمته. (التحرير والتنوير: ۲۶/۲۳۸)

(۹) ﴿يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۚ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ (ممتحنہ:۱۰)

کوئی حرج نہیں ہے اگر تم ان عورتوں سے نکاح کرلو جب کہ تم ان کے مہر ان کو دے دو، جو بھی مہر اس نکاح کے وقت مقرر کیا جائے؛ وہ بہر حال مرد کے ذمے ہوتا ہے اور اس کا ادا کرنا ضروری ہے، اور نہ رکھو تم اپنے قبضہ میں ناموس کافر

عورتوں کی، اور طلب کرو جو کچھ تم نے خرچ کیا، اور چاہئے کہ وہ بھی طلب کرلیں جو انہوں نے خرچ کیا، یہی ہے تمہارے واسطے اے لوگو! اللہ کا حکم، جس حکم سے وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا ہی علم والا صاحب حکمت ہے، اس وجہ سے اس کا ہر حکم صحیح اور حکمت و مصلحت پر مبنی ہے تو جب اللہ نے یہ حکم مقرر فرمادیا کہ کافر عورتوں کی ناموس و عصمت نہ روکے رکھو اور اپنے قبضہ میں تھامے نہ رکھو تو اس سے یہ امر واضح ہوگیا کہ کسی مسلمان کو اپنی ان بیویوں کو جو اسلام نہیں لائیں اور کفر پر قائم رہیں ان کو اپنی منکوحہ کی طرح روکے رکھنا درست نہیں؛ بلکہ ان کو چھوڑ دیں کہ وہ پھر جس سے چاہیں نکاح کرلیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

لما ذكر قبل الحكيم قوله﴿ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ۖ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ﴾ بأنه تعالى لما ذكر الأحكام وهو اختيار المؤمنات اذا جئن مهاجرات وذكر اعطاء ما اتفق أزواجهن من المشركين، فذكر بعد ذلك بقوله ذلك حكم الله بأن ما ذكر من الاحكام حكم الله ويحكم به بينكم فبين بعد ذلك علة لما ذكر بقوله ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ بأنه إنما يبين ما يبين ويحكم ما يحكم بينكم لأنه عليم بأحوالكم، وذلك لأنه حكيم، فبعلمه يبين ما يناسب ويجدر بالناس، وبحكمته يتقن الامور ويسهل الأحكام كي لا يشق عليهم. (التحرير والتنوير: ۱۶۱/۲۸)

(۱۰) ﴿وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ﴾ (تحریم: ۲)

بے شک اللہ نے مقرر کردیا ہے تمہارے واسطے تمہاری قسموں کا حلال کرنا کہ کسی حلال چیز سے رکے رہنے کے بجائے قسم کا کفارہ دے کر اس حلال کو اختیار کرو، نہ یہ کہ عملاً اس سے اس طرح پرہیز کرتے رہو جیسا کہ حرام چیز سے پرہیز کیا جاتا ہے اور اللہ ہی تمہارا مولیٰ ہے، وہی سب کچھ جاننے والا صاحب حکمت ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

ولما ذكر بأنه تعالى قد بين لكم تحلة أيمانكم فإن الفرض ههنا بمعنى القطع والبيان، وذكر قبل الحكيم قوله ﴿ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ﴾ فذكر علة القطع والبيان بأنه مولاكم ومتصرف في الأمور وناصركم فذكر بقوله ﴿وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ﴾ علة لما ذكر. (مرزا: ۲۹۴-۲۹۵)

واسعاً حکیماً

وُسع کے معنی فراخی، تونگری، دسترس و طاقت ہیں، **سَعَۃٌ** بھی وہی ہے، جو **وُسع** ہے۔

وَاسِعُ اللہ تعالیٰ کا علم ہے۔

اللہ تعالیٰ **واسع** ہے جس نے جملہ اشیاء کو اپنے انعام سے گھیرے رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ **واسع** ہے اور اس کی جُود و عطا حیطۂ اندازہ سے باہر ہے۔

اللہ تعالیٰ **واسع** ہے کہ اس کا رزق سب کو ملتا ہے۔

اللہ تعالیٰ **واسع** ہے کہ اس کی رحمت سب کو شامل ہے، وہی وسعتِ غیر متناہیہ کا مالک ہے، اس نے موجودات کو سعت وانبساط بخشا ہے۔

﴿وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ﴾ (البقرہ:۲۵۵)

''اس کا علم آسمانوں اور زمین سے فراخی میں بہت زیادہ ہے۔''

﴿وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾ (الانعام:۸۰)

''وہی ہے جس کا علم ہر شے پر حاوی ہے۔''

﴿وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾ (الاعراف:۱۵۶)

''وہی ہے جس کی رحمت ہر شے سے فراخ تر ہے۔''

ہاں! واسع وہ ہے جس کی مجموعی عفت میں ملائکہ اس طرح تر زبان ہیں:

﴿رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَعِلْمًا﴾ (الغافر:۷)

''اے ہمارے رب! تو نے اپنی رحمت اور علم سے ہر ایک چیز کو دسترس میں لے لیا ہے۔'' (قاضی منصور پوری:۱۲۶-۱۲۷)

۳ حکیم واسع کے ساتھ ایک آیت میں آیا ہے:

(۱) ﴿وَكَانَ اللَّهُ وَاسِعًا حَكِيمًا﴾ (نساء:۱۳۰)

میاں بیوی طلاق یا خلع کے ذریعہ ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں تو اللہ ہر ایک کو کفایت کرے گا اپنی وسعت سے، یعنی خدا ہر ایک کا کارساز ہے، مرد کو دوسری عورت مل جائے گی اور عورت کو دوسرا شوہر مل جائے گا، اور روزی میں ایک دوسرے کا محتاج نہ رہے گا، اور اللہ وسعت والا اور حکمت والا ہے، اس کی تو انگری اور رحمت بہت وسیع ہے اور اس کے تمام احکام حکمت پر مبنی ہیں، اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، سب اس کی ملک ہے، جس کو جتنا چاہے دے، یہ اس کے واسع ہونے کی دلیل ہے، اس سے بڑھ کر اور کیا وسعت ہو سکتی ہے کہ وہ آسمان اور زمین کی کل چیزوں کا مالک ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

﴿لما ذكر قبل الحكيم قوله وَإِن يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللَّهُ كُلًّا مِّن سَعَتِهِ﴾ بأنه تعالى غني لا يحتاج إلى أحد فذكر علة لذلك بقوله ﴿وَكَانَ اللَّهُ وَاسِعًا حَكِيمًا﴾ بأنه تعالى إنما يغني كلا من الزوج والزوجة حينما وقع التفريق بينهما لأنه واسع، فعنده وسعة لكل شيء، لأنه هو الرازق والمعطي والمغني، وذلك لأنه حكيم فكل شيء يجري

وفق حكمته وخبرته التامة.

وإنما لم يات بالصفات الأخرى لأن السعة يقتضي الواسع، والتفريق يقتضي الحكمة، لأن هذه الأمور لا يجري ولا يصير كاملا إلا من ذي حكمة باهرة، فلذا أتى بهذين الوصفين دون غيرهما. ولأجل تقديم الوسعة قدم الواسع على الحكيم، ولان الغنى والوسعة حينما كان موجودا فلا بد لوضعها واستعمالها من الحكمة والخبرة التامة التي ينفذ بها الأمور. فيكون الحكمة مفيد في الوسع ليحصل به وضع كل شئ في موضعه الملائم اللائق. (التحرير والتنوير:۵/۲۱۹)

العلی الحکیم

علی عَلُوّ سے ہے جس کے معنی بلندی، بزرگی، بلندی مرتبہ، کلانی اور توانائی ہیں، عَلُوّ کے معنی غلبہ بھی ہے۔

عَلَا النَّهار دن چڑھ آیا۔

عَلَا الدَّابة گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

عَلَا فی المکارم خصائل بزرگ میں برتر ہو گیا۔

عَلَا فی الأرض ملک میں بزرگ منشی کرنے لگا، مغرور بن گیا۔

عَلَا بِالأمر حکومت میں بڑھ گیا مستقل ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ عَلِیّ ہے کہ وہ سب سے غالب اور توانا ہے۔

اللہ تعالیٰ عَلِیّ ہے کہ علوانیت اور ارتفاع مرتبت اسی کو حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ عَلِیّ ہے کہ وہ جملہ سفلیات وعلویات سے بالاتر ہے۔

قرآن مجید میں اس اسم کا استعمال اسم حکیم کے ساتھ بھی ہوا ہے۔

﴿إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ﴾ (الشوریٰ:۵۱)

''بے شک وہ برتر حکمت والا ہے۔''

﴿لَعَلِيٌّ حَكِيمٌ﴾ (الزخرف:۴)

''وہ تو ضرور بالاتر اور حکمت والا ہے۔''

اسم کبیر کے ساتھ بھی:

﴿فَالْحُكْمُ لِلَّهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ﴾ (المؤمن:۱۲)

''اللہ ہی کے لیے حکم ہے جو برتر اور بزرگ تر ہے۔''

اور اسم عظیم کے ساتھ بھی:

﴿وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ﴾ (البقرۃ:۲۵۵)

''وہ برتر اور عظمت والا ہے۔''

ان آیات سے مستفاد ہوتا ہے کہ عُلوِّ ربانی، حکمت و کبریائی اور عظمت الٰہی کے ساتھ بے شک عَلِیٌّ وہی ہے جو اپنے خاص برگزیدہ بندوں کے لیے برتریں تعریف کو دنیا میں قائم فرماتا ہے۔ (قاضی منصور پوری:۱۱۰-۱۱۱)

۴ حکیم علی کے ساتھ ایک آیت میں آیا ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ﴾ (شوریٰ:۵۱)

ان آیات میں اقسام وحی کی تحقیق کرتے ہوئے یہود کی اس بات کا بھی رد کیا جا رہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا کو دیکھا اور بلا واسطہ کلام کیا تھا تو ارشاد فرمایا جا رہا ہے، اور کسی بھی آدمی کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ دنیا میں خدا تعالیٰ اس سے بلاواسطہ یا بالمشافہ اس کے روبرو اس سے کلام کرے، مگر یا تو اشارہ سے کہ باطنی طور سے بحالت بیداری بطریق الہام اس کے دل میں کسی چیز کا القاء کر دے یا بحالت خواب اس کو خواب میں کوئی چیز دکھلا دے یا بتلا دے؛ خواہ یہ القاء الفاظ کے ساتھ ہو یا صرف معنی کے ساتھ یا یہ کہ پردے کے پیچھے سے کلام کرے کہ کلام تو سنائی دے مگر متکلم نظر نہ آتا ہو یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کوئی قاصد بھیج دے، فرشتوں میں سے کسی فرشتے کو جو کسی آدمی کی شکل میں ظاہر ہو کر، پھر وہ اللہ کی وحی پہنچا دے اس کے حکم سے وہ جو چاہے غرض یہی تین صورتیں ہیں جو خداوند عالم کی اپنے پیغمبر سے ہمکلامی کی ہو سکتی ہیں، ان تین صورتوں کے علاوہ اور کوئی شکل نہیں کہ دنیا میں خدا تعالیٰ کسی بشر کے ساتھ اس شکل میں کلام کرے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نہایت ہی بلند مرتبہ والا بڑا ہی حکیم ہے۔

یہ آیت قرآن میں ایک مقام (شوریٰ:۵۱) میں آئی ہے، یہود نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ جیسے حضرت موسیٰ ؑ نے اللہ تعالیٰ سے بات کی تو آپ بھی اللہ تعالیٰ سے بات کریں، تو اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ پاک کی ذات انتہائی بلند و بالا ہے، اس کی عظمت شان کے پیش نظر کوئی براہ راست اس سے بات نہیں کر سکتا ہے، اس کے لئے وحئ الٰہی، پردہ کے پیچھے یا فرشتہ کے ذریعہ ہی بات ہو سکتی ہے، اور وہ حکیم ہے، لہٰذا اس کی حکمت عظیمہ سے ہی یہ طریقے ذکر کئے ہیں۔

اسی بات کو شیخ طاہر ابن عاشور نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

قال: "وإنما أوثر هنا صفة (العلي الحكيم) لمناسبتهما للغرض، لأن العلو في صفة (العلي) علو عظمة فائقة لا تناسبها النفوس البشرية التي لم تحظ من جانب القدس بالتصفية، فما كان لها أن تتلقى من اللّٰه مراده مباشرة، فاقتضى علوه أن يكون توجيه خطابه إلى البشر بوسائط يفضي بعضها إلى بعض، وأما وصفه (الحكيم) فلأن معناه المتقن للصنع، العالم بدقائقه، وما خطابه البشر إلا لحكمة إصلاحهم، وما وقوعه على تلك الكيفيات الثلاث إلا من أثر الحكمة لتيسير تلقي خطابه ووعيه دون اختلال فيه، ولا خروج عن طاقة المتلقين". (التحریر والتنویر: ۱۳/۱۶۷)

تواب حکیم

یہ صفات ایک آیت (نور: ۱۰) میں آئی ہیں، ظاہری تقاضہ رحیم کا ہے؛ کیونکہ واقعہ کا تعلق حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ذات گرامی سے ہے اور رحمت توبہ کے مناسب بھی ہے؛ لیکن پھر بھی حکیم کی صفت کا لانا ایک دقیق معنیٰ کی طرف اشارہ کرتا ہے، وہ یہ کہ اس جگہ لعان کی مشروعیت کا فائدہ بھی بتانا ہے کہ مرد وعورت پر اسلامی سزا کے نفاذ کے بجائے قسمیں وشہادت کے ذریعہ گناہ کی پردہ پوشی ہو رہی ہے، یہ درحقیقت ایک حکیم ذات سے ہی ہوسکتی ہے، نیز حضرت عائشہ کے بارے میں شکوک پیدا ہونا بڑا گناہ ہے، اس سے اور اس کی سزا سے بچانا اور صحابۂ کرام پر اپنا خصوصی فضل ورحمت اور تواب وحکیم ہونا بھی اس کی حکمت ولطافت شان بتاتا ہے۔

۵ حکیم تواب کے ساتھ ایک آیت میں آیا ہے:

﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ﴾ (نور: ۱۰)

اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور اللہ توبہ قبول کرنے والا اور حکمت والا نہ ہوتا تو لعان کا حکم نازل نہ کرتا اور تم کو تہمت لگانے پر فوراً ہی سزا دے دیا کرتا مگر چونکہ اس کا تم پر بڑا فضل وکرم ہے؛ اس لیے اس نے تمہاری پردہ پوشی کے لیے لعان کا حکم نازل کر دیا اور مرد سے حد قذف کو اور عورت سے حد زنا کو ساقط کر دیا۔ یہ اس کی عنایت اور حکمت کا تقاضا ہے کہ اس نے شوہر کو چار گواہوں کی گواہی پیش کرنے کا پابند نہیں کیا؛ بلکہ لعان سے معاملہ ختم کر دیا، اس لیے کہ اپنی بیوی پر تہمت لگانے میں خود اس کی بے عزتی ہے، اس لیے بغیر کسی قوی دلیل اور بغیر اپنے مشاہدہ کے کوئی سلیم الطبع اپنی بیوی پر ایسا الزام نہیں لگا سکتا اور ایسے موقع پر چار گواہوں کا فراہم کرنا بہت دشوار ہے، شریعت نے طرفین کی رعایت کرکے لعان کا حکم دیا۔ (معارف القرآن ادریسی)

الشکور الحلیم

یہ صفات ۴ جگہ آئی ہیں، تین جگہ الغفور الشکور اور ایک جگہ (التغابن:۱۷) حلیم کے ساتھ آئی ہے۔ دو متجاوز ناموں میں عامۃ پہلے اسم پر بحث ہوتی ہے؛ کیونکہ وہ سیاق سے زیادہ تعلق رکھتا ہے، اس جگہ **یضاعفہ لکم** کے مناسب الشکور کا ہونا معلوم ہوتا ہے، باقی تین مواقع میں بھی اجر وثواب کا دوگونا ہونا معلوم ہوا ہے، البتہ اس جگہ صفت حلیم کے ساتھ شکور کی مناسبت کیا ہے؟ تو آیت اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے پر ابھارنے کے لئے آئی ہے اور خرچ کرنے کے بعد اللہ پاک کی طرف سے مغفرت کا وعدہ کیا گیا اور مغفرت کا عمومی تعلق اس عمل (انفاق) میں کچھ کوتاہی یا نیت میں اخلاص کی کمی وغیرہ سے ہوتا ہے، اور کبھی اس عمل کی برکت سے بھی ہوتا ہے، جب مقتضاء شریعت کی پابندی کرے، لہٰذا صفت حلیم بندوں کی طرف سے ہونے والی عملی کوتاہی سے درگذر کرنے اور سزا نہ دینے کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

حلیم چار اسلوب کے ساتھ ۶ آیات میں آیا ہے:

اول: شکور کے ساتھ ایک آیت میں:

(۱)﴿وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ﴾ (تغابن:۱۷)

اگر تم اللہ کو دوگے اچھی قرض دینا خوش دلی اور اجر وثواب کی امید رکھتے ہوئے، تو اللہ تعالیٰ اس کو بڑھائے گا تمہارے واسطے، اور مغفرت کرے گا تمہارے لیے تمہاری ان کوتاہیوں کی جو عبادات اور فرائض کی ادائیگی میں تم سے ہو جاتی ہیں، اور اللہ تو بڑا ہی قدر دان ہے، حلم و درگذر والا ہے کہ معمولی چیز کو بھی نظر کرم سے قبول فرمالے اور اس قلیل مقدار پر اجر عظیم عطا فرمادے کہ ایک نیکی کو دس گنا سے سات سو تک پہنچادے اور کبھی صدقہ کی ایک کھجور پہاڑ کے برابر بنادے۔ (معارف القرآن ادریسی)

لما ذكر اضعاف الاجر لاجل الانفاق فی سبیله وصوره بصورة القرض لمزید الأذعان بإعطاء الاجر وتضعيفها؛ ذكر قبل الحليم ويغفر لكم، فذكر بطريق التذييل والعلة لما سبق قوله﴿وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ﴾ بانه إنما يضاعف لكم الأجر لانه شكور، فمن معرفته قدر العامل وعلة يضاعف لكم، ومن حلمه يغفر لكم ذنوبكم ولا يعجل لكم بالعقوبة، وإنما جمع بين الوصفين لأن السياق يقتضي جمعهما في هذا المقام، وقدم الشكور على الحليم كما يقتضيه ترتيب الجمل لأنه ذكر قبل ذلك يضاعفه لكم وذكر بعد ويغفر لكم، فجملة يضاعفه لكم يتطلب الشكور، وجملة يغفر لكم يقتضي الحليم، لأن الغفران مع كثرة الذنوب لاجل الحلم.

(التحرير والتنوير:۲۸/۲۹۰)

دوم: علیم کے ساتھ دو طرق کے ساتھ:

(۱) ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ﴾ (نساء: ۱۲)

وہ وصیت کرنے والا کسی کو ضرر یا نقصان پہنچانے والا نہ ہو، یہ جو کچھ کہا گیا یہ سب اللہ کی جانب سے وصیت یعنی تاکیدی حکم ہے، اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ضرر دینے والے کو اور نہ دینے والے کو، بڑا بردبار ہے، سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔ (معارف القرآن ادریسی)

وذكر قبل الحليم ﴿فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ﴾فذكر بطريق التذييل لما سبق والعلة قوله ﴿ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ﴾وإنما ذكر وصف العليم والحليم ههنا، لأنهما جديران بالأحكام المتقدمة لإبطال الكثير من أحكام الجاهلية، وقد كانوا شرعوا مواريثهم تشريعا لمثارة الجهل القساوة، فإنهم قد حرموا البنت والاخ لأم من الإرث ،وهذا جهل بأن علة النسبة من جانب الأم مماثلة لعلة نسبة جانب الأب فهذا ونحوه جهل، و حرمانهم الصغار من الميراث قساوة منهم، فلذا ذلك ذكر العليم وقدمه على الحليم ليظهر إنما شرع وبين لكم أحكام الميراث التي بينهافي الآية المذكورة، لأنه عليم بمصالح العباد وأحوالهم وأنتم لا تعلمون، وإنما بين لكم ولم يعذبكم مع ظلمكم في حرمانهم من الميراث لأنه حليم فامهلكم ليتم الحجة عليكم. (مرزا: ۲۹۸-۲۹۹)

(۲) ﴿لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ﴾ (سورہ الحج: ۵۹)

البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ ان کو ایسے مقام میں پہنچا دے گا جس کو یہ لوگ نہایت پسند کریں گے اور ایسی نعمتیں ملیں گی جو کبھی خواب و خیال میں بھی نہ گزری ہوں گی، اور بلا شبہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ان لوگوں نے خدا کی راہ میں کتنی مشقت برداشت کی اور وہ بڑا بردبار ہے کہ دشمنوں پر عذاب نازل کرنے میں جلدی نہیں کرتا۔ (معارف القرآن ادریسی)

ذكر الوصفين بقوله﴿وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ﴾ تذييلا لما سبق فإنه إنمايدخلهم لأنه عليم بما تجشموه من المشاق في شأن هجرتهم من ديارهم واهلهم واموالهم، فلذا يدخلهم هذا المدخل، ولا يعجل لهم بالعذاب بل يتوب عليهم ويرحمهم لأنه حليم بهم. (مرزا: ۲۹۹)

الغفور الحليم

یہ صفات چار مقام پر آئی ہیں، (البقرۃ: ۲۲۵، ۲۳۵، آل عمران: ۱۵۵، المائدۃ: ۱۰۱) ان آیات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں ایسے گناہوں کا ذکر ہے جن پر سزا نازل نہیں ہوئی؛ کیونکہ وہ اپنے بندوں کے گناہ معاف کرتا ہے، پہلی آیت میں یمین لغو پر عدم مواخذہ، دوسری آیت میں عدت والی عورت کو تعریض کے طور پر پیغام

نکاح دینے میں عدم حرج، تیسری آیت میں غزوہ احد میں میدان جنگ سے بھاگنے پر معافی، اور چوتھی آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر مفید سوالات کرنے پر معافی، یہ سب صفت حلم کا تقاضیٰ ہے، اوران چاروں آیات میں غور کرنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگران گناہوں کا ارتکاب کرنے والے صبر و برداشتگی سے کام لیتے تو شاید ان چیزوں کے ارتکاب سے بچ جاتے، گویا حلم و بردباری کی کمی تھی، اس سے تخلق باخلاق اللہ کی دعوت دی جارہی ہے کہ صفت حلم ایسی صفت ہے کہ اس کی وجہ سے تم بہت سارے گناہوں سے بچ سکتے ہو۔

وحين عدت إلى تحليل الآيات مرة أخرى، وتتبعت سياقاتها المختلفة، بدالي تعليل آخر، ولطيفة من لطائف القرآن العظيم، التي تشير إلى دقة نظمه، ومتانة أسلوبه. ذاك أننا إذا تتبعنا الآيات الأربع السابقة، وتأملنا في كل ذنب على حده، لوجدنا أن الذنوب كلها في الآيات لها علاقة بالزمن، والسرعة التي كانت تنتابهم، بحيث إنه يمكن القول: إنه لولا سرعتهم ما أذنبوا، ولو أنهم صبروا ما وقعوا فيما وقعوا فيه، فكأن الختم بصفة الحلم في الآيات السابقة تأتي لتدعو المؤمنين إلى التخلق بصفة الحلم. (غزه:۱۹۷)

سوم: غفور کے ساتھ دو اسلوب سے:

اول: تاکید سے خالی ایک آیت میں آیا ہے:

(۱) ﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ﴾ (بقرہ:۲۲۵)

اور قسم کے متعلق ہمارا یہ ضابطہ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں تم سے ان قسموں پر مواخذہ اور گرفت نہ کریں گے جو بلاقصد وارادہ تمہاری زبان سے نکل گئی ہیں یا قصد اور ارادہ تو تھا مگر تم اس کو اپنے گمان میں راست اور صحیح سمجھتے تھے، ایسی قسم میں نہ کفارہ ہے اور نہ گناہ؛ لیکن اللہ تعالیٰ تم سے ان قسموں پر آخرت میں مواخذہ فرمائیں گے کہ جس میں تمہارے دلوں نے جھوٹ بولنے اور معصیت کرنے کا قصد اور ارادہ کیا ہے یا اس قسم کو کسی بِر اور تقویٰ سے علیحدہ رہنے کا ذریعہ اور بہانہ بنایا ہے، اور اللہ بخشنے والا ہے کہ یمین لغو پر مواخذہ نہیں فرماتا اور بڑا حلیم اور بردبار ہے کہ باوجود بالقصد والارادہ جھوٹی قسم کھانے کے مواخذہ میں جلدی نہیں فرماتا، شاید توبہ کرلے، توبہ کے لیے مہلت دیتے ہیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ﴾ تذييلا وعلة لحكم نفى المؤاخذة، بانه تعالى إنما لا يؤاخذكم لأنه غفور فغفر لكم ماصدر عنكم من الايمان الغير المقصودة، وذلك لأنه حليم فلم يصعب عليكم فى الأحكام رحمة بكم وتفضلا منه عليكم.

ومناسبة اقتران وصف الغفور بالحليم هنا دون الرحيم، لان مغفرة الذنب وهو من قبيل التقصير فى

الأدب مع الله تعالى. فلذلك وصف الله تعالى بالحليم لأن الحليم هو لا يغضب للغفلة ويقبل المعذرة، ولذا أقدم الغفور على الحليم بأنه يغفر لكم ولا يعجل عليكم بالاخذ بل يمهلكم. (مرزا: ۲۹۹-۳۰۰)

(۲) ﴿وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ﴾ (آل عمران: ۱۵۵)

مسلمانوں کے قدم تو ٹھیک ہی راہ پر جارہے تھے مگر اس درمیان میں مورچہ کو چھوڑ کر غنیمت پر دوڑے تو اس معصیت کی نحوست سے شیطان کو موقع مل گیا، اس لیے کہ شیطان کا داؤ اس وقت چلتا ہے جب انسان کوئی گناہ کر بیٹھتا ہے، خلاصہ یہ کہ ان کا بھاگنا بمقتضائے بشریت لغزش قدم تھی، معاذ اللہ دیدہ و دانستہ کوئی نافرمانی نہ تھی، شیطان ایسے ہی محبین و مخلصین کی تاک میں رہتا ہے، کبھی کچھ داؤ چل بھی جاتا ہے، اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے اپنے ان محبین ومخلصین کی اس لغزش کو بالکل معاف کر دیا، تحقیق اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے اور بردبار ہیں کہ نہ دنیا میں کوئی سزا ہے اور نہ آخرت میں کوئی مواخذہ، اور نہ باز پرس ہے، تمام عالم کو حق تعالیٰ نے سنا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی خطا بالکلیہ معاف کر دی، اب کسی کی یہ مجال نہیں کہ ان پر طعن یا ملامت کرے، حق تعالیٰ کی معافی کے بعد جو ان پر طعن کرے گا وہ مجرم اور قصوروار ٹھہرے گا۔

(معارف القرآن ادریسی)

وذكر قبل الحليم قوله ﴿وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ﴾ والعفو يقتضي تعقيبها بكلمة تدل على الغفران والحلم فلذلك ذكر بعده ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ﴾ بأسلوب الجملة المؤكدة بأن تعليلا لما سبق وتذييلا لها.

ومن المعلوم أن المناسب والجدير للسياق هو ذكر الوصفين بهذا الترتيب. بان يذكر الغفور أولا والحليم عقبه باسلوب التوكيد لأنهم كانوا في شك في أنه هل يغفر الله لهم فلإزالة شكهم ذكر بأسلوب الجملة الاسمية المؤكدة الدالة على الدوام والإستمرار ترغيبا للتوبة والإنابة إليه تعالى. (مرزا: ۳۰۰)

غنی حلیم

حلم کے معنی بُردباری، آہستگی اور عقل ہیں، آیت ﴿اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ﴾ (الطور: ۳۲) میں عقل و دانش ہی کے معنی ہیں۔

اللہ تعالیٰ حَلِیْم ہے۔ یعنی تغیرات اعتباریہ اس کی ذات میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کرسکتے، غضب اس کی رحمت پر غالب نہیں آسکتا اور رحمت اس کی صفت غضب کے لیے مانع نہیں ہوسکتی۔

وہ مُعِزٌّ بھی ہے اور مُذِلٌّ بھی اور ہر دو اوصاف کے ساتھ غیر متغیر بھی۔

اللہ تعالیٰ حلیم ہے یعنی انتقام کے لیے جلدی نہیں کرتا، اور گناہ کی سزا میں رزق بند نہیں کرتا۔

قرآن مجید میں اسم حلیم مندرجہ ذیل اسماء کے ساتھ بیان ہوا ہے۔

اسم مغفور کے ساتھ ﴿وَاللهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ﴾ (البقرة:۲۲۵)

اسم غنی کے ساتھ ﴿وَاللهُ غَنِيٌّ حَلِيمٌ﴾ (البقرة:۲۶۳)

اسم علیم کے ساتھ ﴿وَإِنَّ اللهَ لَعَلِيمٌ حَلِيمٌ﴾ (الحج:۵۹)

اسم شکور کے ساتھ ﴿وَاللهُ شَكُورٌ حَلِيمٌ﴾ (التغابن:۱۷)

ان اسماء حسنیٰ کے ساتھ اس اسم کی ترکیب یہ معنی پیدا کرتی ہے۔

غفران کے ساتھ علم کا ہونا بتلاتا ہے کہ اللہ تعالی کا بندوں کو جلد غذاب نہ دینا، اس لیے ہے کہ اس کی مغفرت، بندہ کو توبہ کی مہلت عطا فرماتی ہے، اور غنی کے ساتھ حلم کا ہونا بتلاتا ہے کہ رب العالمین کو ایذا دینے والے، شرک کرنے والے، کفر کرنے والے اللہ کی نگاہ میں بالکل حقیر وذلیل ہیں اور علم کے ساتھ حلم کا ہونا بردباری کی انتہاء ہے۔

اور علی ہذا الشکور کے ساتھ حلیم کی ترکیب ظاہر کرتی ہے کہ اللہ تعالی اعمال حسنہ کو قبول فرماتا، اور ان کو بڑھاتا اور اعمال سیئہ کے کفارہ میں دیر و درنگ کرتا اور آہستگی کے ساتھ زمان مستقبل تک اصلاح کی مہلت عطا فرماتا ہے۔

(قاضی منصور پوری: ۱۰۴تا۱۰۶)

العالمین کے ساتھ مذکور صفت لانے میں حکمت:

یہ صفت دو جگہ آئی ہے، اور جب مضاف ہو کر آئی ہے تو لفظ عالمین کے ساتھ آئی ہے، دوسری صفات کے ساتھ مل کر ضرور آئی ہے۔

﴿فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ ۖ وَمَن دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا ۗ وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ اللهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ.﴾ (آل عمران:۹۷)

﴿وَمَن جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ ۚ إِنَّ اللهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ﴾ (العنکبوت:۶)

ان دونوں آیتوں میں دو بڑی عبادات جہاد اور حج کا ذکر ہے، ان عبادتوں میں سستی کرنے والوں کو تنبیہ کرتے ہوئے اس صفت کا آنا یہ بتانے کے لئے ہے کہ-نعوذ باللہ- اللہ پاک تمہاری ان عبادتوں کا محتاج نہیں ہے، اس کی الوہیت میں تمہاری عبادات یا گناہوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے (ما زاد من ملكي شيئا و ما نقص من ملكي شيئا) البتہ تم اپنی نجات کے لئے ان عبادتوں کے محتاج ہو، وہ تو غنی و بے نیاز ہے۔

الغنی کی اضافت عالمین کی طرف کی گئی تا کہ کائنات کی تمام چیزوں سے اللہ پاک کی بے نیازی کے ضمن

میں انفرادی طور پر آدمی سے استغناء کا اظہار ہوجائے اور انفرادی واجتماعی استغناء ہر ہر فرد بشر کو تنبیہ کرتا ہے کہ وہ ذات اقدس تیری اور تیرے علاوہ سب کی عبادات سے بے نیاز ہے، قال ابو حیان: لانه اذا استغنى عن العالمين تناوله الاستغناء عنه لامحالة. (البحر المحیط: ۳/۲۷۸)

* حلیم غنی کے ساتھ ایک آیت میں آیا ہے:

﴿قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ۭ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ﴾ (بقرہ: ۲۶۳)

سائل کو معقول اور مناسب طریقہ سے جواب دے دینا اور نرمی کے ساتھ اپنی ناداری اور نہ دینے کا عذر کر دینا، اور اگر سائل اصرار کرے اور کچھ سخت اور سست کہے تو اسے درگذر کرنا اس خیرات سے ہزار درجہ بہتر ہے جس کے بعد ستایا جاوے؛ اس لئے کہ صدقہ اور خیرات سے محتاج اور سائل کی تکلیف کو دور کرنا تھا، پس جب وہ مقصد حاصل نہ ہوا تو وہ صدقہ بیکار ہی گیا، ایسی سخاوت سے تو بخل بہتر ہے کہ جس کے بعد اس کو ذلیل اور حقیر کیا جائے، سائل کی ایک تکلیف دور کی اور پھر دوسری تکلیف اس کو پہنچائی، یہ ایسا ہے کہ ایک کانٹا نکالا اور دوسرا کانٹا چبھودیا اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہیں، ان کو کسی کے مال اور خیرات کی ذرہ برابر حاجت نہیں، جو خیرات کرتا ہے وہ اپنے لیے کرتا ہے اور بردبار اور تحمل والے ہیں، احسان جتانے والے اور ستانے والے کو جلدی سزا نہیں دیتے۔

شانِ بے نیازی اور بردباری:

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ اللہ پاک تمہارے صدقات سے بے نیاز ہے، پھر جب وہ صدقہ احسان جتلانے اور تکلیف دینے کے ساتھ ہو تب تو اور بھی بے نیازی ہے؛ لیکن پھر بھی حلیم ہے، معاف کرتا ہے، سزا نہیں دیتا ہے۔

قال الإمام ابن القيم: ”وختم الآية بصفتين مناسبتين لما تضمنته، فقال: (والله غني حليم) وفيه معنيان: أحدهما أن الله غني عنكم، لن يناله شيء من صدقاتكم، وإنما الحظ الأوفر لكم في الصدقة؛ فنفعها عائد عليكم لا إليه سبحانه وتعالى. فكيف يمن بنفقته ويؤذي مع غنى الله التام عنها وعن كل ما سواه؟ ومع هذا، فهو حليم إذ لم يعاجل المانّ بالعقوبة، وفي ضمن هذا الوعيد والتحذير.

والمعنى الثاني: أنه سبحانه وتعالى مع غناه التام من كل وجه، فهو الموصوف بالحلم والتجاوز والصفح مع عطائه الواسع وصدقاته العميمة، فكيف يؤذي أحدكم بمنه وأذاه مع قلة ما يعطي ونزارته وفقره؟“

(طریق الحجرتین: ۵۴۴)

العظیم

عظمت سے ہے۔

اہل دنیا کی زبان میں لفظ عظمت کا اطلاق طول، عرض وعمق پر ہوتا ہے اور جب ابعادِ ثلٰثہ میں ایک شے کی بڑائی دوسری پر بیان کرنی ہو تب لفظ عظمت کا استعمال کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ عظیم ہے کیونکہ اسے عظمت ذاتی حاصل ہے، وہ الوہیت کے مرتبۂ بزرگ کا مالک ہے۔

وہ **ربُّ العَرْش العظِیم** ہے۔

وہ **فضلِ عظیم** کا مالک ہے۔

وہ **قرآن عظیم** کا اتارنے والا ہے۔

وہ بندہ کو **کرب عظیم** سے نجات دینے والا ہے۔

وہ **بناء عظیم** کو ظہور میں لانے والا ہے۔

وہ **فوزِ عظیم** تک بندوں کو لے جانے والا ہے۔

وہ عظمت وکبریائی اور جبروت وملکوت کا مالک ہے۔

اس کی عظمت کے سامنے ایک اعلیٰ سے اعلیٰ مخلوق کمتر از ذرہ ہے۔ (قاضی منصور پوری:۱۰۶-۱۰۷)

مذکور صفت قرآن میں :

یہ صفت چار جگہ (الواقعہ: ۷۴، ۹۶، الحاقہ: ۳۳، ۵۲) آئی ہے، تین جگہ ''ربک'' کے ساتھ اور ایک جگہ ''باللہ'' کے ساتھ آئی ہے، ان تینوں جگہ تسبیح کا حکم دیا گیا ہے۔ اور عظیم کو اسم کے بجائے رب کی صفت ماننا راجح ہے؛ کیونکہ سورۂ شوریٰ آیت: ۴ میں وھو العلی العظیم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔

تینوں آیات کا سیاق عظمتِ خداوندی پر دلالت کرتا ہے، مثلاً سورۂ واقعہ میں **افرأیتم ماتمنون- ما تحرثون**، **تشربون** اور **تورون** وغیرہ عظیم انعامات خداوندی کا ذکر ہے، جو مخلوق سے ممکن نہیں ہے۔

اسی طرح ﴿**انه كان لايؤمن بالله العظيم**﴾ (الحاقہ: ۳۳) میں بھی عظیم ذات کے ساتھ کفر کرنا عظیم گناہ ہے؛ لہٰذا صفت عظیم لاکر گناہ کی سزا کا **جزاء وفاقا** (برابر) ہونا بتلایا گیا۔ اس جگہ عظیم کی صفت کے بجائے کبیر کی صفت نہیں لائی گئی، علامہ زمخشری دونوں کا فرق واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عظیم یہ حقیر کی ضد ہے اور کبیر صغیر کی ضد ہے، تو گویا عظیم کبیر سے بڑی ہے جیسے حقیر صغیر سے کم ہے۔ (کشاف: ۱/ ۲۴) کبیر کمال ذات کو اور جلیل کمال صفات کو اور عظیم کمال

ذات وصفات دونوں کو شامل ہے۔

وہ دو آیتیں جن میں العلی العظیم کے ساتھ آئی ہیں تو وہاں سیاق عظمت و بزرگی والا ہوتا ہے۔ (البقرہ:۲۵۵، الشوریٰ:۴) پہلی آیت الکرسی میں کرسی کی وسعت کا تذکرہ ہے تو العلی کی صفت نے اس کے انسانی کرسی کی طرف کے اوہام و تصورات کو رد کر دیا؛ کیونکہ کرسی کا انسانوں میں زیادہ تذکرہ ہوتا ہے تو-نعوذ باللہ تعالیٰ- اللہ پاک کے لئے مکان وجگہ اور جلوس علی الکرسی کا تصور و وہم پیدا نہ ہو، اسی لئے العظیم کی صفت لائے نہ کہ کبیر کی؛ کیونکہ کبیر میں کرسی کی وسعت سے اللہ تعالیٰ کے لئے جسم ماننے کی طرف بظاہر وہم ہو رہا ہے، اسی طرح دوسری آیت بھی عظمت خداوندی کے سیاق میں ہی آئی ہے، اس کے بعد والی آیت (شوریٰ:۵) آسمان کے پھٹنے اور ملائکہ کی تسبیح وعظمت کا لحاظ کرنے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

يقول الإمام الطبري: "تكاد السماوات يتشققن من فوق الأرضين من عظمة الرحمن وجلاله".

(جامع البیان:۱۱/۱۲۸)

عظیم دو اسلوب کے ساتھ آیا ہے:

[ا] تنہا عظیم ۴ آیات میں آیا ہے:

(۱) ﴿فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ﴾ (واقعہ:۷۴)

سو اے مخاطب! تو پاکی بیان کر اپنے رب عظیم کے نام کی اور اس کی ہر نعمت کا شکر ادا کر جس نے مخلوق کی حیات اور راحت کے یہ جملہ اسباب پیدا کئے اور اپنی قدرت عظیمہ سے پانی اور آگ جیسی متضاد چیزوں کو پیدا کیا۔

(معارف القرآن ادریسی)

إنه تعالى لما ذكر قبل ذلك من النعم من الماء والنار، وغيرها مما يحتاجه الإنسان من الثمار المختلفة من الطلح والطل والأشجار التي توقد النار وذكر باسلوب الاستفهام بأنكم هل انبتت شجرتها ويظهر منه بأن لله قد انبتها وجعلها طعاماللانعام.

وذكر العظيم في النهاية لتكميل ما ذكر بأنه إنما أمر بالتسبيح لأنه أهل لذلك. (مرزا:٦/٣٠٦)

(۲) ﴿فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ﴾ (واقعہ:۹۶)

پس اپنے رب عظیم کے نام کی پاکی بیان کرتا رہ، مکذبین کی تکذیب اور ان کے جھٹلانے کی نہ کوئی پرواہ کرنی چاہئے اور نہ اس سے دل پر رنج وغم کا اثر لینا چاہئے؛ بلکہ تسبیح وتحمید میں مصروف رہنا ہی مومن کا کام ہے، منکرین کی دل آزار بے ہودگیاں انہی پر وبال جان بن کر ظاہر ہوں گی، تسبیح وتحمید کی برکت سے قلب اوہام اور وساوس سے بھی پاک رہتا

ہے اور انابت الی اللہ کی نعمت سے سرفراز ہوتا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

وذكر العظيم في النهاية ليدل على عظمة شأنه بأنه عظيم الصفات ولذا أحسن اليكم بعظيم النعم وما خلق من بديع صنعه وحكمته وعدله. (التحرير والتنوير: ۳۵۹/۲۷)

(۳) ﴿إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ﴾ (حاقہ: ۳۳)

ایمان نہیں رکھتا تھا خدائے برتر پر، جب نہ خدا پر ایمان ویقین تھا تو خدا کے احکامات سے بھی نافرمانی کرتا تھا، نہ خدا تعالیٰ کے حق ادا کرتا تھا اور نہ ہی بندوں کے حقوق پہچانتا تھا۔ (معارف القرآن ادریسی)

لما ذكر قبل ذلك اصلاء الكفار في النار وخلودهم فذكر العلة لذلك بقوله انه كان لا يؤمن، وذكر وصف الله بالعظيم في النهاية: بأن اصلاءهم النار المؤبدة لأجل عظم جرمهم وهو الشرك بالله. وكان الله عظيما فالشرك معه ايضا عظيم فلا بد للمجرم من العذاب الذي يناسب عقاب عدم الإيمان بالعظيم فلذا ذكر العظيم في الفاصلة. (مرزا: ۶ ۳۰-۳۰۷)

(۴) ﴿فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ﴾ (حاقہ: ۵۲)

اور بے شک یہ جو کہا جا رہا ہے قطعی اور یقینی امر ہے، جس پر ایمان ویقین ہر اہل عقل وفکر کو لازم ہے، اے ہمارے پیغمبر اگر کوئی ان حقائق کو نہیں مانتا اور ان پر ایمان ویقین نہیں رکھتا تو آپ غمگین نہ ہوں؛ بلکہ بس ایسی صورت میں پاکی بیان کرتے رہئے اپنے رب عظیم کے نام کی، اس کی تحمید وتسبیح ہی سے سارے غم بھی دور ہوں گے اور قلب ودماغ کو سکون و تقویت بھی نصیب ہوگی، جیسا کہ ارشاد ہے: **وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُن مِّنَ السَّاجِدِينَ** تو اس طرح آپ کو تسلی دی گئی اور سکون قلب کے لیے علاج بھی بیان فرمادیا۔ (معارف القرآن ادریسی)

علی عظیم

[۲] عَلِيٌّ کے ساتھ دو آیت میں:

(۱) ﴿وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ﴾ (بقرہ: ۲۵۵)

اللہ وہ ذات ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، صرف وہی عبادت کا مستحق ہے، استحقاق عبادت میں کوئی اس کا شریک اور سہیم نہیں، اس لیے کہ صرف خدا تعالیٰ اپنی ذات سے خود بخود زندہ اور موجود ہے، اس کی حیات اور بقاء ذاتی اور ابدی ہے، اس کی حیات کی نہ کوئی ابتداء ہے اور نہ انتہاء، اور اس کے سوا ہر چیز اپنی ذات سے مردہ اور معدوم ہے اور اس کی حیات مستعار کی ابتداء بھی ہے اور انتہاء بھی، اس لیے کہ کوئی شیٔ اپنی ذات سے قائم نہیں، خدا تعالیٰ ہی ہر شیٔ کا قائم رکھنے

والا ہے، ہر شیٔ اپنی حیات، بقاء اور وجود میں اس کی محتاج ہے، جیسے سایہ اپنی اصل کا محتاج ہوتا ہے، ممکنات اپنے وجود اور بقاء میں اس سے کہیں زائد خدا کے محتاج ہیں، ممکنات کی حیات اور وجود اسی واجب الوجود کی حیات کا ایک ادنیٰ سا عکس اور پرتو ہے۔ کل مافی الکون وھم او خیال او عکوس فی المرایا او ظلال

غرض یہ کہ حق تعالیٰ تمام عالم کا قائم رکھنے والا اور اس کی تدبیر کرنے والا ہے، ایک لمحہ بھی تدبیر سے غافل نہیں؛ اس لیے کہ اس کو اونگھ اور نیند نہیں پکڑتی، اس لیے کہ نیند ایک قسم کا تغیر ہے، جو وجوب کے منافی ہے اور حیات کو ضعیف اور کمزور بناتا ہے، پس جس کو اونگھ اور نیند آئے گی اس کی حیات بھی ناقص اور کمزور ہوگی اور دوسروں کی تدبیر بھی نہیں کر سکے گا؛ کیونکہ نیند موت کی بہن ہے، لہٰذا نیند کی وجہ سے اس کی حیات بھی ناقص ٹھہرے گی، اور اس کی شان قیومیت میں بھی قصور اور نقصان لازم آئے گا اور چونکہ وہی سب کے وجود اور حیات کا قائم رکھنے والا ہے؛ اس لیے ثابت ہوا کہ آسمان اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اسی کی ملک ہے، اوپر سے لے کر نیچے تک اسی کی حکومت اور بادشاہی ہے، اس لیے کہ اصل مالک وہ ہے جو وجود اور حیات کا مالک ہو اور اس کی عظمت وجلال اور شان کبریائی کا یہ عالم ہے کہ اس کی بارگاہ عالی میں کسی کی مجال نہیں کہ بغیر اس کی اجازت کے کوئی سفارش کر سکے؛ چہ جائیکہ کوئی اس کے حکم کو ہٹا سکے یا ٹلا سکے، یہ تو اس کی عظمت اور جلال کا حال ہوا اور اس کے علم کی یہ شان ہے کہ وہی مخلوقات کے تمام اگلے اور پچھلے احوال کو خوب جانتا ہے، تمام عقلاء عالم مل کر بھی معلومات خداوندی میں سے کسی ایک معمولی چیز کے علم اور ادراک کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے، مگر جتنی مقدار وہ تم کو علم دینا چاہے، فقط اتنی مقدار تم اس چیز کو جان لیتے ہو، اصل کنہ اور حقیقت کا علم اور اس کا علمی احاطہ وہ حق تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔

وَمَآ أُوتِيتُم مِّنَ ٱلْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا اور تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔

غرض یہ کہ خداوند ذوالجلال کا علم ذاتی اور تام ہے اور مخلوق کے تمام احوال کو محیط ہے جو اس کی وحدانیت، قیومیت اور کمال عظمت پر دال ہے اور بندوں کا علم نہایت قلیل اور ناتمام بلکہ برائے نام ہے، بندہ بدون اس کی تعلیم کے ایک ذرہ کو بھی نہیں جان سکتا اور ایک ذرہ کے بھی تمام احوال، کیفیات، جہات اور حیثیات کا احاطہ نہیں کر سکتا، اگر ایک حال کو جان لیتا ہے تو سو حال سے جاہل اور بے خبر رہتا ہے اور اس علم ناتمام کے ساتھ اس بارگاہ میں شفاعت کرنا جس کا علم ذاتی اور تام ہو اور تمام اشیاء کی حقیقت اور کنہ اور تمام احوال کو محیط ہو؛ بغیر اس کی اجازت کے ممکن نہیں، اس لیے کہ شفاعت وہاں ہوتی ہے جہاں شفاعت کرنے والا بادشاہ کو ایسی چیز سے آگاہ کرے جس کی بادشاہ کو خبر نہ ہو یا اس کو عفو کی مصلحت کی خبر نہ ہو، اور بارگاہ خداوندی میں یہ ناممکن ہے کہ اس کو کسی شیٔ کا علم نہ ہو، اور اس کی مالکیت تمام کائنات کو محیط ہے، اس لیے کہ اس کی

کرسی جو اس کے عرش سے کم ہے وہی تمام آسمانوں اور زمینوں کو گھیرے ہوئے اور اپنے اندر سمائے ہوئے ہے، جس طرح چاہے زمین اور آسمان میں تصرف کرتا ہے، کسی کی مجال کیا ہے کہ بغیر اس کی اجازت کے کوئی سفارش کا کلمہ زبان سے نکال سکے، شافع اور مشفوع لہ سب اسی کی ملک ہیں اور اس کی قدرت اور قیومیت کا یہ حال ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کی حفاظت اور نگہبانی اس پر ذرہ برابر شاق اور گراں نہیں اور کیسے اس پر گراں ہوسکتی ہے، وہ بڑا عالی شان اور بلند مرتبہ ہے، ذات اور صفات میں کوئی بھی کسی طرح اس کے برابر نہیں، وہ اتنا بلند مرتبہ ہے کہ اس کی شان کے مطابق کوئی حمد وثنا بھی نہیں کرسکتا، بڑی عظمت والا ہے کہ ہر چیز اس کے سوا حقیر اور قبیح ہے، وہ اپنے افعال میں کسی کا محتاج نہیں، عظمت وجلال کی وجہ سے سب سے مستغنی اور بے نیاز ہے، پس جس ذات پاک کی یہ صفات ہوں کیا اس کا انکار کرنا یا اس کے ساتھ کسی کو شریک گردانناظلم عظیم نہ ہوگا۔ (معارف القرآن ادریسی)

أنه تعالى لما ذكر دعوى توحيده وذكر الدلائل العقلية عليه من كونه حيا وقيوما و كونه منزها عن شوائب النقص من اتيان الغفلة عليه واثبات ملكية مافي السموات والارض له، وأنه ذوقهر وقوة، فلا يستطيع أحد أن يشفع لأحد إلا بإذنه، وأثبت لنفسه علم الغيب والشهادة ونفي عن الخلوق هذه الصفة بكمالها، وذكر عظمة الكرسي من السموات والأرض فيظهر منه عظمة شأنه ورفعته، وذكر قبل العظيم قوله ولايؤوده حفظهما فنفى فيه عن نفسه العجز والتعب، فذكر بطريق الدليل على ماذكر تذييلا ورمزا إلى عظمته بقوله، فاقترن بين الوصفين لأن المقام مقام العظمة والعلو عن صفات المخلوق لأن ماذكر قبل ذلك يوهم منه الجاهلون بأنه يمكن أن يكون مثل الاجسام لأنه أضاف الكرسي إلى نفسه.

فلرفع الشك ورفع شبهة واثبات الكمال له ذكر العلى قبل العظيم وبعده العظيم. بانه ليس كالاجسام وأنه لا يتعب بحفظهما، وذلك لأنه على رفيع الشأن فهو عال عن صفات المخلوق، وانما هو عظيم الصفات فلذلك يخلق المخلوقات الجسام وأن عظمته هو عظمة المرتبة لأن ما يفعل من الأفعال الجميلة، ويخلق من المخلوقات الكبيرة الكثيرة من عظمة شأنه.

فلذا ذكر العظيم فى الفاصلة مع تقديم العلي عليه. وانما ذكر العلى العظيم فى النهاية لأنها خاتمة الصفات التي تقرر حقيقته وتوحى للنفس بهذه الحقيقة وتفرد الله سبحانه بالعلو وتفرده سبحانه بالعظمة، وذلك بانه لا على إلا هو ولا عظيم إلا هو فالتعبير بهذه النحو يتضمن معنى القصر والحصر، فلم يقل وهو على عظيم ليثبت الصفة مجرد اثبات ولكنه قال ﴿وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ﴾ لتقصيرها عليه سبحانه. (مرزا: ۳۰۴-۳۰۵)

(۲) ﴿لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ﴾ (شوریٰ:۴)

پروردگار کی شان تو یہ ہے کہ اس کے واسطے وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے، وہی سب سے برتر اور بڑی عظیم شان والا ہے، اس کی عظمت شان کو اگر کوئی منکر و کافر نہ جانے تو نہ جانے؛ لیکن اس کی عظمت شان کی حقیقت تو یہ ہے کہ قریب ہے کہ آسمان اپنے اوپر سے پھٹ پڑیں اس کی ہیبت وعظمت کو برداشت نہ کرسکنے کی وجہ سے۔

(معارف القرآن ادریسی)

﴿وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ﴾ مقررة للجملة التي قبلها باثبات الملك له بأنه علي وعظيم، فمن عظمته يتصرف في السموات والأرض وفي جميع الأشياء كما يشاء، ومن علاه هو منزه عن صفات المخلوق. وافادت صيغة الجملة معنى القصر أي لا علي غيره ولا عظيم غيره لأن من عداه لا يخلو عن افتقار إليه فلا علو له ولا عظمة. (التحریر والتنویر: ۲۵/ ۲۹)

ذوالفضل العظیم

یہ صفت ۶ مواقع پر آئی ہے، فضل اس عطیہ کو کہتے ہیں جو دینے والے کے لئے ضروری ولازمی نہ ہو۔

تمام مقامات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صفت اللہ پاک کی نعمتوں اور فضل واحسان کے مواقع پر مذکور ہے، گویا اس کے ختم پر بندوں کو اللہ پاک کی نعمتوں کی یاددہانی کرائی جارہی ہے۔

درج ذیل پہلی اور دوسری آیت میں نبوت وقرآن کریم جیسی فضل ورحمت کا ذکر ہے۔

تیسری آیت میں حق وباطل کے درمیان فرق کرنے والی سمجھ عطا کرنا، گناہوں کا معاف ہونا اور مغفرت جیسی عظیم نعمت ملنے کا ذکر ہے۔

دوسری تین آیتوں میں تو مناسبت لفظیہ بالکل ظاہر ہے، اس سے پہلے فضل کا لفظ مذکور ہے۔

ذوالفضل العظیم چھ مقامات پر آیا ہے:

(۱) ﴿مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِنْ رَبِّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ﴾ (بقرہ:۱۰۵)

کافر- خواہ اہل کتاب ہوں یا مشرکین مکہ- ذرہ برابر دل سے یہ نہیں چاہتے کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر کوئی خیر نازل کی جائے؛ لیکن ان کے حسد سے کچھ نہیں ہو سکتا اس لیے کہ اللہ تعالی ان کا محکوم نہیں اور اللہ تعالی کو اختیار ہے جس کو چاہے اپنی رحمت سے مخصوص فرمائے، اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نبوت اور وحی سے

سرفراز فرمایا اور اپنے فضل سے آپ کو افضل الانبیاء بنایا، اور آپ کے دین کا تمام ادیان سے افضل اور اکمل ہونا روز روشن کی طرح واضح ہے۔ اس جگہ رحمت سے مراد نبوت ہے اور فضل اس احسان اور نکوئی کو کہتے ہیں جو ابتداءً بلا وجہ ہو۔

(معارف القرآن ادریسی)

(۲) ﴿يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾ (آل عمران: ۷۴)

وہ اپنی مہربانی اور بخشایش سے جس کو چاہتا ہے خاص کرتا ہے اور اس وقت اس نے اپنی رحمت سے مسلمانوں کو خاص فرمایا ہے اور خداوند ذو الجلال کی رحمت پر حسد کرنا فضول بلکہ حماقت ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے، اس کے فضل کو کوئی روک نہیں سکتا۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۳) ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾ (الانفال: ۲۹)

اے ایمان والو! اگر تم اپنے ایمان کو فتنہ سے بچانا چاہتے ہو تو اللہ سے ڈرتے رہو اور تقویٰ کو اپنا شعار بنالو تو اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے درمیان ایک فیصلہ کر دے گا، یعنی تم کو تمہارے دشمنوں پر ایسی فتح اور غلبہ دے گا کہ پھر تمہیں کافروں کی کسی رعایت کی ضرورت ہی نہ رہے گی اور فتنہ سے تم محفوظ ہو جاؤ گے، اس کے علاوہ تقویٰ کا ایک فائدہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تم سے تمہاری برائیاں دور کرے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ بڑے فضل والا ہے، وہم وگمان سے بڑھ کر دیتا ہے۔

(معارف القرآن ادریسی)

(۴) ﴿سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾ (حدید: ۲۱)

اے لوگو! دوڑو اس مغفرت کی طرف، جو تمہارے رب کی طرف سے ہے اور اس جنت کی طرف جس کا عرض آسمان وزمین کے پھیلاؤ کے برابر ہے، جو تیار کی گئی ہے ان لوگوں کے واسطے جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے، یہی اللہ کا فضل و انعام ہے کہ وہ اپنی تمام تر کوششیں اور دوڑ آخرت اور جنت کی نعمتوں کی طرف پھیر دے، اور یہ کمال اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے جس کے واسطے چاہے، اسی کا علم محیط ہے، وہ جانتا ہے کہ کس میں نعمت کی صلاحیت ہے اور کون اس صلاحیت اور سعادت سے محروم رہنے کے قابل ہے، اور اللہ بڑے ہی فضل والا ہے جو اپنے انعامات سے بندوں کو نوازتا ہے اور یہ نوازا جانا اور جنت کے انعامات اعمال کا بدلہ نہیں؛ بلکہ محض اللہ کا فضل و انعامات ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۵) ﴿لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ

یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ﴾ (حدید:۲۹)

تا کہ اہل کتاب اس بات کو جان لیں کہ وہ لوگ کسی چیز پر قادر نہیں ہیں اور اس امر سے ان کو لاعلمی اور غفلت نہ ہو کہ وہ اللہ کے فضل پر قادر نہیں ؛ بلکہ اللہ کا فضل ، بے شک اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے ،جس کو چاہے وہ عطا کرے اور اللہ تعالیٰ بہت ہی بڑے فضل و انعام والا ہے۔(معارف القرآن ادریسی)

(۶) ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ﴾ (جمعہ:۴)

بے شک یہ اللہ کا فضل ہے، جس کو وہ چاہے عطا کردے اور اللہ بڑا ہی فضل والا ہے، اسی نے اپنے رسول آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بڑائی عطا فرمائی کہ خاتم الانبیاء والمرسلین بنایا اور ان کو ایسی حکمت سے نوازا کہ دنیا کے حکماء ان اسرار وحکم کے سامنے حیران ہیں اور علم وہدایت کا وہ نور روشن ہوا کہ دنیا سے شرک وگمراہی کی تاریکی دور کردی، اس لیے دنیا کو چاہیے کہ اس انعام واکرام کو پہچانے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم وہدایت سے مستفید ہو، علوم وہدایات سے مستفیض ہونا انسانی کمال ہے۔(معارف القرآن ادریسی)

❁❁❁❁❁

علیم

اللہ تعالیٰ کے نہایت مشہور اسماء میں سے ہے، روایت ترمذی میں تو علم سے مشتق صرف یہی نام آیا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے لیے عالم بھی آیا ہے: ﴿وَكُنَّا بِكُلِّ شَیْءٍ عٰلِمِیْنَ﴾ (الانبیاء:۸۱)

اعلم بھی آیا ہے: ﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ﴾ (الانعام:۱۲۴)

۱۵دیگر مقامات میں بھی یہ ”اَعْلَم“ آیا ہے، قرآن مجید میں (عَالِمُ الْغَیْبِ) بھی آیا ہے اور (عَلَّامُ الْغُیُوْبِ) بھی۔

آیات ذیل پر غور کرو تا کہ اللہ تعالیٰ کے علیم ہونے کی صورت کے مختلف مدارج معلوم کرسکیں:

(۱) ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ (آل عمران:۱۱۹)

”اللہ سینے کی باتوں کو جانتا ہے۔“

(۲) ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ (النحل:۲۸)

”جو تم عمل کرتے ہو اللہ ان کا علم رکھتا ہے۔“

(۳) ﴿اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴾ (البقرۃ:۲۳۱)

”اللہ تو ہر شے کا جاننے والا ہے۔“

(۴) ﴿إِنَّ اللهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ (البقرۃ:۱۱۵)

''اللہ تو وسعت دینے والا، علم رکھنے والا ہے۔''

(۵) ﴿وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ﴾ (یس:۷۹)

''وہ تو مخلوق کی پیدائش کی حالت کو جانتا ہے۔''

(۶) ﴿ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ﴾ (یس:۳۸)

''یہ اندازہ ہے عزیز و علیم کا۔''

(۷) ﴿يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ﴾ (ہود:۵)

''جو کچھ تم چھپاتے ہو یا ظاہر کرتے ہو، اللہ سب کو جانتا ہے۔''

(۸) ﴿يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ (الفرقان:۶)

''آسمان کے راز کو جانتا ہے۔''

(۹) ﴿يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ﴾ (الرعد:۴۲)

''ہر ایک شخص کے اعمال کا علم رکھتا ہے۔''

(۱۰) ﴿يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ﴾ (سبا:۲)

''زمین میں آنے والی اشیاء کو جانتا ہے۔''

(۱۱) ﴿يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ﴾ (المؤمن:۱۹)

''آنکھوں کی خیانت تک کا اسے علم ہے۔''

(۱۲) ﴿اللهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثَىٰ﴾ (الرعد:۸)

''اللہ کو علم ہے کہ ہر ایک مادہ کے شکم میں کیا ہے۔''

(۱۳) ﴿يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا﴾ (سبا:۲)

''جو کچھ زمین میں آتا ہے اور جو کچھ زمین سے نکلتا ہے، جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ آسمان کو چڑھتا ہے اللہ ان سب کو جانتا ہے۔''

(۱۴) ﴿عَالِمِ الْغَيْبِ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَلَا أَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا أَكْبَرُ﴾ (سبا:۳)

''وہ غائب کو جاننے والا ہے، ذرہ کے وزن برابر چیز یا اس سے بڑی یا اس سے چھوٹی ہو، آسمانوں میں ہو یا زمین میں ہو، اللہ سے چھپی ہوئی نہیں۔''

(۱۵)　﴿وَلَقَدِ اخْتَرْنَاهُمْ عَلَىٰ عِلْمٍ عَلَى الْعَالَمِينَ﴾ (الدخان: ۳۲)

''ہم نے اپنے علم کی وجہ سے ان کو جملہ عالم پر پسند فرمایا۔''

(۱۶)　﴿وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾ (الانعام: ۸۰)

''میرا رب علم سے ہر شئے کو گھیرے ہوئے ہے۔''

(۱۷)　﴿وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾ (الاعراف: ۸۹)

''ہمارا رب علم سے ہر شئے کو گھیرے ہوئے ہے۔''

(۱۸)　﴿إِنَّمَا الْعِلْمُ عِندَ اللَّهِ﴾ (الاحقاف: ۲۳)

''علم تو صرف اللہ ہی کے پاس ہے۔''

(۱۹)　﴿أَنَّمَا أُنزِلَ بِعِلْمِ اللَّهِ﴾ (ہود: ۱۴)

''اللہ نے قرآن کو اپنے علم سے اتارا ہے۔''

(۲۰)　﴿قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنقُصُ الْأَرْضُ﴾ (ق: ۴)

''زمین مردہ اجسام میں جو کمی کرتی ہے اللہ کے علم میں ہے۔''

(۲۱)　﴿أَنزَلَهُ بِعِلْمِهِ﴾ (النساء: ۱۶۶)

''قرآن کا نزول علم الٰہی سے ہوا۔''

(۲۲)　﴿وَإِنَّهُ لَذُو عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنَاهُ﴾ (یوسف: ۶۸)

''یعقوبؑ صاحب علم تھا کیونکہ ہم نے اسے سکھلایا تھا۔''

(۲۳)　﴿وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِينَ﴾ (الحجر: ۲۴)

''پہل کرنے والوں کو ہم جانتے ہیں۔''

(۲۴)　﴿وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَأْخِرِينَ﴾ (الحجر: ۲۴)

''پیچھے رہ جانے والوں کو ہم جانتے ہیں۔''

(۲۵)　﴿بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ﴾ (یونس: ۳۹)

''جسے ان کا علم احاطہ نہ کرسکا، انہوں نے اس کی تکذیب کردی۔''

علم الٰہی کے متعلق ہم نے (۲۵) آیات کا انتخاب کیا ہے، علم الٰہی کے متعلق اور بہت آیات ہیں لیکن ان آیات پر تدبر کرنے سے ان کے مطالب پر بھی احتواء ہوسکتا ہے۔ ان شاء اللہ۔

یہ آیات بتلاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ دل وسینہ کی چھپی ہوئی باتوں (بھیدوں) کو جانتا ہے، اللہ تعالیٰ کو اعمال انسانی کا علم ہے، وہ انسان کی دل اور آنکھ کی خیانت سے واقف ہے۔

زمین کے اندر کے راز، آسمانوں کے اوپر کے اسرار، سب اس کے علم میں ہیں، زمین سے اوپر کو اٹھنے والی چیزیں، اوپر سے نیچے نازل ہونے والی چیزیں، ذرہ ذرہ، قطرہ قطرہ اس کے علم میں ہے، ذرہ اور قطرہ کی بھی چھوٹی سے چھوٹی جسامت اس کے علم سے باہر نہیں، گزری ہوئی امتیں، آنے والی نسلیں، سب اس کے علم میں ہیں۔

جن پاک بزرگ ہستیوں کو نبوت ورسالت کے مناصب پر ممتاز فرمایا، وہ بھی علم الٰہی کا ثمر تھا، قرآن مجید بھی علم الٰہی سے نازل ہوا۔

قرآن مجید میں ان سینکڑوں پیشگوئیوں کو دیکھو جن میں ملک ملک اور قوم قوم کے عروج وزوال کی اطلاعات دی گئی ہیں، اور پیشگوئیاں پھر اپنے اپنے ملک اور اپنے زمانہ میں ٹھیک اسی طرح پوری ہوتی رہیں۔

لوگ اہل علم کو دیکھتے ہیں، لیکن اس علیم سے بے خبر رہتے ہیں جس نے علم کو پیدا کیا، جس نے معلومات کو پیدا کیا، جس نے علم ومعلومات میں وابستگی دی، جس نے سوچنے والا دماغ، سمجھنے والا دل، سننے والے کان، بولنے والی زبان پیدا کی، یہی تو وہ آلات ہیں جن پر وجود علم کا انحصار ہے۔

اگر کوئی شخص معالم ومعارف، حقائق ودقائق میں کوئی حصہ رکھتا ہے تو وہ (لما عَلَّمْنا) کی تحت میں ہے اور اگر کوئی شخص کسی غلطی یا جہل میں گرفتار ہے تو وہ (لم یُحِیطُوْا بعلمه) کی تحت ہے۔ (قاضی منصور پوری: ۹۴ تا ۹۸)

صفت علیم کے استعمال کے مواقع:

لفظ ''علیم'' ۵۶ مواقع پر قرآن شریف میں آیا ہے اور عموما خبر کے طور پر مرفوعا مذکور ہے، کبھی کبھار بطور تمیز منصوب بھی آیا ہے، البتہ مجرور کبھی بھی نہیں آیا ہے، صفت علیم کا اکثر حالات میں مسند مرفوع آنا اور حق تعالیٰ شانہ کا مسند الیہ ہونا یہ مطلق علم کی نسبت اللہ پاک کی طرف کرکے ایمان باللہ کو نفوس میں جاگزیں کرنے اور اس کے فیصلوں پر مطمئن ہونے کی طرف مشیر ہے، بندہ اپنے معاملات کو ایسی ذات کے حوالے کررہا ہے جس کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔

ختم آیات پر صفت علیم کا تنوع وتوسع ایک چیز یعنی غیب کی طرف مشیر ہے، کہ مخلوق مختلف اعتبار سے جاہل یا ناقص

العلم ہے، جبکہ اللہ تعالی کا علم مطلق سب کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

(۱) تخلیق:

کائنات کی تمام اشیاء انسان، کائنات، آسمان وزمین اور مرئیہ وغیر مرئیہ سب کو اللہ تعالی نے پیدا کیا۔

﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۚ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَاۗءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ وَھُوَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ﴾ (بقرہ:۲۹)

آیت کا آخری جملہ "وَھُوَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ" دلالت کرتا ہے کہ آسمان وزمین کا خالق وہی ہوسکتا ہے جو سب کا کلی وجزئی طور پر احاطہ کئے ہوئے ہو، جہاں آیات میں آسمان وزمین اور انسان کی تخلیق کا ذکر ہے وہاں علیم کی صفت کا اخیر میں آنا مناسب ہے۔

ماقبل کی آیت میں خَلَقَ ماضی کے صیغے سے آیا ہے جو تاکیدی طور پر فعل کے وقوع وحدوث پر دلالت کرتا ہے ؛لہٰذا ایسی آیات کا قدیر کے بجائے علیم پر ختم ہونا ہی مناسب ہے، کیونکہ خلق کا عمل ہو چکا ہے، اگر مستقبل کی بات ہوتی تو قدیر پر ختم صحیح ہوتا لیکن ماضی میں فعل کی تمامیت قدرت کے متحقق ہونے کو واضح کر چکی ہے۔

(۲) احوال:

مؤمنین، ظالمین، مفسدین وغیرہ تمام انسانوں کے احوال ماضیہ، حالیہ ومستقبلیہ سب اللہ پاک کے علم میں ہے۔

﴿وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ﴾ (بقرہ:۹۵)

﴿لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَا۟اَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ﴾ (توبہ:۴۷)

﴿وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَھُمُ اللّٰهُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِــيْمًا﴾

(نساء:۳۹)

﴿لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ﴾ (توبہ:۴۴)

یہ سب آیات تمام انسانوں کے احوال پر دلالت کرتی ہے، لہٰذا صفت علیم ہی اس کے شایان شان ہے۔

(۳) اعمال:

بندوں نے جو اعمال ماضی میں کئے اور اس کو چھپایا ان کو واللہ علیم بذات الصدور سے تعبر فرمایا ہے اور جن

کوحال یا مستقبل میں کریں گے ان کو واللہ بما یعملون علیم سے تعبیر کیا ہے۔

﴿وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُم بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ (مائدہ:۷)

﴿وَمَن كَفَرَ فَلَا يَحْزُنكَ كُفْرُهُ ۚ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾(لقمان:۲۳)

﴿أَلَا إِنَّهُمْ يَثْنُونَ صُدُورَهُمْ لِيَسْتَخْفُوا مِنْهُ ۚ أَلَا حِينَ يَسْتَغْشُونَ ثِيَابَهُمْ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾(ہود:۵)

چونکہ مخفی چیزوں کا خزانہ قلب ہے لہٰذا بذات الصدور سے تینوں آیات کو ختم کیا جبکہ

﴿يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ ۖ قُلْ مَا أَنفَقْتُم مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۗ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ﴾ (بقرہ:۲۱۵)

﴿وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا ۚ إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ﴾(یونس:۳۶)

﴿وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَىٰ دَلْوَهُ ۖ قَالَ يَا بُشْرَىٰ هَٰذَا غُلَامٌ ۚ وَأَسَرُّوهُ بِضَاعَةً ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ﴾(یوسف:۱۹)

ان سب آیات میں حال کے اعمال کی طرف اشارہ ہے؛ لہٰذا علیم بما یعملون سے تعبیر کیا ہے۔

(۴) رزق وغیرہ کی تقسیم:

قضائے الٰہی نے انسانوں میں بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، وہ جب ہم سے مخفی ہوتی ہے تو ہم رزق اور دیگر انعامات یا پریشانیوں کے موقع پر تقسیم الٰہی پر اعتراضات کرتے ہیں، لیکن جو لوگ تقدیر الٰہیہ کو برحق مانتے ہیں اور اللہ پاک کے علم کو محیط مانتے ہیں وہ اس تقدیر پر راضی رہتے ہیں۔

(۵) اوامر ونواہی:

اوامر ونواہی کے بعد صفت علیم کا آنا ہی انسب ہے، کیونکہ یہ دونوں طلب کے لئے ہیں، اور اللہ تعالیٰ تخلیق انسانی سے پہلے اس طلب کی تنفیذ کو جاننے والے ہیں، وہ اوامر ونواہی کے طلب اور نہی کے اسباب، دواعی اور بواعث کو بھی جانتے ہیں، گویا اوامر ونواہی کا علیم سے اختتام بندوں کو اطمینان دلانا ہے، کہ جو ذات امر و نہی فرما رہی ہے وہ انسانوں کی تمام کیفیات، احوال اور استعداد وغیرہ کو جانتی ہے، حکمتِ تامہ وحجت بالغہ سے ہی احکام نافذ کرتی ہے؛ لہٰذا اس کی مخالفت

نہ کی جائے بلکہ بجا آوری ہی کی جاوے۔

﴿وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۚ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۚ وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ (بقرہ:۲۳۱)

﴿وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ۚ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ۚ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ﴾(بقرہ:۲۸۳)

﴿يَسْتَفْتُوْنَكَ ۚ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ۚ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۚ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ (نساء:۱۷۶)

حاصل یہ ہے کہ پانچوں محور ایک ہی لڑی میں پروئے ہوئے ہیں، اور وہ ہے انسان کا غیب سے جاہل ہونا، پس صفت خلق، احوال عباد (ماضی و مستقبل) ان کی چھپی ہوئی باتیں، وسوسے اور اوامر ونواہی سب غیب کے زمرہ میں داخل ہیں، اور اس جہالت کو علیم ذات کے علاوہ کوئی دور نہیں کرسکتا۔ اور دوسری حیثیت سے صفت علیم انسان کو تقدیر پر راضی رہنا سکھاتی ہے، اور اللہ تعالی کی طرف سے ثواب واجر کی بشارت بھی دیتی ہیں، کیونکہ وہ بندہ کی اطاعت کے جذبہ واخلاص کو خوب جانتا ہے، جبکہ صفت علیم منافقین، کافرین وظالمین کو تنبیہ بھی کرتی ہے، جیسے کہ سورہ بقرہ ۹۵ میں فرمایا:

﴿وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۚ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ﴾۝۹۵

امام رازیؒ فرماتے ہیں:

﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ﴾ فهو كالزجر والتهديد لانه اذا كان عالما بالسر والنجوى، ولم يكن اخفاء شيئ عنه صار المكلف لذلک من اعظم صوارف عن المعاصی. (تفسیر رازی: ۲/۲۰۸)

سورۂ نمل آیت ۶ میں حکیم علیم ہے، ظاہراً علیم کا مقدم ہونا مناسب معلوم ہوتا ہے؛ لیکن سیاق حکیم کے مقدم ہونے کا تقاضا کرتا ہے؛ کیونکہ کفار نے آپ ﷺ سے رسالت کی دوسری دلیلیں اور نشانیاں طلب کی تھی، گویا اس کے ذریعہ وہ آپ کی رسالت کو غلط ثابت کرنا چاہتے تھے، تو اللہ پاک نے جواب میں فرمایا کہ یہ قرآن کریم آپ کا کلام نہیں ہے؛ بلکہ حکیم علیم کی طرف سے ہے، اس جگہ علیم کے بجائے حکیم پہلے لانا بہت مناسب ہے۔

قال أبوالسعود : " والجمع بين العلم والحكمة مع دخول العلم في الحكمة لعموم العلم، ودلالة الحكمة على اتقان الفعل". لأن الحكمة هي " العلم بالأشياء على ما هي عليه ،والإتيان بالأفعال على ما ينبغي". (ارشادالعقل والسلیم الی مزایا الکتاب الکریم:۶/۲۷۳)

دوسری آیات میں علیم وحکیم کی حکمت یہی ہے کہ علیم پہلے ہے؛ کیونکہ سیاق کے جاری ہونے میں علم اہم ہے، وہ آیات یہ ہیں: (بقرہ:۳۲،نساء:۲۶، یوسف:۶، ۸۳) ان تمام آیات میں تعلیم کے سلسلہ میں گفتگو ہے،(۱) آدم علیہ السلام کو علم سکھلانا۔ (۲) مؤمنین کے سامنے احکام کی تبیین کرنا جو علم کے بغیر نہیں ہوسکتی۔(۳) تاویل حدیث سکھلانا۔(۴) اخوان یوسف کی کذب بیانی کا علم رکھنا۔

صفت علیم منفرداً (۲۶) مقامات پر مذکور ہے:

(۱) ﴿وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ (بقرہ:۲۹)

وہی ایک پاک ذات ہے کہ جس نے پیدا کیا تمہارے منافع اور فوائد کے لیے جو کچھ زمین میں ہے،سب کا سب،حتیٰ کہ سمیات اور نجاسات بھی نفع سے خالی نہیں، جاننا چاہئے کہ کسی چیز سے انتفاع یعنی نفع حاصل کرنا اور چیز ہے اور کھانا اور چیز ہے،انتفاع کی اجازت اور اباحت سے کھانے کی اجازت اور اباحت لازم نہیں، پھر وہ رب العزت متوجہ ہوا آسمانوں کی تخلیق وتکوین کی طرف، پھر ٹھیک ان کو سات آسمان بنائے کہ کہیں ان میں سوراخ وشگاف اور ٹیڑھا پن نہیں اور وہ پروردگار ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے کہ کیوں اور کس کے لیے پیدا کیا۔(معارف القرآن ادریسی)

صفت علم قدرت اور امور نافذ کرنے کا مبدأ ہے،لہذا اس کو اکیلے ذکر کیا۔

(۲) ﴿وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ﴾ (بقرہ:۲۱۵)

اے ہمارے نبی! یہ لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ خدا کی خوشنودی اور ثواب کے لیے کیا خرچ کریں، آپ فرمادیجئے کہ یہ سوال مت کرو کہ کیا خرچ کریں، یہ چیز تو بالکل واضح ہے کہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے کوئی خاص شئ اور خاص مقدار معین نہیں، جو میسر ہو وہ خرچ کرو، ہاں! یہ سوال کرو کہ کہاں خرچ کریں،سو آپ فرمادیجئے کہ جو مال بھی خرچ کرنا چاہو تو سب سے پہلے ماں باپ کی خدمت میں صرف کرو جو تمہارے وجود ظاہری کا سبب بنے اور جس شفقت اور محبت سے تم کو پالا؛ تم اس کا عشر عشیر بھی پیش نہیں کرسکتے ،اولاد اگرچہ والدین کی مالی اور بدنی خدمت میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھے؛ لیکن والدین کی شفقت ،عنایت اور نظر محبت کی زکوۃ بھی ادا نہیں کرسکتی،اور والدین کے قرابت داروں میں خرچ کرو تاکہ صدقہ اور صلہ رحمی دونوں جمع ہوجائیں اور رشتہ داروں کے بعد یتیموں پر خرچ کرو؛ کہ باپ نہ ہونے کی

وجہ سے خود کمانے کے قابل نہیں اور ان کے بعد عام محتاجوں پر خرچ کرو اور عام محتاجوں کے بعد مسافروں پر خرچ کرو کہ جو وطن اور عزیز و اقارب سے دور ہونے کی وجہ سے بمنزلہ محتاج اور فقیر کے ہو گئے، اور اس کے علاوہ جو بھی تم خیر اور نیکی کا کام کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتے ہیں، تمہارے خرچ کی مقدار، کمیت اور تمہاری نیت کو خوب جانتا ہے۔

(معارف القرآن ادریسی)

(۳) ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴾ (بقرہ:۲۳۱)

اور اللہ کی نعمت کو یاد کرو کہ اس نے تم پر احسان کیا کہ تم کو عورتوں پر حاکم بنا دیا اور اگر وہ چاہتا تو تم کو عورتوں کے ہاتھ تلے کر دیتا اور پھر وہ بھی اسی طرح تمہارے ستانے پر قادر ہوتیں؛ اس لیے تم کو چاہئے کہ اللہ کی نعمت کا شکر کرو اور اس کی نعمت کو یاد کرو کہ اس نے تم پر کتاب اور حکمت کو اتارا، یعنی قرآن کریم اور سنت نبوی ﷺ تم کو عطا کی؛ تاکہ تم اپنے علم اور عمل کی اصلاح کرو۔ اللہ تعالیٰ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ کتاب و سنت کے مقتضیٰ پر چلو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے، طلاق اور رجعت سے جو نیت بھی کرو گے وہ اس سے مخفی نہیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

علیم سے کوئی عمل مخفی نہیں ہے، لہٰذا مخالفت پر سزا دینے پر قادر ہے، نیز تقویٰ کا تعلق قلب سے ہے، لہٰذا علیم سے عورتوں کے سلسلے کے مخفی ارادوں کی جانکاری کی طرف بھی اشارہ فرما دیا۔

(۴) ﴿وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ﴾ (بقرہ:۲۷۳)

جو کچھ تم خرچ کرو گے خواہ وہ لوگ سوالی ہوں یا بے سوالی، ان کی حاجت اور تنگی کم ہو یا زیادہ، تو اللہ تعالیٰ تم کو بقدر استحقاق کے اس کی جزا دے گا؛ اس لیے کہ اس کو تمہاری نیت خوب معلوم ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۵) ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَیُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴾ (بقرہ:۲۸۲)

اور اللہ تو تم کو دین اور دنیا کی مصلحتیں سکھاتا اور بتاتا رہتا ہے، لہٰذا تم کو اللہ کی اطاعت سے خارج نہ ہونا چاہئے اور اگر کسی حکم کی مصلحت تمہاری سمجھ میں نہ آئے تو یہ سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے، جو حکم دے اس کی اطاعت کرو؛ خواہ تمہاری سمجھ میں آئے یا نہ آئے، پہلے جملہ میں تقویٰ کی ترغیب دی اور دوسرے جملہ میں اپنی نعمتِ تعلیم کو ذکر فرمایا اور اس تیسرے جملہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمتِ شان کو بیان فرمایا۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۶) ﴿وَمَنْ یَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ﴾ (بقرہ:۲۸۳)

اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے آگاہ اور واقف ہے، تمہارے گواہی دینے، نہ دینے اور شہادت کے چھپانے اور ظاہر کرنے کو بھی بخوبی جانتا ہے، جو شہادت تم نے دل میں چھپائی ہے- اگرچہ لوگوں کو اس کا علم نہ ہو، مگر- اللہ تعالیٰ کو اس کا علم

ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۷) ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا﴾ (نساء:۳۲)

اور مت تمنا کرو تم اس چیز کی کہ جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت اور فوقیت دی ہے، خواہ وہ تفضیل باعتبار دین کے ہو یا دنیا کے ہو، مراد اس سے وہ فضائل و کمالات ہیں جو وہبی ہیں، یعنی محض اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہیں، بندہ کے عمل کو اس میں دخل نہیں؛ جیسے حسن و جمال، عقل و فہم اور مرد ہونا، اس آیت میں اس قسم کے امور خلقیہ اور وہبیہ کی تمنا اور آرزو کی ممانعت مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ ایسے امور کی تمنا اور آرزو مت کرو جو تمہارے اختیار میں نہیں، تم کو چاہئے کہ اپنی نظر و فکر کو ان فضائل و کمالات کے حاصل کرنے کی طرف متوجہ کرو کہ جس میں تمہارے عمل اور فعل کو دخل ہے، ان فضائل اور کمالات کے حاصل کرنے کی کوشش کرو جن کا حصول تمہاری سعی، جد و جہد اور کسب و اکتساب پر موقوف ہے؛ کیونکہ مردوں کے لیے حصہ ہے اس چیز سے جو انہوں نے اپنی سعی سے حاصل کیا اور عورتوں کے لیے حصہ ہے اس چیز سے جو انہوں نے اپنی سعی سے حاصل کی۔

اور سوال کرو اللہ سے اس کے فضل کا یعنی غیر کے حصہ کی تمنا مت کرو؛ بلکہ جو کچھ مانگنا ہے خدا کے فضل سے مانگو، اس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں، جس طرح اس نے اس کو دیا ہے تم کو دے گا، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے، اس کو خوب معلوم ہے کہ تمہارے حق میں کیا بہتر ہے، تم تو اللہ سے اس کا فضل مانگے جاؤ، اگر وہ تمہارے حق میں بہتر جانے گا تو تمہارے سوال کو پورا کر دے گا؛ ورنہ تمہارے اس سوال اور دعا کا تم کو قیامت میں اجر عطا فرمائے گا، جو تمہاری تمنا اور آرزو سے کہیں بالا ہوگا، اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ علیم اور حکیم ہے، اس نے جس کو جو فضیلت عطاء کی ہے وہ سراسر علم اور حکمت کے مطابق ہے، تم اپنی لاعلمی اور نادانی کی وجہ سے خلجان میں مت پڑو اور کسی کی خدا داد فضیلت اور فوقیت کو دیکھ کر حرص، تمنا اور آرزو کی دلدل میں مت پھنسو۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۸) ﴿ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا﴾ (نساء:۷۰)

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور فرمانبرداری میں لگے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو قیامت کے دن اہل انعام کے ساتھ گنے گا اور باوجود قصور رتبہ کے ان کو کاملین ہی کی شمار اور ذیل میں لیا جائے گا، ان حضرات کی رفاقت اور معیت بھی بڑی دولت اور فضیلت کی بات ہے، اور یہ فضیلت ان کو محض اللہ کے فضل و کرم سے ملی ہے؛ ورنہ ان کی اطاعت اس کے لیے کافی نہ تھی اور رہروان آخرت کے لیے یہ گروہ بہترین رفیق طریق ہیں اور ان حضرات کی معیت اور رفاقت یہ محض اللہ کا فضل ہے کہ عمل تو تمہارا اس درجہ کا نہ تھا، مگر حق تعالیٰ نے محض اپنے فضل اور مہربانی سے تم پر یہ انعام کیا

کہ کاملین کی معیت اور رفاقت سے سرفراز کیا؛ ورنہ قاعدہ کا اقتضاء یہ تھا کہ ہر عمل کا اجرا اسی کے درجہ کے مطابق دیا جائے، اور اللہ تعالیٰ کافی ہے جاننے والا، اس کو خوب معلوم ہے کہ یہ اطاعت کس درجہ کی ہے اور استحقاق سے زیادہ کسی کو کچھ دے دینا یہ فضل ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۹) ﴿وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا﴾ (نساء:۱۲۷)

یتیموں کے بارہ میں عدل اور انصاف کو قائم رکھو اور اس کے علاوہ جو بھلائی اور نیکی کروگے وہ سب اللہ کو معلوم ہے، تم کو اس کی جزاءِ خیر دیں گے، مطلب یہ ہے کہ سورت کے شروع میں عورتوں اور یتیموں کے بارہ میں جو آیتیں نازل ہو چکی ہیں وہ اب بھی حسبِ سابق واجب العمل ہیں، جیسا کہ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى - يتامى النساء کے بارہ میں نازل ہوئی اور وَاٰتُوا الْيَتٰمٰى اَمْوَالَهُمْ بِالْقِسْطِ یتیموں کے اموال کی حفاظت کے بارہ میں نازل ہوئی۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۱۰) ﴿وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ (نساء:۱۷۶)

اللہ تعالیٰ تمہارے لیے ان احکام اور فرائض (کلالہ کی وراثت کے مسائل) کو اس لیے بیان کرتا ہے کہ لاعلمی کی بناء پر تم گمراہ نہ ہو جاؤ اور کسی کو حق سے کم یا زائد نہ دے دو اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے، تم کو چاہئے کہ اس کے حکم کے پابند رہو اور اپنی ناقص رائے سے اس میں دخل نہ دو؛ کیونکہ تمہیں خود اپنی ہی مصلحتوں کا علم نہیں، دنیا کی مصلحتوں کو کیا جانو؟ (معارف القرآن ادریسی)

(۱۱) ﴿وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ (انعام:۱۰۱)

گذشتہ آیات میں جب توحید کی پانچ دلیلیں بیان کیں اور مشرکین کے عقائدِ شرکیہ کی تردید کی تو اب آئندہ آیات میں خاص طور پر نصاریٰ کے عقیدۂ ابنیت کا ابطال فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اولاد سے پاک اور منزہ ہے؛ چنانچہ فرماتے ہیں: وہ بغیر مادہ اور بغیر نمونہ کے آسمانوں اور زمین کا موجد ہے، یعنی محض نیست سے ہست کرنے والا ہے، یعنی یہ آسمان و زمین جو تمام عالم کو احاطہ کئے ہوئے ہیں سب اسی کا پیدا کیا ہوا اور بنایا ہوا ہے، جس میں ''اہرمن'' بھی داخل ہے اور حضرت عزیر اور عیسیٰؑ اور ان کی والدہ مریم صدیقہؓ اور آسمان و زمین کے تمام فرشتے بھی اس میں داخل ہیں، اس کے لیے اولاد کیسے ہو سکتی ہے، حالانکہ اس کے کوئی بیوی نہیں اور اولاد کے لیے بیوی کا ہونا ضروری ہے، اور نصاریٰ اگرچہ حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا بناتے ہیں؛ لیکن یہ جرأت اور جسارت وہ بھی نہیں کر سکے کہ معاذ اللہ حضرت مریمؑ کو خدا تعالیٰ کی بیوی قرار دے سکیں، اور خدا تعالیٰ کے لیے بیٹے اور بیوی کا ہونا اس لیے محال ہے کہ بیٹا باپ کے اور بیوی شوہر کے ہم جنس ہوتی ہے اور خدا کا ہم جنس کوئی نہیں، اور اللہ ہی نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے، پس اگر کسی ایک مخلوق کا خدا کا بیٹا ہونا جائز اور ممکن ہو تو پھر

ایک کی خصوصیت کیا ہر مخلوق کا بیٹا بننا ممکن ہوگا اور جس طرح وہ ہر شئی کا پیدا کرنے والا ہے، اسی طرح وہ ہر شئی کا جاننے والا ہے، کسی شئی کی حقیقت اور اس کی صفت اور حالت اس سے ذرہ برابر پوشیدہ نہیں، جس طرح اس کی تخلیق اور ایجاد تمام کائنات کو محیط ہے، اسی طرح اس کا علم بھی سب کو ہر طرح سے محیط ہے؛ کیونکہ بغیر علم کے پیدا کرنا ناممکن ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۱۲) ﴿إِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ (انفال:۷۵)

تحقیق اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کو جاننے والا ہے کہ کون کس کا کس قدر حق دار ہے، اسی کے مطابق میراث کا حکم دیا جو سراسر حکمت اور مصلحت پر مبنی ہے، حدیث میں ہے: إن اللّٰه قد اعطیٰ کل ذی حق حقه، فلا وصیة لوارث.

(معارف القرآن ادریسی)

(۱۳) ﴿إِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ (توبہ:۱۱۵)

بے شک اللہ ہر چیز کو جانتا ہے، یعنی تمہارے دلوں میں جو خطرہ گذرا ہے وہ اسے معلوم ہے، تحقیق اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں کی اور زمینوں کی، وہی زندہ کرتا ہے اور وہی موت دیتا ہے؛ لہٰذا تم کو چاہئے کہ اس مالک الملکوت کے احکام پر چلو جس کی سلطنت تمام آسمانوں اور زمینوں کو محیط ہے، اور اس کے دشمنوں سے بری اور بیزار رہو، ان کی زندگی میں بھی اور ان کے مرنے کے بعد بھی، اور اللہ کے سوا نہ تمہارا کوئی کارساز ہے اور نہ کوئی یار و مددگار ہے جو تم کو اس کے قہر سے بچا سکے، ممانعت سے پہلے جو کر چکے وہ معاف ہے؛ البتہ نہی اور ممانعت کے بعد اگر تم نے حکم کی خلاف ورزی کی تو کوئی بچانے والا نہیں، اگر خدا تعالیٰ سے تعلق رکھنا چاہتے ہو تو اس کے دشمنوں سے تعلق نہ رکھو۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۱۴) ﴿إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ﴾ (یوسف:۵۰)

پس جب بادشاہ کا ایلچی -خواہ وہ ساقی ہو یا کوئی اور ہو- یوسف علیہ السلام کے پاس آیا کہ بادشاہ سلامت آپ کو یاد فرما رہے ہیں، چونکہ اس طرح بلانا یہ بھی ایک قسم کی رہائی تھی؛ اس لیے یوسف علیہ السلام نے کہا: اپنے آقا کے پاس لوٹ جا، میں اس وقت تک جیل خانہ سے باہر قدم نہ نکالوں گا جب تک میرا اس تہمت سے بے قصور ہونا ثابت نہ ہو جائے کہ جس کی وجہ سے مجھ کو قید میں ڈالا گیا ہے، پس بادشاہ سے درخواست کرو کہ وہ تحقیق کرے کہ کیا حقیقت حال ہے ان عورتوں کی؛ جنہوں نے زلیخا کی مجلس میں مجھے دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے۔

تحقیق میرا پروردگار عورتوں کے مکر و فریب کو خوب جانتا ہے، ان عورتوں نے میرے ساتھ بڑے بڑے مکر کیے اور سب نے مل کر مجھ پر زور دیا کہ تجھے اپنی سیدہ کا کہنا ماننا چاہئے اور اس طرح مجھ کو قید ہونا پڑا، اللہ کو سب معلوم ہے، تم

بھی ذرا تحقیق کرلو؛ تاکہ تم کو معلوم ہو جائے کہ خطاء کس کی ہے؟ اصل مکروفریب تو زلیخا کا تھا، مگر چونکہ سب عورتیں ان کی حامی اور مددگار تھیں؛ اس لیے عام عنوان اختیار کیا۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۱۵) ﴿وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ (نور: ۳۵)

اللہ تعالیٰ لوگوں کی ہدایت کے لیے یہ مثالیں بیان کرتا ہے؛ تاکہ ان پر حق اور باطل کا فرق واضح ہو جائے اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے کہ کون اس نور کے لائق ہے اور کون نہیں؟ جو دینے والا ہے وہ جاننے والا بھی ہے، اللہ تعالیٰ کو تمام کائنات کا ان کے وجود سے پہلے علم تام اور علم محیط تھا۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۱۶) ﴿وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ (نور: ۶۴)

جان لو کہ اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، وہی سب کا مالک ہے؛ اس لیے کہ وہی سب کا خالق ہے، خوب جانتا ہے جس حالت پر تم ہو، یعنی تمہارے ایمان اور نفاق سے خوب واقف ہے اور جس دن یہ لوگ اس کی طرف لوٹائے جائیں گے، یعنی قیامت کے دن وہ ان کو ان کے برے بھلے اعمال سے آگاہ کردے گا، اور ہر ایک کو اس کے موافق جزا دے گا، اور اللہ تو ہر چیز کو جانتا ہے، اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۱۷) ﴿اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ (عنکبوت: ۶۲)

اللہ تعالیٰ ہی فراخ اور کشادہ کرتا ہے روزی کو جس کے لیے چاہے اپنے بندوں میں سے، اور تنگ کرتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے، رزق کی فراخی اور تنگی سب اللہ کی مشیت اور حکمت پر ہے، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز سے خوب آگاہ ہے، تنگی اور فراخی کی مصلحت اس پر پوشیدہ نہیں؛ لہٰذا یہ سمجھنا کہ ہجرت سے رزق کی وسعت ختم ہو جائے گی، خیال خام ہے، حسب الحکم اور حسب الہدایت تدبیر میں لگے رہو، مگر نظر اور بھروسہ ہماری تقدیر پر رکھو۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۱۸) ﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا﴾ (احزاب: ۴۰)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اور خدا کے آخری نبی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت سلسلۂ نبوت کی آخری لڑی اور آخری کڑی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے نبوت کا دائرہ پورا ہو گیا اور آپ جسمانی اور نسبی حیثیت سے کسی مرد کے باپ نہیں، البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم روحانی باپ ہیں اور روحانی باپ اور جسمانی باپ کے احکام الگ الگ ہیں، اور ہے اللہ سب چیزوں کو جاننے والا، اس نے اپنے علم وحکمت سے نبوت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم فرمایا، ﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ﴾ یعنی اللہ خوب جانتا ہے، جہاں وہ اپنی نبوت اور رسالت کو رکھتا ہے، اور وہی خوب جانتا ہے کہ کون شخص اس لائق ہے کہ آخری نبی بنایا جائے اور جب آپ کے بعد کوئی نبی نہیں تو رسول بدرجۂ اولیٰ نہیں؛ اس لیے کہ مقام رسالت

مقام نبوت سے اخص ہے، ہر رسول تو نبی ہے مگر ہر نبی رسول نہیں، یعنی رسول اور نبی میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے، نبی عام ہے اور رسول خاص ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۱۹) ﴿إِن تُبْدُوا شَيْئًا أَوْ تُخْفُوهُ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا﴾ (احزاب:۵۴)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہراً اور باطناً ایذاء پہنچانا حرام ہے؛ حتیٰ کہ ایذاء کا تصور اور خیال بھی حرام ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ اگر اس قسم کی کوئی چیز ظاہر کرو اور بعض ازواج نبی سے نکاح کر لینے کا لفظ زبان پر لاؤ یا اس بات کو دل میں چھپائے رکھو اور زبان پر نہ لاؤ تو بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو۔چھپی ہو یا کھلی۔خوب جانتا ہے، اور تم کو اس پر سزا دے گا، مطلب یہ ہے کہ ازواج مطہرات دنیا اور آخرت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیاں ہیں اور تمام مسلمانوں کی مائیں ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان سے نکاح کا تصور اور خیال بھی گناہ عظیم ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۲۰) ﴿لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾

(شوریٰ:۱۲)

یقیناً وہ پروردگار اپنی ذات وصفات میں ایسا کامل اور برتر ہے کہ اس کا کوئی مثل نہیں ہے، اسی کے اختیار میں ہیں کنجیاں آسمانوں اور زمین کی، اسی کے تصرف میں تمام کائنات ہے، جب چاہا کسی چیز کو خواہ رزق ہو، عمل، ہدایت و گمراہی ہو، راحت و تکلیف ہو، نفع ونقصان، صحت و بیماری ہو، عزت و ذلت ہو، ان سب چیزوں کی کنجیاں اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں، اگر وہ کسی چیز کو کھول دے تو کوئی دوسرا بند نہیں کرسکتا، اور اگر بند کردے تو کھول نہیں سکتا، یہ سب باتیں دلائل سے ثابت ہیں، جن کے انکار کی عقلاً تو کوئی گنجائش نہیں، اسی کے قبضہ میں رزق ہے، جس کے واسطے چاہے رزق پھیلا دے اور جس کے واسطے چاہے تنگ کردے، بے شک وہی ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے، جانتا ہے کہ جس کو رزق زیادہ دیا تو کس حکمت سے دیا، اور جس پر تنگی کی تو کس حکمت سے کی۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۲۱) ﴿قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ﴾ (یٰس:۷۹)

ہمارے لیے ایک مثال بیان کرنے لگا اور اپنی پیدائش کو بھول گیا، اور ایک بوسیدہ ہڈی کو ہاتھ میں لے کر یہ کہنے لگا کہ ان بوسیدہ اور گلی سڑی ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا، جیسے ابی بن خلف یا عاص بن وائل یا دونوں جو بعث اور حشر کے منکر تھے، وہ یہی کہتے تھے۔

اے ہمارے نبی! آپ اس سے کہہ دیجئے کہ ان ہڈیوں کو وہی زندہ کرے گا جس نے اپنی قدرت کاملہ سے ان کو اول مرتبہ پیدا کیا اور وہ ہر مخلوق کو اور ہر قسم کی پیدائش کو تفصیل کے ساتھ خوب جانتا ہے، کوئی مخلوق اپنی پیدائش سے اتنی آگاہ

نہیں جتنا کہ خالق اپنی مخلوق اور اس کی پیدائش سے آگاہ ہے، اس کو ذرہ ذرہ کی کنہ وحقیقت کا کمال علم حاصل ہے، اور ذرہ ذرہ اس کے قبضۂ قدرت میں مسخر ہے، جو ذرہ ہَوا میں اڑتا پھرتا ہے وہ بھی اسی کے قبضۂ قدرت میں مسخر ہے، وہ جب چاہے ان ہوا کے ذرات کو جمع کر کے زندہ کرسکتا ہے اور یہ تمام ذرات جو ہوا میں اور خلاء میں پراگندہ ہیں وہ سب اس کو تفصیل کے ساتھ معلوم ہیں، وہ ہر شخص کے اجزاء کو متفرق اور پراگندہ ہونے کی حالت میں خوب جانتا اور پہچانتا ہے، وہ ان اجزاء کے جمع کرنے اور اکٹھا کرنے اور ملانے پر خوب قادر ہے، جس طرح وہ ان اجزاء کے متفرق کرنے پر قادر ہے اسی طرح وہ ان کے جمع کرنے پر بھی قادر ہے، آخر کیا یہ نطفہ انسان کے متفرق اجزاء کا مجموعہ نہیں جن سے یہ انسان پیدا ہوا ہے۔

بوسیدہ ہڈیوں کا دوبارہ زندہ کر دینا اتنا عجیب نہیں جتنا کہ انسان کے جسم میں سے اجزاء بسیطہ کو ایک نطفہ کی شکل میں نکال کر انسان کو پیدا کرنا عجیب وغریب ہے، یہ نادان انسان اپنی اصل خلقت کو بھول گیا کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح اس کے تمام بدن سے ذرات بسیطہ اور اجزاء لاتجزیٰ کو نطفہ کی شکل میں جمع کیا، اس نطفہ میں تمام جسم کے اجزاء لاتجزیٰ جمع ہیں، اس نطفہ میں آنکھ، کان، منہ، ہاتھ، پیر، کمر، پیٹ اور ٹانگیں سب جمع ہیں اور سب اللہ کے علم میں ہیں، جس طرح ایک تخم میں درخت کی تمام شاخیں، پتے، پھول اور پھل ذرات بسیطہ اور لاتجزیٰ کی شکل میں اجمالاً موجود ہوتے ہیں۔

اسی طرح سمجھو کہ تمام اعضاء انسانی کے ذرات بسیطہ اور اجزاء لاتجزیٰ اجمالاً نطفہ میں جمع ہوتے ہیں، یہ ناپاک اور گندہ قطرہ جب رحم میں داخل ہوجاتا ہے، تو چند ماہ میں اس سے ابی بن خلف اور عاص بن وائل جیسا جھگڑالو انسان پیدا ہوتا ہے، اور ایک بوسیدہ ہڈی کو ہاتھ میں لے کر اڑاتا ہے اور خداوند قدیر کے عجز کے لیے ایک مثال بیان کرتا ہے اور اس وقت اس کی عقل ایسی بوسیدہ اور پراگندہ ہوجاتی ہے کہ اپنی پیدائش کو بھول جاتا ہے کہ خدا نے مجھ کو کس طرح پیدا کیا ہے۔

جس ذات نے اس کو پہلی بار نطفہ سے (یعنی جسم کے اجزاء متفرقہ) بنایا اور پہلی بار اس کو پیدا کیا ہے، وہی ذات پاک دوسری بار بھی اس کے اجزاء متفرقہ کو جمع کر کے زندہ کرنے پر قادر ہے، انسان جس طرح اپنی اشیاء مملوکہ اور مصنوعہ کے اجزاء متفرقہ کے جمع اور تفریق پر قادر ہے تو اس بوسیدہ عقل والے کو خدا تعالیٰ کی جمع وتفریق میں کیوں شبہ لاحق ہوا، **وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ** خدا تعالیٰ پر کوئی شیٔ پوشیدہ نہیں، وہ اپنی مخلوقات کی حقیقت اور کیفیت سے پورا پورا خبردار ہے، بخلاف بندہ کے کہ اس کو اپنی مصنوعات کی بھی پوری خبر نہیں ہوتی، بندہ کا علم اور اس کی قدرت گھٹتی اور بڑھتی ہے اور خدا تعالیٰ کا علم اور اس کی قدرت ازلی اور ابدی ہے، وہ اپنی ہر مخلوق کو مجملاً اور مفصلاً خوب جانتا ہے، اس کی قدرت کے اعتبار سے پہلی بار پیدا کرنا اور دوسری بار پیدا کرنا سب برابر ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۲۲) ﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا﴾ (فتح:۲۶)

جب کہ رکھی کافروں نے حمیت اور ضد اپنے دلوں میں، جاہلیت کے زمانہ جیسی ضد نادانی کی؛ لیکن اللہ نے سکون کی کیفیت اتاری اپنے رسول پر اور ایمان والوں پر؛ باوجودیکہ سخت اضطراب اور بے چینی کا عالم تھا، اور صحابہ جذبۂ جہاد اور شوق شہادت سے مخمور تھے اور قائم رکھا ان پر تقویٰ کا کلمہ کہ وحی الٰہی فرمان رسول ﷺ کے سامنے صحابہ سراپا پیکر تقویٰ بن گئے اور حقیقت یہ ہے کہ وہی اس کے لائق تھے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی کہ اللہ سے ڈر کر اس کی نافرمانی سے باز رہے، اور حرم وکعبہ کا ادب ہر حال میں ملحوظ رکھا، تو اللہ نے تقویٰ اور طہارت کا یہ وصف اصحاب رسول ﷺ کی زندگیوں کے ساتھ لازم کردیا کہ ان کی حیات اور عمل؛ تقویٰ اور تقویٰ کے تقاضوں سے جدا نہیں ہوسکتا اور کل امت میں وہی اس کے سب سے زیادہ مستحق اور اس کا حق ادا کرنے کے اہل تھے کہ جن کو خدا نے اپنی حکمت اور علم محیط سے چن لیا تھا، اور بے شک اللہ تو ہر چیز کا خوب علم رکھنے والا ہے، وہی جانتا ہے کہ کس کے واسطے تقویٰ لازمۂ حیات بنایا جاسکتا ہے، اور کس کو تقویٰ کا پورا پورا حق ادا کرنے کے واسطے منتخب کیا جاسکتا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۲۳) ﴿وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ (حجرات:۱۶)

اے ہمارے پیغمبر! کہہ دو: کیا تم جتلاتے ہو اللہ کو اپنی دینداری؛ حالانکہ اللہ تو جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۲۴) ﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ (حدید:۳)

وہی اول ہے اور وہی آخر ہے، ایسا اول کہ اس کی کوئی ابتداء نہیں اور ایسا آخر کہ اس کی کوئی انتہاء نہیں اور وہی ظاہر ہے اور وہی باطن ہے، اور وہی ہر شیٔ کا خوب جاننے والا ہے۔

ہر شیٔ کا وجود، اس کا ظہور، اس کا بقاء اور اس کے زمانۂ بقاء کے تغیرات اور جملہ احوال اسی کے علم میں ہیں، وہ ازلی ہے کہ اس کی کوئی ابتداء نہیں، وہ ذات ابدی ہے کہ ہر چیز فنا ہوجائے گی؛ لیکن وہ باقی رہے گا۔ ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ﴾ عرش سے لے کر فرش تک ہر موجود اس کے وجود کی دلیل ہے، اس سے بڑھ کر کیا کوئی چیز روشن ہوگی کہ چاند، سورج، ستارے اس کی خالقیت وقدرت کی گواہی دے رہے ہیں، حتی کہ انسان کا سانس جو اس کی زندگی کو قائم رکھے ہوئے ہیں؛ اس کی ہر آمد ورفت قدرت خداوندی کی گواہی دے رہی ہے، اس طرح روشن اور ظاہر وباہر ہونے کے ساتھ ایسا لطیف اور خفی ہے کہ نہ نگاہیں ادراک کرسکتی ہیں اور نہ ہی اس کی ذات وصفات کا احاطہ انسانی عقول کرسکتی ہیں، ایسا علیم کہ اس کی نظر اور علم سے ایک ذرہ بھی اوجھل نہیں ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۲۵) ﴿اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ (مجادلہ:۷)

اے مخاطب! کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ جانتا ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے، انسانوں کے اعمال تو کیا ہر ذرۂ کائنات اس کی نظروں کے سامنے ہے، کوئی بھی سرگوشی اور مشورہ تین آدمیوں کا نہیں ہوتا ایسا کہ وہ ان کا چوتھا نہ ہو، اور نہ پانچ کا جہاں وہ نہ ہوتا ہو ان کا چھٹا، اور نہ اس سے کم اور نہ اس سے زائد کا کوئی مشورہ و سرگوشی مگر یہ کہ وہ پروردگار ان کے ساتھ ہوتا ہے، جہاں کہیں بھی وہ ہوں، غرض کوئی مکان و زمان، کوئی حالت اور مجلس و سرگوشی اور کوئی مخفی سے مخفی عمل ایسا نہیں ہوسکتا کہ اس کا علم اس کو محیط نہ ہو، چھپ کر مشورے کرنے والوں کو اس دھوکہ میں نہ رہنا چاہئے کہ ہم خدا کی نظروں سے چھپے ہوئے ہیں، اس کو سب کچھ معلوم ہے اور وہ ہر چیز محفوظ رکھتا ہے؛ اس لیے پھر ان کو آگاہ کر دے گا اور جتلا دے گا قیامت کے روز ان اعمال کو جو انہوں نے کیے، بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے، اس بناء پر تو کسی کو حق تعالیٰ کی عظمت وکبریائی سے غفلت نہیں برتنی چاہئے، جیسا کہ کچھ منافقین و یہود کرتے تھے۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۲۶)﴿وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ (تغابن:۱۱)

ایمان کی حقیقت اس بات کا بھی تقاضا کرتی ہے کہ مؤمن اپنی زندگی کے ہر مرحلہ پر یہ بھی یقین رکھے کہ نہیں پہنچتی ہے کوئی مصیبت مگر اللہ ہی کے حکم سے، اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے اللہ اس کے قلب کو سیدھا راستہ بتاتا ہے اور اللہ ہر چیز خوب جاننے والا ہے، تو جو لوگ تکلیف و راحت اور نرمی و سختی؛ غرض ہر حالت کو اللہ کی ہی طرف سے جانتے ہوئے اسی کے حکم سے فرمانبردار و مطیع رہیں گے، خدا تعالیٰ ان کے اعتقاد و عمل اور ہر حالت کا خوب علم رکھنے والا ہے اور اس پر بدلہ بھی دینے والا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

حکیم علیم

صفت علیم صفت حکیم کے ساتھ ۵ جگہوں پر مذکور ہے:

قاعدہ: اسماء حسنیٰ متجاورہ میں کبھی ترتیب بدل جاتی ہے، مثلاً کسی جگہ "العلیم الحکیم" تو کسی مقام پر "**الحکیم العلیم**" مستعمل ہوتی ہے، **علیم و حکیم** انتیس (۲۹) مقامات پر اور **حکیم علیم** سات مقامات پر مستعمل ہوئی ہیں۔

ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ اللہ پاک کے اپنے بندوں کے سلسلے کے فیصلے اور تقدیریں (جو بندوں کے اختیار و ارادہ سے ظہور پذیر ہو رہے ہیں) ایسی عجیب و غریب اور لطیف و غامض ہوتے ہیں کہ حکیم و علیم ذات کے علاوہ کوئی اس کو جان سکتا نہیں ہے۔

البتہ سیاق و سباق کا مضمون صفات کی ترتیب کو واضح کرتا ہے، مثلاً جب غیب، تخلیق، احوال یا تعلیم وغیرہ امور پر گفتگو ہو تو آیت علیم و حکیم پر ختم ہوتی ہے، کیوں کہ سیاق سے علم کی طرف اشارہ کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے، اور جب سیاق میں

اللہ تعالیٰ کے کسی عجیب وغریب فعل کا ذکر ہو اور اس کے سبب کے متعلق سوال پوشیدہ ہو تو آیت کا ختم حکیم علیم سے ہوتا ہے، اور یہ جملہ اپنے ماقبل کی تعلیل بیان کرتا ہے، کیونکہ آیت کا عجیب وغریب اور خلاف ظاہر واقعہ ذہن میں سوال پیدا کرتا ہے تو حکیم سے ابتداء اس سوال کا جواب ہو گیا کہ یہ حکیم کا فعل ہے جو کسی حکمت کے ماتحت ہوگا، کیونکہ وہ علیم بھی ہے۔

(۱) ﴿نَرۡفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنۡ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيۡمٌ عَلِيۡمٌ﴾ (انعام: ۸۳)

میرا پروردگار علم کے لحاظ سے ہر شئ کا احاطہ کئے ہوئے ہیں، کوئی شئ اس کے علم سے باہر نہیں، پس تم کیا نصیحت نہیں پکڑتے کہ عاجز اور قادر کے درمیان فرق سمجھو، ڈرنے کے قابل وہ ذات ہے کہ جس کا علم اور اس کی قدرت تمام کائنات کو محیط ہو اور تمہارے معبودوں میں یہ دونوں صفتیں مفقود ہیں؛ کیونکہ تمہارے یہ بت پتھر ہیں؛ نہ ان کو کسی چیز کی خبر ہے اور نہ کسی کو نفع اور نقصان پہنچا سکتے ہیں، اور میں کس طرح ڈروں ان چیزوں سے جن کو تم اللہ کے ساتھ شریک کرتے ہو؟! وہ تو پتھر ہیں؛ نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں اور نہ کسی کو نفع اور نقصان پہنچا سکتے ہیں، اور تم اپنے اس جرم عظیم سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ ان چیزوں کو گردانا جن کی شرکت پر اللہ نے کوئی سند نہیں اتاری۔

اور یہ حجت اور دلیل-جو ابراہیمؑ نے اپنی قوم پر پیش کی-یہ ہماری تلقین کردہ حجت اور دلیل ہے، جو ہم نے ابراہیمؑ کو اس کی گمراہ قوم کے مقابلہ میں عطاء کی؛ تاکہ اپنی قوم پر حجت قائم کرے، یعنی ابراہیمؑ نے قوم کے مقابلہ میں جو دلائل و براہین بیان کئے وہ ہماری تعلیم و تلقین تھی، کسی معلم بشری اور استاذ انسانی کی تعلیم کا اثر نہ تھا، ہم جس کو چاہتے ہیں درجات اور مراتب کے اعتبار سے اتنا بلند کر دیتے ہیں کہ کسی کی مجال نہیں کہ اس درجہ اور مرتبہ تک پہنچ سکے، بے شک تیرا پروردگار حکمت والا ہے، جس کو چاہتا ہے علم وحکمت سے اور دلیل وحجت سے نوازتا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

پہلی آیت "نرفع درجات من نشاء" (انعام: ۸۳) میں سیدنا ابراہیمؑ نے توحید کے بارے میں دلائل عقلیہ سے بحث کی تو رفع درجات ہوئے اور رفع درجات حکمت وعلم کا تقاضہ کرتے ہیں، تو جملہ اسمیہ سے (جو دوام وتاکید کو چاہتا ہے) اس کو مؤکد کیا۔ اور حکیم کو علیم پر مقدم کیا کیونکہ رفع درجات کے فرق کو ملحوظ رکھنا حکیم کا کام ہے، لہٰذا فرق مراتب میں انصاف سے کام لیا گیا اور ساتھ میں علم کے کمال نے بتایا کہ یہ رفع درجات حکمت کے ساتھ علم کے تقاضہ کے بھی موافق ہے۔

(۲) ﴿اِنَّ رَبَّكَ حَكِيۡمٌ عَلِيۡمٌ﴾ (انعام: ۱۲۸)

اور جس دن خدا تعالیٰ جن اور انس کو جمع کرے گا اور فرمائے گا اے گروہ جنات تم نے انسانوں کے گمراہ کرنے میں بڑا حصہ لیا، اور آدمیوں میں سے جو ان کے دوست ہیں وہ یہ کہیں گے: اے پروردگار ہم نے ایک دوسرے سے فائدہ اٹھایا، ہم اس میعاد اور مدت کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لیے مقرر کی تھی، حق تعالیٰ فرمائے گا: تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور

اس آگ کے ٹھکانہ میں تم سب ہمیشہ رہوگے مگر یہ کہ خدا ہی کسی کو نکالنا چاہے، بے شک تیرا پروردگار حکمت والا جاننے والا ہے، اس کا کوئی کام علم وحکمت سے خالی نہیں، کفار کے دائمی عذاب میں بھی حکمت ہے، اسے تمام جرائم کا علم ہے، جس درجہ کا جرم ہے اسی درجہ کی سزا ہے، جو سزا - یعنی دائمی عذاب - حق تعالیٰ نے ان کے لئے تجویز فرمائی ہے وہ نہایت مناسب ہے اور عین حکمت اور عین صواب ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

حکیم کو مقدم کرنے میں حکمت:

حکیم کو علیم پر مقدم کیا کیونکہ شرک کی سزا میں ہمیشہ کا خلود فی النار یہ حکیم کی حکمت کا تقاضہ ہے، اور علیم کی صفت سے اشارہ ہے کہ کوئی چیز اس سے مخفی نہیں کہ نعوذ باللہ ناواقفیت یا عدم علم کی بنیاد پر کسی کے ساتھ ظلم کیا جاوے۔

(۳) ﴿إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ﴾ (انعام: ۱۳۹)

عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو اس جھوٹ اور افتراء کی سزا دے گا، بے شک وہ حکمت والا جاننے والا ہے، اسے سب خبر ہے، کسی حکمت سے مہلت دے رکھی ہے، مشرکین کی چند جہالتوں اور حماقتوں کو بیان کیا، جن میں سب سے زیادہ قبیح عقلاً وشرعاً قتل اولاد کا جرم تھا۔ (معارف القرآن ادریسی)

جانوروں کے کھانے کے سلسلے میں مردوں وعورتوں کے درمیان فرق کرنا، اور مردہ میں سب کا شریک ہونا یہ ان کی نادانی ہے، اور اپنی طرف سے حلال کو حرام کرنا ہے، اس حلت وحرمت کی حکمت وہ نہیں جانتے ہیں، پھر بھی اپنی ناقص عقل سے ایسی حکیم ذات کا مقابلہ کرتے ہیں جو علم کامل رکھتی ہے، جس کو حلال وحرام کا علم بھی ہے اور اس گناہ پر کیا سزا دینی ہے وہ بھی جانتا ہے، گویا یہ تعلیلا سوال کا جواب بھی ہے۔

(۴) ﴿إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ﴾ (حجر: ۲۵)

اور بے شک تیرا پروردگار سب کو میدان حشر میں جمع کرے گا، بلاشبہ وہ بڑی حکمتوں والا خبردار ہے، وہ قیامت کے دن ہر شخص کے ساتھ اس کی نیت اور عمل کے مطابق معاملہ کرے گا، اس کے علم وحکمت کا اندازہ لگانا ناممکن اور محال ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

سب کو جمع کر کے حساب کتاب قائم کرنا اور اچھے کو اچھائی اور برے کو برائی کا بدلہ دینا اس کی حکمت کے مطابق دار دنیا میں ممکن نہیں ہے تو آخرت میں ضرور حساب ہوگا، یہ حکمت انسانی سمجھ سے باہر ہے، یہ علیم ذات ہی جان سکتی ہے، اور یہ حشر پر سوال کا تعلیلی جواب بھی ہوگیا۔

(۵) ﴿إِنَّهُ هُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ﴾ (ذاریات: ۳۰)

اور بشارت دی ان کو ایک فرزند کی جو بڑا ہی علم والا ہوگا؛ کیونکہ وہ فرزند اللہ کے علم میں طے تھا کہ پیغمبر ہوں گے اور پیغمبر کا علم اپنے زمانہ میں سب سے بڑھ کر ہوتا ہے، اور یہ بشارت حضرت اسحاقؑ کی پیدائش کی تھی، جن کی نسل سے انبیاء بنی اسرائیل پیدا ہوئے، تو ابراہیم علیہ السلام کی بیوی (سارہ علیہا السلام)۔ جو ان باتوں کو سن رہی تھیں۔ سامنے سے آئی پکارتی ہوئی؛ پھر اپنے چہرہ کو پیٹا اپنے ہاتھ سے اور کہنے لگیں: اچھا بڑھیا اور بانجھ، اور عجیب ہے کہ اس کو بچہ پیدا ہوگا!

فرشتوں نے کہا: تعجب کی کیا بات ہے، خدا کی قدرت اور اس کے امر سے ایسا ہی تمہارے لیے تمہارے رب نے فیصلہ کر دیا ہے، وہ بے شک بڑا ہی حکمت والا خوب جاننے والا ہے، اگر چہ یہ بات اپنی جگہ قابل تعجب ہے؛ لیکن خداوند عالم کی بلند پایہ حکمتوں اور اس کے علم کے پیش نظر نہ اس کی قدرت میں تردد کیا جا سکتا ہے اور نہ اس کی اس حکمت پر کہ بڑھاپے کے زمانہ میں ایک بانجھ کو بچہ دے دے کوئی شبہ ہوسکتا ہے؛ بلکہ اس کی شان علیمی اور حکیمی پر ایمان رکھنے والے ہر فرد کو بلا تردد اور بلا تعجب اس پر یقین کرنا چاہئے۔ (معارف القرآن ادریسی)

چونکہ حضرت سارہؓ کو تعجب ہونا ہی آیت میں بتانا ہے تو حکیم کی صفت کو مقدم کیا کہ عجوز عقیمہ کو اولاد دینے کی حکمت وہی جانتا ہے، کیونکہ وہ **علیم بکل شیئ** ہے، علامہ ابن عاشور فرماتے ہیں: حکیم علیم کذلک قال ربک کی تعلیل ہے، لان اللّٰہ تعالی حکیم یدبر تکوین ما یریدہ، وعلیم لا یخفی علیہ حالھا من العجز والعقم.

(التحریر والتنویر: ۱۰۵/۱۴)

سمیع علیم

سورۂ عنکبوت آیت: ۶۰ ﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ میں ایک مثال دے کر سمجھایا کہ وہ عاجز جانور جو بے چارہ اپنی روزی نہیں کما سکتا، وہ آئندہ کے لئے کیا جمع کرے گا؛ لیکن اللہ پاک اس کی زبان حال و قال کو جانتا ہے، جب وہ اس بے زبان کو رزق دیتا ہے تو تمہارے جیسے بولنے والے اور طلب رزق پر قدرت رکھنے والوں کو رزق نہیں دے گا؟

اسی طرح (الاعراف: ۲۰۰، فصلت: ۳۶) میں شیطان سے پناہ مانگنے کا حکم فرماتے ہوئے سمیع وعلیم پر آیت کو ختم فرما کر یہ بتایا جا رہا ہے کہ شیطان کے وساوس خفیہ کو تم نہیں جان سکتے ہو، ہم ہی اس کو جانتے ہیں اور اس کے افعال و اعمال کو رد کر سکتے ہیں۔

قال الإمام الألوسي: "أو سميع بأقوال من آذاك، عليم بأفعاله فيجازيه عليها". (روح المعانی: ۲۱۴/۶)

اور انسان کو چونکہ ہم آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں، لہٰذا اس کے شر سے استعاذہ کے لئے سمیع بصیر فرمایا گیا۔ (غافر: ۵۶)

وأما نزغ الشيطان فوساوس وخطرات يلقيها في القلب يتعلق بها العلم، فأمر بالاستعاذة بالسميع العليم منها، وأمر بالاستعاذة بالسميع البصير في باب مايرى بالبصر ويدرك بالرؤية. (بدائع الفوائد: ۲/۴۶۳)

وہ آیات جن میں قول ظاہر کے ساتھ سمیع علیم کی صفات آئی ہے، وہ یہ ہیں۔(آل عمران: ۳۵، بقرہ: ۱۲۷، ۱۸۱، یونس: ۶۵،نساء: ۱۴۸)ان تمام آیات میں قول کی وضاحت ہورہی ہے، چاہے حضرات انبیاء کرام کی زبانی ہو یا کسی اور کی زبانی ہو۔

صفت علیم صفت سمیع کے ساتھ (۱۲) مرتبہ تاکیداً آئی ہے:

صفت سمیع اور علیم کئی مقامات میں ساتھ ساتھ آئی ہیں، ان تمام مقامات میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان سے پہلے آیت میں بھی کوئی قول ہوتا ہے یا اس سے پہلے والی آیت میں ہوتا ہے یا پھر شان نزول قول سے متعلق ہوتا ہے ،اور آیت میں سمیع کا آنا یہ دلالت کرتا ہے کہ کوئی سننے والا ہے، لہذا اس پر بحث وامعان نظر کرنا ضروری ہوتا ہے۔

علامہ ابن عاشور فرماتے ہیں: والمراد بالسميع العالم باقوالهم، التى من شانها ان يسمع، وبالعليم ماهو اعم من احوالهم التى ليست بمسموعات. (۲۶/۷)

امام بقاعی فرماتے ہیں:

سميعا اى بالغ السمع لكل قول، وان خفى، نفسيا كان اولسانيا.

(نظر الدرر فی تناسب الآیات والسور، ۲/۳۳۳)

گویا سمیع فقط اقوال کے سننے والے نہیں ہے، بلکہ وہ دلوں کے وسوسے، خطرات، ہمسات، چھپے بھید وغیرہ سب کو جانتے ہیں، صفت سمیع جب صفت علیم کے ساتھ مل جاتی ہے تو یہ کمال تمامیت پر دلالت کرتی ہے، قول کا صدور ذات سے ہوتا ہے، پس قول ایک چیز ہے اور صاحب قول کی نیت ودوافع اور دواعی قول دوسری چیز ہے لہذا اللہ پاک اقوال کے سننے کے ساتھ ان کے اخلاص، نفاق اور ریاکاری وغیرہ تمام امور کو بھی جانتے ہیں کیونکہ وہ علیم بھی ہے۔

امام بقاعی آیت کریمہ ﴿قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ﴾ (مائدہ: ۷۶) کی تفسیر میں فرماتے ہیں: قال وانما قرن بالسميع العليم دون البصير لارادہ التهديد لمن عبد غيره لان العبادة قول اوفعل، ومن الفعل مامحله القلب وهو الاعتقاد، ولايدرك بالبصر بل بالعلم.

(نظم الدرر: ۲/۳۳۳)

(۱) ﴿اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ﴾ (بقرہ: ۱۲۷)

اور اس وقت کو بھی یاد کرو کہ جب ابراہیم خود اپنے ہاتھ سے اس گھر کی بنیادوں کو اٹھا رہے تھے، یعنی اس پر تعمیر کرتے تھے اور دیواریں چنتے جاتے تھے، اور اسی طرح اسمٰعیل بھی ان کے ساتھ بلند کرنے میں مشغول تھے، اور یہ دونوں بزرگ اس وقت نہایت عجز اور انکساری کے ساتھ یہ کہتے جاتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار! اپنے فضل سے ہماری اس محنت اور خدمت کو قبول فرما، تحقیق تو ہی ہماری دعاؤں کو سننے والا ہے اور تو ہی ہماری نیت اور ہمارے ذوق وشوق کو جاننے والا ہے، محض اپنے لطف وعنایت سے اپنے عاشقان جان نثار کی اس سعی کو مشکور فرما۔ (معارف القرآن ادریسی)

﴿ربنا تقبل منا﴾:

قبولیت کے لئے سننا اور جاننا ضروری ہے، لہٰذا دعاء کے فوراً بعد **سمیع علیم** کا آنا دعاء کی قبولیت کی امید ظاہر کرتا ہے، اور دلوں کے وسوسوں اور راز نہاں کو جاننے والے، نیز سب کی ضروریات کو پورا کرنے والے، صرف اور صرف ایک اللہ پاک ہی ہیں اور کوئی نہیں ہے، لہٰذا توحید کے علم بردار سیدنا ابراہیمؑ نے دعاء میں ﴿اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ کا تاکیدی حصر فرمایا۔

(۲) ﴿اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ (بقرہ:۱۸۱)

شروع اسلام میں جب تک میراث کا حکم نازل نہ ہوا تھا تو والدین اور اقارب کے لئے وصیت فرض تھی، مقدار کی کوئی تعیین نہ تھی، وصیت کرنے والے کی صواب دید پر تھا کہ جتنی مقدار مناسب سمجھے اتنی مقدار کی وصیت کر دے، اس کے بعد جو باقی بچے وہ سب اولاد کا ہے، اس آیت میں اسی حکم کا ذکر ہے، اور چونکہ وصیت اور اقارب کی اعانت امر فطری اور جبلی ہے، اور ہر ملت و مذہب میں رائج ہے، اس لیے اس آیت کو پچھلی آیت کی طرح ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ سے شروع نہیں فرمایا، چنانچہ فرماتے ہیں کہ تم پر فرض کیا گیا کہ جب تم میں سے موت کسی کے سامنے آجائے؛ بشرطیکہ وہ اتنا مال چھوڑے کہ تجہیز وتکفین کے بعد بچ رہے، تو اس پر لازم ہے وصیت کرنا والدین اور دیگر اقارب کے لیے، مگر یہ ضروری ہے کہ وہ وصیت شریعت کے مطابق ہو، مثلاً یہ نہ کرے کہ والدین کو نظر انداز کر دے اور دور کے رشتہ داروں کو مقدم کر دے یا فقیر رشتہ دار کو محروم کرے اور دولت مند کے لیے وصیت کرے، غرض یہ کہ جو وصیت شریعت کے مطابق ہو جاتی ہے اس کا پورا کرنا خدا سے ڈرنے والوں کے لیے ضروری ہے، کسی کو اس میں تغیر اور تبدل کا اختیار نہیں، پس جو شخص حق لازم کی وصیت سن لینے کے بعد وصیت کے مضمون میں کچھ تغیر وتبدل کرے تو اس تغیر وتبدل سے جو حق تلفی ہوگی اس کا گناہ تبدیل کرنے والوں پر ہوگا، حاکم اور مفتی نے اگر ظاہر اور قواعد شریعت کی بناء پر فیصلہ کیا ہے اور فتویٰ دیا ہے تو حاکم اور مفتی گنہ گار نہ ہوگا؛ کیونکہ تحقیق اللہ تعالیٰ سننے والے اور جاننے والے ہیں، تبدیل کرنے والوں کے اقوال کو سنتے ہیں اور ان کی

نیتوں اور ارادوں کو جانتے ہیں اور حاکم اور مفتی کی معذوری کو بھی جانتے ہیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

اور لوگوں کے حیلوں ''غلط ارادوں'' غیر مستحق کو دینے اور مستحق کو محروم کرنے کے تمام طریقوں کی نیتوں اور وصیت کے عمل کو سننے اور جاننے والے ہیں، پھر بھی اس کے خلاف تبدیلی کرنے والا گویا احکام کا منکر ہے، تو بلاغت کی اصطلاح تنزیلا لہ منزلۃ المنکر کے مطابق تاکیدی حکم ذکر کیا گیا۔

(۳) ﴿وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ (بقرہ:۲۲۷)

اور اگر ان لوگوں نے قطع تعلق ہی کی ٹھان لی ہے؛ اس لیے اس نے چار مہینے کے اندر رجوع نہیں کیا اور اسی طرح اپنی قسم پر قائم رہا، تو چار ماہ گذرتے ہی اس پر طلاق پڑ جائے گی اور اللہ تعالیٰ اس کی قسم کو سننے والے اور اس کی نیت کو جاننے والے ہیں، اس لیے اس کے مناسب یہ حکم دیا۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۴) ﴿وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ (بقرہ:۲۴۴)

خدا کی راہ میں خوب دل کھول کر لڑو، خدا کی راہ میں اگر موت بھی آتی ہے تو حقیقت اس کی حیات ہوتی ہے اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے، جہاد میں جانے اور نہ جانے کی بابت جو باتیں کرتے ہو وہ سب سنتا ہے، اور جو نیت دل میں چھپاتے ہو اس کو جانتا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

واعلموا سے اس کی مزید تاکید بتائی کہ اس سلسلہ میں سستی اور غفلت نہ برتی جائے۔

(۵) ﴿وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ ۚ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ (اعراف:۲۰۰)

اور اگر اتفاقاً کسی وقت ان کی جہالت پر شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غصہ پر آمادہ کرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے شر سے بچنے کے لیے خدا سے پناہ مانگئے، بے شک اللہ تعالیٰ زبان کی بات کو سننے والا اور دل کی بات کو جاننے والا ہے، جوش اور غصہ کے وقت **اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم** پڑھنا تریاق مجرب ہے۔

(معارف القرآن ادریسی)

شیطان ہم سے چھپا ہوا ہے، اس کا مکر و تدبیر بھی مخفی ہوتی ہے، اللہ پاک ہی اس کے تمام مکر کو جانتے ہیں اور وہی اس کو ختم بھی کر سکتے ہیں، قال العلامۃ الآلوسی: **او سمیع باقوال من آذاك، علیم بافعاله فیجازیه علیها.**

(روح المعانی: ۶/۲۱۴)

(۶) ﴿إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ (انفال:۱۷)

اور اے نبی! جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں کی طرف خاک کی مٹھی پھینکی تھی تو وہ درحقیقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں

پھینکی تھی، لیکن در پردہ اللہ نے پھینکی تھی، اور اسی نے اپنی قدرت سے ایک مشت خاک کے تمام ریزوں کو تمام کافروں کی آنکھوں میں پہنچا دیا اور ان کو خیرہ اور سراسیمہ بنا دیا اور کوئی مشرک اس سے نہ بچ سکا، یعنی بشر میں یہ طاقت نہیں کہ ایک مشت خاک ایک مسلح لشکر کے ہر سپاہی کی آنکھ میں پہنچا دے اور پھر وہ مشت خاک اس لشکر جرار کی ہزیمت کا سبب بن جائے، یہ صرف دست قدرت تھا؛ جس نے ایک مشت خاک سے ایک لشکر جرار کی فوج کے منھ پھیر دیئے، اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا یہ کرشمہ تمہارے ہاتھوں سے اس لیے ظاہر فرمایا کہ اپنے بے سروسامان دوستوں کے ہاتھوں متکبر اور سرکشوں کو موت کے گھاٹ اتارے اور تاکہ اہل ایمان پر اپنی طرف سے خوب احسان کرے کہ نصرت اور غنیمت ان کو عطاء کرے، بے شک اللہ مومنوں کی دعا کو سننے والا ہے اور ان کے اخلاص اور وفاداری کو بھی خوب جاننے والا ہے۔

(معارف القرآن ادریسی)

مجاہد و منافق کے فرق اور اخلاص وریاکاری یا تکاسل وتغافل کو جانتا ہے، اور ابتلاء وآزمائش میں گھبراہٹ بھی ہوتی ہے اس موقع پر زبان کو قابو میں رکھنا اور صبر سے کام لینا یہ قول وعمل کے ذریعہ ہوتا ہے، لہذا سمیع کی صفت لائے۔

(۷) ﴿وَإِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ (انفال: ۴۲)

تم کو اللہ تعالیٰ نے بلا ارادۂ جنگ ہی ایک دوسرے سے بھڑا دیا، تم نکلے تھے تجارتی قافلہ کی تلاش میں، اور وہ نکلے تھے اپنے قافلہ کی مدد میں، لڑنے کا ارادہ کسی فریق کا بھی نہ تھا؛ لیکن اللہ کو ایک کام کرنا تھا جو اس کے علم میں ہو رکھا تھا، یعنی چونکہ اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ کفر کا زور ٹوٹے اور کافر ذلیل ہوں اور اسلام عزت پائے؛ اس لیے اس نے تم کو بغیر وعدہ کے ایک دوسرے سے بھڑا دیا؛ تاکہ اس کے بعد جو ہلاک ہو وہ حجت قائم ہونے کے بعد ہلاک ہو؛ کیونکہ وہ آیت اور عبرت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہے اور جو زندہ رہے وہ بھی حجت قائم ہونے کے بعد زندہ ہے، یعنی باوجود بے سروسامانی کے اس نے اسلام کی فتح ونصرت کا مشاہدہ کرلیا ہے اور جان لو کہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے، اللہ تعالیٰ مومن اور کافر سب کی باتوں کو سننے والا اور ان کے احوال کو جاننے والا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

دلائل واضحہ اور حجت تامہ کا سننا اور آنکھوں سے دیکھنا قول وعمل سے تعلق رکھتا ہے، لہٰذا سمیع وعلیم کی صفات کو ساتھ میں ذکر کیا۔

(۸) ﴿وَأَنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ (انفال: ۵۳)

یہ امر ثابت ہے کہ اللہ ہر قول کو سننے والا اور ہر چھپی بات کو جاننے والا ہے، اس پر نہ منافقوں کا نفاق چھپا ہوا ہے اور نہ ریاکاروں کا ریاء۔ (معارف القرآن ادریسی)

جب یہ اپنے لئے دین وایمان میں کوئی تبدیلی کرنا نہیں چاہتے اور اپنے کفر ونفاق پر جمے ہوئے ہیں تو ان کے زبانی کفر وطغیان اور نفاق کو بھی سنتا ہے اور تمام ظاہری وباطنی کیفیات کو بھی جانتا ہے، لہٰذا اس پر ان کو پورا بدلہ ملے گا۔

(۹) ﴿إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ (انفال:۶۱)

اور اگر دشمنانِ اسلام تمہاری قوت اور طاقت سے مرعوب ہو کر صلح کی طرف جھکیں تو آپ کو بھی اجازت ہے کہ اگر مصلحت سمجھیں تو صلح کی طرف جھک جائیں، شاید وہ اس بہانہ سے اسلام میں داخل ہو جائیں، اور تمہارے بھائی بن جائیں، اور اس صلح پر بھروسہ نہ کیجئے بلکہ بھروسہ اللہ پر رکھئے؛ کیونکہ اللہ ہی کافروں کے مکروفریب سے بچانے والا ہے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ کافروں کے اندرونی مشوروں کو سنتا ہے اور ان کی بدنیتی کو خوب جانتا ہے کہ کس نیت سے یہ صلح کر رہے ہیں۔

(معارف القرآن ادریسی)

توکل کا تعلق قول وعمل سے ہے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں اور کفار کے اقوال، اعمال، احوال، کیفیات اور اندورنی رازوں سے واقف ہے، اقوال کو سنتا ہے، اور اعمال وغیرہ کو جانتا ہے۔

(۱۰) ﴿إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ (یوسف:۳۴)

عورتوں کی طرف تھوڑا سا میلان اور جھکاؤ بھی نادانی ہے، دانائی اور عقلمندی یہ ہے کہ عورتوں سے دور رہے، پس ان کے پروردگار نے ان کی دعا قبول کی، پس اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کا مکروفریب ان سے دفع کیا، بے شک خدا ہی سننے والا جاننے والا ہے۔ یہ اور اس سے اوپر کی آیت صراحتاً اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یوسف علیہ السلام ذرہ برابر بھی ان کی طرف مائل نہ ہوئے اور انہوں نے خدائے تعالیٰ سے جو دعا مانگی؛ اللہ نے وہ دعا ان کی قبول کی۔ یوسف علیہ السلام کی اس دعا کا مطلب یہ تھا کہ اے پروردگار! مجھے اپنے نفس پر بھروسہ نہیں، تیری تائید اور حفاظت کی درخواست کرتا ہوں کہ مجھے ان کے مکروفریب سے دور رکھ اور جیل خانہ کی درخواست اس لیے کرتا ہوں کہ ان کے فتنہ سے نجات ملے اور ان کی مراودت سے بالکل محفوظ ہو جاؤں، اللہ تعالیٰ نے دعا قبول کی۔ (معارف القرآن ادریسی)

عورتوں کے اقوال کو سنتا ہے اور افعال واحوال کو جانتا ہے، لہٰذا ان کے مکر کو دور کر دیا، سب اس کی سماعت وعلم کے تابع ہے، گویا **السمیع العلیم** یہ تعلیل کے طور پر حضرت یوسفؑ کو تسلیا فرمایا گیا۔

(۱۱) ﴿رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ (دخان:۶)

فرشتوں کو ہر کام پر جو ان کے مناسب ہے اور احکام خداوندی کی اس وحی کے ساتھ جو جبرئیل امینؑ کے ذریعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھیجی جاتی رہی، رحمت بنا کر اے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے پروردگار کی طرف سے، بے شک وہی سننے والا

جاننے والا ہے، اس لیے تمام عالم کے حالات سے باخبر ہے اور وہ دنیا والوں کی پکار بھی سننے والا ہے، تو اس نے اپنی حکمت سے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام انبیاء و مرسلین کے بعد خاتم الانبیاء بنا کر مبعوث فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن کریم نازل کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رحمۃ للعالمین بنایا۔ (معارف القرآن ادریسی)

یہ بھی جملۂ سابقہ کے لئے بطور تعلیل کے ذکر کیا گیا کہ آپ کو رحمت للعالمین و خاتم النبیین بنانا اور مشرکین کے تمام اقوال و افعال کا سننا جاننا اور نتیجۃً کفار کو سزا دینا یہ سب صفت سمع و علم کی وجہ سے ہے۔

(۱۲) ﴿اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ (حجرات: ۱)

اے ایمان والو! ہرگز آگے نہ بڑھو اللہ سے اور اس کے رسول سے۔ کہ اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ اور اس کی بات سے آگے بڑھو، اس کی خلاف ورزی یا اپنی بات کو رسول خدا کی بات پر اونچی کر دیا کرو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو، یہی خوف خدا اور خشیت و تقویٰ اس امر کا ضامن ہوگا کہ تم کسی بھی مرحلہ پر خدا اور اس کے رسول سے آگے قدم نہ بڑھا سکو گے، اور یہ باطنی تقویٰ اس اعتقاد پر موقوف ہے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ خوب سننے والا جاننے والا ہے، اس لیے کسی انسان کا کوئی قول و فعل اس سے مخفی نہیں رہ سکتا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی) لہٰذا منہیات سے رک جاؤ۔

''کان'' کے ساتھ ایک آیت مذکور ہے:

(۱) ﴿وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا﴾ (نساء: ۱۴۸)

اللہ نہیں پسند کرتا بری بات کے افشاء اور اظہار کو؛ یعنی اللہ کو یہ پسند نہیں کہ کسی کی برائی کو ظاہر کیا جائے، مگر مظلوم کو اپنے ظلم و ستم کے اظہار اور بیان کی اجازت ہے کہ بغیر اس کے اس کو چارہ نہیں، لہٰذا اگر مظلوم اپنے ظالم کی شکایت کرے تو وہ گناہ نہیں۔ اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے، وہ مظلوم کی دعا کو سنتا ہے اور اس کو معلوم ہے کہ ظالم نے کتنا ظلم کیا ہے اور وہ کتنی سزا کا مستحق ہے؛ اگرچہ مظلوم اپنی زبان سے کچھ نہ کہے، اور اس کو یہ بھی معلوم ہے کہ مظلوم کی شکایت ظالم کے ظلم کی مقدار کے مطابق ہے یا اس سے زیادہ ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

کان استمراریہ کے ذریعہ تمام زمانوں اور مکانوں میں اقوال و احوال و کیفیات کے سننے اور جاننے کی طرف عمومی اشارہ ہے، کسی کا سننا اور جاننا اس کے سمع و علم کی طرح نہیں ہوسکتا ہے۔

اسلوب تاکید اور کان استمراریہ کے بغیر ۱۳ آیتوں میں ذکر کیا ہے:

(۱) ﴿وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ (بقرۃ: ۲۲۴)

اللہ کے نام کو اپنی قسموں کے لیے آڑ نہ بناؤ، یعنی رشتہ داروں میں سلوک اور احسان کرنے کے لیے، تقویٰ

اور پرہیز گاری کا کام کرنے کے لیے اور لوگوں میں صلح کرانے کے لیے قسم کو بہانہ نہ بناؤ اور یہ نہ کہو کہ میں نے قسم کھالی ہے؛ اس لیے میں یہ کام نہیں کرسکتا۔

اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا اور بتلا دیا کہ قسم کی وجہ سے نیک کام کو نہ چھوڑو اور ایسی حالت میں قسم کو توڑ کر کفارہ دے دو اور نیک کام کرو؛ تا کہ تم کو کارِ خیر کا اجر حاصل ہو اور ایسی قسم کے توڑنے میں اللہ تعالیٰ تمہارے عذر کو سننے والا ہے اور تمہاری نیتوں کا جاننے والا ہے کہ تمہاری نیت اللہ کے نام کی بے حرمتی نہ تھی، محض تعمیلِ حکم اور نیکی کرنے کے لیے توڑا ہے، اور بصد ہزار ندامت و پشیمانی اس کی تلافی کے لیے کفارہ ادا کیا ہے یا یہ معنیٰ ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہاری قسموں کو سنتا ہے اور تمہاری نیتوں کو جانتا ہے کہ کس نیت سے قسم کھائی ہے، تمہارا لفظ اور قصد کوئی بھی اس سے مخفی نہیں؛ لہٰذا قسم کھاتے وقت لفظوں میں احتیاط رکھو اور نیت اور ارادہ کرنے میں بھی احتیاط رکھو۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۲) ﴿وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ (بقرہ:۲۵۶)

پس حق اور ہدایت کے روزِ روشن کی طرح واضح ہوجانے کے بعد جو شخص طغیان اور ضلال کی طرف بلانے والی چیزوں سے تعلق قطع کرلے اور ایمان لاکر خدا تعالیٰ سے اپنا تعلق قائم کرے تو اس نے نہایت مضبوط حلقہ کو پکڑ لیا اور اپنے آپ کو گمراہی اور ہلاکت کے گڑھے میں گرنے سے بچالیا اور وہ ایمان باللہ کا حلقہ ایسا مضبوط ہے جو ٹوٹ نہیں سکتا؛ البتہ غفلت کی وجہ سے ہاتھ سے چھوٹ سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ ایمان اور کفر کے دعووں کو سننے والا ہے اور نیتوں کا جاننے والا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۳) ﴿ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ (آل عمران:۳۴)

یہ جماعت (حضرت آدم، نوح، آل ابراہیم، آل عمران) ایک نسل ہیں جو ایک دوسرے سے پیدا ہوئے ہیں، ایک طینت اور ایک خمیر ہیں، جو اصطفاء اور اجتباء کے یکے بعد دیگرے وارث ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ سب اقوال کے خوب سننے والے اور سب ظاہری اور باطنی احوال کے خوب جاننے والے ہیں کہ کون شخص اصطفاء اور برگزیدگی کے لائق ہے، اللہ کا اصطفاء علم و حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

حضرت عیسیٰؑ سے الوہیت کی نفی کرتے ہوئے ان کی اور تمام انبیاءِ کرام کی عبدیت کو ثابت کرنا ہے کہ یہ سب محتاج ہیں، تمہاری حاجت روائی نہیں کرسکتے ہیں، حاجت روائی کرنا سمیع و علیم ذات کا ہی کام ہے، اور یہ صفات علیٰ وجہ الکمال صرف اللہ تعالیٰ میں ہی پائی جاتی ہیں، لہٰذا وہی الوہیت کے لائق ہیں۔

(۴) ﴿وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ (مائدہ:۷۶)

اور اللہ وہی سننے والا اور جاننے والا ہے یعنی وہ تمہارے ان اقوال کفریہ کو سنتا ہے اور تمہاری نیتوں کو جانتا ہے، اور حضرت مسیح تمام عالم کے اقوال کو سننے والے اور مخلوق کے دلوں کے احوال جاننے والے نہ تھے، پس وہ کیوں کر خدا ہوئے۔ (معارف القرآن ادریسی)

خلاصہ یہ کہ تین طریقوں سے حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ کی عبادت کو رد کیا: (۱) طریق القصر (۲) ضمیر فصل لا کر (۳) جملہ حالیہ کے ذریعہ جو مفہوم مخالف کا فائدہ دے رہا ہے کہ غیر نفع نقصان کے مالک نہیں ہے، یعنی اللہ پاک ہی نفع نقصان کے مالک ہیں۔

شیخ ابن عاشور فرماتے ہیں: وانما قرن بالسميع العليم دون البصير لارادة التهديد لمن عبد غيره، لان العبادة قول او فعل، ومن الفعل ما محله القلب وهو الاعتقاد، ولا يدرك بالبصر بل بالعلم. (التحریر: ۲/۷/۵۱۴)

(۵) ﴿وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ (انعام: ۱۳)

اسی کی ملک ہے جو رات اور دن میں ساکن اور برقرار ہے، یعنی کل موجودات جن پر دن اور رات گذرتی ہے وہ سب اسی کی ملک ہے، زمانہ اور زمانیات اسی کے احاطۂ قدرت میں ہے۔

گذشتہ آیت میں یہ بتلایا کہ زمین اور آسمان یعنی ہر مکان اور ہر مکین اور تمام مکانیات کا وہی مالک ہے اور اس آیت میں یہ بتلایا کہ مکان کی طرح زمان، لیل ونہار، تمام اوقات اور تمام زمانیات بھی اسی کی مملوک ہیں اور اسی کے قبضہ اور تصرف میں ہیں اور وہی ان کی باتوں کا سننے والا اور ان کے دلوں اور حالات کا جاننے والا ہے، اس آیت کا اور گذشتہ آیت ﴿قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ کا حاصل یہ نکلا کہ مکان وزمان اور تمام مکانیات اور زمانیات سب اسی کی ملک ہیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۶) ﴿وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ (انعام: ۱۱۵)

تیرے پروردگار کی بات سچائی اور انصاف میں پوری ہے، یعنی اس قرآن کے منزّل من اللہ ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ اس کی تمام خبریں سچی ہیں اور اس کے تمام احکام عین عدل اور عین انصاف ہیں، معلوم ہوا کہ یہ کتاب خدا کی اتاری ہوئی ہے، اگر خدا کی طرف سے نہ ہوتی تو اس میں کوئی نقصان اور غلطی ضرور ہوتی، تو قرآن مجید کے مضامین دو قسم کے ہیں: ایک اخبار وقصص اور دوم احکام یعنی اوامر ونواہی، صدق کا تعلق اخبار سے ہے، قرآن کی سب خبریں سچی ہیں اور عدل کا تعلق احکام سے ہے یعنی قرآن کریم کے تمام احکام عین عدل اور عین انصاف ہیں؛ کوئی حکم خلاف انصاف نہیں، یا یوں کہو کہ عدل سے اعتدال مراد ہے کہ اس کے احکام غایت درجہ معتدل ہیں اور افراط وتفریط سے پاک ہیں اور قرآن

کریم کی ایک صفت یہ ہے کہ کوئی اس کی باتوں کو بدل نہیں سکتا، یعنی قرآن کریم میں نہ تو تحریف وتبدیل راہ پا سکتی ہے اور نہ کوئی اس کا وعدہ اور خبر غلط ہو سکتی ہے، اور وہی سننے والا ہے ان مکذبین کی زخرف القول کو، یعنی ان کی ملمع کاری کی باتوں کو سنتا ہے اور ان کے دلوں کے رازوں اور نیتوں کو جانتا ہے پس اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ان کلمات کے ہوتے ہوئے- جو صدق اور عدل کے اعتبار سے مکمل ہیں- آپ کو کسی حکم اور ثالث کی ضرورت نہیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۷)﴿وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾(توبہ:۹۸)

جہالت کی بنا پر دیہاتی منافقوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ جو مال وہ خدا کی راہ میں کبھی خرچ کرتے ہیں اس کو تاوان سمجھتے ہیں؛ کیونکہ اس خرچ پر ان کو ثواب کی امید نہیں، محض دکھلاوے کے لیے کچھ خیرات کر دیتے ہیں، اور اسے مسلمانو! وہ تمہارے بارے میں زمانے کی گردشوں کے منتظر ہیں کہ مسلمانوں کی عزت و وجاہت کا خاتمہ ہو؛ تاکہ نفاق سے چھٹکارا پائیں، اللہ فرماتے ہیں: انہی پر بری گردش ہوگی کہ اسلام کا عروج ہوگا جس سے ان کے رنج وغم میں اور زیادتی ہوگی اور اللہ تعالیٰ ان کے اقوال کو سننے والا اور ان کی بد باطنی کا جاننے والا ہے، (اور ان کے برعکس دیہاتوں میں ایسے بھی ہیں جو اللہ اور روز آخرت پر پورا پورا یقین رکھتے ہیں اور جس چیز کو وہ خرچ کرتے ہیں، اس کو خدا کے قرب اور رضا کا ذریعہ اور رسول کی دعاؤں کا وسیلہ سمجھتے ہیں۔) (معارف القرآن ادریسی)

(۸)﴿اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾(توبہ:۱۰۳)

آپ ان کے مالوں میں سے جو صدقہ اور خیرات یہ لے کر آئے ہیں کچھ لے لیجیے؛ تاکہ آپ اس صدقہ وخیرات کے سبب سے ان کو گناہوں کی نجاست سے پاک وصاف کر دیں اور ان کو بابرکت بنا دیں اور آپ ان کے حق میں دعاء خیر بھی کیجیے، تحقیق بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لیے موجب تسکین ہے، اللہ سننے والا ہے تیری دعا کو، اور ان کی توبہ اور ندامت کو جاننے والا ہے کہ وہ اس کے اہل اور مستحق ہیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

صحابۂ کرام کو تسلی دی کہ اللہ پاک مجیب الدعاء ہے؛ لہذا ان کی دعاء سننے والا اور یہ بھی بتا دیا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب صحابۂ کرام کے لئے دعاء کرنے کا حکم دے رہا ہے تو اس کی قبولیت کا مکمل علم بھی رکھتا ہے، بلکہ قبولیت کی بناء پر ہی اس کا حکم دے کر اپنے نبی کے مقام عالی کو بھی واضح کر رہا ہے۔

صفت علیم سے پہلے مکمل عزت وقدرت کو اپنے لئے ثابت کر کے مشرکین کو تنبیہ کر دی کہ سمیع وعلیم مکمل قادر مطلق ہے، تمہارے افعال (دھمکیاں) واحوال اور اندرونی کیفیات کو سنتا دیکھتا ہے۔ اور علیم سمیع سے عام ہے لہذا اس کو سمیع کے

بعد ذکر کیا تا کہ عموم بتایا جاوے۔

(۹) ﴿هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ (یونس:۶۵)

اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کو ان کی بات غم میں نہ ڈالے، یعنی آپ ان کی نازیبا باتوں سے آزردہ خاطر نہ ہوں، اور نہ کچھ غم کریں، وہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، تحقیق عزت اور غلبہ سب کا سب اللہ ہی کے لیے ہے، مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کرنے کی کتنی ہی تدبیریں کریں اور آپ کو ڈرائیں مگر وہ آپ پر غالب نہیں آئیں گے، اللہ آپ کو غلبہ دے گا اور آپ کے دشمنوں کو ذلیل کرے گا، وہی سب کی باتوں کا سننے والا اور سب کے احوال کو جاننے والا ہے، وہ آپ کا بدلہ خود ان سے لے لے گا۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۱۰) ﴿وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ (انبیاء:۴)

اور یہ ظالم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں آہستہ آہستہ اور چپکے چپکے ایسی سرگوشیوں میں لگے ہوئے ہیں کہ کسی کو خبر نہ ہو، ایک دوسرے کے کان میں یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص -یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- سوائے اس کے کہ تم ہی جیسا ایک معمولی آدمی ہے، جو تمہاری طرح کھاتا پیتا اور چلتا پھرتا رہتا ہے، بھلا آدمی اور بشر بھی کہیں نبی اور رسول ہوسکتا ہے؟ ایک مثل کو دوسرے مثل کی طرف رسول بنا کر بھیجنا ترجیح بلا مرجح ہے، پس جب وہ تم جیسا بشر ہے تو تم کس لئے اس کے پاس جاتے ہو، اگر خدا کو نبی بھیجنا ہوتا تو فرشتہ کو نبی بنا کر بھیجتا اور یہ شخص تم کو جو کرشمے دکھلاتا ہے، وہ سب جادو ہے، پس کیا تم جادو کے پاس آتے ہو؛ حالانکہ تم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو کہ یہ جادو ہے اور یہ شخص تم جیسا آدمی ہے کوئی فرشتہ نہیں۔

اول اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ان کی سرگوشی پر مطلع کیا اور پھر اپنے نبی کو اس کے جواب دینے کا حکم دیا؛ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بحکم خداوندی ان کے جواب میں یہ کہا کہ میرا پروردگار آسمان اور زمین کی ہر بات کو خوب جانتا ہے، خواہ کیسے ہی چھپا کر کی جائے، وہ تو ہر چیز کا سننے والا اور ہر چیز کا جاننے والا ہے، اس سے تمہاری کوئی سرگوشی اور کوئی پوشیدہ بات مخفی نہیں، وہ تمہارے مشوروں سے مجھے مطلع کر دیتا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۱۱) ﴿وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ (نور:۲۱)

اور اے مسلمانو! اگر تم پر اللہ کا فضل و کرم نہ ہوتا تو وہ تم میں سے کبھی کسی کو اس جرم سے پاک نہ کرتا، یعنی تم میں سے کسی کو توبہ کی توفیق نہ دیتا اور نہ اس کی توبہ قبول کرتا؛ لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے تو توبہ قبول کر کے اس کو گناہ سے پاک کر دیتا ہے، یہ وعدہ مؤمنین سے ہے، جیسے حضرت حسان رضی اللہ عنہ اور مسطح رضی اللہ عنہ، اور عبداللہ بن ابی منافق اور اس کے اَتباع سے نہیں، ان کے لیے آخرت میں عذاب عظیم ہے اور تمہارے اقوال کا سننے والا ہے اور تمہاری نیتوں کا جاننے والا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

حضرت عائشہ صدیقہؓ پر تہمت لگانے کے سلسلے میں مسلمانوں کو متنبہ کیا جارہا ہے، اس کے ذریعہ قیامت تک کے مسلم سماج کو اشارہ کیا جارہا ہے کہ اپنے معاشرہ میں کسی پر تہمت لگانے سے بچو، کسی کے بارے میں زنا کے سلسلے کے تمہارے اقوال، غلط فہمیاں، الزامات، اشارے کنایہ وغیرہ سب کو سنتا ہے اور سب کا علم محیط رکھتا ہے۔

(۱۲) ﴿وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ ۭ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ﴾ (نور:۶۰)

بڑی عمر والی عورتیں جن کو نکاح کی امید نہیں رہی اور گھر میں بیٹھی رہتی ہیں، تو ان پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے گھر میں زائد کپڑے اتار کر رکھ دیں، جیسے چادر اور برقع، بشرطیکہ وہ اس سے اپنی زینت کا اظہار کرنے والی نہ ہوں، یعنی چادر اور برقع کے اتار دینے سے مقصود غیر مردوں کو اپنے محاسن کا دکھلانا نہ ہو، تو پھر زائد کپڑے اتار دینے میں کوئی گناہ نہیں اور اگر وہ اس سے بھی بچیں یعنی اپنے زائد کپڑے بھی نہ اتاریں، تو ان کے لیے اور زیادہ بہتر ہے، اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے، یعنی ان کے قول کو سنتا ہے اور ان کی نیتوں کو جانتا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

یعنی رخصت کا غلط فائدہ اٹھانے والیاں یا تبرج کی نیت والیاں اللہ پاک کے سمیع وعلیم ہونے کا استحضار رکھیں۔

(۱۳) ﴿وَكَاَیِّنْ مِّنْ دَاۗبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ڰ اَللّٰهُ یَرْزُقُهَا وَاِیَّاكُمْ ڮ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ﴾ (عنکبوت:۶۰)

اور اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ وطن میں تو اسباب معیشت مہیا ہیں، باہر جا کر کیا ہوگا؟ تو خوب سمجھ لے کہ زمین پر چلنے والے کتنے جانور ہیں کہ اپنا رزق اپنے ساتھ اٹھائے اور لادے نہیں پھرتے، اللہ ہی اپنے فضل سے رزق دیتا ہے ان کو بھی اور تم کو بھی، اور وہی سننے والا اور جاننے والا ہے، جو خدا چرند و پرند کو روزی دے سکتا ہے وہ مہاجرین کو بھی روزی دے سکتا ہے، لہٰذا ہجرت کے بارہ میں یہ اندیشہ نہ کرو کہ اگر ہم ہجرت کر جائیں گے تو ہم روزی کہاں سے پائیں گے۔ (معارف القرآن ادریسی)

رزق کی طلب بندے کو اللہ پاک سے مانگنے پر مجبور کرتی ہے، اور یہ طلب والتجاء زبان سے ہی ہوتی ہے، لہٰذا جب یہ اقوال سے تعلق رکھتا ہے تو اس کی مناسبت سے سمیع لایا گیا اور ساتھ میں فرمایا کہ سمع وعلم پر قدرت رکھنے والی ذات رزق دینے پر بھی قادر ہے۔

شاکرا علیما

یہ صفات دو آیات میں آئی ہے۔ (البقرہ:۱۵۸، النساء:۱۴۸) شاکر عمل قلیل پر اجر کبیر عطاء کرتا ہے، پہلی آیت میں **(ومن تطوع خیرا)** سے مناسبت ہے اور دوسری آیت میں **(ان شکرتم وآمنتم)** سے مناسبت ہے، شاکر کے ساتھ علیم کی مناسبت اخلاص کی دعوت دیتا ہے اور عدم اخلاص یا نیت کے فطور سے ڈراتا ہے کہ وہ سب کچھ جانتا ہے۔

قال الإمام ابن عاشور: وقوله (فإن الله شاكر عليم) دليل الجواب إذ التقدير ومن تطوع خيرا اجوزي به ،

لأن اللہ شاکر،أي لا یضیع أجر محسن، علیم لا یخفی عنه إحسانه، وذکر الوصفین: لأن ترك الثواب عن الإحسان لایکون إلا عن جحود الفضیلة ،أو جهل بهافلذلك نفیابقوله (شاکر علیم). (التحریر والتنویر: ۲/۵۶)

دوسری آیت میں بھی پہلی آیت کی طرح حکمت معلوم ہوتی ہے؛ کیونکہ وہ منافقین کے سیاق میں نازل ہوئی ہے، اگر منافقین صحیح مؤمن ہوکر شکر گذار بن جائے تو اللہ پاک قلیل عمل پر کثیر ثواب عطاء کریں گے، اور بندوں کے رازدروں اوراعمال کووہ خوب جانتا ہے، لہٰذا نیت کے اعتبار سے ان کواجر فرمائیں گے۔

صفت علیم صفت شاکر کے ساتھ دوجگہوں پر آئی ہے:

یہ صفات دوجگہ پر متجاوراً مستعمل ہوئے ہیں، مولی کی طرف سے شکر کا مطلب بندے کے قلیل عمل پر زیادہ ثواب وبدلہ عنایت فرمانا ہے، احکام کے بجالانے کی بھی اسی نے توفیق دی، سورۂ بقرہ: ۱۵۸، میں لطیف مناسبت کے طور پر ومن تطوع خیرا کے بعد شاکر لائے اور سورہ نساء: ۱۴۸ میں **ان شکرتم وآمنتم** کی مناسبت واضح ہے، شاکر کے ساتھ علیم کا لانا اخلاص اور سچی نیت کی طرف دلالت ہے۔

قال الثعالبی: وفی قوله علیما تحزیر وندب الی الاخلاص. (الثعالبی: ۱/۲۷۴، تفسیر الرازی: ۲/۱۸۰)

شاکر علیم یہ جواب ہے **ومن تطوع** کا کہ وہ اعمال صالحہ کی قدر کرتا ہے، لہٰذا محسن کے اجر کو ضائع نہیں فرماتا ساتھ میں علیم بھی ہے کہ بندے کے اخلاص وتواضع کو اچھی طرح جانتا ہے۔

دوسری آیت (نساء: ۱۴۷) میں منافقین کے عذاب کے سلسلے کی گفتگو کرتے ہوئے فرمایا جارہا ہے کہ اللہ پاک کو درک اسفل میں عذاب دینے کی کوئی ضرورت نہیں، اگر وہ ایمان لے آئے اور شکر گذاری کردیں تو اللہ پاک قدردان ہے، کچھ عمل پر زیادہ ثواب عطا فرمائیں گے اور ساتھ میں علیم بھی ہے؛ بندوں کے تمام ظاہری باطنی احوال واعمال کو جاننے والے ہیں، لہٰذا ان کو مکمل اجر عنایت فرمائے گا۔

(۱) ﴿فَإِنَّ اللهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ﴾ (بقرہ: ۱۵۸)

صفا اور مروہ مکہ میں دو پہاڑیاں ہیں، حضرت ابراہیمؑ کے وقت سے لوگ ان دو پہاڑیوں کے درمیان میں طواف کرتے تھے، زمانۂ جاہلیت میں کافروں نے ان پر دو بت رکھ دیئے اور ان کی تعظیم کرتے اور ان کا استلام کرتے اور یہ سمجھتے کہ یہ طواف ان دو بتوں کی تعظیم کے لیے ہے، جب زمانہ اسلام کا آیا اور مسلمانوں کو سعی بین الصفا والمروۃ کا حکم ہوا تو مسلمانوں کو یہ خیال ہوا کہ صفا اور مروہ کا طواف ان بتوں کی تعظیم کے لیے ہے اور بتوں کی تعظیم اسلام میں ممنوع ہے، اس لیے صفا اور مروہ کا طواف بھی ممنوع ہونا چاہئے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ تحقیق کوہ صفا اور کوہ

مروہ اور پہاڑوں کی طرح معمولی پہاڑ تھے، مگر حضرت ہاجرہ اور اسماعیل علیہ السلام کے رضا بالقضاء کی برکت سے خدا کی یادگاروں میں سے ہوگئے اور ان کا طواف مناسک حج سے بنایا گیا، سو جو شخص حج بیت اللہ یا عمرہ کا ارادہ کرے اس پر صفا اور مروہ کی سعی اور طواف میں ذرہ برابر گناہ نہیں، تم کافروں کی مشابہت سے شبہ میں مت پڑو، صفا اور مروہ در اصل شعائر الٰہیہ میں سے ہیں اور ان کا طواف سراسر خیر اور عبادت ہے اور جو شخص کوئی خیر اور نیکی شوق اور رغبت سے کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی قدردانی فرماتے ہیں اور اس کی نیت اور اخلاص کو خوب جانتے ہیں، اور بقدر اخلاص کے اس کو ثواب عطاء فرمائیں گے۔

آیت شریفہ کا مطلب یہ ہے کہ جب مسلمانوں کو صفا اور مروہ کی سعی کے حکم سے بت پرستوں کی مشابہت کا خیال ہوا تو یہ آیت نازل ہوئی، جس کا حاصل یہ ہے کہ صفا اور مروہ اصل میں اللہ کی یادگاریں ہیں اور کافروں کی مشابہت امر عارضی ہے؛ وہ اس میں مؤثر نہ ہوگی، جب کہ نیت خالص اللہ کی ہوگی، جیسے خانۂ کعبہ چندروز غلبۂ کفار کی وجہ سے بیت الاصنام یعنی بت خانہ بن گیا؛ لیکن اس کا قبلہ اور مطاف ہونا ساقط نہ ہوا، اس لیے کہ جو شئ بالذات ہوتی ہے، وہ عوارض کی وجہ سے زائل اور ساقط نہیں ہوتی؛ اس لیے مسلمانوں کو صفا اور مروہ کی سعی میں کوئی تردد اور تامل نہ ہونا چاہئے، مشابہت کفار اس وقت موجب حرمت ہوتی ہے کہ جب کسی شئ کا شعائر اللہ میں سے ہونا کسی دلیل سے ثابت نہ ہو۔

(معارف القرآن ادریسی)

بندے کے اچھے عمل پر بدلہ دینا اس کی شان شاکریت ہے، اور علیم بھی ہے، لہذا عمل کرنے والے کے اخلاص، جذبہ اور کیفیات کو خوب اچھی طرح جانتا ہے، محسن کے اجر کو ضائع وہ کرتا ہے جو اس کے عمل کو اور جذبہ اخلاص کو جانتا نہ ہو، جیسے کہ مخلوق میں ہوتا ہے کہ اپنے مخلص دوست پر بھی شبہ کرتا ہے۔

(۲) ﴿مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا﴾ (نساء: ۱۴۷)

منافقین کو خطاب فرماتے ہیں کہ عذاب خداوندی کا دارومدار کفر، فسوق اور عصیان پر ہے، خواہ مخواہ اللہ تعالیٰ کسی کو عذاب نہیں دیتے، کیا کرے گا اللہ تعالیٰ تم کو عذاب دے کر اگر تم اللہ کے شکر گذار ہو جاؤ اور اللہ پر ایمان لے آؤ اور اللہ تعالیٰ بڑا ہی قدردان اور دانا ہے، تمہاری سب باتوں کو جانتا ہے اور تمہارے نیک کاموں کا قدردان ہے، تو جو شخص خدا کا شکر گذار، فرمانبردار اور اطاعت شعار بندہ ہو تو وہ ایسے شخص کو ہرگز عذاب نہ دے گا، وہ تو عذاب صرف انہی لوگوں کو دیتا ہے جو پرلے درجہ کے سرکش اور متمرد ہیں اور اس کا حکم نہیں مانتے، اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ ناحق بلاوجہ کسی کو عذاب دے، جو جاننے والا اور قدردان ہو؛ وہ بلاوجہ کسی کو عذاب نہیں دے سکتا، اور اس سے زیادہ کیا قدردانی ہوگی کہ ایک نیکی کا

ثواب دس گونہ سے لے کر سات سو گونہ اور اس سے زیادہ بھی عطا فرماتے ہیں۔(معارف القرآن ادریسی)

مختصر یہ کہ صحابۂ کرام کا جذبہ صحیح تھا، رضاء الٰہی کی بنیاد پر ہی وہ صفا مروہ کی سعی میں شک کرتے تھے، لہٰذا ان کی قدردانی کرتے ہوئے مسئلہ واضح کر دیا۔

صفت علیم صفت عزیز کے ساتھ ۶ مقامات پر آئی ہے:

مذکور صفت کا استعمال مظاہر قدرت میں:

یہ اسماء ۶ رجگہ پر ایک ساتھ آئے ہیں، ان آیات میں غور کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ ان میں کائنات کے مختلف مظاہر کا تذکرہ ہے، صبح کا نمودار ہونا، سورج کا گردش کرنا، آسمان کا ستاروں سے مزین ہونا، آسمان وزمین کی تخلیق وغیرہ یہ وہ امور ہیں جو عزیز وغالب اور قاہر ذات سے ہی وجود میں آسکتے ہیں، اور یہ بات صاف ہے کہ یہ کائنات، ارض وسماء اور ان کی حرکت وگردش کا مستحکم نظام بغیر علم تام کے وجود پذیر نہیں ہوسکتا ہے، یہ اتفاقی امور نہیں ہے کہ جو کسی فاعل مختار کے عمل کے بغیر نیچر (فطرت) سے وجود میں آگئے ہوں۔

باقی دو آیات میں سے ایک سورۂ نمل آیت: ۷۸ میں یہود کے آپسی اختلاف کا ذکر ہے کہ تمہارا رب تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا اور فیصل وقاضی کا عزیز ومقتدر رہنا ضروری ہے جس کے حکم کو کوئی رد نہ کر سکے تو صفت عزیز لائے کیونکہ عزیز ظالموں سے انتقام لے سکتا ہے، اور صفت علم سے عذاب وسزا کے مستحق کا صحیح علم ہوسکتا ہے۔

فان العزیز لا یمانع، والعلیم لا یفوتہ الحق. (شفاءالعلیل)

(۱) ﴿ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ﴾ (انعام:۹۶)

بے شک اللہ تعالیٰ پھاڑنے والا ہے، دانہ کا اور گٹھلیوں کا، یعنی جب دانہ اور گٹھلی کو زمین میں بویا جاتا ہے تو اس سے قسم قسم کے پھل اور پھول نمودار ہوتے ہیں، جو باعتبار صورت وشکل، حرارت وبرودت، کیفیت وخاصیت اور تلخی و حلاوت کے مختلف ہوتے ہیں، حالانکہ مادہ اور طبیعت سب کی ایک ہے، چاند اور سورج کی روشنی اور ہوا سب کی ایک ہے، اور یہ ایسی عجیب وغریب صنعت ہے جو عقل انسانی سے کہیں بالا اور برتر ہے، معلوم ہوا کہ یہ کسی بڑے صانع حکیم اور قادر علیم کی کارسازی ہے جو اس کی کمال قدرت اور کمال حکمت پر دلالت کرتی ہے۔

وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالنے والا ہے، یعنی ایک ضد کو دوسری ضد سے نکالتا ہے، جیسے ایک نطفۂ بے جان سے انسان اور حیوان کو نکالتا ہے اور انسان اور حیوان سے نطفۂ بے جان نکالتا ہے اور انڈے سے مرغی کا بچہ اور مرغی سے انڈا نکالتا ہے، اور مؤمن زندہ ہے اور کافر مردہ ہے؛ مگر اللہ تعالیٰ کافر سے مؤمن کو اور مؤمن سے کافر کو

نکالتا ہے یعنی پیدا کرتا ہے، یہ ہے اللہ جو ایک ضد کو دوسری ضد سے نکالتا ہے اور عدم کو پھاڑ کر اس میں سے موجود کو نکالتا ہے، یہ مادہ ، نیچر اور طبیعت کا کام نہیں کہ صنعت کے ایسے عجیب وغریب کرشمے دکھا سکے، پس تم کہاں حق سے پھرے جاتے ہو، یعنی خدا تو یہ خالق ہے جس کی صنعت سے عقل حیران ہے ایسے خدا کی عبادت کرو، مادہ، طبیعت اور ایتھر کا کیوں نام لیتے ہو؟

﴿فَالِقُ الْإِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ﴾ وہ صبح کا پھاڑنے والا ہے یعنی اللہ تعالیٰ رات کی ظلمت اور تاریکی کو پھاڑ کر صبح نکالتا ہے، یعنی رات ختم ہو جاتی ہے اور صبح صادق نمودار ہو جاتی ہے اور رات کے اندھیرے میں سے صبح صادق کا اجالا نکالنا یہ بھی اس کے کمال قدرت کی دلیل ہے، اور اس نے رات کو راحت وسکون کا ذریعہ بنایا کہ دن کا تکان رات کے سونے سے جاتا رہتا ہے، اور اس نے چاند اور سورج کو حساب کا ذریعہ بنایا جس سے لوگوں نے مہینے اور سال مقرر کئے، یہ اندازہ ہے زور آور علم والے کا جس میں کوئی غلطی نہیں ہوتی، گھڑی غلط ہو جاتی ہے مگر خدا کی گھڑی یعنی چاند اور سورج اپنے طلوع اور غروب میں غلطی نہیں کرتی۔

(معارف القرآن ادریسی)

کوئی اس کے حکم کی مخالفت نہیں کرسکتا ہے، وہی غالب ہے، اسی کا حکم نافذ ہوتا ہے، اور اس کا علم بھی تام ہے، اس کے سوا کوئی عزیز وقادر نہیں، کائنات کا ذرہ بھی اس کی حکم عدولی نہیں کرسکتا ہے، یہ پورا نظام علیم ذات سے صادر ہو رہا ہے۔

(۲) ﴿إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُم بِحُكْمِهِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ﴾ (نمل:۷۸)

یہ قرآن بلاشبہ ہدایت ہے جس سے حق کا راستہ معلوم ہوتا ہے اور ایمانداروں کے لیے سراسر رحمت اور موجب خیر وبرکت ہے کہ اس پر ایمان لاکر عذاب سے نجات ملتی ہے، اے نبی آپ ان معاندین کی مخالفت اور عداوت سے رنجیدہ نہ ہوں، تحقیق تیرا پروردگار ان کے درمیان اپنے حکم سے فیصلہ کردے گا، اور وہی ہے زبردست اور جاننے والا، اس کے فیصلہ کو کوئی رد نہیں کرسکتا۔ (معارف القرآن ادریسی)

قضاء وفیصلہ سے صفت علم کو مناسبت:

قضا وفیصلہ عزیز ذات ہی کرسکتی ہے، اور عزت وقدرت کے لئے علیم ہونا ضروری ہے جو مصلح ومفسد کے درمیان فرق جانتا ہے۔

(۳) ﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ﴾ (یس:۳۸)

اور اللہ کی قدرت کی ایک نشانی آفتاب ہے جو بحکم خداوندی اپنی قرارگاہ یعنی اپنے ٹھکانہ کی طرف چلتا رہتا ہے جو اس کے لیے مقرر ہے، یہ اندازہ ہے جو مقرر کردہ ہے خدائے غالب اور باخبر کا، یعنی آفتاب کی یہ سیر خدائے عزیز کا مقرر

کردہ اندازہ ہے، جس کی کوئی مخالفت نہیں کرسکتا اور علیم وحکیم کا مقرر کیا ہوا ہے، جس میں غلطی اور خطا کا امکان نہیں، یہ سب خداوند عزیز وعلیم کی تسخیر ہے، آفتاب کی مجال نہیں کہ خدا کی مقرر کردہ سیر سے ذرہ برابر انحراف کرسکے، خدا تعالیٰ نے جو اس کی چال مقرر کردی ہے ذرہ برابر اس سے علیحدہ نہیں ہوسکتا، خدا کے حکم کے مطابق طلوع وغروب کرتا ہے، حق جل شانہ نے اپنی قدرت کاملہ سے آفتاب کے نور کی ایک خاص حد اور خاص مقدار مقرر فرمادی ہے، اسی طرح اس کی حرکت اور مسافت کی بھی ایک حد مقرر فرمادی ہے، اور یہ سب کچھ اس علیم وقدیر کا مقرر کردہ اندازہ ہے جس کا علم تمام کائنات کو محیط ہے، آفتاب باذن خداوندی اسی طرح چلتا رہے گا اور مشرق سے طلوع ہوتا رہے گا؛ یہاں تک کہ جب قیامت آئے گی تو اس کو حکم ہوگا کہ جہاں سے تو آیا ہے، یعنی جدھر سے تو غروب ہوا ہے ادھر ہی لوٹ جا، پس اس وقت آفتاب مغرب سے طلوع کرے گا۔ (معارف القرآن ادریسی)

خلاصہ یہ کہ سورج کی گردش قدرت وغلبہ سے ہی ہوسکتی ہے، لہٰذا عزیز لائے اور عزت علیم کا تقاضہ کرتی ہے کیونکہ یہ مقام صفت عزت وعلم کا متقاضی ہے۔

(۴) ﴿تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ﴾ (حم مؤمن: ۲)

یہ کتاب اتاری ہوئی ہے اللہ کی طرف سے جو زبردست ہے، ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے؛ اس لیے وہ اپنے بندوں کے ہر عمل کو جانتا ہے اور ہر عمل کا بدلہ دینے پر بھی پوری پوری قدرت رکھتا ہے؛ لیکن اس کے باوجود گناہ کا بخشنے والا ہے، توبہ کا قبول کرنے والا ہے، مجرموں کو سخت سزا دینے والا ہے، بڑی قدرت رکھنے والا ہے مطیعین وفرمانبرداروں پر انعام وبخشش کی، نہیں ہے کوئی لائق عبادت اس کے سوا، بس اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ اس قرآن کریم کے نزول، اس کی حقانیت، ذات خداوندی کی عظمت وکبریائی اور اس امر کا کہ نہ اس کے سوا کوئی معبود ہے اور اسی کی طرف سب کو لوٹنا ہے، یہ تقاضا کرتا ہے کہ انسان اس کتاب الٰہی اور احکام خداوندی کے سامنے سرنگوں ہوجائے اور اس میں کسی طرح کا انکار وجدال نہ کیا جائے۔ (معارف القرآن ادریسی)

نزول کتاب میں مذکور صفت کی آمد:

نزول کتاب بھی عزت وعلم کا متقاضی ہے، کیا اتارنا اور کب اتارنا وہی جانتا ہے اور کوئی اس کو روکنے کی قدرت نہیں رکھ سکتا، اس نے خود ہی نزول کتاب سے پہلے ﴿فاتبعه شهاب ثاقب﴾ کا انتظام کردیا جو اس کے عزیز ہونے پر دال ہے۔

علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں: ''ولعل تخصیص الوصفین لما فی القرآن الجلیل من الاعجاز وانواع العلوم التی یضیق عن الاحاطة بها نطاق الافهام.'' (روح المعانی: ۱۳/ ۶۳)

(۵) ﴿ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ﴾ (حم سجدہ:۱۲)

دو روز کے بقدر وقت میں آسمان کے اس مادۂ دخانیہ کو پورے سات آسمان بنادیئے اور ہر آسمان میں اپنا حکم جاری فرمادیا، جو اس کے مناسب تھا، فرشتوں کو احکام تکوینیہ جاری فرمادیئے گئے اور فرشتوں کی جو جماعت نظام عالم کے جن شعبہ پر مامور فرمائی تھی اس کو اس پر مامور کردیا گیا، اور مزین کردیا ہم نے آسمان دنیا کو۔یعنی قریب والے آسمان کو جو کرۂ ارضی پر بسنے والے انسانوں سے قریب ہے۔روشن چراغوں یعنی چمکنے والے ستاروں سے، اور ان ہی ستاروں کو آسمان دنیا کی زینت کے ساتھ ذریعۂ حفاظت بھی بنایا؛ تاکہ کوئی جن یا شیطان اگر آسمان کا رخ کرے اور یہ چاہے کہ اللہ کے تکوینی امور میں سے کوئی چیز سن لے اور معلوم کرے تو یہ ستارے اس کو جلا کر خاک کردیں، جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ مُّبِينٌ﴾ ہے کائنات کی تخلیق و تقدیر اور اندازہ کے موافق ہر شئے کا وجود اس پروردگار کی جو زبردست قوت وعزت اور علم والا ہے کہ ہر مخلوق خدا کی عزت وقوت اور اس کے علم بے پایاں کی گواہی دے رہی ہے، ہر ایک مخلوق اپنے خالق، قادر مطلق، کامل صفات کی وحدانیت کی شہادت دیتے ہوئے یہی کہہ رہی ہے کوئی نہیں عبادت کے لائق سوائے ایک خدائے واحد کے۔(معارف القرآن ادریسی)

(۶) ﴿وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ﴾ (زخرف:۹)

یہ منکرین بھی اگرچہ اپنی زبانوں سے انکار کرتے ہوں؛ لیکن ان کے دل اقرار کرتے ہیں؛ چنانچہ اگر تم ان سے سوال کرو کہ کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا؟ ضرور یہی کہیں گے کہ اس پروردگار نے جو بڑی ہی عزت، زبردست علم والا ہے؛ کیونکہ ہر مخلوق اپنے خالق کی عظمت بھی بتارہی ہے، اور اس کے علم وحکمت کی بھی واضح دلیل ہے۔(معارف القرآن ادریسی)

منکرین نے **العزیز العلیم** کے بجائے عموما اللہ تعالی کا نام لیا ہے (**لیقولن اللہ**) لیکن اسم ذات سے صفت کی طرف عدول فرماکر ان کے قول کا مفہوم ذکر کردیا، لوگ اپنی تکالیف و پریشانیوں میں عزیز کی قدرت کا تصور کرکے مدد مانگتے ہیں۔

الفتاح

فتح کے معنی لغت میں کشائش وکشودگی کے ہیں، کلید کو مفتاح اسی لیے کہتے ہیں۔

فَتّاح وہی ہے جو مشکلات مہمات کو کھول دیتا ہے۔

فَتّاح وہی ہے جو دل کو حق کے لئے کھول دیتا ہے۔

فَتّاح وہی ہے جو زبان پر علوم کو جاری فرمادیتا ہے۔
فَتّاح وہی ہے جو انکشافِ علوم کے ساتھ آنکھوں کے پردے دور کردیتا ہے۔
فَتّاح وہی ہے جو اہل حق وباطل کے درمیان فیصلہ فرماتا ہے۔
فَتّاح وہی ہے جو صادقین سے صدق کو ظاہر کرتا، کاذبین کی اصلیت کو سب پر کھول دیتا ہے۔ اہل ایمان کو اسی کی ذات مقدس سے کشائش ظاہری وباطنی کی امید رکھنی چاہیے، اس اسم کے ساتھ تعلق کا طریق یہ ہے کہ اہل حاجات کی اعانت میں ہمدردی کے ساتھ حصہ لیا کرے۔ (قاضی منصور پوری: ۹۳-۹۴)

صفت علیم صفت فتاح کے ساتھ ایک مقام پر ہے:

(۱) ﴿قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ۗ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيمُ﴾ (سبا:۲۶)

کہہ دیجئے کہ قیامت کے دن ہمارا پروردگار ہم سب کو جمع کرے گا، پھر ہمارے اور تمہارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرے گا اور وہی ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے، کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں اور اس کے فیصلہ میں غلطی کا امکان نہیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

فیصلہ کا لفظ فتاح کا تقاضی کرتا ہے، اور وہ بھی علم کامل کے ذریعہ ہے، کیونکہ وہ لوگوں کے ہر قسم کے احوال جانتا ہے، لہٰذا ان کے احوال واعمال کے مطابق فیصلہ کرے گا، فتاح کے ساتھ علمی مناسبت کے طور پر یہ صفات ذکر کی ہیں؛ کیونکہ انسان جہالت، عاجزی، بھول یا ظلم کی بنیاد پر کسی کے ساتھ کسی طرح کی حق تلفی کرسکتا ہے، حق سبحانہ وتعالیٰ علم کامل، عدل تام اور قدرت کاملہ رکھتے ہیں، لہٰذا وہاں فیصلے میں کسی پر ظلم اور زیادتی کا امکان ہی نہیں ہے۔

قال الإمام ابن عاشور: وجملة وهو الفتاح العليم، تذييل بوصفه تعالى بكثرة الحكم وقوته، ولإحاطة العلم وبذلك كان تذييلا لجملة (يجمع بيننا ربنا ثم يفتح بيننا بالحق) المتضمنة حكما جزئيا، فذيل بوصف كلي، وإنما اتبع الفتاح بالعليم للدلالة على أن حكمه عدل محض، لأنه عليم لا تخف بحكمه أسباب الخطأ والجور الناشئة عن الجهل والعجز واتباع الضعف النفساني الناشئ عن الجهل بالأحوال والعواقب.

(التحرير والتنوير: ۱۱/۳۹۰)

وبمثله قال الإمام الزركشي: ختم بصفة العلم إشارة إلى الإحاطة بأحوالنا وأحوالكم، وما نحن عليه من الحق وما أنتم عليه من الباطل، وإذا كان عالما بذلك فنسأله القضاء علينا وعليكم بما يعلم منا ومنكم.

(البرهان: ۱/۸۴، غزه: ۲۵۸)

خلاق علیم

خلّاق خلق ہی سے مبالغہ کا صیغہ ہے،قرآن پاک میں یہ اسم دو جگہ آیا ہے۔

سورہ حجر میں ہے: ﴿إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ﴾ (الحجر:۸۶)

سورہ یس میں ہے: ﴿وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ﴾ (یس:۸۱)

ہر دو مقامات پر خلاق کو اسم علیم کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے، کیونکہ خلق کی صفت میں کمال تام اسی ذات کو حاصل ہوسکتا ہے جو علم تام کا بھی مالک ہو۔

﴿يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِّن بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ﴾ (الزمر:۶)

تم کو تمہاری ماؤں کے شکموں میں بناتا ہے ،ایک بناوٹ کے بعد دوسری اور تیسری ، اس جگہ جہاں تین تین تاریکیاں (پیٹ ،رحم اور مشیمہ کی) ہوتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ خلاق ہے۔ پیدائش انسان کو اس نے آیت ذیل میں ظاہر فرمایا ہے:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّن طِينٍ ﴿١٢﴾ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ﴿١٣﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ ۚ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ﴾ (المومنون:۱۲ تا ۱۴)

’’ہم نے پہلے انسان کو صاف مٹی سے بنایا پھر انسان کی خلقت کو پانی سے بنایا جو رحم میں ٹھہرے ،پھر نطفہ کو جونک جیسا بنایا، پھر اسے لوتھڑا گوشت کا کر دیا، پھر اس میں ہڈیاں پیدا کر دیں، پھر ہم نے ہڈیوں پر گوشت کا لباس پہنا دیا، پھر پیدائش کے اگلے درجہ تک ہم نے اسے بڑھایا، بے شک بڑی برکتوں کا دینے والا وہ جو تمام صورت گروں سے بہتر اور پاکیزہ تر مخلوق پیدا کرتا ہے۔‘‘

﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ﴾ (الانعام: ۷۳،الزمر:۵)

﴿مَا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِن تَفٰوُتٍ﴾ (الملک:۳)

’’آسمان اور زمین کو ٹھیک ٹھیک پیدا کیا۔اللہ کی بنائی ہوئی کسی شے میں تم کوئی تفاوت نہیں پاؤ گے۔‘‘

خلقت و پیدائش کی جن انواع و اقسام کا ان آیات میں ذکر ہے،اس کی صحیح کیفیت مختلف علوم پر عبور کے بعد حاصل ہوتی ہے؛ لیکن ایک سرسری نگاہ سے دیکھنے والا انسان بھی اگر مختلف مخلوقات کا ذرا سا تصور کر لے تو اسے اللہ تعالیٰ کی خلاقیت کا تھوڑا بہت عرفان ہوسکتا ہے۔

لاتعداد مخلوق وہ ہے جسے نور سے بنایا، نار سے بنایا، خاک سے بنایا، لاتعداد مخلوق وہ ہے جو ہوا میں اڑنے والی ہے، جو پانی کے اندر جینے والی ہے، جو سطح ارض پر رہتی ہے اور لاتعداد مخلوق زمین کے اندر اپنے گھر بناتی ہے، لاتعداد مخلوق چار پائے کے نام سے مشہور ہے، اور لاتعداد مخلوق صرف دو پاؤں پر چلتی ہے، پھر ہر ایک کے تحت سینکڑوں اصناف واقسام ہیں۔

ہر ایک کی طبائع وخواص الگ، ہر ایک کی غذا الگ، ہر ایک کا مقصد زندگی جدا، علم وادراک میں، نشوونما میں، توالد وتناسل میں، حیات وممات میں سب کے طبقات جدا جدا ہیں، اس ادنیٰ تصور کے بعد معلوم ہو جائے گا کہ وہ مالک کتنا بڑا خلاق ہے اور ہر ایک مخلوق کے ساتھ اس کا علم کتنا وسیع اور ہمہ گیر ہے، مبارک ہے وہ انسان جو ایسے خالق کا بندہ ہے، جو ایسے مالک کا فرماں بردار ہے۔ (قاضی منصور پوری: ۲۱۰ تا ۲۱۲)

صفت خلق کے ساتھ صفت علیم لانے میں حکمت:

یہ صفات دو آیت (الحجر: ۸۶، یس: ۸۱) میں آئی ہیں، خلاق مبالغہ کا صیغہ ہے، جو کثرت پر دلالت کرتا ہے اور فعل کے کثرت وقوع یا ایک مرتبہ کے بعد دوسری مرتبہ ہونا بتاتا ہے، یا پھر نفس اعادۂ خلق کی طرف اشارہ ہے، لہٰذا اس صفت کی بعث بعد الموت اور اقامت قیامت کے ساتھ اچھی مناسبت ہے، پہلی آیت میں ان الساعة کے ساتھ مناسبت کے طور پر یہ صفت لائی گئی۔

قال الإمام ابن عاشور: وجملة (إن ربك هو الخلاق العليم) في موقع التعليل للأمر بالصفح عنهم. (التحریر والتنویر: ۷/۴۹۸)

اسی طرح دوسری آیت سے پہلے والی آیت میں ﴿قال من يحيي العظام﴾ اور بعد میں ﴿بقادر على ان يخلق مثلهم﴾ کا ذکر ہے، تو ان کی مناسبت سے خلاق علیم کا ذکر کیا گیا، آیت میں کثرت خلق وابداع (بلا نمونہ) کی طرف اشارہ ہے۔

خلاق کے ساتھ علیم کی مناسبت:

خلاق یہ علم کو شامل ہے؛ کیونکہ خلق وبناوٹ قدرت وعلم کے بغیر محال ہے، جب علیم صفت خلق کو شامل ہے، پھر علیم کا ذکر کیوں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ علیم جسم کے ہر ذرہ کو جانتا ہے کہ وہ فناء ہو کر کہاں چلا گیا، کس حال میں ہے؟ کہاں ہے؟ اس مناسبت سے صفت علیم کو ذکر کیا گیا۔

قال ابن كثير: "وقوله (إن ربك هو الخلاق العليم) تقرير للمعاد، وأنه تعالى قادر على إقامة الساعة؛ فإنه الخلاق الذي لا يعجزه خلق شيء، العليم بما تمزق من الأجساد، وتفرق في سائر أقطار الأرض".

(تفسير القرآن العظيم: ۲/۷۴۴)

خلاق سے دوسرا بھی اشارہ ہے کہ یہ لوگ اگرچہ آپ پر ایمان نہیں رکھتے ہیں؛ لیکن خلاق علیم ان کی نسلوں کو ایمان کی توفیق دے اور وہ اسلام کی خدمت میں دوسروں سے آگے بڑھ جاوے جیسے کہ طائف والے حضرات ایمان لائے۔

قال الإمام ابن عاشور: وفي وصفه الخلاق العليم إيماء إلى بشارة النبي ﷺ بأن الله يخلق من أولئك ما يعلم أنهم يكونون أولياء للنبي ﷺ، وهم الذين آمنوا بعد نزول الآية لقول النبي ﷺ: لعل الله أن يخرج من أصلابهم من يعبده، وتلك هي نكتة ذكر وصف الخلاق دون غيره من الأسماء الحسنى.

(التحریر والتنویر: ۱۰/۷۴)

صفت علیم صفت خلاق کے ساتھ دوجگہوں پر آیا ہے:

(۱)﴿إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيمُ﴾(حجر:۸۶)

اور نہیں بنایا ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو مگر حکمت اور مصلحت کے ساتھ؛ تاکہ ان سے صانع عالم کے وجود باجود، اس کی وحدانیت اور اس کی عظمت وقدرت پر استدلال کریں اور اس کے احکام کی اطاعت کریں اور ان بستیوں کو دیکھیں جو نافرمانیوں کی وجہ سے تباہ اور برباد ہوئیں اور دنیا ہی میں نافرمانی کے جرم میں پکڑ لیے گئے اور اگر بالفرض ہم کسی مجرم اور نافرمان کو دنیا میں نہ پکڑیں تو تحقیق قیامت ضرور آنے والی ہے، وہاں سزا مل جائے گی اور اس کفر وتکذیب کا نتیجہ وہاں ظاہر ہوجائے گا، پس آپ ان معاندین سے خوبی کے ساتھ درگذر کیجئے اور ان کے حال کو اللہ کی مشیت پر چھوڑ دیجئے۔ بے شک تیرا پروردگار وہی بڑا پیدا کرنے والا جاننے والا ہے، لہٰذا آپ ﷺ ان کے معاملہ کو خدا کے علم وحکمت اور اس کے ارادہ ومشیت کے سپرد کردیجئے، وہ خود ان سے بدلہ لے لے گا۔

(معارف القرآن ادریسی)

وہ خلاق ہے، لہٰذا چیز بے کار وعبث پیدا نہیں کرتا ہے، اور پھر صفت علم میں بھی کامل ہے، لہٰذا ہر چیز کی تخلیق میں اس کی صفت علم کا اظہار ہوتا ہے، یہ جملہ درگذر کرنے پر بطور تعلیل کے آیا ہے کہ ان سے درگزر کرنے میں بڑی مصلحتیں پوشیدہ ہیں، ہوسکتا ہے وہی بعد میں ایمان لاکر آپ سے کامل محبت کرنے والا بن جائے، صفت خلاق کے ساتھ صفت رب اور صفت علم اس کی مزید تاکید بتاتے ہیں۔

(۲)﴿أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى أَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۚ بَلٰى ۚ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيمُ﴾(یس:۸۱)

کیا وہ ذات جس نے آسمان وزمین جیسے اجسام عظیمہ پیدا کئے وہ اس پر قادر نہیں کہ وہ ان جیسے پانچ سات فٹ

کے انسان کو دوبارہ پیدا کردے؟ کیا جس خدا نے اتنے بڑے بڑے اجسام آسمان اور زمین بنائے کیا وہ مثل بشر کے دو بارہ بنانے پر قادر نہیں؟ حالانکہ آسمان وزمین اتنے بڑے ہیں کہ روئے زمین کے اربہا ارب انسان خدا کی پیدا کردہ زمین پر ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے کسی بڑے خوان میں چند دانے پڑے ہوں، اگر روئے زمین کے درختوں کے پتے، کیڑے اور مکوڑے، حیوانات، سمندر کی مچھلیاں اور بیابانوں کے ذرات کو جمع کیا جائے تو روئے زمین کے اربہا ارب انسانوں کو ان سے وہ نسبت بھی نہ ہوگی جو ایک کو ایک ارب سے ہوتی ہے، پس جو خدا اس غیر محدود کائنات کا پیدا کرنے والا ہے اسے روئے زمین کے انسانوں کا دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے؟ ہاں! کیوں نہیں؛ وہ بلا شبہ دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے اور کیوں نہ ہو وہ تو تمام کائنات کا پیدا کرنے والا ہے اور ہر چیز کی حقیقت اور کنہ کو جاننے والا ہے، اسے انسان کا دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

خلاق سے تخلیق کی مختلف کیفیات اور مخلوقات کا تنوع بھی مراد ہے، اور بعث بعد الموت کی طرف بھی اشارہ کردیا ہے۔

صفت علیم صفت واسع کے ساتھ چار مقامات پر مذکور ہیں:

قرآن مجید کی ۷ آیات میں صفت واسع وعلیم کا ذکر ہے، تمام مواقع میں وسعت رحمت اور عطاء کا ذکر ہے۔ (بقرہ:۱۱۵، ۲۴۷، ۲۶۱) پہلی آیت میں وسعت ملک ومکان ہے، جس میں قبلہ کی وسعت کی طرف اشارہ ہے، علم کی بھی کوئی حد نہیں، دوسری آیت (بقرہ: ۲۴۷) میں وسعت ملک مراد ہے، تیسری آیت (بقرہ:۲۶۱) میں **یضاعف لمن یشاء** سے غیر متناہی وسعت کی طرف اشارہ ہے، البتہ ایک آیت (نساء:۱۳۰) میں واسعا حکیما ہے؛ کیونکہ آیت کا مضمون طلاق کا ہے، آخری علاج کے طور پر طلاق کی مشروعیت ہوئی ہے، اس میں حکمت اور احکام میں وسعت کرتے ہوئے اجازت ملی ہے۔

قال الإمام الفخر: والمعنى أنه تعالى لما وعد كل واحد منهما بأنه يغنيه من سعته، وصف نفسه بأنه واسعا، وإنما جاز ذلك لأنه واسع الرزق، وواسع الفضل، وواسع الرحمة، وواسع القدرة، وواسع العلم، فلو ذكر أنه سبحانه واسع في كذا لاختص ذلك بذلك المذكور، وقوله حكيما قال ابن عباس: يريد فيما حكم ووعظ، يريد فيما حكم على الزوج من إمساكها بمعروف أو تسريح بإحسان. (تفسير الفخر الرازي:۶/۷۰)

(۱) ﴿وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ (بقرہ:۲۴۷)

اللہ تعالیٰ مالک الملک ہیں، اس کی عطاء اور بخشش کے لیے کسی اہلیت اور قابلیت کی شرط نہیں؛ بلکہ اہلیت اور قابلیت کے لیے اس کی عطاء شرط ہے، کسی کی مجال کیا ہے جو اس خداوند ذو الجلال سے سوال کرسکے، وہ مالک مطلق ہیں، جس کو چاہتے ہیں بادشاہی عطا کرتے ہیں اور اگر وہ شخص بادشاہت کی ذرہ برابر لیاقت بھی نہ رکھتا ہو تو اس کو سلطنت کی

لیاقت اور قابلیت عطا فرما دیتے ہیں اور غیب سے اس کی مدد فرماتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت اور کشائش والے ہیں، اس کے خزائن کی کوئی حد اور نہایت نہیں، انہیں کسی فقیر کو امیر بنا دینا کیا مشکل ہے؟ اور سب کچھ جاننے والے ہیں، وہ خوب جانتے ہیں کہ کون بادشاہت کے لائق ہے اور کون اس کے لائق نہیں، حق تعالیٰ نے اس آیت میں طالوت کی بادشاہی کے چار سبب بیان کیے: اول اس کی خداداد صلاحیتیں جس کو اصطفاء سے تعبیر کیا، دوم: وسعت علم جس پر حکمرانی اور تدبیر ملکی کا دارو مدار ہے، سوم: توانائی جسم جو شجاعت، ہیبت اور قدرت علی المدافعت کا موجب ہے، چہارم: تائید غیبی جس کو **وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ** اور **اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖ** سے ظاہر فرمایا۔ (معارف القرآن ادریسی)

حضرت شمعونؑ نے یہود کی درخواست پر حضرت طالوت کو بادشاہ مقرر کیا تو یہود نے ان کی مالی حیثیت کا بہانہ کرتے ہوئے اعتراضات کئے تو اس کا جواب دیا گیا کہ ﴿**والله يؤتى ملكه من يشاء**﴾، اور پھر دلیل کے طور پر واسع سے اپنی وسعت ملکی کا ذکر کیا اور ساتھ میں صفت علم سے واضح کیا کہ حکومت کے لئے مال کے مقابلہ میں جسمانی قوت اور روحانی قوت (علم) کی ضرورت ہے، وہ ہم نے حضرت طالوت کو عطا فرمائی ہے۔

(۲) ﴿**وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ**﴾ (بقرہ:۲۶۱)

جو لوگ اپنے مالوں کو خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، ان کی مثال ایسی ہے کہ ایک دانہ زمین میں ڈالا جائے جو کہ سات بالیں اگائے اور ہر بال میں سو دانے ہوں، اسی طرح صدقہ دینے والا بمنزلہ مزارع کے ہے اور مال بمنزلہ تخم اور دانہ کے ہے اور سبیل اللہ بمنزلہ زمین زراعت کے ہے، جو خدا کی راہ میں مال خرچ کرے گا اور سات سو گونہ کی کوئی تحدید نہیں: اللہ تعالیٰ بقدر اخلاص اور بقدر نیت و مشقت کے جس کے لیے جس قدر چاہتا ہے بڑھا دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ بڑی کشائش والا ہے، اس کی عطا اور بخشش کی کوئی حد اور نہایت نہیں، دینے سے اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں آتی، اور اخلاص و نیت اور اس کی مقدار و کیفیت کو بھی خوب جاننے والے ہیں، اس کے مطابق بڑھاتے ہیں۔

(معارف القرآن ادریسی)

(۳) ﴿**وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ**﴾ (بقرہ:۲۶۷)

شیطان کبھی تم کو تنگدستی سے ڈراتا ہے کہ اگر تم خدا کی راہ میں خرچ کرو گے یا عمدہ مال خیرات کرو گے تو تنگ دست ہو جاؤ گے؛ اگر دینا ہی ہے تو خراب اور ردی چیزیں خیرات کر دو اور کبھی شیطان تم کو بے حیائی کا حکم دیتا ہے کہ ناجائز کاموں میں خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے یا ریا اور دکھلاوے کے ساتھ خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ تم سے خرچ کرنے پر اور خصوصاً پاکیزہ کمائی سے خرچ کرنے پر اپنی جانب سے بخشش، فضل اور احسان کا وعدہ کرتا ہے، یعنی جو شئ

ہماری راہ میں خرچ کروگے اس پر ہم تمہاری مغفرت کریں گے اور دنیا اور آخرت میں اس سے کہیں زائد اضعافاً مضاعفہ تم کو عطا کریں گے، جو تمہارے وہم و گمان سے بھی کہیں بالا اور برتر ہوگا، **کما قال تعالیٰ:** ﴿وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ بڑا کشائش والا ہے، اس کے خزانہ میں کوئی کمی اور تنگی نہیں اور بڑا دانا ہے، تمہارے اخلاص اور نیت کے بمقدار انعام دے گا۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۴) ﴿اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ (نور: ۳۲)

اور جو تم میں سے مجرد اور غیر شادی شدہ ہیں؛ خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو، اور خواہ ابتداء سے مجرد ہو یا بیوی کی وفات یا طلاق سے مجرد ہو گیا ہو، تو تم ان کا نکاح کر دیا کرو اور اسی طرح تمہارے غلاموں اور باندیوں میں سے جو نکاح کے لائق ہیں، ان کا بھی نکاح کر دیا کرو؛ تاکہ نکاح سے ان کو طہارت اور پاکیزگی حاصل ہو جائے اور فقر و تنگدستی سے نہ ڈرو، اگر وہ فقیر اور محتاج بھی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے غنی اور تونگر بنا دے گا اور اللہ بہت دینے والا اور سب کے حال کا جاننے والا ہے، اگر تم طہارت اور نزاہت کی نیت سے نکاح کرو گے تو اللہ تمہاری تنگ دستی کو فراخی سے بدل دے گا اور اللہ اس پر قادر ہے، جو شخص عفت اور پاکدامنی حاصل کرنے کی نیت سے اور بدکاری سے بچنے کی نیت سے نکاح کرے گا، اس سے اللہ کا وعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو فراخی عطا فرمائے گا۔ (معارف القرآن ادریسی)

❁❁❁❁❁

الحی القیوم

حیّ: حیات سے حیّ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا نام الحیّ اس لیے ہے کہ وہ لوازم حیات، علم و قدرت، سمع و بصر اور ارادت و کلام والا ہے۔ وہ حیات ذاتیہ کا مالک ہے، اسی نے ان کمالات کا مظہر عالم ظہور میں دکھلایا ہے۔ (قاضی منصور پوری: ۱۵۸)

قیوم: قیام سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا نام اَلْقَيُّوْمُ: اس لیے ہے کہ وہ بذات خود قائم ہے، اس کا قیام کسی دوسری شے پر منحصر نہیں، دیمومتِ ذات (ہمیشگی) اسی کو حاصل ہے اور قیام ذات کی عزت کا وہی مالک ہے۔

واضح ہو کہ قرآن مجید میں اسم حیّ صرف ایک جگہ اکیلا آیا ہے:

﴿هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ﴾ (المؤمن: ۶۵)

”وہی ہے جو زندہ ہے، اس کے سوا معبود بھی کوئی نہیں، تم اس کو پورے خلوص کے ساتھ پکارا کرو۔“

باقی تین مقامات پر (اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ) مجتمعاً آیا ہے:

(۱) ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ﴾ (البقرۃ: ۲۵۵)

''اللہ ہے، اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں، وہی تو زندہ و توانا ہے۔''

(۲) ﴿اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ﴾ (آل عمران: ۲)

''اللہ ہے، اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں، وہی تو زندہ توانا ہے۔''

(۳) ﴿وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ﴾ (طٰہٰ: ۱۱۱)

''زندہ و توانا اللہ کے سامنے سب چہرے جھک جائیں گے۔''

اَلْحَيُّ جب کہ علم باری تعالیٰ ہے، تو اس کے معنی ہیں: باقی علی الابد، دائم بلا زوال، جو ہمیشہ سے موجود اور ہمیشہ سے صفت حیات سے موصوف ہے، نہ کبھی عدم اس کے سابق حال ہوا اور نہ کبھی موت اس کے لاحق حال ہوگی، دیگر مخلوقات کے لیے ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ﴾ (القصص: ۸۸) کا فرمان جاری ہے۔

الْقَيُّوْمُ کے معنی مجاہدؒ نے ''ہر شے پر قائم'' بتلائے ہیں۔ وہ قائم ہے، دائم ہے، موجود ہے، لازوال ہے۔ غیر متغیر ہے۔ (قاضی منصور پوری: ۱۵۹)

یہ صفات تین سورتوں میں ایک ساتھ آئی ہیں؛ لیکن آیات کے ختم پر ایک ہی جگہ سورۂ آل عمران: ۲) میں آئی ہے، حیّ کے بعد قیوم یہ بتانے کے لئے ہے کہ اس کی حیات مخلوق کی حیات کی طرح نہیں ہے، وہ قیوم بھی ہے، اپنی حیات میں کسی کا محتاج نہیں ہے، خاص کر کے حضرت عیسیٰ سے خدا ہونے کی نفی میں یہ معنی توحید کی طرف مشیر ہے کہ وہ اپنی حیات و موت اور کھانے پینے میں خدا تعالیٰ کے محتاج ہیں۔

قال الإمام ابن عاشور: "وأتبع بالوصفين (الحي القيوم) لنفي اللبس عن مسمى هذا الاسم، والإيماء إلى وجه انفراده بالإلهية، وأن غيره لا يستأهلها، لأنه غير حي أو غير قيوم فالأصنام لا حياة لها". (التحرير والتنوير: ۳/۲۵)

قیوم ایک آیات میں آیا ہے:

﴿اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ﴾ (آل عمران: ۲)

اللہ وہ ذات ہے کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں، الوہیت اور خدائی اسی کے لیے مخصوص ہے؛ اس لیے کہ وہ بذاتہ زندہ ہے اور اس کی حیات ازلی اور ابدی ہے، موت اور فناء کا اس کی ذات اور صفات میں کہیں امکان نہیں اور وہی تمام کائنات کے وجود اور حیات کو تھامنے والا اور قائم رکھنے والا ہے۔

اور عیسیٰ علیہ السلام کی حیات نہ ذاتی ہے اور نہ ازلی اور ابدی، اللہ تعالیٰ کے زندہ کرنے سے وہ زندہ ہوئے، ان کی

حیات اوران کی زندگی بلا شبہ حادث اور فانی ہے اور جس کا وجود اور جس کی حیات حادث اور فانی ہو وہ خدا نہیں وہ سکتا اور علیٰ ہذا عیسیٰ علیہ السلام نے نہ تو مخلوقات کو کوئی وجود اور حیات عطا کی اور نہ ان کے لیے کوئی سامان حیات پیدا کیا اور نہ وہ کائنات کے وجود کے تھامنے اور قائم رکھنے پر قادر ہیں، لہٰذا خدا کیسے ہوسکتے ہیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

❁❁❁❁❁

الکَرِیمُ

کرم سے ہے، کرم کے معنی عظمت، شرف، عزت اور جود وسخاوت ہیں، اہل زبان کریم کی صفت میں کہا کرتے ہیں کہ کریم وہ ہے کہ وعدہ کرے تو پورا کردے، قدرت پا کر قصور معاف کردے، عیب دیکھے اور پردہ پوشی کردے، قصور معلوم کرے اور درگزر فرمائے۔

بے شک اللہ تعالیٰ جملہ معانی کے اعتبار سے کریم ہے، وہی کرامت حقیقی کا مالک ہے اور وہی صاحب جود وکرم ہے۔

اللہ تعالیٰ کریم ہے کیونکہ وہ رسول کریم کا بھیجنے والا ہے۔ ﴿وَجَاءَهُمْ رَسُولٌ كَرِيمٌ﴾ (الدخان:۱۷)

اللہ تعالیٰ کریم ہے کیونکہ وہ قرآن کریم کا اتارنے والا ہے۔ ﴿إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ﴾ (الواقعہ:۷۷)

اللہ تعالیٰ کریم ہے کیونکہ وہ اجر کریم کا عطا فرمانے والا ہے۔ ﴿وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ﴾ (الحدید:۱۸)

اللہ تعالیٰ کریم ہے کہ مدخل کریم کا داخلہ اسی کے حکم میں ہے۔

اللہ تعالیٰ کریم ہے کہ رزق کریم کا ارزانی کنندہ وہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کریم ہے اور تمام مخلوق اس کی نوال وکرم سے بہرہ گر ہے۔

اللہ تعالیٰ کریم ہے کیونکہ جواد مطلق اور غنی برحق وہی ہے۔ ﴿فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ﴾ (النمل:۴۰)

(قاضی منصور پوری:۱۲۰-۱۲۱)

غنی کریم

یہ صفت ایک مقام پر آئی ہے، بندوں کے کفر کے باوجود ان پر اپنے انعامات واحسانات کی بارش برساتا رہتا ہے، اس کو ویسے ہی کسی کے ایمان کی ضرورت نہیں؛ لیکن بندوں کی حد سے زیادہ ناشکری سے بھی وہ تاثر قبول کرکے ان کو نعمتوں سے محروم نہیں کرتا، حضرت سلیمانؑ کے درباری عالم نے بھی یہی فرمایا کہ میں طرفۃ عین میں بلقیس کا تخت لاسکتا ہوں؛ لیکن یہ میرا ذاتی کمال نہیں؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل ہے اور یہ نعمت عظیمہ عالیہ میرا امتحان بھی ہوسکتی ہے کہ میں اس کا شکر گزار بندہ رہتا ہوں یا ناشکری کا مرتکب ہوتا ہوں، دونوں صورتوں میں وہ غنی کریم ہے۔

قال الإمام الفخر: ”فإن ربي غني كريم، غني عن شكره، لا يضره كفرانه، كريم لا يقطع عنه نعمه بسبب إعراضه عن الشكر“. (تفسير الفخر الرازي:۲۰۰/۱۲)

کریم دوآیتوں میں آیا ہے:

(۱)﴿وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ﴾(نمل:۴۰)

اور جو شخص شکر کرے وہ اپنے فائدہ کے لیے کرے گا کیونکہ شکر سے نعمت زیادہ ہوتی ہے اور عاقبت میں اس کا صلہ بہشت ہے، اور جو ناشکری کرے تو وہ میرے پروردگار کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا؛ کیونکہ میرا پروردگار بے نیاز اور بے پرواہے، اسے کسی کے شکر کی حاجت نہیں، اور وہ بڑا اکرم کرنے والا ہے، بلا کسی استحقاق کے کرم کرتا ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

إن سليمان عليه السلام لما قال إن الاتيان لعرش الملكة في طرفة عين اليه ليس إلا من فضل ربي علي، وفي هذا الفضل عليه امتحان من الله له، بأنه يشكر الله تعالى على هذا الفضل اولا، وأنه ان يشكره، ففائدة الشكر لا يرجع إلا اليه، وان لم يشكر فهذا لا يضر بالله فختم قوله هذا بكلمة من صفاته تعالى تشير بالدليل على ماقاله، وهي كريم بعد غني فغنائه لا يحتاج إلى فائدة شكر الشاكرين، و بكرمه لا يعاقب الكافرين معجلا بل ينعم عليهم كما اراد. فغني متعلق بالكفران، والكريم متعلق بالشكر. (التحرير والتنوير:۲۷۲/۱۹)

(۲)﴿يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ﴾(انفطار:۶)

اے انسان کس چیز نے تجھ کو تیرے رب کریم کے بارہ میں دھوکہ میں ڈال رکھا ہے، جس رب کریم نے تجھ کو بنایا ہے، عدم سے تجھ کو وجود میں لایا۔

انسانی غرور اور غفلت پر متنبہ کیا گیا ہے کہ انسان بحیثیت انسان ہونے کے اس امر سے نہایت ہی بعید ہے اور یہ بات اس کے واسطے قابل حیرت ہے کہ وہ اپنے رب کے معاملہ میں دھوکہ میں رہے، اس کو نہ پہچانے اور اس کی اطاعت وفرمانبرداری سے غرور وتکبر اختیار کرے، اس کو اللہ نے عقل وفطرت کی صلاحیت سے نوازا ہے اور مخلوق میں خالق کا رابطہ اور تعلق فطری امر ہے؛ لیکن اس کے باوجود اس کی سرکشی ونافرمانی بلاشبہ قابل حیرت ہے۔

ابوبکر وراق بیان کرتے ہیں کہ اگر قیامت میں مجھ سے کہا گیا﴿مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ﴾ تو میں کہہ دوں گا غرني كرم الكريم کہ کریم کے کرم نے مجھے دھوکہ میں ڈالا ؛غرض اس لطیف عنوان سے انسان کی طبعی کمزوری کو نمایاں کر دیا گیا؛ تاکہ اس عیب سے انسان اپنے آپ کو بچائے اور اس عیب سے اپنی زندگی کو پاک رکھے جو انسان کو حیوان سے بھی بدتر کردینے والی ہے، بس یہ حقیقت ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

إنه تعالى لما خاطب الإنسان بطريق العموم وخاطبه بياء وايها للتنبيه، وذكر باسلوب الاستفهام بقوله ﴿مَا غَرَّكَ﴾ فوصف له نفسه بالرب المضاف إلى ضمير الخطاب تلطفا به وترغيبا للانسان بان الله ربك فيربك ويهيء لك الاسباب التي تحتاج إليه كل حين، فلما ذا نفر منه وكيف تنجو من عقابه ان خالفته، وبعد ذلك ذكر الكريم ترغيبا للطاعة ولذلك ذكر في الآيات التي بعدها خلقه واستقامته وتركيبه في الصورة التي يقتضيها الله وأرادها. وذكر تعجب الانسان من المخالفة كيف تخافه مع أنه رباك ويربك، وأنه كريم فلماذا نفر عنه وترغب عن طاعته فناسب ان يذكر كلمة تدل على مزيد الترغيب، ولم يكن الجدير الا الكريم فلذا ذكره في النهاية بأنه كريم عليك بمزيد النعم فعليك اطاعته التنحي عن مخالفته.

وإنما لم يذكر الصفات الأخرى من الرحيم ولعظيم وغيرها لأن هذا مقام الترغيب إلى الطاعة بالطف طريقة، وكان المناسب ذكر النعم الظاهرة وكونه متصفا بالجود، فلذا ذكر الكريم ههنا دون غيره من الصفات. (مرزا: ۳۵۲-۳۵۳)

الرَّحْمٰنُ

رَحْمٰن اور رحیم دونوں کا اشتقاق ''رحمت'' سے ہے، مگر ہر دو اسماء میں خصوصیات جداگانہ بھی ہیں۔

الرَّحْمٰنُ علمیت کے لحاظ سے اسم اللہ کے برابر برابر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اللہ کہو یا رَحْمٰن کہو۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى. (الاسراء: ۱۱۰)

''کہہ دیجئے کہ اللہ کہو یا رحمن کہو، ان میں سے کچھ بھی کہہ لو، اللہ کے تو سب نام احسن و بہتر ہیں۔''

اب یاد رکھنا چاہیے کہ کفار قریش ام اللہ سے تو واقف تھے مگر اسم رحمن سے ان کو ذرا واقفیت نہ تھی۔

اسم اللہ کے متعلق آیات ذیل پر غور کرو کہ کفار اس اسم کا استعمال کیوں کرتے تھے۔

﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ﴾ (العنکبوت: ۶۱)

''اگر تو ان سے پوچھے گا کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے بنایا اور سورج چاند کو کس نے کام میں لگایا، تو وہ کہہ دیں گے: اللہ نے۔''

﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ (العنکبوت: ۶۳)

’’اگر تو اُن سے پوچھے: کس نے آسمان سے پانی اتارا، پھر زمین کو موت کے بعد اس پانی سے زندہ کیا، تو وہ کہہ دیں گے: اللہ نے۔‘‘

﴿وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ﴾ (الزخرف:۸۷)

’’اگر تو ان سے پوچھے کہ ان کو کس نے پیدا کیا تو کہہ دیں گے اللہ نے۔‘‘

آیات بالا سے ظاہر ہے کہ کفار عرب خالق ارض وسما اور منزلِ باراں (بارش نازل کرنے والا) خالق انسان اللہ ہی کو جانتے تھے مگر وہ اسم رحمن سے ہمیشہ انکار ہی کیا کرتے تھے۔

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اسْجُدُوا لِلرَّحْمَٰنِ قَالُوا وَمَا الرَّحْمَٰنُ﴾ (الفرقان:۶۰)

’’جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو، تب وہ کہتے ہیں کہ رحمٰن کیا ہوتا ہے۔‘‘ (شاید ان کو شک ہوتا ہوگا کہ رحمن بھی کوئی چیز ہوگی؟)

﴿وَهُم بِذِكْرِ الرَّحْمَٰنِ هُمْ كَافِرُونَ﴾ (الانبیاء:۳۶)

’’اور یہی تو وہ ہیں جو رحمن کے ذکر سے انکاری ہیں۔‘‘

ان آیات سے واضح ہوا کہ کفار اسم پاک رحمن سے نا آشنا بھی تھے اور اسم ہذا سے نفور بھی، اب یہ ثابت ہوگیا کہ اسم رحمن وہ ہے جس سے اسلام ہی نے لوگوں کو واقف کیا۔ بیشک یہ اسلام ہی کے لیے موزوں اور شایان تھا کہ اس دین میں اسم رحمن کا فیضان ہوتا۔ (قاضی منصور پوری:۶۱-۶۲)

الرحمٰن ایک آیت میں آیا ہے:

(۱) ﴿اَلرَّحْمَٰنُ﴾ (رحمٰن:۱)

رحمٰن ہی ہے جس نے قرآن سکھایا جو اس کی عطاؤں میں سب سے بڑی عطاء اور نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت اور رحمت ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

فهي رمز واشارة إلى أن جل والنعم التى من أجلها تعليم القرآن إنما هو ممن لا غاية لرحمته، وهذا هو الوجه في البدء بعد النعم بتعليم القرآن من بين النعم الأخرى له تعالى على عباده. (مرزا:۳۵۶)

الحق المُبِین

حق یہ لفظ قرآن مجید میں ۲۲۷ بار مستعمل ہوا ہے، اس لفظ کا اس کثرت سے استعمال بتلاتا ہے کہ قرآن مجید کا مقصود اعظم حق ہی کی معرفت دنیا میں حق پھیلانا، حق بولنا، حق سکھلانا ہے، یعنی کلام اللہ سراپا حق ہے اور منجانب حق ہے، حق کو لے کر آیا ہے، حق اس کے ساتھ ساتھ ہے۔ لغت میں حق کے معنی متعدد ہیں:

(۱) راستی اور راست بازی کے معنی میں ہے:

﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ﴾ (الکہف:۲۹)

''اپنے رب کی طرف سے حق کہو۔''

﴿إِنَّ وَعْدَ اللهِ حَقٌّ﴾ ''اللہ کا وعدہ سچا ہے۔''

(۲) کسی کام کا لازم الوقوع ہونا:

﴿وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ﴾ (الاعراف:۸)

''اس روز اعمال کا وزن ہونا ضروری ہے۔''

﴿ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ﴾ (النبا:۳۹)

''یہ دن ضرور آنے والا ہے۔''

(۳) کسی شخص کا معین حصہ و بہرہ:

﴿وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ﴾ (الذاریات ۱۹)

''ان کے زر و مال میں سوالی اور محروم کا حصہ ہے۔''

(۴) ثابت و لزوم ہونا:

﴿أُولٰئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ﴾ (الاحقاف:۱۸)

''یہ وہ ہیں جن پر خدا کا فرمان ثابت ہو گیا۔''

(۵) عدل و انصاف:

﴿هٰذَا كِتَابُنَا يَنطِقُ عَلَيْكُم بِالْحَقِّ﴾ (الجاثیہ:۲۹)

''ہماری یہ کتاب تم پر ٹھیک ٹھیک بتلا رہی ہے۔''

(۶) اکمال و اتمام:

﴿الْآنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ﴾ (البقرۃ:۷۱)

''اب تم نے پورا پورا بتلا دیا۔''

﴿قَدْ جَاءَكُمُ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ﴾ (النساء:۱۷۰)

''رسول تمہارے پاس حق لے کر آیا ہے۔''

(۷) اصلیت:

﴿خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ﴾ (الزمر:۵)

آسمانوں اور زمین کو سچ مچ پیدا کیا ہے۔''

(۸) صداقت:

﴿نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ﴾ (آل عمران:۳)

''کتاب کو تجھ پر صداقت کے ساتھ نازل کیا ہے۔''

(۹) رُشد وہدایت:

﴿يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ وَإِلَى طَرِيقٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾ (الاحقاف:۳۰)

''حق سیدھی راہ کی طرف لے جانے والی ہے۔''

﴿وَبِالْحَقِّ أَنزَلْنَاهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ﴾ (الاسراء:۱۰۵)

''ہم نے اسے حق کے ساتھ نازل کیا اور حق کے ساتھ نازل ہوئی۔

جب لفظ حق کے اتنے معنی ہوئے تو یقین کرنا چاہیے کہ اللہ تعالی کا اسم پاک الحق ان جملہ معانی کے لحاظ سے منفرد او مجتمعاً حیثیت سے بالکل درست ہے۔ (قاضی منصور پوری:۱۴۰)

مبین: بَانَ بَيْنًا: جدا ہوا یا پیوست ہوا۔ (ازلغات اضداد)

بَانَ بَيَانًا: پیدا و آشکار ہوا، مبین اسی سے ہے اور لازم و متعدی بہر دو معنی مستعمل ہے۔

اللہ تعالی مبین ہے اس کی کُنہ ذات تک رسائی محال ہے۔

اللہ تعالی مبین ہے اور اس سے پیوستگی و تقرب کی راہیں کھلی ہیں۔

اللہ تعالی مبین ہے اور مصنوعات کی ہر چیز اور ہر چیز کے اجزاء اس کی قدرت و خالقیت کے مظہر ہیں۔

اللہ تعالی مبین ہے اور جملہ بینات کا ظہور اسی کی تبیین سے ہے۔

اللہ تعالیٰ مبین ہے اور آیات بینات کو ظہور میں لانے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ مبین ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات کو بَیِّنَۃ بنا کر اسی نے دنیا میں بھیجا ہے:

﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنفَكِّينَ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ﴿١﴾ رَسُولٌ مِّنَ اللَّهِ﴾ (البیّنۃ:۱-۲)

''کتاب والے اور مشرک جو کافر ہیں باز آنے والے نہیں تھے اس وقت تک کہ ایک کھلی دلیل اُن کے پاس نہ آجائے، یعنی اللہ کا رسول۔''

اللہ تعالیٰ مبین ہے اور کتاب مُبین کو اسی نے نازل فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ مبین ہے، اسی نے انسان کو بیان سکھلایا ہے۔ (قاضی منصور پوری:۱۹۹-۲۰۰)

قال الإمام الزمخشري: فإن قلت: مامعنى قوله هو الحق المبين، قلت معناه ذو الحق البين، أي العادل الظاهر، العدل الذي لا ظلم في حكمه، والمحق الذي لا يوصف بالباطل، ومن هذه صفته لم تسقط عنده إساءة مسيء، ولا إحسان محسن، فحق لمثله أن يتقى ويجتنب محارمه.

وقال الإمام الألوسي: وهذه الجملة ظاهرة جدا في أن الآية في ابن أبي وأضرابه من المنافقين الرامين حرم رسول الله ﷺ. (غزه:۲۵۴)

مبین ایک آیت میں آیا ہے:

(۱) ﴿يَوْمَئِذٍ يُوَفِّيهِمُ اللَّهُ دِينَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ﴾ (نور:۲۵)

اس دن اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اعمال کی پوری پوری حق حق جزا دے گا، اور اس وقت جان لیں گے کہ اللہ ہی حق ہے جو حق اور صدق کو ظاہر کرنے والا ہے، جس میں ذرہ برابر بھی غلطی کا امکان نہیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

یہ آیت منافقین کی حضرت عائشہ صدیقہ پر تہمت کے سلسلے میں نازل ہوئی کہ لوگ دین اسلام اور یوم الجزاء کو یقینی نہیں مانتے ہیں؛ لہٰذا جرم عظیم کے مرتکب ہوئے؛ لیکن قیامت کے دن سب کچھ معلوم ہو جائے گا اور ان کے بدن کے اعضاء ان کے خلاف گواہی دیں گے؛ لیکن ولات حین مناص ہوگا۔

أنه تعالى لما ذكر ايفاء الله جزاء القاذفين بأنه سيوفيهم يوم القيامة جزاء عملهم الحق الصادق مناسبا وموافق لاعمالهم فذكر فى الوسط بجملة يفيد علمه بصيغة المضارع بأنهم سيعلمون فلدفع الريب والشبهة التى يختلج فى القلب. كيف يعلمون فذكر باسلوب التوكيد والحصر بأنه تعالى هو الحق الذى ليس وراءه حق

وصدق بل هو الحق والصدق حقيقة لأن جميع ما يقول ثابت فوصف الحق بالمبين لمزيد التوضيح.

(مرزا:۳۵۷)

الرزاق ذو القوة المَتِين

رزق کے معنی اکل وشرب کی اشیاء، مال ومتاع وغیرہ ہیں، وہ سب چیزیں جن سے انسان متلذذ (لذت) اور حسی اور ذہنی انتفاع (فائدہ) حاصل کرتا ہے، رزق میں شامل ہیں۔

قرآن مجید کی سورۂ ذاریات میں ﴿هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ﴾ (الذاریات:۵۸) آیا ہے۔

اور المائدہ وحج اور مؤمنون وجمعہ میں ﴿خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ﴾ آیا ہے۔

بعض اوقات ماں باپ، حاکم، محسن، بادشاہ کو یہ گمان ہو جاتا ہے کہ وہ کسی بچہ یا شخص کو رزق دیا کرتے ہیں، اگر ان کو عارضی طور پر ان کے دعویٰ میں سچا سمجھ لیا جائے، تب بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رزق رسانی بدرجہ اتم واکمل ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو دیکھو، کوئی روٹی کا بھوکا ہے، کوئی گوشت کا، کوئی گھاس کا، کوئی ذوق وشوق کا، کوئی محبت کا، کوئی ذکر کا، ہر ایک کو رزق پہنچانا اسی رزاقِ مطلق کا کام ہے۔

ایک غذا کے اندر معدہ، اعصاب، شرائین، جگر طحال، قلب ودماغ کے پرورش کرنے والے الگ الگ اجزاء ہیں اور ہر ایک عضو اپنی اپنی غذا کو چوس لیتا اور دوسرے عضو کا حصہ اس کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ (قاضی منصور پوری:۹۲)

متین: مَتُنَ مَتَانَةً صَلُبَ وَاشْتَدَّ وَقَوِيَ فاعل کے معنی میں مَتْن اور مَتِين آتے ہیں۔

اسم پاک ہونے میں متین کے معنی یہ ہیں: وہ ذات قوی جسے اپنے افعال میں مشقت وکلفت اور تعب (تھکاوٹ) لاحق نہیں ہوتی، قوی اور متین میں تھوڑا سا فرق ہے۔

قدرت میں بالغ وتام کو قوی کہتے ہیں اور قدرت میں مضبوط وشدید کو متین بولتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے:

فَقَامَ مُمْتَتِنًا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری طاقت واستقامت سے قیام فرمایا۔

قرآن مجید میں یہ اسم ایک ہی جگہ سورۂ ذاریات میں آیا ہے اور اس کا استعمال ﴿ذُو الْقُوَّةِ﴾ کے ساتھ ہوا ہے۔

فرمایا: ﴿إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ﴾ (الذّٰریٰت:۵۸)

''اللہ ہی ہے جو بہت رزق رساں، قوت والا، طاقت والا ہے۔''

اللہ ہی ہے جو تمام مخلوق کو رزق رسانی فرماتا ہے، وہی ان تھک طاقتوں والا، وہی لامحدود قوتوں والا ہے۔

مَتِیْن اللہ تعالیٰ کا اسم اس لیے بھی ہے کہ وہ مستقل بالذات ہے، قائم بالذات خود ہے۔ کسی دوسری طاقت کا محتاج نہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ متین ہے، ہر ایک استحکام و پائیداری اور شدّت وقوت کا انضباط اس کے حکم سے ہے۔

(قاضی منصور پوری: ۱۴۹-۱۵۰)

متین ایک آیت میں آیا ہے:

(۱) ﴿إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ﴾ (ذاریات: ۵۸)

میں ان سے نہیں چاہتا ہوں کوئی روزینہ اور نہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں، میں نے بندگی کا حکم دنیا کے آقاؤں کی طرح نہیں دیا ہے کہ وہ اپنے غلاموں کو کہتا ہے کہ محنت کرو اور کما کر لاؤ؛ بلکہ میں ہی تو سب کو روزی دینے والا ہوں اور سب میرے محتاج ہیں، عبادت کا حکم صرف اسی لئے دیا ہے کہ میری عظمت و شہنشاہیت کو پہچان کر میری بندگی کرو اور میرے انعام کے مستحق بنو، بے شک اللہ ہی روزی دینے والا بڑا طاقت ور مضبوط ہے۔ (معارف القرآن ادریسی)

أنه تعالى لما ذكر قبل ذلك بأنه تعالى لا يريد من الخلق الرزق فذكر ههنا قدرته التامة بأنه تعالى هو الرزاق وصاحب القوة المتين المحكم الذى لا يتغير، فهذه الجملة علة تعليل لعدم ارادة الرزق منهم.

وتعليل هذه الجملة تعليل لما تقوم من الامرين فقوله هو الرزاق تعليل لعدم طلب الرزق، وقوله ذو القوة تعليل لعدم طالب الفعل، لان من يطلب رزقا يكون فقيرا محتاجا، ومن يطلب عملا من غيره يكون عاجزا لا قوة له.

ومن خصائص ذو ان تضاف إلى امر مهم فعلم ان القوة هنا قوة خالية من النقائص.

والمتين الشديد وهو هنا وصف لذى القوة اى الشديد القوة، وقد عد المتين فى أسمائه تعالى. قال الغزالى: وذلك يرجع الى معالى القدرة.

واظهار اسم الجلالة فى إن الله هو الرزاق اخراج للكلام على خلاف مقتضى الظاهر، لأن مقتضاء إنى انا الرزاق، فعدل عن الاضمار إلى الاسم الظاهر لتكون هذه الجملة مستقلة بالدلالة، لأنها سيرت مسير الكلام الجامع والامثال.

وفى قوله إن الله هو الرزاق ذو قوة المتين طريق قصر لوجود ضمير الفصل اي لا رزاق ولا ذو قوة ولا متين الا الله، وهو قصر إضافى، اى دون الاصنام التى يعبدونها. (مرزا: ۳۶۰-۳۶۱)

اللہ

اسم علم ہے اور ذات سبحانی کے لئے خاص الخاص ہے، علماء راسخین کا قول ہے کہ یہ اسم کسی سے مشتق نہیں، قوی مذہب یہی ہے، بعض نے اسے مشتق بتایا ہے۔ پھر اختلاف ہے کہ کس مصدر سے مشتق ہے؟ تفسیر کبیر نے درج ذیل چند اقوال نقل کئے ہیں۔

اوّل...... اَلِهْتُ الی فلان سے مشتق ہے، اس کے معنی سَکَنْتُ الی فُلانٍ ہیں، یعنی:

اللہ وہ ہے جس کے نام سے تسکین ہوتی ہے۔

اللہ وہ ہے جو آرام دل عارفین ہے۔

اللہ وہ ہے جو تسکین قلب مضطرین ہے۔

اللہ وہ ہے کہ ﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ﴾ (رعد:۲۸) سے اس کی شان واضح ہوتی ہے۔

دوم...... اَلَهٗ وَلَهٗ سے مشتق ہے جس کے معنی وارفتگی کے ہیں۔ یعنی:

اللہ وہ ہے کہ قلب اس کا شیدا ہے۔

اللہ وہ ہے کہ ارواح پاک اس کی شیفتہ وفریفتہ ہیں۔

اللہ وہ ہے کہ ادراک مخلوقات حیرت ودر بودگی پر منتہی ہوتا ہے۔

عرفان اپنی شناخت میں اپنے نقصان کا اقراری ہوتا ہے اور یہی معرفت نقصان اسے بلند ترین علم وعرفان تک پہنچاتا ہے۔

سوم...... اِلٰه لَاهَ سے مشتق ہے جس کے معنی بلند شان ہیں۔

اللہ وہ ہے جو لوازمات مادہ سے برتر واعلیٰ ہے۔

اللہ وہ ہے جو زمان ومکان کے احاطہ سے ارفع وبلند ہے۔

اللہ وہ ہے جو ذوی العقول کے وہم وگمان، فہم وادراک سے بالاتر ہے۔

چہارم...... لَاهَ يَلُوهُ لَاهُيَا سے مشتق ہے، جس کے معنی احتجاب ہے۔ یعنی:

اللہ وہ ہے جس کی ذات عقول سے محجوب ہے۔

اللہ وہ ہے جس کے نور کا انکشاف ارواح نوریہ کے لیے ستر کبریٰ ہے۔

اللہ وہ ہے جس کا کمال ہی ناقصین کے لیے حجاب ہے۔

پنجم......اَلَہَ الفَصِیْلُ سے بنا ہے۔یعنی بچہ کا اپنی ماں کی طرف احتجاج مند ہونا۔یعنی:

اللہ وہ ہے کہ سب اس کے محتاج ہیں۔

اللہ وہ ہے کہ آفات ومصائب میں اسی کی جانب بازگشت کی جاتی ہے۔

اللہ وہ ہے کہ تضرع والحاح ہی کے ذریعہ سے ہماری رسائی اس کی آستان تک ہوسکتی ہے۔

ششم......اَلِہَ اَلَہٗ (سمع) سے بنا ہے،محاورہ اَلِہَ عَلٰی فُلَانٍ اس سے ڈرتا رہا۔اَلِہَ اِلَھًا اس کی پناہ ڈھونڈھی۔یعنی:

اللہ وہ ہے جو خوف وہراس کے وقت بندوں کی پناہ ہے۔

اللہ وہ ہے جو تمام عالم کی تکیہ گاہ ہے۔

اللہ وہ ہے جس کی حفاظت میں تمام مخلوق اپنے اپنے اعداء کی دستبرد سے محفوظ ہے۔

ہاں!لفظ اللہ کی ترکیب لفظی پر غور کرو۔

اللہ کا حرف ہمزہ نہ لکھا جائے تو للہ پڑھا جاتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ہر ایک شئ اللہ ہی کی ملک ہے۔قرآن پاک میں ہے:﴿وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾(المنافقون:۷)

للہ سے ایک ل کم ہوجائے تو ''ہٗ'' رہ جائے گا۔جس کا تلفظ ھو ہے،یہ حرف واحد بھی،اسی واحد الاحد کی ذات وحید پر دلالت کرے گا۔قرآن مجید میں ہے:﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾(اخلاص:۱)اور دوسرے مقام میں ہے﴿هُوَ الْحَیُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾(غافر:۶۵)

یہ یادرکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پاک کی تعیین میں اسی اسم خاص کی طرف رہنمائی فرمائی ہے۔موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کوہ طور پر کلمات الٰہی میں عرفان تام عطا ہوا تھا۔﴿اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا﴾(طٰہٰ:۱۴)حق یہ ہے کہ میں ہی تو اللہ ہوں اور کوئی بھی معبود نہیں،میں ہی ہوں۔

کلام الٰہی کے اس فقرہ کو بار بار قلب پر پیش کرو کہ تحقیق وتصدیق کے مرتبۂ اعلیٰ پر ہے،مقام نفی واثبات میں بھی اسی اسم کا اثبات ہوتا ہے:لا الٰہ الا اللّٰہ.

یعنی ہر ایک شئ جس کا الٰہ ہونا کبھی مشرکین نے گمان کیا ہو۔

ہر ایک معبود باطل جسے بطور معبود پکارا گیا ہو یا پرستش کیا گیا ہو۔

ہر شئ جو انسان کے دل پر تسلط کر لینے والی ہے۔

ہر شئ جس کی محبت دیگر انواع محبت پر غالب آسکتی ہے۔

ہر شئ جو انسان کی منتہائے آرزو بن سکتی ہے۔

ہر شئ جس کی نسبت کسی کمال ذاتی کا وہم وگمان کیا جا سکتا ہے۔

ہر وہم وگمان جو کمال غیر کا توہّم پیدا کرنے والا ہے۔

ان سب کی نفی کلی کر دی جاتی ہے، سب کو خنجر ''لا'' سے ذبح کر دیا جاتا ہے، اثبات صرف اسم اللہ کا ہوتا ہے۔

ثبوت واثبات میں فرق عظیم ہے۔ وہ جو بذات خود ثابت وحق ہے، ذرۂ فانی اس کا اثبات نہیں کر سکتا۔

اثبات کے معنی تو وہ نسبت صحیحہ وعظیمہ ہے، جو قلب مومن کو اس اسم ذات کے ساتھ قائم ودائم ہو جانی چاہئے۔

کلمہ توحید پر نگاہ ڈالو، لا الٰہ الا اللّٰہ کے حرف پر تدبر کرو کہ سارے کلمہ میں کوئی بھی زائد حرف موجود نہیں، وہی حروف ہیں جو اسم ذات اللہ کے اندر موجود ہیں، انہی کی ترکیب کلمہ توحید کو بنا دیتی ہے۔

اللّٰہ اکبر حفاظت توحید خالص کے لئے کس قدر اہتمام ہے اور غیرت الٰہیہ کس قدر غیریت سے برتر واقع ہوئی ہے۔

یاد رکھئے کہ اسم اللہ اختصاص وجود کو مبرہن کرتا ہے اور اسی کا عین حقیقت ہونا آشکارا کرتا ہے، باقی سب ممکن الوجود ہیں اور ان سب کا ہست ہونا محض اضافی ہے، وہ مخلوق جو عدم اول اور عدم آخر سے محیط ہے، وہ مخلوق جس کی ہستی موجودہ میں بھی فنا ہر وقت اور آن کام کر رہی ہے، وہ مخلوق جو لقمۂ ہلاکت ہے، دراصل حقیقت وجوب وجود سے قطعاً عاری ہے۔

اللہ ہی ہے جو احد اور واحد ہے، اس کی ذات کے سوا ہر شئ کا وجود مرکب ہے اور ہر شئ کا ظہور ترکیب کا نتیجہ ہے۔

اللہ ہی ہے جس کے سوا اور کسی کو الوہیت کا شائبہ بھی حاصل نہیں۔

اللہ ہی ہے جو دین خالص کا مالک ہے۔

اللہ ہی ہے جو محبت خالص کا شایان ہے۔

اللہ ہی ہے کہ آسمانوں اور زمین کے خزائن اس کے قبضہ میں ہیں۔

اللہ ہی ہے جسے ارض وسما کی وراثت حاصل ہے۔

اللہ ہی ہے جو دلوں کی چھپی ہوئی اور سینوں میں ڈھکی ہوئی باتوں کو جانتا ہے۔

اللہ ہی ہے جو تحت ثریٰ اور فوق ثریا کے غیوب کا عالم ہے۔

اللہ ہی ہے جو رات کو دن اور دن کو رات سے بدلتا ہے۔

اللہ ہی ہے جو آسمانوں سے مینہ برساتا اور زمین سے دانہ اگاتا ہے۔

اللہ ہی ہے جس کی تسبیح وتحمید میں ہر شئ لگی ہوئی ہے۔

اللہ ہی ہے جسے ہر شیٔ سجدہ کرتی ہے۔
اللہ ہی ہے جو ہر شیٔ کی مقتضائے طبع کو جانتا ہے اور اس کی تکمیل کا سامان فرماتا ہے۔
اللہ ہی ہے جو ﴿نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ﴾ (نور:۳۵) ہے۔
اللہ ہی ہے جو خاکی بندوں کو نوری پیکروں سے بڑھ کر کمال بخشتا ہے۔
اللہ ہی ہے کہ ایمان وتقویٰ سے اس کی ولا (ولایت) حاصل ہوتی ہے۔
اللہ ہی ہے کہ صبر واحسان سے اس کی معیت نشوونما پاتی ہے۔
اللہ ہی ہے کہ جو توبہ کرنے والوں، توکل کرنے والوں، عدل کرنے والوں، اہل صدق واہل اخلاق سے محبت کرتا ہے۔
اللہ ہی ہے کہ مومن بچہ کی زبان اسی کے نام پر کھلتی ہے اور باایمان انسان کے لب اسی کو دہراتے دہراتے بند ہوتے ہیں۔
اللہ ہی ہے کہ اس کے لئے سجدہ ہے۔
اللہ ہی ہے کہ اسی کے نام کے لئے قسم ہے۔
اللہ ہی ہے کہ جو قلوب کا مطلوب ہے۔
اللہ ہی ہے کہ جو ارواح کی جان ہے۔
اللہ ہی ہے کہ ہر مومن کا دل اس کی جانب مضطر و بے قرار ہے۔
اللہ ہی ہے کہ جو دعاؤں کو سنتا، مرادیں بخشتا ہے۔
اللہ ہی ہے کہ تمام عالم اسی کے نظام کا مسخر دوام ہے۔
اللہ ہی ہے جو سالکوں کو راہ دکھاتا، طالبوں کو بلاتا ہے۔
اللہ ہی ہے کہ سب ولی، سب شہید، سب صدیق، سب فرشتے، سب نبی، سب رسول اس کے بندے ہیں، اس کے حکم کے سامنے سرافگندہ (سرنگوں) ہیں۔
اس کا حکم مانتے ہیں اور اس کی نافرمانی نہیں کرتے، ان سب کا بھروسہ اور سہارا اور اعتماد وتوکل اللہ ہی کی ذات پاک پر ہوا کرتا ہے۔
اللہ ہی ہے جو اپنی رحمت سے سب کو پالتا ہے، جو اپنے رحم سے اپنے بندوں کو پیار کرتا ہے، جو اپنے فضل سے خاص بندوں کو بڑھاتا ہے، جو اپنی لطف وعطوفت سے سب کے قصوروں کو معاف کرتا ہے، جو اپنی عظمت وکبریائی سے

سب کو بزرگی وعزت دیتا ہے۔

اللہ ہی ہے جس کے حکم سے موسموں کا تغیر، مہر و ماہ کا طلوع و غروب، شمس وقمر کا کسوف وخسوف ہوتا ہے۔

اللہ ہی ہے جس کے حکم سے لرزنے والی زمین اب رہائش انسان کے قابل بنی ہوئی ہے۔

اللہ ہی ہے جس نے بحر امواج کی موجوں کی حد بندی کر دی ہے، جو کنارہ سے ایک انچ آگے نہیں بڑھ سکتی۔

اللہ ہی ہے جس نے پہاڑوں کے شکم اپنے مخزن بنائے، جس نے پہاڑوں کی نوکیلی چوٹیوں کو پانیوں کا ذخیرہ ٹھہرایا ہے۔

اللہ ہی ہے جو دردمندوں کی دوا ہے، جو بے ٹھکانوں کی پناہ ہے، جو نرآسوں کی آس ہے۔

اللہ ہی ہے جو سوتے جاگتے ہر وقت ہمارے پاس ہے۔

اللہ ہی ہے جو ہمارے کانوں کو شنوائی، ہماری آنکھوں کو بینائی اور قلوب کو روشنائی دیتا ہے۔

اللہ ہی ہے وہ اسم ذات جو اسی کی ذات کے لئے مستعمل ہے۔

اللہ ہی ہے وہ اسم ذات جو جملہ صفات کو اپنے اندر موجود رکھتا ہے۔

اللہ ہی ہے وہ اسم ذات کہ صفات اس کی مسمیٰ سے نہ خارج ہیں نہ زائد ہیں۔

اللہ ہی ہے جس کی ذات وصفات میں تفریق ناممکن ہے۔

اللہ ہی ہے جو بندوں کی ذہنی وفرضی تقسیم ذات وصفات سے منزہ و پاک ہے۔

اللہ ہی ہے جس کا عرفان عقل اپنے شواہد سے، فطرت اپنے معالم سے، روح اپنے مدارج سے، قلب اپنے حقائق سے اور ایمان اپنی تصدیق سے حاصل کرتا ہے۔

اللہ ہی ہے جس کے حکم سے فنا ملتی ہے اور جس کے فضل سے بقا ملتی ہے۔

اللہ ہی ہے جس کا انصاف رحم کے پردہ میں نور بخش ہے۔

اللہ ہی ہے جس نے اپنی ذات پاک پر رحمت کو لکھ رکھا ہے۔

اللہ ہی ہے جس نے ہمارے آقا و مولیٰ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعلمین بنایا ہے۔

﴿ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ وَلَهُ الْكِبْرِیَآءُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴾ (جاثیہ: ۳۷) (قاضی منصور پوری: ۵۰ تا ۵۶)

اللہ ایک آیت میں آیا ہے:

(۱) ﴿ وَالْاَمْرُ یَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ﴾ (انفطار: ۱۹)

وہ دن (انصاف کا دن) ایسا ہوگا: کوئی انسان کسی انسان کے لیے کسی بھی چیز کا مالک نہ ہوگا اور کوئی کسی کے لیے کچھ بھی نہ کر سکے گا، اس دن تمام رشتے ناطے اور تعلقات وروابط قطع ہو چکے ہوں گے اور کسی کو کسی کے لیے بولنے کی بھی مجال نہ ہوگی، اور ہر فیصلہ اس دن اللہ ہی کے لیے ہوگا، ہر ایک نفسی نفسی پکارتا ہوگا، نہ کوئی کسی کی مدد کر سکے گا اور نہ کسی کی سفارش کر سکے گا اور نہ ہی فدیہ اور عوض قبول ہوگا، ہاں بس وہی شفاعت کر سکے گا جس کو اللہ کی طرف سے اجازت ملے گی۔ (معارف القرآن ادریسی)

إنما ذكر الله دون غيره من صفاته تعالى، لان فيه اشارة إلى فناء غير الله تعالى وإشارة إلى ان البقاء والوجود لله، والامر كذلك فى الازل وفى الآخرة، ولم يتغير من حال إلى حال، فالتفاوت إلى احوال الناظر واحوال المنظور اليه، فلذا ذكر الله بأنه هو الذات الموصوف الكمال دون غيره تعالى لأن المخلوق ضعفاء لا خيار لهم. (مرزا: ۳۶۴-۳۶۵)

سمیع الدعاء

اللہ تعالیٰ کے نہایت مشہور اسماء حسنیٰ میں سے ہے۔

سمیع وہی ہے جو جملہ مسموعات کا سننے والا ہے۔

سمیع وہی ہے جو جملہ اصوات کا سننے والا ہے۔

سمیع وہی ہے جو جملہ اقوال والفاظ اور کلمات وعبادات کا سننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ﴾ (المجادلہ: ۱)

''اللہ نے سن لی بات اُس عورت کی جو تجھ سے اپنے شوہر کی بابت جھگڑتی اور اللہ کی طرف (معاملہ) اٹھاتی تھی، اللہ تعالیٰ دونوں کی بات چیت کو سن رہا تھا۔''

اس آیت میں الفاظ اور کلمات کی سماعت کا ثبوت ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَاۗءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَھُمُ الْاَنْۢبِيَاۗءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ﴾ (آل عمران: ۱۸۱)

''اللہ نے ان لوگوں کی بات سنی جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ تو فقیر ہے اور ہم غنی ہیں، ہم اُن کی کہی ہوئی بات لکھ لیں گے۔''

اس آیت میں بھی قول اور الفاظ کی سماعت موجود ہے۔

ہاں اللہ وہی ہے جو دعاؤں کا سننے والا ہے، ارشاد ربانی ہے:

﴿إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ﴾ (آل عمران: ۳۸)

سورۂ ابراہیم میں ہے: ﴿إِنَّ رَبِّي لَسَمِيعُ الدُّعَاءِ﴾ (ابراہیم: ۳۹)

بے شک یہ ضروری تھا کہ قرآن پاک ایسے اسماء کے استعمال کے ساتھ ساتھ شائبہ تشبیہ نہ پیدا ہونے دے، لہٰذا بندہ کی سماعت کی حقیقت اس طرح ظاہر فرمادی۔

﴿وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ﴾ (المؤمنون: ۷۸)

﴿أَمَّن يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ﴾ (یونس: ۳۱)

''تمہاری سمع وبصر اسی کی پیدا کردہ ہیں۔''

''تمہاری سمع وابصار کا مالک بھی وہی ہے۔''

لہٰذا بندہ کی سماعت کو اللہ تعالیٰ کی صفت سماعت سے کوئی نسبت باہمی نہیں۔ ہاں! سمیع وہی ہے کہ کروڑوں اصوات اور ہزاروں لاکھوں لغات اور لاتعداد معروضات اس کی سماعت میں خلل انداز نہیں ہوسکتے۔ (قاضی منصور پوری: ۹۹-۱۰۰)

صفت سمیع لفظ دعاء کے ساتھ مضاف ہو کر دو (آل عمران: ۳۸، ابراہیم: ۳۹) جگہ آیا ہے:

﴿هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۖ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ﴾

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ ۚ إِنَّ رَبِّي لَسَمِيعُ الدُّعَاءِ﴾

دونوں آیتوں میں سمیع مجیب کے معنیٰ میں ہے۔ حضرت زکریاؑ نے حضرت ابراہیمؑ کی پیروی میں یہ کلمات فرمائے، حضرت ابراہیمؑ نے مجیب الدعاء اس لئے نہیں کیا کہ اللہ پاک کی اس دعاء کے سلسلے میں کیا حکمت ہے؟ وہ معلوم نہیں ہے۔ جب کہ سمیع میں دعاء کے قبولیت وعدم قبولیت سے کوئی فرق نہ پڑتا، گویا حضرت ابراہیمؑ یہ فرماتے ہیں کہ میرا کام دعاء کا ہے، آپ سب کی سنتے ہیں، چاہے تو قبول کریں، اور اگر میری دعا قبول نہیں فرمائی جب بھی میں فرمابردار بندہ ہوں۔ اسی طرح کی ادب واحترام والی دعاء حضرت ایوبؑ کی مسنی الضر میں اور قد نری تقلب وجهك فی السماء میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے۔

(۱) ﴿هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۖ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ﴾

(آل عمران: ۳۸)

پس اس وقت اور موقع کو دیکھ کر حضرت زکریا نے اپنے پروردگار سے دعا مانگی کہ اے پروردگار! جس طرح مریمؑ پر تیری رحمت کی بارش ہوئی ہے اور قدرت کے کرشمے نمودار ہو رہے ہیں، مجھ کو اپنے پاس سے بلا کسی سبب ظاہری کے پاکیزہ اولاد عطا فرما، جو نفسانی اور شہوانی خیالات سے پاک اور منزہ ہو اور جسمانی اور روحانی دونوں حیثیتوں سے میرا فرزند ہو، جو میرے بعد ظاہراً اور باطناً میرا قائم مقام اور جانشین ہو، تحقیق آپ بڑے دعا کے سننے والے ہیں، یعنی قبول کرنے والے ہیں۔ (معارف القرآن ادریسی)

(۲) ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ﴾ (ابراہیم:۳۹)

حضرت ابراہیمؑ کی دعا اور التجا بھی اللہ پر پوشیدہ نہیں، پھر ابراہیم علیہ السلام اللہ کے شکر کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا: شکر ہے اس اللہ کا جس نے بڑھاپے میں مجھ کو اسماعیل اور اسحاق جیسے دو بیٹے عطا کیے، جو ہر ایک ملت اسلام کا اور توحید کا شجرۂ طیبہ ہے، بے شک میرا پروردگار دعا کا سننے والا ہے، یعنی وہ بندوں کی دعاؤں کو سنتا ہے اور قبول کرتا ہے۔

(معارف القرآن ادریسی)

الاعلیٰ

اسم پاک العَلِیُّ کے تحت میں بحث ہو چکی ہے۔ یہ اسم عُلُوّ سے ہے۔

اَعْلٰی وہ ہے کہ ملاءِ اعلیٰ بھی جس کی خشیت سے لرزاں و ترساں ہیں، اعلیٰ وہ ہے کہ ہر ایک شریک سے برتر ہے، وہ اسی فعل کو قبول فرماتا ہے جو خالصتاً اسی کی ابتغائے وجہ (خوشنودی) کے لیے کیا جائے، اسی عبادت کو منظور فرماتا ہے جو اسی کی رضوان کے لیے ادا کی جائے، اس کی شان اس سے برتر و اعلیٰ ہے کہ اس کی قدرت یا رحم یا ربوبیت میں کسی کو ذرا بھی سا جھا حاصل ہو۔

﴿فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ﴾ (طٰہٰ:۱۱۴)

''اللہ جو سچا بادشاہ ہے وہ نہایت بلند، نہایت اعلیٰ ہے۔''

اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کے لیے مثال بھی بلند سے بلند تر ہونی چاہیے:

﴿وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى﴾ (النحل:۶۰)

اللہ تبارک اسمہ ہی وہ اعلیٰ ہے جو اہل ایمان کو برتری بخشتا اور امن و اطمینان عطا فرماتا ہے:

﴿وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ﴾ (آل عمران:۱۳۹)

اللہ تبارک اسمہ ہی وہ اعلیٰ ہے جو علو فساد کو بندوں میں پسند نہیں فرماتا۔ (قاضی منصور پوری:۲۰۹)

مذکورصفت کےرب کے ساتھ لانے میں حکمت:

یہ صفت دوجگہ (الاعلیٰ :۱، اللیل:۲۰) آئی ہے، سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى (الاعلیٰ:۱)

إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى (اللیل:۲۰)

امام رازی فرماتے ہیں:

"أنه أعلى وأجل وأعظم من كل ما يصفه به الواصفون، ومن كل ذكر يذكره به الذاكرون".

(تفسير الفخر الرازي:۱۶/۱۳۹)

مشرکین کے مختلف معبودوں کی نفی کرنے کے لئے دونوں جگہ **الاعلی** کوصفت ربوبیت کے ساتھ ذکر کیا گیا۔اسی طرح **ربك الاکرم** (العلق:۳) **وربك اعلم بالمفسدین** (یونس:۴۰) **وربك اعلم بمن فی السموٰت والارض** (اسراء:۵۵) میں بھی دوسرے معبودوں کے مقابلے میں **اکرم واعلم** کوذکر کیا گیا۔

سجدہ کی تسبیح میں **ربك الاعلی** ذکر کیا گیا؛ تاکہ قول وفعل میں باری تعالی کی تقدیس وپاکیزگی ہو،زبان قول سے اور حالت سجود فعل کے ذریعہ ثابت ہو۔

اعلیٰ دو آیات میں آیا ہے:

(۱)﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ (اعلیٰ:۱)

پاکی بیان کراے انسان اپنے رب کے نام کی جوسب سے بلند وبالا ہے،جس نے پیدا کیا عدم سے وجود میں لاتے ہوئے، پھر ہر ایک چیز کو برابر بنایا،نہایت تناسب اور خوبی کے ساتھ،انسان ہو یا جو بھی کوئی مخلوق،اس کی ساخت نہایت ہی موزوں اور اس کے اجزاء واعضاء بڑے ہی متناسب بنائے اور وہ جس نے ہر بات کومقرر ومقدر فرمایا، پھر اس کی طرف راہ دکھائی ،سعادت وشقاوت ہو یا ایمان وکفر،حصول مال ومنال ہو یا اس سے محرومی ،الغرض جو بھی کچھ اپنی تقدیر سے طے کیا اسی کی طرف انسان ومخلوق کو کردیا،اور وہی چیز اس کو آسان معلوم ہونے لگی، چنانچہ اہل ایمان کو ایمان و عمل صالح آسان ومرغوب ہو گیا اور اہل شقاوت کو فسق وفجور ہی لذیذ معلوم ہونے لگا،اور جس نے سبزہ اگایا پھر اس کو چورا بنادیا سیاہ رنگ کا؛ حالانکہ وہ جب نمودار ہوا تھا تو بڑا ہی سرسبز وشاداب اور خوش منظر تھا،مگر خشک ہوکر وہ ریزہ ریزہ اور سیاہ رنگ ہوجاتا ہے،ظاہر ہے کہ یہ سب باتیں اس رب العالمین کی کمال قدرت اور حکمت کی نشانیاں ہیں اور اس طرح انسان سے لے کر گھانس کے ایک تنکے تک ہر چیز اس کی عظمت وبلندی کی گواہی دے رہی ہے،تو یہ ہیں وہ دلائل قدرت اور شواہد وحدانیت ۔(معارف القرآن ادریسی)

ان الفاصلة بهذه الكلمة رمز إلى علة الأمر بالتسبيح لله عز وجل، وذلك لأن الأعلى الذي هو من أسماء الله الحسنى عند البعض. (المقصد الاسنى:۱۰۷)

وإنما اختار هذا الوصف في هذا المقام في هذه السورة في الفاصلة دون غيرها، لأنها تضمنت التنويه بالقرآن والتثبيت على تلقيه وما تضمنه من التذكير وذلك لعلو شأنه فهو من صفات العلو لإلهي اذ هو كلامه، وهذا الوصف هو ملاك القانون في تفسير صفات الله ومحاملها على ما يليق لوصف الاعلى. (مرزا:۳٦٦)

(۲) ﴿إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ﴾ (لیل:۲۰)

اور یہ نہیں کہ کسی کا اس پر احسان ہے کہ اس کا بدلہ ادا کیا جارہا ہے بجز اس کے کہ اپنے رب اعلیٰ کی خوشنودی طلب کرنا ہے، تو ظاہر ہے کہ اس اخلاص وتقویٰ سے اعلیٰ کوئی مقام نہیں، تو ضرور اس بندہ کا یہ عمل اس کے رب اعلیٰ کی بارگاہ میں قبول ہوگا اور عنقریب اپنے پروردگار کی طرف سے ہونے والی عنایات پر خوش ہوگا، اور ظاہر ہے کہ ہر انعام اور فوز وفلاح پر مسرت وخوشی طبعی تقاضا ہے، بالخصوص اہل ایمان کا شعار ہی یہ ہے کہ وہ اللہ کے فضل وکرم پر فرحاں وشاداں ہوں، کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا﴾. (معارف القرآن ادریسی)

فاصلة الاعلى هو الرمز والاشارة الى ان من يزكى ماله بالانفاق على المحتاجين والمساكين لا يزكيه للحصول على الجزاء الادنى، بل إنما يزكيه للحصول على الجزاء الاعلى، وذلك لأنه بهذه التزكية يريد رضاء ربه الاعلى، ومعلوم إن الجزاء من قبل الاعلى لا يكون الا الاعلى.

وإنما ذكر هذا الوصف في هذا المقام في سورة الليل في النهاية دون الاخر، لان معظم السورة تبيين وترغيب الى الانفاق والتصديق والايمان بالقران الكريم والرسل. (مرزا:۳٦٦)

الحفيُّ

حَفَا بِهٖ حَفًا وَحِفْوَةً وَحِفَاوَةً وحِفَايَةً سے ہے۔ کمال مہربانی، نوازش فرمائی، خوب پُرسش حال کی، فرحت وسرور کا اظہار کیا۔

حفی، بروزن غنی ہے، اس کے معنی عالم بسیار بھی ہیں اور مہربان بسیار بھی۔

حفی: برولطیف کا ہم معنی ہے۔

اللہ تعالیٰ حفی ہے، وہ اپنے بندوں پر کمال مہربان ہے۔

اللہ تعالیٰ حفی ہے، وہ اپنے بندوں کی پرسش احوال فرماتا ہے، وہ خود ہر صبح کو سائلین کو بلاتا، درخواست کرنے والوں کو عرض ومعروض کا موقعہ دیتا اور دعاؤں کو شرف اجابت بخشتا ہے۔

اللہ تعالیٰ حفی ہے، اس کے علم نے سب کو گھیر رکھا ہے، اس کے لطف واحسان نے سب کو زیر بار کر دیا ہے، وہی بندوں کو افعال خیر پر آمادگی بخشتا ہے اور وہی نافرمان بندہ کے تائب ہونے پر اظہار فرحت وسرور فرماتا ہے۔

قرآن مجید سے ظاہر ہے کہ اسم کا اطلاق خلیل الرحمن سیدنا ابراہیمؑ نے فرمایا تھا: ﴿إِنَّهُ كَانَ بِي حَفِيًّا﴾ (مریم:۴۷)

مگر اسمائے حسنیٰ میں اس کا شمار شیخ الاسلام حافظ احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن محمود بن احمد بن حجر الکنانی النسب، العسقلانی الاصل المصری المولد (۷۷۳ھ) رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً نے فتح الباری میں کیا اور اس کے ساتھ ہی ''قَلَّ مَنْ نَبَّهَ علی ذٰلك'' جز ۲۶۰ ص: ۸۲ بھی لکھ دیا ہے، یعنی ''بہت کم لوگ ہیں جن کو اس اسم کی آگاہی ملی۔''

(قاضی منصور پوری:۲۲۶)

مذکور صفت کی موقع نزول سے مناسبت:

یہ ایک جگہ سورۂ مریم آیت ۴۷ میں آئی ہے، حفی کا معنی ایسا مہربان جو بندہ کی دعاء قبول کرتا ہے، جو مہربانی، شفقت ورحمت میں سب سے زیادہ ہو۔ حضرت ابراہیمؑ نے غفور کی صفت کے بجائے حفی کی صفت ذکر کی؛ کیونکہ آپ کے والد ایمان نہیں لائے تھے، اور مشرک کی مغفرت نہیں ہوتی لہذا غفور لا نہیں سکتے تھے، ﴿ان الله لا يغفر ان يشرك به﴾ (نساء:۴۸) دوسری طرف ساستغفر لك ربي کا وعدہ کر چکے تھے۔

آپ کو حق تعالیٰ سے خُلت کا مقام حاصل تھا، لہٰذا والد سے یہ کہہ رہے ہیں کہ میں آپ کے لئے دعاء مغفرت شرک کی وجہ سے نہیں کر سکتا، لیکن مقام خُلت کی وجہ سے خصوصی مغفرت طلب کر سکتا ہوں اور اس کے لئے غفور کے بجائے حفی کا لفظ ہی مناسب تھا، اس کی تائید سورۂ توبہ آیت ۱۱۴ سے ہوتی ہے کہ باپ کا کافر ہونا یقینی ہو گیا تو آپ نے استغفار سے براءت ظاہر کی۔

حفی ایک آیت میں مذکور ہے:

(۱) ﴿قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۚ إِنَّهُ كَانَ بِيْ حَفِيًّا﴾ (مریم:۴۷)

ابراہیمؑ نے کہا: اچھا تم پر سلام ہو، لیجئے میں جاتا ہوں اور تم سے رخصت ہوتا ہوں، اللہ تعالیٰ تم کو ہر ظاہری اور باطنی آفت سے سلامتی عطا فرمائے، حضرت ابراہیمؑ کا یہ سلام تحیۂ اکرام نہ تھا؛ بلکہ سلام رحمت تھا اور باپ کے لیے دعا کو

متضمن تھا، البتہ میں تیرے لیے اپنے پروردگار سے مغفرت مانگتا رہوں گا، بلاشبہ وہ مجھ پر بڑا مہربان ہے، یعنی میں آپ سے جدا ہوتا ہوں اور اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایمان کی توفیق دے جو ذریعۂ مغفرت ہے، چلتے وقت دعاء مغفرت کا وعدہ کیا، شاید باپ نرم پڑ جائے، ابراہیمؑ برابر اپنے باپ کے لیے دعاء مغفرت کرتے رہے، جب ان کے باپ کا خاتمہ کفر پر ہو گیا تو ان سے بیزار ہو گئے۔ (معارف القرآن ادریسی)

ويعلم من اللغة بأن الحفى بمعنى اللطيف والكريم، ولكن بينهما فرق ظاهر، وهو أن اللطيف بمعنى الكريم، ولكن الحفى بمعنى البالغ فى الكرم أقصى الغاية ولذلك فليس فيه ترادف.

فإنه تعالى لما ذكر عن ابراهيم عليه السلام مكالمته مع ابيه واستغفاره له، وذكر قبل الحفى قوله ﴿سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيٓ﴾ فرمز بذكر الحفى إلى أن ربى بالغ فى الكرم واللطف إلى غاية يغفر لك ما أتيت بتقصير فى جانب ربى وما أشركت مع ربى فهو بعد رجوعك إلى ما أقول لك من غاية كرمه ولطفه لا ينظر إلى ما فرطت فى جانبه وإذا كان هذا الرمز لا يحصل إلا بهذه الصفة فلذا جعلها فى فاصلة الآية. (مرزا: ۳۶۷-۳۶۸)

تمت بالخير